اصلاحات شعر

سلسلہ مطبوعات : 192

۱۹۹۹ء

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
جنرل سیکرٹری
اردو اکیڈمی (پاکستان)
۹۳ے ۔ این' سمن آباد لاہور

مطبع : گنج شکر پرنٹنگ پریس لاہور

اہتمام اشاعت : سید وقار معین Mobile : 0300-408750
الوقار پبلی کیشنز 50-لوئر مال لاہور

تعداد اشاعت : ۲۵۰

اس کتاب کی اشاعت حکومت پنجاب کے محکمہ اطلاعات
و ثقافت و امور نوجوانان کی مالی اعانت سے ہوئی۔

(ضروری نوٹ)

پہلے ایڈیشن کا انتساب راجہ محمد امیر احمد خاں والی محمودہ آباد کے نام تھا ارو دوسری جلد شری سمپورنا نندجی کے نام تھی ۔ موجودہ ایڈیشن میں ہم نے کوئی انتساب شامل نہیں کیا ۔

(ناشر)

عرض ناشر

یہ کتاب اس سے پہلے دو الگ الگ حصوں میں شائع ہوئی تھی اور اس کا نام اردو شاعری ، رکھا گیا تھا ۔ جلد اول انجمن محافظ اردو لکھنو کی طرف سے شائع ہوئی تھی جس میں ایک فرضی مستند استاد لکھنوی کے دو فرضی شاگردوں کے کلام پر اصلاحیں درج تھیں ۔ غزلیات کی اصلاح میں عیوب و محسنات شاعری اور اغلاط زبان و قواعد کا مفصل تذکرہ تھا ۔ اس لئے اب کتاب کا نام " اصلاحات شعر " رکھا گیا ہے ۔ اس کے مصنف مہذب لکھنوی جو مہذب اللغات کی وجہ سے بھی شہرت رکھتے ہیں ، ان کے حالات زندگی اور تصانیف کے بارے میں مرحوم کے فرزند مخلص لکھنوی نے مفصل دیباچہ لکھا ہے جو اس ایڈیشن کے شروع میں درج ہے ۔

کتاب کا دوسرا حصہ بھی الگ کتابی صورت میں شائع ہوا تھا ۔ موضوع کی مناسبت سے ہم نے دونوں جلدوں کو یکجا کر دیا ہے ۔

دونوں کتابیں مختلف سائزوں پر شائع ہوئی تھیں ۔ ہم نے ان کی اصل کتابت کو بحال رکھنے کے لئے انہیں ایک ہی سائز میں ٹریسنگ کے ذریعے تیار کر کے چھاپنے کا اہتمام کیا ہے ۔

(ڈاکٹر وحید قریشی)

اظہارِ واقعہ

میرا آبائی کام شعروشاعری بالخصوص مرثیہ گوئی۔ میرے اجداد نے یعنے عشقؔ و تعشقؔ
ورشیدؔ وحمیدؔ وجدیدؔ وسعیدؔ و ادبؔ وغیرہم نے سوائے مرثیہ گوئی، غزل گوئی کے کبھی نثر کی
طرف توجہ نہیں فرمائی۔ زمانہ رنگ بدلتا ہے، اِن حضرات کا دَور اور تھا اور موجودہ دَور اور ہے۔
نثر نگاری، افسانہ نویسی کو دُنیا حُسن کی نگاہوں سے دیکھ رہی ہے۔ مجھے میرے فطری شوق
نے مجبور کیا کہ اپنے بزرگوں کے قدم بہ قدم چلتے ہوئے یعنے مرثیہ گوئی، غزل گوئی کے ساتھ ساتھ
تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھوں، چنانچہ یہ سلسلہ عرصۂ دراز سے قائم ہے اور اُردو زبان کا
لغت، گویا اُردو انسیکلوپیڈیا تیار کرنے میں مصروف ہوں اور دیگر تصانیف ادبیہ غیر مطبوعہ
محفوظ ہیں جو عنقریب منظرِ عام پر لانے والا ہوں۔ لغت مذکور پچیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جو غالباً
تین سال کے بعد اربابِ ادب کی نظر سے گزرنے کا شرف حاصل کرے گا۔ میری تحریک سے انجمن محافظ اُردو
معرضِ وجود میں آئی جس کا مبارک سنہ فروری ۱۹۴۰ء تھا۔ جلسے نے عہدۂ صدارت باوجود انتہائی

انکار کے میرے سپرد کیا جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

میں نے انجمن محافظ اُردو کی خدمت اپنا فرض عین سمجھتے ہوئے اس کتاب دَورِ شاعری کو انجمن مذکور کی پہلی خدمت قرار دیا۔ خیال یہ ہے کہ آیندہ ہر تصنیف و تالیف کو انجمن ہی کی خدمت متصور کرتے ہوئے نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری رکھوں گا۔

آئینۂ صداقت

میری یہ ناچیز تصنیف یعنے کتاب دَورِ شاعری واقعاً ادبی دنیا میں کوئی مرتبہ نہیں رکھتی۔ مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ میں نثر نویسی کے فن سے ناواقف ہوں۔ لیکن چونکہ لکھنؤ اس امر میں بہت زیادہ مطعون ہے کہ باوجود مرکزیت کوئی توجہ ترقی و بقائے زبان کی طرف نہیں۔ اس نظریہ کو توڑنے کے لیے قہراً اقدام کرنا پڑا اور تصنیف حقیر عرض وجود میں آئی۔ صرف تین ماہ میں یہ کتاب تیار کی ہے۔ اس مجموعے میں جو کچھ بھی ہے سب بزرگوں کی روح کا تصدق ہے۔ بالخصوص جد امجد خدائے سخن حضرت عشق رح کہ اُن کے ایک مختصر قلمی رسالے سے بھی مدد لی ہے جس کا اظہار اپنے لیے عین فضیلت سمجھتا ہوں۔

خدا معلوم میری تصنیف میں کس قدر اغلاط ہوں گے لیکن ناظرین سے بصد ادب گزارش یہ ہے کہ جس مسئلے پر کوئی ایراد ہوتا ہو اگر مخلص ہوں تو خط کتابت کرکے مسئلہ صاف کریں حتی الامکان سمجھانے کی کوشش کروں گا ورنہ سپر انداختہ ہو جاؤں گا۔ غلطی کو غلطی تسلیم کرلوں گا۔ اگر دل کے کسی گوشے میں شائبۂ خلوص نہو تو کسی اخبار میں بالاعلان اعتراض فرمائیں۔ اور ایک پرچہ مجھے ضرور ارسال فرمائیں میں جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔ یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ کتاب دَورِ شاعری حصہ اوّل دَورِ قدیم کی شاعری کے اعتبار سے لکھی گئی ہے۔ اس کے دوسرے حصے میں جو زیرِ تصنیف ہے موجودہ دَور کی شاعری اور نثر سے بحث کی جارہی ہے

جو انتہائی دلچسپ عنوان سے پیشکش ناظرین کی جائے گی۔ خود رو شعرا کے کلام کے عیوب
فرداً فرداً واضح کیے جائیں گے انتظار فرمایئے۔

مہذب

اجزاءِ خیال

۱- کتاب **دَورِ شاعری** کو بطور مکالمہ ازا ابتدا تا انتہا صرف اسلیے تصنیف کیا کہ وقت مطالعہ ناظرین کی دلچسپی کا حقہ باقی رہے اور طرزِ تحریر مسائل خاصتہ کے سمجھنے میں معین ہو، وقارِ تحریر کو باقی رکھنے کی انتہائی کوشش کی ہے۔

۲- خلاصہ کتاب ایک فرضی مستند استاد لکھنوی کی دو فرضی شاگردوں کے کلام پر اصلاحیں، جن کے نام و تخلص کا اظہار دنیائے نثر نویسی میں ضروری تھا ظاہر کیے، ہر غزل کی اصلاح کے بعد دلچسپ معلومات کی سُرخی کے ماتحت فرضی گفتگو جو یقیناً عوام کے لیے ذخیرۂ معلومات ہے۔

۳- اس چیز کا اعلان کہ کتاب میں نام فرضی ہیں، صرف اسلیے ہے کہ کذب کی تہمت سے محفوظ رہ سکوں اور دنیا واقعات مفروضہ کو صحیح نہ سمجھ لے جو کسی وقت میں فرضی معلوم ہونے کے بعد میرے لیے خرابیِ خیال کا سبب ہوں۔

۴- جتنے عیوب و محسناتِ شاعری و اغلاط زبان و قواعد کا تذکرہ کیا ہے۔ قریب قریب اکثر کی مثالیں خود نظم کرکے اس لیے پیش کی ہیں کہ اگر شعراءِ لکھنؤ یا دہلی کے کلام سے مثالیں پیشکش ناظرین کرتا تو مقبولیت عام کو جس کی صرف امید ہے خاص نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوتا۔

۵- جس قدر مسائل درج کتاب کیے ہیں سب اپنے خاندان کی احتیاط کے اعتبار سے ہیں، کسی فرد پر اعتراض نہیں ہے۔ وہ چیزیں جن کو عیب کی صورت سے پیش کیا ہے اگر کسی بزرگ کے کلام میں موجود ہوں تو مجھ سے ضرور تبادلۂ خیالات فرمائیں تاکہ مطلب کی وضاحت کرسکوں، اگر سمجھانے سے قاصر ہوں گا تو سپر انداختہ ہونے میں مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔

۶- مجھے یقین ہے کہ بعض اہل زبان و شعراء صرف اس لیے کہ میری تصنیف ہے دشمنی کی نظر سے مطالعہ فرمائیں گے اور ہمخیال احباب میں یہ تذکرہ ضرور ہوگا کہ مہذب کی جدت دیکھی بڑے بڑوں نے جن چیزوں کو نظم کیا ہے۔ در پردہ اعتراض کیا ہے۔

اظہارِ حقیقت

بخدا کسی فرد پر اعتراض مقصود نہیں، معلومات کا کتابی شکل میں جمع کرنا گناہ نہیں ہے۔

۷- یہ کتاب بحیثیت متن تصنیف کی گئی ہے مسائل محتاج شرح ہیں آیندہ بالتشریح پیشکش ناظرین کروں گا۔ فقط

مہذب

تہذب لکھنوی

تذکرے سے مرے دل شاد کرے گی دنیا
جب نہ ہوں گا تو مجھے یاد کرے گی دنیا مہذب

نام سید محمد میرزا تخلص مہذب آپ کی ۶ر جنوری ۱۹۰۷ء؁ کو امام باڑہ نیا محل منصور نگر میں پیدائش ہوئی سلسلہ نسب آٹھویں امام رضائے غریب تک پہونچتا ہے۔ آپ کے جد بزرگوار سید محمد میرزا اُنس شاگرد حضرت ناسخ لکھنوی تھے آپ صاحب دیوان بھی تھے اور اپنے عہد کے مستند اساتذہ میں شمار کیے جاتے تھے حضرت انس کے پانچ فرزند تھے (۱) سید حسین میرزا عشق (۲) سید میرزا تعشق (۳) سید احمد میرزا صابر (۴) سید نواب میرزا عاشق (۵) سید عباس میرزا صبر۔ حضرت مہذب لکھنوی کا سلسلہ حضرت انس کے بڑے فرزند سید حسین میرزا عشق سے ملتا ہے۔ عشق کے فرزند سید حیدر میرزا ادب اور ادب کے فرزند سید عسکری میرزا مودب اور مودب کے فرزند سید محمد میرزا مہذب اور سید عابد میرزا اکرم جو کراچی میں مقیم ہیں حضرت مہذب کے دو فرزند سید حسین میرزا مقرب اور سید احمد میرزا مجرب۔ حضرت مہذب کے نانا جناب سید محمد ہادی صاحب زار تھے جو جناب عشق کے شاگرد تھے اور جناب عشق نے انھیں کے لیے ایک رسالہ فن شاعری پر متروکات عشق کے نام سے لکھا تھا جس کو جناب سید مسعود حسن صاحب ادیب نے ۱۹۶۲ء؁ میں "نیا دور" میں شائع بھی کرا دیا تھا۔

چھ سال کی عمر میں ابتدائی تعلیم کا سلسلہ گھر پر شروع ہوا اس کے بعد مدرسہ سلطان المدارس میں درجہ سند الافاضل تک تعلیم حاصل کی اور بعض وجوہ سے مدرسہ سلطان المدارس ترک کر کے جامعہ ناظمیہ کے درجۂ فاضل میں داخلہ لیا اور وہاں کی آخری

سند ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی اور ۱۹۲۲ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے دبیر کامل کی سند حاصل کی۔

آغاز شاعری۔ گھر کے شاعرانہ اور ادبی ماحول میں آنکھ کھولی خود طبیعتاً شاعر تھے اس لیے دس گیارہ سال کے سن سے شعر گوئی کی طرف طبیعت راغب ہوگئی تقریباً ۱۵ سال کی عمر میں جناب مودب نے ایک مصرع طرح دیا کہ اس میں سلام کہو۔ مصرع طرح یہ تھا

کہا حر نے سپاہ عشقیا سے

والد مرحوم نے اس طرح میں متعدد اشعار کہے طرح کے مصرع پر مصرع لگا کے مطلع کہا اور وہ مطلع یہ تھا۔

عداوت ہے عبث شاہ ہدا سے
کہا حر نے سپاہ عشقیا سے

سلام کے ایک شعر پر جد امجد حضرت مودب مرحوم بہت خوش ہوئے اور جس شعر پر بہت ہمت افزائی کی وہ شعر یہ ہے۔

ہوئے یاں دفن واں کی سیر کر لی
کہ جنت متصل ہے کربلا سے

اس کے بعد اور طرحوں میں سلام۔ غزلیں قصیدے قطعہ تاریخ کہتے رہے پھر آپ نے اپنے گھر پر ہر منگل کے دن ایک طرحی مشاعرہ کی بنائی جس کا سلسلہ چھ سات سال تک بلاناغہ چلتا رہا۔ اس کے بعد شہر میں اور بیرون شہر شرکت کرتے رہے۔ غزلوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے لیکن وہ سب ایک جگہ مرحوم کی زندگی میں جمع نہیں ہوسکیں۔ میں تلاش وجستجو کے بعد یکجا کر رہا ہوں اور دیوان کی شکل میں شائع کراؤں گا۔ نمونتاً غزل کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

روح ٹھہری رہی مرنا ہوا مشکل مجھ کو
ذبح کے بعد جو دیکھا کیا قاتل مجھ کو

دزدیدہ ایک نظر میرے چہرے پر ڈال کے
آنکھوں کی راہ لے گئے دل کو نکال کے

دو چار ہم غریبوں کے بس آشیاں جلائے
گلشن میں بجلیاں بھی گریں بھال کے

صیاد نے رہا نہ کیا چل بسی بہار
بچائے ہم قفس میں نئے پر نکال کے

محفل میں شاعروں کی مہذبؔ رہو خموش
نکلیں کہیں نہ باتوں میں پہلو ملال کے

بخشی غلام محمد صاحب وزیر اعلیٰ جموں و کشمیر نے جون ۱۹۵۸ء میں ایک مشاعرہ کے سلسلے میں والد مرحوم کو کشمیر بلایا اور اس مشاعرہ کے سلسلہ میں والد مرحوم نے ایک غزل کہی۔ اس کے دو تین شعر پیش خدمت ہیں۔

ایک مشکل کو بدل کے دوسری مشکل سے ہم
داد ہمت چاہتے ہیں صاحبانِ دل سے ہم

قتل گہہ میں بس ہمیں رتبہ شہادت کا ملا
زیر خنجر لے گئے داد وفا قاتل سے ہم

آیئے جلد آیئے اب دم لبوں پر آچکا
آخری آواز دیتے ہیں بڑی مشکل سے ہم

اے مہذبؔ لاکھ طوفاں آئیں ہم کو خوف کیا
اب تو ہمت باندھ لی اور ہٹ چکے ساحل سے ہم

مشاعرہ کشمیر میں غزل کے ساتھ جشن بہار کشمیر کے سلسلے میں کشمیر کا حسن اور اس کی خوبیوں کے بارے میں مکمل بندوں کی شکل میں نظم کہی تھی جس کے دو ایک بند پیش ہیں۔

غل ہے کشمیر میں جنت کی بہار آئی ہے
چار سو رحمتِ باری کی گھٹا چھائی ہے
یہ وہ منظر ہے کہ ہر آنکھ تماشائی ہے
ہر گلستاں کا حسین خود خود آرائی ہے
نئے انداز نئی چال نئے گہنے ہیں
نئی پوشاک عروسانِ چمن پہنے ہیں
کہدو صیاد ادھر رخ نہ کرے اب زنہار
رات دن باغ میں آنے کی ہے کوشش بے کار
ہم کو گلزار کا خالق نے کیا ہے مختار
ہم مناتے ہیں بڑی دھوم سے اب جشنِ بہار
خوف گلچیں کا نہیں شام و سحر شاد ہیں ہم
اک اک پھول سمجھتا ہے کہ آزاد ہیں ہم

ایک مشاعرہ حیدرآباد میں ۷ ارجون ۱۹۴۶ء میں ہوا تھا جو یادگار حضرت ضامن کے سلسلے میں تھا جس کی صدارت نواب تراب یار جنگ بہادر نے کی اس غزل کے تین شعر پیش خدمت ہیں۔

میں نے اپنے ہاتھ سے کھودی لحد دل کے لیے
اب حدیں قائم ہوئی ہیں عشق کامل کے لیے
آشیاں کا ایک تنکا نہ چھوڑا برق نے
اب بہت دشوار ہے یہ رگِ دل کے لیے
اب مہذب چاروں کی زندگی کے واسطے
چاہتا ہوں ایک دردِ مستقل دل کے لیے

غزلوں کے علاوہ اپنے خاندانی فن مرثیہ گوئی کو ساری و ساری رکھا اور انتقال تک ۸۵ مرثیے کہے۔ بسلسلہ مرثیہ خوانی ہندوستان کے مختلف شہروں میں جاتے رہے خصوصیت کے ساتھ پٹنہ۔ آگرہ۔ جائسٹھ۔ فیض آباد۔ الہ آباد۔ بنارس۔ شیخوپورہ حسین آباد۔ بمبئی۔ کلکتہ وغیرہ حیدر آباد دکن بھی بسلسلہ ذاکری ایک عرصے تک گئے اور حد سے زیادہ کامیابی حاصل کی۔ پیارے صاحب رشید کے بعد اگر کسی دوسرے کو کامیابی ملی تو وہ حضرت مہذب ہیں ابتدا میں عسکری میرزا مودب کی پیش خوانی کرتے رہے پھر ان کی زندگی میں باقاعدہ وہاں کی مجلسیں پڑھیں۔ نواب بہرام الدولہ کی زندگی میں نواب خان خانہ بہادر کی ڈیوڑھی پر مجلسیں پڑھیں رہے۔ نواب بہرام الدولہ کے انتقال کے بعد ان کے فرزند تراب یار جنگ بہادر کی بنا کردہ مجالس پڑھتے رہے۔ ۱۳۵۱ھ تک سفر حیدر آباد کا سلسلہ رہا اس کے بعد سے باقاعدہ وہاں نہ کوئی مرثیہ خوان گیا، نہ پھر ویسی مجلسیں ہوئیں۔ والد مرحوم کی زندگی کی چند اہم مجلسوں میں ایک مجلس وہ بھی ہے جس کی بنا آنجہانی صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین نے بہار کی گورنری کے زمانے میں پٹنہ کے گورنر ہاؤس میں منعقد کی تھی جس کے باقاعدہ کارڈ چھپوا کر معززین شہر میں تقسیم ہوئے۔ اس مجلس میں خود ڈاکٹر ذاکر حسین زیر منبر تشریف فرما رہے۔ آخر میں تبرک تقسیم کیا گیا۔

یوں تو والد مرحوم کے متعدد بے مثال مرثیے موجود ہیں لیکن چند مرثیوں نے بڑی شہرت پائی ان مرثیوں کے چند بند پیش خدمت ہیں۔

جناب سید الشہدا رجز میں فرماتے ہیں۔

بندۂ عشق کو الفت کا مزہ آتا ہے، رنج و تکلیف میں راحت کا مزہ آتا ہے
صاف دل ہو تو محبت کا مزہ آتا ہے، تشنگی میں مئے جنت کا مزہ آتا ہے

یوں تو رکھتا ہے ہر اک شے کو یہ پانی زندہ
مجھ کو رکھے گی مری تشنہ دہانی زندہ

جناب حر کے حال کے مرثیہ میں بہار کے سلسلے میں بلبل کی گرفتاری اور قید ہونے کا

ذکر فرمایا ہے۔ یہ مرثیہ حیدر آباد میں عزاخانہ زہرا میں مہاراجہ کشن پرشاد وزیر اعظم کی موجودگی میں پڑھا جسے بے حد پسند کیا گیا یہ مرثیہ تین گھنٹے میں پڑھا گیا۔

بڑھی ہوئی تھی مئے عشق گل سے سرشاری
چمن میں ہوتی تھی دیوار و در پہ گل کاری
میں کر رہی تھی نشیمن کی اپنے تیاری
شروع موسم گل میں ہوئی گرفتاری
محبت گل تر میں اسیر دام ہوئی
چمن میں صبح ہوئی اور قفس میں شام ہوئی

تیسرا مرثیہ درحال جناب عباس علیہ السلام ہے آپ ساحل پر پہونچے ہیں اور پیاسی سکینہؑ کی مشک علم میں بندھی ہوئی ہے اس وقت کے تاثرات وخیالات مندرجہ ذیل بند میں پیش کیے ہیں۔

عباسؑ نے جلال میں دیکھا ادھر ادھر
ساحل تھا صاف نہر پہ کی غور کی نظر
تھی یاد تشنگیٔ دل شاہ بحر و بر
خود کس قدر ہے پیاس انہیں یہ نہ تھی خبر
دریا سے اس لیے تھی نگاہیں لڑی ہوئی
پانی میں سامنے تھی سکینہؑ کھڑی ہوئی

یہ مرثیہ بھی ان کی زندگی کا آخری کارنامہ ثابت ہوا۔ یہ ان کی زندگی کی آخری مجلس تھی ۱۹۴۷ء میں شیعہ اولڈ بوائز میں مایہ ناز مجلس پڑھی تھی جو آج تک لوگوں کو یاد ہے اس کے بعد آنکھوں کی روشنی بہت کم ہوگئی تھی اس لیے مجلس پڑھنے کا سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا تھا اور اپنی جگہ پر مجھ کو مجلسیں پڑھنے بھیجتے تھے۔

ابتدائے عمر سے غزل گوئی کے ساتھ ساتھ لغت نویسی کا شوق ہوا اور یہ شوق اس وقت سے شروع ہوا جب حضرت مہذب لکھنوی اپنے والد بزرگوار حضرت مؤدب مرحوم کے ساتھ پیش خوانی کے لیے حیدر آباد جایا کرتے تھے۔ ۱۹۳۹ء میں والد مرحوم کو یہ معلوم ہوا کہ نظام حیدر آباد بابائے اردو مولوی عبد الحق صاحب سے ایک لغت اردو کا تیار کرا رہے ہیں جس پر لاکھوں روپیے صرف ہو رہے ہیں اور ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی مدد کے لیے ایم اے ریسرچ اسکالر دیئے گئے ہیں۔ جب مولوی عبد الحق صاحب سے والد مرحوم ملے تو انھوں نے دیکھا کہ طلسم ہوشربا، سیر کہسار اور فسانۂ آزاد سے الفاظ و محاورات جمع جا رہے رہے ہیں برسوں یہ سلسلہ جاری رہا لیکن لغت پائے تکمیل کو نہ پہونچ سکا اور تقسیم ہندوستان کے بعد مولوی عبد الحق صاحب پاکستان چلے گئے۔

یوں تو بہت سے لوگوں نے لغت نویسی کا سلسلہ جاری رکھا اور لغت مکمل کرنے کی کوشش کی لیکن پوری نہ ہو سکی اور جو لغت موجودہ دور میں ہیں وہ بھی بہت مختصر۔ والد مرحوم کی یہ حسرت تھی کہ ایک مکمل لغت تیار کیا جائے اور وہ خدا کا شکر ہے کہ ان کی زندگی میں لغت الف سے یا تک مکمل ہو گیا۔ بعض عالی وجوہ کی بنا پر اُن کی زندگی میں لغت کی آخری جلد طبع نہ ہو سکی۔ یہ لغت ساٹھ سال کی محنت کے بعد تیار کیا ہے جو چودہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہر جلد اس کی پانچ سو صفحات کی ہے اس لغت میں لکھنؤ اور دہلی کی زبان جمع کی ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ اردو کا کوئی روزمرہ اور محاورہ چھوٹ نہ جائے۔ یہ لغت ہندوستان کے تمام اردو لغتوں سے بڑا ہے اور تمام ضروریات زبان وادب کو پورا کرتا ہے اس لغت میں اعراب اور معنی لغت تذکیر و تانیث لکھنؤ دہلی کا فرق۔ عورت مرد کی زبان کا فرق رائج ہے یا متروک عوام کی زبان ہے یا خواص کی یا بازاری زبان ہے حتی الامکان شعر سے مثال بھی پیش کی گئی ہے یا محل صرف سے اس کا استعمال دکھایا ہے اور قول فیصل بھی ہے۔

پیش نظر مہذب اللغات کی چودہ جلدیں جو چھ ہزار آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہیں اور ملاحظے میں

بھی ہیں بلا تامل یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ دنیائے لغات میں اردو کا اتنا جامع ضخیم اور مستند و مکمل لغت کوئی عالم وجود میں نہیں آیا ہے اس کے علاوہ اٹھائیس دوسری کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں جس میں بہت سے اساتذہ کے غیر مطبوعہ مراثی و غزلیات طبع ہوئے ہیں۔

مہذب اللغات اور دیگر کتابیں انجمن محافظ اردو کے تحت شائع ہوتی رہیں اس انجمن کو حضرت مہذب لکھنوی نے ۱۹۴۰ء میں قائم ہو تھا۔

حضرت مہذب کے کارناموں کو سراہنے والوں میں یوں تو ہندوستان بھر میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ ہیں لیکن چند نام خصوصیت کے حامل ہیں مثال کے طور پر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب صدر جمہوریہ ہند۔ فخرالدین علی احمد صاحب سابق صدر جمہوریہ ہند۔ پنڈت جواہر لال نہرو مولانا ابوالکلام آزاد سابق وزیر تعلیم۔ حافظ محمد ابراہیم۔ پروفیسر ہمایوں کبیر۔ ڈاکٹر سمپورنانند جی۔ ڈاکٹر گوپالا ریڈی سابق گورنر یوپی۔ جناب اکبر علی خاں سابق گورنر یوپی۔ ڈاکٹر نورالحسن صاحب سابق وزیر تعلیم۔ سابق وزیر اعلا نرائن دت تیواری اور جناب عمار رضوی سابق وزیر پارلیمانی امور اور جناب محمد امیر محمد خاں صاحب راجہ صاحب محمود آباد شامل ہیں جتنا عظیم بار انھوں نے اپنے نحیف کاندھوں پر اٹھایا اور منزل مقصود تک پہونچایا وہ بوجھ انجمنوں اور بورڈوں سے بھی نہیں اُٹھ سکا۔ حضرت مہذب کا لغت چودہ جلدوں میں مکمل ہو گیا۔

بذلہ سنجی۔ حضرت مہذب طبیعتاً بہت ہی بزلہ سنج پُرمذاق اور ہنس مکھ واقع ہوئے تھے جس محفل میں بیٹھ گئے اس کو زعفران زار بنا دیا۔ ان کی لطیفہ گوئی پُرمذاق ان کی شخصیت کا اہم پہلو تھا لیکن طبیعتاً وہ جتنے پُرمذاق تھے اپنے کام میں اتنے ہی سنجیدہ اور محنتی تھے دیکھنے میں بالکل نحیف الجثہ لیکن ہمت عزم استقلال محنت اور لگن میں گویا پہاڑ تھے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مہذب اللغات کی چودہ جلدوں کی شکل میں ان کا لافانی اور لاثانی کارنامہ ادبی دنیا میں آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ بنے گا۔

مطبوعہ کتابیں۔ حضرت مہذب کی مطبوعہ کتابوں میں یہ کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔

(۱) دور شاعری حصہ اوّل۔ اس میں غزل سے متعلق چیزیں ہیں۔ علم عروض اور فنی بحثیں ہیں مل ہیں اور قواعد شاعری کے سلسلے میں بحث کی گئی ہے اور اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ یہ دلچسپ ناولانہ انداز میں ہے۔

(۲) دور شاعری حصہ دوم۔ اس حصے میں مرثیہ سے متعلق ابتدائی قواعد پر بحث کی گئی ہے اور اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کوئی مبتدی یہ کتاب پڑھ لے اور اُس میں مرثیہ کہنے کی صلاحیت ہو تو وہ مکمل مرثیہ گو ہو جائے گا اس کتاب میں بھی ناولانہ رنگ کی جھلک اور مزاح کی چاشنی جگہ جگہ موجود ہے۔

(۳) مراثی مہذّب۔ یہ سات مرثیوں پر مشتمل ہے اور اس کتاب میں حضرت مہذّب کے منتخب مرثیہ موجود ہیں۔ یہ کتاب بہت پہلے شائع ہوئی تھی جو چند دن میں ختم ہو گئی تھی۔

(۴) مراثیہ مہذّب حصہ دوم۔ یہ پانچ مرثیوں پر مشتمل ہے یہ جولائی ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی تھی اس کتاب میں حضرت مہذّب صاحب کا معرکہ آرا مرثیہ درحال ابوالفضل العباس موجود ہے یہ کتاب بھی ختم ہو چکی ہے۔

غیر مطبوعہ کتابیں۔ جو بہت جلد شائع ہوں گی۔

(۱) سحر بلاغت۔ یہ مہذّب لکھنوی نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں تحریر کی تھی جو انہیں کے ہاتھ کی لکھی ہے اس کتاب میں زبان وادب سے متعلق چیزیں موجود ہیں اور جگہ جگہ ادبی بحثوں کا ذکر موجود ہے۔

(۲) شادی خانہ بربادی۔ یہ ناول مرحوم نے اپنی زندگی میں بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ تیار کیا تھا اس ناول میں لکھنؤ کی تہذیب وضعداری اور خودداری بہت خوبصورت انداز میں پیش کی ہے اور اس ناول کے دوسرے حصے میں ایک نواب کی اولوالعزمی کی بدولت تباہ اور برباد ہوتے دکھلایا ہے اس ناول میں مزاح کی شوخی جگہ جگہ موجود ہے اور اس ناول کی خصوصیت یہ ہے اور اس حد تک دلچسپ ہے کہ ایک مرتبہ جو کتاب اٹھالے وہ بغیر ختم کیے رہ نہیں سکتا۔

۳۔ غزلیات مہذب۔ اس کتاب میں زندگی بھر کی ہزاروں بے مثال غزلوں اور مختلف نظمیں شامل ہوں گی۔

۴۔ سوانح عمری مہذب۔ اس کتاب میں ابتدائے زندگی سے لے کر آخر عمر تک کے حالات اور ادبی کارنامے شامل ہوں گے۔

۵۔ مراثی ہائے مہذب۔ اس کتاب میں مرحوم کے وہ مایہ ناز مرثیے جن کا اب جواب ملنا مشکل ہے۔ زندگی بھر مداحی حسینؑ کی شکل میں ۵۰ مرثیے موجود ہیں۔ صرف بارہ مرحوم کی زندگی میں شائع ہوئے تھے۔ باقی پورا کلام میرے پاس موجود ہے جس کو بہت جلد شائع کرنے کا ارادہ ہے۔

انتقال۔ انتقال سے چند دن قبل چائے نوش فرما رہے تھے چائے کے ساتھ ڈبل روٹی کا ٹکڑا جیسے ہی منہ میں رکھا اور چبانا چاہا کہ دانت ٹوٹ کے منہ میں آگیا اور ڈبل روٹی کا ٹکڑا تھوک کے دانت کو ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمایا کہ ۷۰ سال کا اس کا ساتھ تھا جو آج اس نے چھوڑ دیا اور یہ فرمایا کہ اب میں بھی چراغ سحری ہوں جہاں ساتھ کے سب چلے گئے وہاں میں بھی جانے کو کے لیے تیار ہوں اور بے ساختہ میر تقی میر کے اس شعر سے متاثر ہوتے ہوئے ایک مصرعہ پڑھا۔ ع

تھا جن جن کو عشق کا آزار مر گئے
اکثر ہمارے ساتھ کے احباب مر گئے

اپنے ایک مرثیے کے چہرے میں متعدد بند کہے ہیں جس میں زوال مرثیہ خوانی، اردو کی بربادی کے سلسلے میں ہیں۔ انھیں بندوں میں اپنے متعلق اور ختم مراثی خوانی کے سلسلے میں فرمایا ہے۔

قابو میں اب ہے دل نہ کہے میں ہے اب دماغ	ہو کیوں نہ ختم مرثیہ خوانی کا دل پر داغ
سب باغباں چلے گئے لے کے بہار باغ	ہوں آندھیوں کی زد پہ میں بجھتا ہوا چراغ
ہے شمع مدحت شہ عالم سے روشنی	باقی ہے خاندان میں میرے دم سے روشنی

اس بند سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس حد تک ختم مرثیہ خوانی سے رنجیدہ تھے چونکہ نومبر ۱۹۷۶ء سے آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے مجھ ہی سے خط وغیرہ لکھواتے تھے ایک دن کسی کو خط لکھوا رہے تھے خط ختم کرنے کے بعد کچھ لمحے کے لیے رُکے اور کہا ایک شعر کہا ہے لکھ لو۔ وہ شعر یہ تھا۔ یہ شعر ان کی زندگی کا آخری شعر تھا۔

کر دیا چلتی زباں کو آخری ہچکی نے بند
ختم میری زندگی بھر کی کہانی ہو گئی

مرحوم کو مرنے سے چند دن قبل معمولی سا بخار آیا علاج کیا اتر گیا۔ دوسرے دن پھر بخار ہو گیا۔ ۲ر نومبر ۱۹۸۵ء کو صبح ڈاکٹر کو بلا کے گھر پر دکھایا اس نے نبض اور بلڈ پریشر دیکھا اور کہا کہ آپ لوگ گھبرائیں نہیں کوئی بات نہیں ہے بخار اتر جائے گا۔

والد مرحوم جب اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے اور انتقال میں دو دن رہ گئے تو سب کو یکجا کیا وہ دن ہفتہ کا تھا۔ دو بجے دن کو سب کو یکجا کرنے کے بعد فرمایا کہ میں کچھ وصیتیں کرنا چاہتا ہوں اس بات سے ہم لوگ گھبرا گئے۔ ان کی باتوں سے جب آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ہم لوگوں نے کہا کہ آج آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ تو مرحوم نے باساختہ شعر پڑھا جس کا ایک مصرع مجھ کو یاد رہ گیا اور وہ یہ تھا۔ ع

جو سُننا ہے تو سُن لو بند ہوتی ہے زباں میری

اس کے بعد فرمایا کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے جہاں سب چلے گئے وہاں میں بھی جانے کو تیار ہوں۔ چند وصیتیں ہیں جو تم لوگ غور سے سُن لو۔

پہلی وصیت دفن کرنے کے سلسلے میں یہ ہے کہ مجھے زینبیہ تکیت رائے تالاب پر جہاں میرے والد مرحوم اور جد امجد حیدر میرزا ادب مرحوم ہیں مجھے میرے والد مرحوم کے پاس دفن کرنا اگر زینبیہ کے ذمہ داران اعتراض کریں اور دفن کرنے میں عذر کر رہے ہوں تو مجھے امداد حسین خان کی کربلا میں مُلا طاہر صاحب قبلہ مرحوم کے قریب دفن کرنا وہ جگہ مجھے بہت پسند ہے وہاں

میرے بہت سے دوست ہیں۔

دوسری وصیت یہ ہے کہ جب میں دنیا سے چلا جاؤں تو لاؤڈ اسپیکر سے اعلان ضرور کرانا اور کہنا کہ جانشین عشق تعشق نے انتقال کیا تا کہ ہمارے دوستوں کو بر وقت خبر ہو سکے۔

تیسری وصیت یہ ہے کہ میرے سیوم و چالیسویں میں خمیری روٹی بانٹنا اس لیے کہ خمیری روٹی سے غریبوں کے پیٹ بھر سکتے ہیں جس کا مجھے ثواب زیادہ پہونچے گا۔

مرحوم کو مہذب اللغات کی چودھویں جلد شائع کرنے کی بہت حسرت تھی اس کے بعد میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ میں نے مہذب اللغات کی چودھویں جلد تشریح کر دی ہے جو کچھ مزید ضرورت پڑے اس کو مکمل کر کے شائع کر دینا۔ سب لوگ اس وصیت کے بعد رونے لگے تو خود سمجھایا اور کہا کہ ثابت رہنا واقع کربلا پیش نظر رکھنا اور اس کے بعد حسب عادت ہم لوگوں کو مذاق کی باتوں میں لگا لیا۔

وقت گزرتا رہا۔ اتوار کا دن آیا جس کے دوسرے دن امام مظلوم کا چہلم تھا قدرے طبیعت مضمحل تھی آثار مرگ قطعی ظاہر نہ تھے دن بھر گفتگو فرماتے رہے اور ہر آنے والے سے گزے گزے کی باتیں کرتے رہے ایسی کوئی صورت نہ تھی کہ یہ کل دنیا سے چلے جائیں گے رات گزری صبح کو امام مظلوم کا چہلم تھا مرحوم کو کمزوری زیادہ محسوس ہو رہی تھی کئی دن سے خورد و نوش میں کمی کر دی تھی اور کئی دن سے اجابت بھی نہیں ہوئی تھی چونکہ چہلم کا دن تھا مجھے مجلس پڑھنے وزیر گنج جانا تھا تو میں نے اس پر کہا کہ آپ کی طبیعت ناساز ہے آپ فرمائیں تو میں مجلس میں جانے کا ارادہ ترک کر دوں تو اس پر فوراً فرمایا کہ مجلس پڑھنے ضرور جاؤ میں ٹھیک ہوں کوئی بات نہیں ہے۔ میں مجلس پڑھنے چلا گیا مجلس سے واپسی کے بعد فوراً والد مرحوم کے پاس گیا اور مزاج پرسی کی تو اس پر فرمایا میں ٹھیک ہوں البتہ اجابت کا ضرور شکوہ کیا اور فرمایا کہ آج پندرھواں دن ہے کہ مجھ کو اجابت نہیں ہوئی اجابت کے لیے منقے کئی روز سے نوش فرما رہے تھے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ انگریزی دست آور دوا سے مرحوم بہت ڈرتے تھے جس کی

وجہ سے کوئی دوا نہیں کھائی۔ ۴ر نومبر ۱۹۸۵ء مطابق ۲ر صفر المظفر ۱۴۰۶ھ یوم دوشنبہ چہلم امام مظلوم کا دن آہستہ آہستہ گزر تا رہا طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے زیارت کی غرض سے تالکٹورہ بھی نہ جاسکا نہ جانے کیوں سورج ڈھلنے کے بعد سے دل بہت زیادہ پریشان ہونے لگا اور سورج آہستہ آہستہ مغرب میں غروب ہوگیا۔ روشنی پر تاریکی نے سایہ کرلیا اور معلوم ہوتا تھا کہ اس روشنی کے ساتھ میری زندگی کا اجالا بھی کوئی لیے جارہا ہے۔ یہاں تک کہ مؤذن نے مغرب کی اذان کہی۔ مزاج کی ناسازی کی وجہ سے فضیلت کے وقت مغربین کی نماز ادا نہ کرسکا۔ اتنی دیر میں ہمشیرہ صاحبہ دودھ میں منقے گھول کے لے آئیں اُن کو کمر میں ہاتھ دیتے ہوئے اٹھا کے بٹھایا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی کمزوری میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور آواز بھی مدھم پڑنے لگی اور آہستہ آہستہ غنودگی طاری ہونے لگی۔ لوگوں نے پکارا تو اس کا نحیف آواز میں جواب دیا اور آنکھیں پھر بند کرلیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ والد مرحوم بہ زبانِ خود یہ شعر پڑھ رہے ہوں۔

بجھ رہے ہیں داغ دل تربت میں جانے کے لیے
روشنی کم ہو رہی ہے نیند آنے کے لیے

جب ہم لوگوں نے یہ کیفیت دیکھی تو فوراً ڈاکٹر کو بلایا۔ ڈاکٹر صاحب تھوڑی دیر میں آگئے جلدی سے نبض دیکھی اور فوراً بلڈ پریشر دیکھا بلڈ پریشر کا آلہ لگا رہے تھے کہ نبضیں ڈوبنے لگیں جب یہ کیفیت دیکھی تو میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ کوئی طاقت کا انجکشن لگا دیجیے تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ان کی موت فطری واقع ہو رہی ہے انجکشن لگا کر ان کو زحمت میں نہیں ڈالوں گا۔

اُن کی خاموشی اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ وہ آخر وقت اپنے پروردگار اور اپنے ممدوح کو یاد کر رہے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کا ممدوح ان کے سامنے کھڑا ہے جس سے ان کے چہرے پر موت کا کوئی بھی آثار چڑھاؤ نظر نہیں آیا۔ دیکھتے دیکھتے انھوں نے

ایک ہلکی سی سانس لی اور سر کو حرکت ہوئی اور نو بجے کے پندرہ منٹ پر یہ شعر پڑھتے ہوئے دنیا سے سدھار گئے۔

علیؑ کا نام لیکے جا رہا ہوں دارِ فانی سے
اسے کیوں موت کہتے ہو حیاتِ جاودانی ہے

مرحوم محبِ حسینؑ تھے اور زندگی بھر مداحِ حسین کی اپنے مرثیوں، سلاموں اور قصیدوں میں ایک نہ ایک شعر کہہ کر اپنا عقیدہ ضرور ظاہر کرتے تھے اسی طرح انھوں نے اپنے ایک مرثیے کے بند میں موت کی کیفیت اور اپنے ممدوح سے محبت کا اظہار کیا ہے۔ ایک بند پیش خدمت ہے۔

جب چھلکنے پر مری زیست کا جام آئے گا
لب پر سو مرتبہ ممدوح کا نام آئے گا
عاشق شہ ہوں مرا عشق یہ کام آئے گا
ملک الموت کو زہراؑ کا پیام آئے گا
ہے یہ مدّاح نہ تکلیف کا پہلو نکلے
جسم سے روح کھنچے پھول سے خوشبو نکلے

اس سانحہ سے ہم لوگوں کے ہوش و حواس جاتے رہے گھر والے گریہ و بکا کرنے لگے اسی بے چینی اور اضطراب میں رات آنکھوں آنکھوں میں کٹ گئی رات تمام ہوئی اور سپیدی سحر آہستہ آہستہ نمودار ہونے لگی۔ اور صبح کی اذان موذن نے دی اس اندوہناک ماحول میں اذان صبح نے جگر پہ اک اور چوٹ پہونچائی۔ رات بھر گریہ جو رک رک کے ہو رہا تھا اذان صبح کے وقت ایک کہرام میں تبدیل ہو گیا۔ حسب حیثیت اعلان کر وایا گیا چاہنے والے صبح ہوتے ہی آنے لگے۔ جنازہ کا وقت مقرر ہو چکا تھا۔ اخبار میں خبر شائع ہو چکی تھی گیارہ بجے دن میں جنازہ غسل کے لیے امداد حسین خاں کی کربلا امام باڑہ نیا محل منصور نگر لکھنؤ سے کثیر مجمع کے ساتھ روانہ

ہوگیا۔ ادھر امداد حسین خاں کی کربلا میں غسل شروع ہوا ادھر زینبیہ میں قبر کھدنا شروع ہوگئی۔ غسل کے بعد امداد حسین خاں کی کربلا سے جنازہ زینبیہ کے لیے روانہ ہوگیا اور تھوڑے ہی وقفہ میں جنازہ زینبیہ میں داخل ہوگیا چوں کہ قبر کھدنے میں دیر تھی لہذا تدفین فوراً عمل میں نہ آسکی۔

والدمرحوم کے چاہنے والے ان کی زندگی بھر کا اخلاق۔ مروت۔ محبت اور ان کی بذلہ سنجی کا رہ رہ کر تذکرہ کر رہے تھے اور ان کی خوش اخلاقی کو یاد کر رہے تھے اور کبھی اُن کے خاندان کا ذکر یا ان کے آباو اجداد کا۔ مثال کے طور پر روضہ زینبیہ سے بالکل ملحق مؤدب صاحب مرحوم کی قبر ہے یا مسجد کے صحن میں اُن کے والد حیدر میرزا ادب دفن ہیں۔ انھیں سب باتوں میں وقت گزرتا رہا اور قبر کھد کر تیار ہوگئی اسی کے بعد پرنسپل جامعہ ناظمیہ جناب مولانا سید حمید الحسن صاحب قبلہ مجتہد نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد مجلس ہوئی اور مجلس کے بعد قریب ہی جائے دفن کے لیے جنازہ پہونچ گیا۔ زندگی بھر مجلس حسینؑ میں رونے اور رلانے والا آج خاموش ہے۔

پژمردہ میرا دل ہے غم بے حساب ہے
مغرب میں ڈوبنے کے قریب آفتاب ہے

تھوڑی دیر میں آفتاب حقیقی کے ساتھ آفتاب مرثیہ خوانی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ والدمرحوم کے ساٹھ برسوں ساتھ انتقال کے بعد احساس ہوا کہ صرف ایک پل ہمارا ان کا ساتھ رہا۔ گھر واپس ہوئے تو رات ہوچکی تھی گھر کی ویرانی دیکھ کر کلیجہ پھٹا جا رہا تھا اتنے عرصے میں رسم لکھنؤ کے مطابق روٹی آگئی نذر و نیاز کے بعد تھکن کی زیادتی اور نیند کے غلبہ نے زیادہ دیر تک جاگنے نہیں دیا۔ اور بستر پر گرتے ہی دست و پا کی خبر نہ رہی اور آناً فاناً صبح ہوگئی بستر سے اٹھنے کے بعد اب جو نظر اٹھا کے دیکھا تو سناٹا نظر آیا۔ اب نہ کوئی آواز دینے والا ہے اور نہ کوئی بات کرنے والا نہ روکنے والا اور نہ صحیح غلط کا بتانے والا اور نہ سچی محبت کرنے والا اور نہ گھر سے جانے کے بعد انتظار کرنے والا۔ ماں نے تو دس ماہ قبل ساتھ

چھوڑ دیا تھا۔ باپ بھی ساتھ چھوڑ گئے گئے والد مرحوم کے سوئم کی مجلس کے سلسلے میں مشغول ہو گئے اور ۷، نومبر ۸۵ء روز پنجشنبہ مجلس سوئم منعقد ہوئی اس کو پرنسپل جامعہ ناظمیہ مولانا سید حمید الحسن صاحب نے پڑھی جو بے مثال ثابت ہوئی اس کے بعد چالیسویں کی تیاری شروع ہو گئی۔ رقعہ و پوسٹر چھپ گئے۔ رقعے اہل لکھنؤ میں تقسیم ہونا شروع ہو گئے۔ چالیسویں کی مجلس پڑھنے کی خواہش جناب محمد امیر محمد خاں صاحب راجہ محمود آباد سے ظاہر کی جسے آپ نے قبول فرمایا۔ ۹ دسمبر ۱۹۸۵ء کو چالیسواں تھا۔ لکھنؤ کے علما، فضلا، ادبا شریک ہوئے۔ راجہ صاحب موصوف نے بے مثال مجلس پڑھی۔ مرثیہ خوانی کی دس سال کی تاریخ میں ایسی مجلس نہیں ہوئی۔ تین گھنٹے کی لاجواب مجلس جس کو ہر شخص نے پسند کیا۔ مجلس پڑھتے وقت راجہ صاحب موصوف کے چہرے پر جو کیفیت میں نے دیکھی اور وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھ پر جیسی کیفیت طاری ہوئی اس سے قبل کبھی طاری نہیں ہوئی تھی جیسی مجلس راجہ صاحب موصوف نے پڑھی اس کی جزا روز محشر سید الشہدا دیں گے۔

تعزیتی جلسے و پیغامات۔ انتقال کی خبر ریڈیو اور اخبار میں آنے کے بعد اتر پردیش کے گورنر جناب عثمان عارف صاحب نقشبندی اور اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ نے اخبار کے ذریعے تعزیتی پیغام دیا اور لکھنؤ کے مختلف اداروں مثلاً شیعہ کالج لکھنؤ۔ مدرسہ ناظمیہ۔ اتر پردیش اُردو اکاڈمی اور اودھ کونسل لکھنؤ نے تعزیتی جلسے کر کے اُن کے ادبی کارناموں کو سراہا۔

انعامات اور خطابات۔ فروری ۱۹۶۴ء میں جب سمپورنانند جی راجستھان میں گورنر تھے انھوں نے اکبر الہ آبادی انعام کی رقم مبلغ بارہ سو روپیہ سے نوازا تھا۔

(۲) ۱۹۷۱ء میں مہذب اللغات کی ساتویں جلد کے تمام ہونے پر صدر جمہوریہ ہند نے "پدم شری" کے خطاب سے عزت بخشی تھی۔

(۳) بزم شعرائے اہلبیت جوگی پورہ ضلع بجنور نے ۱۹۷۳ء میں "بابائے ادب" کا خطاب سرفراز فرمایا تھا۔

بعد انتقال انعامات :۔

(۱) دسمبر ۱۹۸۵ء میں میرا اکاڈمی وزیر گنج لکھنؤ نے ان کے ادبی کارناموں کے پیش نظر مبلغ پانچ سو روپیہ نقد اور ایک سند امتیاز میر کے عنوان سے دی۔

(۲) اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنؤ نے سید محمد میرزا مہذب کو پس از مرگ ان کے ادبی خدمات کے اعتراف میں مبلغ دس ہزار روپیہ کا انعام برائے سال ۱۹۸۵ء دیا۔

علم عروض جیسے خشک موضوع کو ناولانہ رنگ میں پیش کیا ہے اس کتاب میں دو فرضی شاگردوں مولانا صاحب اور نواب صاحب ہیں جو ہر ہفتہ اپنی غزلیں استاد کے پاس لاتے ہیں ان غزلوں میں شعری عیوب نظم کیے گئے ہیں اور جب شاگرد غزل لاتا ہے تو استاد ان کے عیوب اور نقائص کے بارے میں بتاتا ہے۔ علم عروض اور شعر گوئی کے تمام مسائل بہت خوبصورتی کے ساتھ جمع کیے ہیں اس کے پڑھنے کے بعد کوئی عروضی سے غلطی سرزد نہیں ہو سکتی۔ پیش نظر دور شاعری پہلی مرتبہ ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی تھی جو اپنی نوعیت کی واحد فن عروض پر کتاب ثابت ہوئی تھی اور اس کتاب نے بے حد مقبولیت حاصل کی تھی۔ دور شاعری حصہ اول میں ۲۲ صفحے کے مقدمے کے ساتھ جس میں والد مرحوم حضرت مہذب لکھنوی کے ادبی کارنامے مختصر حالات زندگی کے ساتھ دور شاعری حصہ اوّل کو دوبارہ شائع کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔ اب اس کا نام اصلاحات شعر رکھا گیا ہے۔

حصۂ اوّل

کتاب

دورِ شاعری

حصّۂ اوّل

ہندوستان میں لکھنؤ اور دہلی یہ دوؔ طبقے ایسے ہیں جہاں کی سرزمین نے شعرا کی پیداوار میں کوئی انتہا باقی نہ رکھی۔ بڑے بڑے فن کے جاننے والے محقق، محسنِ ادب، اُردو گزر گئے بالخصوص لکھنؤ شاعری کا ایک ایسا مرکز تھا اور ہے کہ جس کا جواب دنیا کا کوئی خطہ نہ دے سکا۔ تہذیب و اخلاق کے پُتلے، مروّت کے مجسّمے زمینِ لکھنؤ نے پیدا کیے۔

لیکن سب تہِ خاک آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ ایک نہ ایک اعلمِ فن، محقق، جانِ ادب، ہر عہد میں ایسا رہا کہ جس کی تقلید پر دُنیا کو مجبور ہونا پڑا۔

ایک اُستادِ فن، بادشاہِ شعر و سخن ایسے بھی گزرے ہیں جن کی جامعیت کا جواب دُنیا پیش نہ کر سکی اور وہ کوسِ لِمَنِ المُلک بجاتے رہے۔ اُن کی زندگی کے کارنامے سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہیں جس نے فخرِ تلمذ حاصل کیا۔ اُستادِ بے بدل، شاعرِ اکمل ہو گیا۔

اپنی وضعداری، اپنی آن بان میں ضرب المثل ایک ذاتی مکان سکونہ جس میں نہایت عالیشان زنان خانہ، پرانی وضع کی عمارت۔ بیرونی حصہ جس میں چمن، دیوان خانہ، دوؔ بڑے کمرے ملازم کے رہنے کی کوٹھری، جائداد دوکانیں جن کی آمدنی چودہ ۱۴ روپیہ ماہوار۔ پرامیسری نوٹ ساڑھے پانچ ہزار کے

جن کا منافع سولہ روپے آٹھ پائی ماہوار اُستاد کی مجموعی آمدنی ارزانی کے عہد کے اعتبار سے بھی کسی طرح کافی آمدنی کہے جانے کے قابل نہ تھی۔ گھر میں ماما۔ ایک لونڈی۔ باہر ایک خدمتگار۔ گھر کی آرایش بیوی کے حسن سلیقہ کا نمونہ، باہر کی زیبایش نواب کے حسنِ انتظام کا آئینہ۔ کمرہ نہایت شاندار، قالین بچھے ہوئے، گاؤتکیے لگے ہوئے، دیواروں پر قطعات عطارد رقم وغیرہ مع تعزہ جات احادیث وآیات نصب ۔

لباس

چوگوشیہ ٹوپی یا جامدانی کی دوپلی ٹکے دار ٹوپی، گلے میں رومال بندھا ہوا۔ گرمیوں میں تنزیب، جنگل باڑی، ململ کا اونچی چولی، بڑے خلیتون کا انگرکھا، ادھی یا کارگے کا کرتا۔ تین ٹکہ کا یہ دار گٹوں سے اونچا پائجامہ، جالی کا رومال اوڑھے ہوئے۔ پاؤں میں مخملی زردوزی جس پر کبھی کبھی زردوزی کام بنا ہوتا تھا۔ جاڑوں میں شالی دگلا زیب جسم کرکے بیش قیمت پُرادو فرد یا جاماشالی رومال یا جامہ وار اوڑھتے تھے۔ مشروع کا سبز یا سُرخ پائجامہ پہنا کرتے تھے۔

وضعداری

اوقات کے پابند، وعدے کے سچے، بات کے پورے تھے۔ جس وقت اور جس دن دوست کے یہاں جاتے تھے اُس دن اور اُسی وقت آندھی آئے، پانی جائے پہونچنا واجب تھا بجز اُس لباس قدیم یعنے انگرکھا، دگلا، چوگوشیہ ٹوپی کے کبھی شیروانی زندگی میں نہیں پہنی۔ سوائے حقّہ کے محفل میں سگریٹ کا پینا عیب سمجھا۔ ایک مرتبہ ایک محفل ادب میں تشریف لے گئے میزبان نے مہمانوں کے لیے خاص انتظام کیا تھا سب کے سامنے شالباف کی منڈھی ہوئی، لچکہ لگی ہوئی پانوں کی ہانڈیاں فرداً فرداً منتظم بزم نے لگادیں مگر سہواً اُستاد کی خدمت میں ہانڈی پیش نہیں کی جس کو خود اُستاد اور اہل محفل نے محسوس کیا جب عمومی حیثیت سے کشتی میں پانوں کی تقسیم شروع ہوئی بانٹنے والے نے کشتی پیش کی۔ ذکی الحس استاد نے پان سے انکار کیا اس بات کو اہل محفل نے مزید محسوس کرتے ہوئے دیکھا۔

اُستاد اُٹھ کھڑے ہوئے اور جانے کا ارادہ کیا لب فرش تک آئے تھے کہ میزبان نے تیوروں سے معلوم کر گئے دریافت حال کیا۔ایک دوست نے میزبان کے کان میں ۔ فرعہ کے صورت حال کی تصویر کشی کردی ۔ مہمان نواز میزبان نے ہاتھ جوڑ کے قدموں پر ٹوپی رکھ دی اور بصد منیاز فروگذاشت کی معافی چاہی ۔ اُستاد مجبوراً پھر اپنی جگہ پر جا کے بیٹھ گئے فوراً معافی کے ساتھ ساتھ ہانڈی پیش کی گئی ۔اُستاد نے خندہ پیشانی کے ساتھ پان کھایا اور آخر تک بزم میں شرکت کر کے اپنے ادب کدہ پر چلے آئے ۔

کبھی بازار میں پان مول لے کے نہیں کھایا، کبھی ساقی کا حقہ نوش نہیں کیا یا کسی ہوٹل کی کبھی صورت نہیں دیکھی، راہ میں ٹھہر کے کسی سے گفتگو نہیں کی، بغیر پائجامے کپڑے پہنے ہوئے کبھی دیوان خانے میں نہیں بیٹھے ۔

تہذیب

ہر آنے والے کی کھڑے ہو کے تعظیم کی ۔ دست بستہ مزاج پوچھا ، زبان کو کبھی فحش گفتگو سے آشنا ہونے نہیں دیا ۔ غصہ کو ہمیشہ تابع صبر رکھا ۔ دوست ، عزیز جب کبھی کوئی خدمت میں آجاتا تھا گھنٹوں اُٹھنے کو دل نہیں چاہتا تھا ۔ شیرینی کلام اپنا گرویدہ بنا لیتی تھی ۔خردوں سے آپ کر کے بات کرتے تھے ۔

رکھ رکھاؤ

لکھنؤ کے بڑے بڑے رؤسا کو اس بات کا ارمان رہا کہ کبھی مجھ سے عرض حال کریں مگر باوجود آمدنی کم ہونے کے تکلیف کا ذکر بھی حرام سمجھا ۔ ہمیشہ امرا سے آن بان سے ملے ۔ ایک مرتبہ ایک جلیل المرتبت رئیس نے کہا کہ جناب نے کبھی مجھ کو سرفراز نہیں فرمایا (یعنے میرے یہاں تشریف نہ لائے) فوراً فرمایا کہ جناب رئیس ہیں کبھی غربت کدہ کو رونق بخشیے پھر حاضر ہوں ۔ دورِ قدیم لاجواب دور تھا رئیس نے جواب دیا حاضر ہوں گا چنانچہ آئے اور چار گھنٹے تک بیٹھے ، چائے نوش کی ، اُس کے بعد اُستاد سے خواہش کی کہ آپ کب تشریف لائیں گے ۔ دن معین ہوا اور اُستاد

حسب وعدہ تشریف لے گئے۔ رئیس نے بڑی عزت کی اور خاطرمدارات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

قدامت پسندی

بغیر وعدہ کبھی کسی بزم میں شرکت نہ کی۔ ہاں اگر کسی نے گھر پر آکے وعدہ لے لیا تو حتی الامکان ضرور شرکت کی۔ کسی کا بارِ احسان لینا ہمیشہ ضمیر فروشی کے مرادف سمجھا۔

فنی تحقیق

منکسر مزاج، غیر متعصب، مہماں نواز، احباب پرست، شاعرِ بے بدل استاد نے اپنی عمر کا پورا حصہ تحقیق فن شعر و شاعری میں صرف کیا۔ ہمہ وقت کتب بینی، اور دواوین کے مطالعے سے سروکار رکھا۔ بڑے بڑے اساتذہ متقدمین پر جن کو خدائے سخن ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ایسے مضبوط اعتراض کیے کہ دنیائے ادب کی نمایاں فردیں جواب سے قاصر رہیں اور ماننا پڑا کہ اعتراضات درست ہیں۔

معیارِ علم

عربی و فارسی کی انتہائی تعلیم حاصل فرمانے کے باوجود ستر برس کے سن تک مطالعہ کتب جاری رکھا۔ درس و تدریس کے فطری شوق نے علم میں چار چاند لگا دیے۔ مختصر سا کتب خانہ جس میں ہر علم و فن کی کتابیں اساتذہ کے دیوان موجود، شبانہ روز نظم کرنا یا شاگردوں کے کلام پر اصلاح دینا۔ سیکڑوں تلامذہ کو بے عیب شعر کہنا بتا دیا۔ دُنیا میں ایسی شہرت حاصل کی کہ ذات مقدس محتاج تعارف نہ رہی۔ ہندوستان کی ہر ہر فرد حدِ کمال سے واقف ہوگئی اور دُنیا کو طے کرنا پڑا کہ اپنے عہد میں لکھنؤ کی سرزمین پر دوسرا مجتہدِ فن، ماہر قواعد شعر و سخن اب موجود نہیں۔

انھیں اُستاد موصوف کے دو شاگرد (۱) نواب سید خورشید حسین صاحب امید لکھنوی۔ (۲) مولانا مولوی سید افتخار حسین صاحب شعار پوربی۔ ان کے باہمی دوستانہ تعلقات دنیا کی نگاہوں پر چڑھے ہوئے ایسے لاجواب و انتخاب شاعر گزرے ہیں جن کے بارِ احسان سے دُنیائے ادب اُردو سر نہ اٹھا سکی۔ ایک زمانے میں یہ دونوں شاگرد آپس میں طے کرکے بیک وقت حاضر ہوئے۔

اور اُستاد مذکور الصدر سے عرض کیا کہ ہم لوگ صرف اس غرض سے حاضر ہوئے ہیں کہ فخر تلمذ حاصل کریں اور کسی قابل ہو جائیں۔

اُستاد ۔(زیر لب مُسکرا کے) پہلی بات یہ کہ جو خود نا اہل ہو وہ دوسرے کو قابل کیا بنا سکتا ہے۔ میں اسکا اہل نہیں کہ کوئی میرا شاگرد ہو۔ لکھنؤ میں بہتر سے بہتر استادِ فن موجود ہیں۔ آپ حضرت نظرِ انتخاب ڈال کے رجوع فرمائیں تو بہتر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ حضرات اپنا قیمتی وقت شعر و شاعری یعنے غزل گوئی میں خراب نہ کریں۔ اس لیے کہ دنیا کا رنگ بدل چکا۔

اب غزل گوئی کی کوئی قدر باقی نہیں رہی۔ بڑے بڑے اساتذہ کے دیوان دقف طاق نسیان ہوگئے۔ کسی اور علم و فن کے کسب کی طرف توجہ فرمائیے۔ تاکہ دنیاوی زندگی کامیاب بن سکے شاعری بس کی دقتی واہ واہ پر نہ جائیے۔ اسے ایک خوشنما۔ روح افزا خواب سمجھیے جب آنکھ کھلی کچھ نہ تھا۔

نواب ۔صاحب۔ حضور کا ارشاد بجا اور درست ہے۔ لیکن میری آمدنی کافی ہے مجھے کسب معاش کی حاجت نہیں۔ منقولہ و غیر منقولہ جائداد والد مرحوم اس قدر چھوڑ گئے ہیں کہ سات پشتوں کو کافی ہے گاؤں کی آمدنی، پانچ مکانات کا کرایہ تیس روپیہ دس آنے ۹ پائی دنیقہ علیش کی زندگی گزارنے کے لیے کم نہیں۔ ایک ماما، ایک خدمتگار رکھ کے زندگی بسر کرتا ہوں ۔

میں کمسن تھا تقریباً دس سال کی عمر ہوگی جب سے شوق شاعری مجبور کیے ہوئے تھا کہ شعر گوئی اور فنِ شاعری حاصل کروں آج خدا نے میری حسرت پوری کی۔ جو حضور ایسے باکمال کے سامنے زانوئے ادب تہ کیے بیٹھا ہوں۔ (نواب کے خاموش ہونے کے بعد)

مولانا ۔ قبلہ، فدوی کا ذوق و شوق مجبور کر رہا ہے کہ تحصیلِ علمِ شعر کروں اور جناب ایسے استاذ الاساتذہ سے اصلاح لوں بالخصوص طبع مائل الی الغزل ہے ۔

اس حقیر کو کسبِ معیشت کی چنداں حاجت نہیں ۔ وطن میں زمینداری کا کافی حصہ ہے۔ فاضل ممتاز الافاضل، دبیرِ کامل، سند الافاضل، فاضلِ فقہ فاضلِ ادب یہ تمام امتحانات دے کے اچھے نمبروں سے کامیاب ہو چکا اب دنیا کا کوئی کام نہیں مدرسۃ الواعظین میں قیام ہے ۔

اُستاد ۔ آپ حضرات مجبور کرتے ہیں خیر غزل کہہ کے لایئے تو طبیعت کا اندازہ کر سکوں ۔ دیگر یہ کہ
ہر آٹھویں روز غزل لانا ہوگی جو پندرہ شعروں سے کم نہ ہونا چاہیئے ۔ نواب صاحب ایک دن آپ
معین کر لیں ۔ اور مولانا صاحب ایک دن آپ اپنا معین کر لیں ۔

کیونکہ بسبب پیرانہ سالی و عدم صحت مزاج اس قدر قوت باقی نہیں رہی کہ ایک دن میں
دو غزلیں مُبتدی شاعروں کی بنا سکوں ۔ بخدا آپ حضرات کے مجبور کرنے سے اقرارِ اصلاح کرتا ہوں
ورنہ طے کر لیا تھا کہ اب کسی کو مشورہ نہ دوں گا ۔

نواب ۔ فدوی کو ہفتہ کے دن کی اجازت مرحمت ہو ۔

مولانا ۔ حقیر یکشنبہ کو حاضر ہوا کرے گا ۔

اُستاد ۔ دونوں دن مناسب ہیں وقت صبح تمام اوقات میں بہتر ہے ۔ آج یوم شنبہ بھی ہے
آیندہ سے حسب ہدایت وقت معینہ پر غزلیں لے کے آیئے گا ۔ زیادہ تر اسی کمرے میں بیٹھا ہوا ملا کروں گا ۔

نواب ...... مولانا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ حسب الحکم تعمیل کی جائے گی ۔

دونوں اجازت لے کے رخصت ہو گئے نواب اپنے گھر گئے مولانا مدرسۃ الواعظین پہونچ گئے ۔
دونوں نے غزلوں کی فکر شروع کی ۔ چونکہ ابتدا تھی باوجود انتہائی کوشش کے غزل نہ کہہ سکے
نواب متفرق دو اشعار کہہ کے ہفتہ کے روز صبح کو اپنے مکان سے خوشی خوشی روانہ ہوئے لیکن
غزل نہ تیار ہونے کی شرم بڑھتے ہوئے قدم کو روک رہی ہے بقول شاعر ع

شرم کہتی ہے نہ جا شوق یہ کہتا ہے کہ چل

اسی کشاکش میں استاد کے مکان پر پہونچ گئے ۔ اُستاد کمرے میں بیٹھے ہوئے انتظار کر رہے تھے
نواب نے سامنے پہونچکر سلام ادب کیا ۔

اُستاد ۔ تسلیم ، آیئے میں تو انتظار ہی کر رہا تھا ۔

نواب ۔ حضور حاضر ۔ یہ کہہ کے بیٹھ گئے ۔

اُستاد ۔ کہیئے غزل کہی ؟

نواب ۔ موافق حکم غزل عرض نہ کرسکا بہت کوشش کی صرف ۵ شعر متفرق عرض کرکے لایا ہوں ۔
اُستاد ۔ خیر کوئی قباحت نہیں ابھی ابتدا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ شعر نکلنے لگیں گے آپ مایوس نہ ہوں ۔ شاعری کی ابتدا بہت خراب ہوتی ہے، بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر انسان ثابت قدمی دکھاتے ہوئے اپنے ارادوں کی منزلوں کو طے کرلے گیا تو سبحان اللہ ورنہ برساتی خودرو درختوں کی طرح بہت سے نکلے ۔ اور آب مشقت سے بار آور ہونے کی کوشش کی لیکن دنیائے شاعری کی ناقابل برداشت مصیبتوں کی گرم ہواؤں نے اُن نونہالوں کو نمونہ فصل خزاں بنادیا ۔ اور شاعری کو ترک کرکے مجبوراً خلاف ضمیر اقدام کرنا پڑا ۔
نواب ۔ عالیجناب میرے پدر بزرگوار نواب سید محمود حسین خاں صاحب مرحوم لکھنؤ کی پرانی تہذیب کا نمونہ تھے ۔ میری ابتدائی تربیت و تعلیم مرحوم اعلی اللہ مقامہ نے فرمائی ہے وہی خو بو بحمداللہ موجود ہے ۔ وضعداری خاندانی ہے ۔
اُستاد ۔ میرا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان جو بات کرے وضعداری و پابندی کے ساتھ متفرق اشعار لائیے ۔
نواب ۔ بدقت ۵ شعر عرض کرسکا ۔ کیا عرض کروں شرم آرہی ہے یہ کہہ کے جیب سے اشعار نکال کے پیش کیے جو پنسل سے لکھے ہوئے نہایت بدخط تھے جن کا پڑھنا دشوار تھا ۔
اُستاد ۔ (اشعار دیکھ کے) ہمیشہ خیال رکھیے گا ۔ کہ غزل یا اشعار متفرق پنسل کے لکھے ہوئے میرے سامنے نہ لائیے گا ۔ اشعار قالین پر رکھ کے آپ ہی پڑھیے ۔
نواب ۔ بہت خوب ۔

اصلاح نمبر ۱

مطلع نمبر ۱

عاشق میں اُنکی چاند سی صورت کا ہوگیا　　　مجکو عجیب مرض محبت کا ہوگیا

اُستاد ۔ آپ موزوں طبع معلوم ہوتے ہیں ۔ ایک بات خاص ہے جو بتادوں وہ یہ کہ لفظ مرض

بفتحتین - یعنے میم کو زبر، رے کو زبر، ضاد ساکن۔ آپ نے میم کو زبر، رے کو ساکن نظم کیا ہے۔ یہ غلط ہے شعر کاٹ دیجئے۔ اور پڑھیے۔

نواب - بہت مناسب۔

مطلع نمبر ۲

بھولے سے شاہراہ محبت پہ آئیے   میں مر چکا ہوں اب مری میّت پہ آئیے

اُستاد - ایک بات اور بتادوں، صحیح لفظ درحقیقت (میّت) یائے مشدّد مکسور ہے یعنے (یا) کو زیر ہے۔ آپ نے (یا) کو زبر دے کے نظم کیا ہے۔ مطلع کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب - بہت خوب۔

مطلع نمبر ۳

غیظ و غضب میں ابروؤں کو کج کیے ہوئے   نکلے ہیں گھر سے تیغِ دو پیکر لیے ہوئے

اُستاد - ایک لطیف بات بتاتا ہوں جو یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ اہل فرس یعنے ایرانی شعرا وغیر شعرا نے (تیغ دو پیکر) کہیں صرف نہیں کیا۔ میں نے بہت تحقیق کی وجود معدوم ہے۔ لہذا اہل ہند کے لیے تصرف ناجائز مطلع کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے

نواب - انسب ہے۔

مطلع نمبر ۴

تم مل گئے گلے سے کدورت بھی دھو گئی   کیسی صفائی دلِ ناشاد ہو گئی

اُستاد - تقریباً ہر مطلع میں ایک نہ ایک بات موجود ہے۔ سُنیے صاف و صفا عربی ہیں صفائی اُردو ہے۔ آپ ترکیب سے نظم کر گئے لہذا غلط ہے اس لیے کہ اُردو فارسی کی ترکیب صحیح نہیں۔ مطلع کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب - بہت اچھا۔

مطلع نمبر ۵

تم آگئے تو شب شبِ معراج ہو گئی   ساری مصیبتوں سے براءت آج ہو گئی

اُستاد - آج پہلی مرتبہ اصلاح دے رہا ہوں بار بار ٹوکتے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

نواب - حضور ضرور ٹوکیں، ایک تو ابتدا ہے دوسرے معصوم نہیں۔ جناب ضرور ارشاد فرمائیں۔

اُستاد - آپ نے (براءت) کا لفظ نظم کیا ہے جس کے معنے نجاست کے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ دراصل

لفظ (براءت) ہے۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں ایک سورہ ہے جس کا نام سورۂ براءت ہے جو بغیر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے شروع کیا جاتا ہے چونکہ لفظ غلط نظم ہوا ہے مطلع کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب **مطلع نمبر ۶**

اک ہم ہیں رنج و غم سے زمانے میں رو گئے — لاکھوں مریضِ ہجر صحتیاب ہو گئے

اُستاد۔ آپ نے صحتیاب نظم کیا ہے۔ (صاد) کو زیر (حا) کو زبر (تا) ساکن یہ بالکل غلط ہے درحقیقت (صاد) کو زیر (حا) مشدد مفتوح ہے یعنے (حا) پر تشدید ہے جو دو بار پڑھی جاتی ہے اور زبر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ لہذا مطلع کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب **مطلع نمبر ۷**

دریائے شوق میں لہر آ آ کے رہ گئی — فرقت میں نغثی خون کی آنکھوں سے بہ گئی

اُستاد۔ دل نہیں مانتا کہتا ہوں۔ میرے نزدیک فصیح و صحیح (لہر) بروزنِ (قہر) ہے یعنے (ہا) ساکن ہے۔ گو صاحب نفائس اللغات نے لَہَر بروزن (سحر) بھی لکھا ہے۔ مقتضائے احتیاط یہی ہے کہ (لہر) بروزن (قہر) نظم کیا جائے۔ آیندہ خیال رکھیے گا۔ مطلع کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب **شعر نمبر ۸**

گزری شبِ فراق یہ افسوس ہے کہ تم — آتے تو دیکھتے جو قلق تا سحر رہا

اُستاد۔ ایک اہم مسئلہ سمجھاتا ہوں غور سے سُنیے وہ یہ کہ پہلے مصرع کا الحاق دوسرے مصرع سے میرے نزدیک صحیح نہیں۔ جیسا کہ آپ کے شعر میں موجود ہے۔ یعنے (تم) جو دوسرے مصرع میں ہونا چاہیئے تھا پہلے مصرع میں لے آئے۔ میرے نزدیک احتیاط لازم ہے۔ گو اساتذہ متقدمین نے یہ طریقہ جائز قرار دے رکھا ہے۔ شعر کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب **مطلع نمبر ۹**

بجلی کی سی تڑپ تھی دلِ بیقرار میں — ہم رات جاگتے ہی رہے انتظار میں

اُستاد۔ رات جاگنا یا رات جاگتے رہنا لکھنؤ کا صرف نہیں بجائے اس کے (رات کو جاگتے ہم)

ہونا چاہیئے تھا۔ مطلع کاٹ دیجیے ۔ اور پڑھیے ۔

نواب ۔ بس اسی قدر شعر کہہ سکا ۔

اُستاد ۔ چونکہ بالکل ابتدا ہے کوئی قباحت نہیں ۔ گو سب شعر میں نے کاٹ دیے مگر مسرت اس بات کی ہے کہ آپ موزوں طبع ہیں بہت جلد اچھے شعر کہنے لگیں گے ۔

دلچسپ معلومات نمبرا

نواب ۔ یہ سب حضور کی توجہ پر موقوف ہے ۔

اُستاد ۔ میری توجہ میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کمی نہ پائیں گے ۔ آپ کی محنت بھی ضروری ۔

نواب ۔ جناب کے حسبُ الفرمایش ضرور محنت کروں گا ۔

اُستاد ۔ حسبُ الفرمایش آپ غلط بولے فرمایش فارسی حاصل مصدر ہے اور فارسی زبان کا لغت ہے اس پر الف ولام عربی کا ہے لہذا یہ ترکیب غلط ہے خیال رکھیے گا ۔ لغات وغیرہ دیکھتے رہیے گا ۔

نواب ۔ میرے والد مرحوم کی ایک لغت رکھی ہے اُسی کو دیکھا کروں گا ۔

اُستاد ۔ لغت مؤنث نہیں ہے مذکر ہے ۔ عوام اکثر بولتے ہیں کہ لغت مول لی ، لغت پڑھی ۔ یہ قطعاً غلط ہے آپ ہمیشہ لحاظ رکھیے گا ۔ میں اپنے بزرگوں سے مذکر ہی سنتا آیا ہوں اور تمام مستند حضرات لکھنؤ مذکر ہی بولتے ہیں ۔

نواب ۔ بہت خوب ۔ خیال رکھوں گا ۔ حضور دعا فرمادیں تندرستی خراب ہوگئی ہے ۔ علاج شروع کرنا چاہتا ہوں کل حکیم صاحب کے یہاں گیا تھا وہاں مَرَضا کا مجمع تھا واپس چلا آیا ۔

اُستاد ۔ خدا آپ کو شفائے کلی عنایت کرے لفظ پھر غلط بولے ۔

نواب ۔ حضور کیا ؟

اُستاد ۔ آپ مریض کی جمع (مَرَضا) بولے یعنے (میم) کو زبر (رے) کو زبر یہ بالکل غلط ہے ۔ بلکہ اس کی جمع (مَرْضیٰ) ہے یعنے میم کو زبر (رے) ساکن ہے ۔ ہاں مرضی کی جمع (مَرَضا) ہے یعنے میم کو زبر

رے کو زبر۔ مگر آپ نے تو مریض کی جمع استعمال کی جو اصولاً غلط ہے ۔

نواب ۔ بہت خوب۔ چونکہ میں اس قدر لکھا پڑھا نہیں ہوں اس لیے ایسی غلطیاں ہوتی ہیں ۔

اُستاد ۔ میرے پاس جب تک بیٹھے رہیے گا یوں ہی ٹوکے جاؤں گا۔ آپ نے لکھا پڑھا کہا۔ یعنے کاف کو غیر مشدّد زبر دے کے بولے۔ مہربان غلط تو نہیں ہے لیکن خلاف فصاحت ضرور ہے کیونکہ فصحا لکھنؤ ہمیشہ (کاف) کو مشدّد و مفتوح بولتے ہیں۔ مصرع

وہ بھی انسان ہے کوئی جو نہ لکھا نہ پڑھا

نواب ۔ سبحان اللہ کیا مدح کروں جناب مطالب کو حسن الفاظ کا ایسا جامہ پنہا کے تقریر فرماتے ہیں کہ کیسا ہی غبی کیوں نہ ہو انسان عمر میں بھول نہیں سکتا ۔

اُستاد ۔ آپ پھر غلط بولے ۔ آپ نے اپنی تقریر میں پنہانے کا لفظ استعمال کیا۔ یعنے (پ ن) مقدم کرکے پنہانا بولے یہ بالکل غیر فصیح ہے درحقیقت فصیح پہنانا ہے یعنے (پ ہ ن) مقدم کرکے بولا جاتا ہے یہی فصحا کا معمول ہے۔ بازاری لوگ پنہانا (پ ن) مقدم کرکے کثرت سے بولتے ہیں۔ آپ کو برابر ٹوک رہا ہوں ناراض نہ ہوں ۔

نواب ۔ درست و بجا ہے ۔ ناراض کیا ہو سکتا ہوں ۔ میرا سر نہیں پھرا ہے جو اُستاد کے ٹوکنے سے کبیدہ خاطر ہوں ۔

اُستاد ۔ جب بغیر ترکیب بولا کیجیے تو سر یعنے سین کو زیر دے کے بولا کیجیے کیونکہ یہی فصیح ہے ۔ مثلاً میرے سر میں درد ہے ۔ یہاں سین کو زیر فصیح ہے ۔ جب ترکیب سے بولیے مثلاً دردِ سَر تو یہاں سین کو زبر ہونا چاہیئے کیونکہ سَر فارسی بفتح سین ہے اور سِر اُردو بکسر سین ہے ۔ یہ جو کچھ میں نے آپ سے بیان کیا یعنے فصاحت و غیر فصاحت کے متعلق یہ بہ اعتبار لکھنؤ ہے ۔ دیگر مقامات کی بول چال سے ناواقف ہوں ۔

اچھا اب آپ کو بہت تاخیر ہو گئی ہے تشریف لے جایئے ورنہ حسب عادت میری زبان یونہی چلے جائے گی اور اعتراض کیے جاؤں گا ۔

نواب - بخدا میرا خون بڑھ رہا ہے - بہت خوب اجازت چاہتا ہوں -

اُستاد - خدا حافظ -

نواب - تسلیمات عرض کرتا ہوں -

کھڑے ہو کے سلام کر کے اشعار کا پرچہ جیب میں رکھتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ اُستاد اپنے دیگر کاموں میں مصروف ہو گئے۔ یہاں تک کہ دن گزرا رات گزری یکشنبہ کی صبح کو مولانا اپنے اشعار بغرض اصلاح لے کے آپہونچے۔ اُستاد کمرے میں منتظر بیٹھے تھے۔ آتے ہی سلام علیکم

اُستاد - علیکم السلام - آئیے -

مولانا سلام کر کے سامنے باادب بیٹھ گئے -

اُستاد - کہئے کچھ شعر کہے - میں تو آپ کا دیسے منتظر تھا -

مولانا - قبلہ غزل کی بہت کوشش کی مگر نہ ہو سکی متفرق اشعار عرض کیے ہیں کچھ غزل کے، کچھ سلام کے - ایک بند عرض کیا ہے -

اُستاد - خیر ابتدا ہے نظم کرنے سے مطلب ہے کوشش کیجیے گا تو غزل کے شعر نکلنے لگیں گے پڑھیے،

مولانا - (بہت خوب کہہ کے جیب سے پرچہ نکال کے) عرض کروں -

اُستاد - پڑھیے -

اصلاح نمبر ۲
شعر نمبر ۱

دل میرا تڑپتا ہی رہا ہجر کی شب میں　　　وہ درد کی شدت تھی کہ اَلعَظَمَۃُ لِلّٰہ

اُستاد - مولانا میں پہلے سے عرض کیے دیتا ہوں کہ کوئی مروّت نہیں کروں گا جو بات ہو گی یعنے غلطی فوراً ٹوک دوں گا

مولانا - حضور کے فرمانے کی کیا ضرورت، میں تو تحصیلِ علم وفن کے لیے حاضر ہوا ہوں بغیر بتائے کیونکر حاصل ہوگا -

اُستاد۔ آپ تو ماشاء اللہ عربی داں اور فارغ التحصیل ہیں۔ آپ کے شعر میں العظمۃ للہ (ظ) ساکن ہے۔ اور عظمت۔ بسکون الظا کسی لغت میں نہیں ملتا حتٰی کہ کلام پاک میں اَلْعَظَمۃُ للہ بفتح الظا موجود ہے۔ دلیل صحت جناب کے پاس کیا ہے۔

(مولانا پر ایک سکوت طاری ہوگیا، دیر کے بعد) بالکل درست فرمایا۔ بیشک مجھ سے فاش غلطی ہوگئی۔ عظمت۔ بفتح الظا صحیح ہے۔ میں نے بسکون الظا غلط نظم کیا ہے۔

اُستاد۔ پھر شعر کاٹ دیجیے اور پڑھیے۔

مولانا۔ بہتر۔

مطلع نمبر ۲

دنیا میں ایک آن نہ راحت اُٹھا گئے — کتنے مریضِ غم ہیں جو تحتُ الثرا گئے

اُستاد۔ مولانا آپ تحتُ الثرا۔ بضم تائے ثانی بصورت مضاف پڑھے۔ بحیثیت ظرفِ مکان حیثُ وقدّامُ وتحتُ وفوقُ جب مضاف ہوں اور مضاف الیہ محذوف منوی ہو تو مبنی بالضم ہوں گے جب مضاف الیہ محذوف منوی نہو ظاہر بظاہر ہو تو مضاف ہونے کی حالت میں مبنی بر فتح ہوں گے مثلاً کلام پاک میں ہے (یَدُ اللہِ فَوقَ اَیدِیھِم) دیکھیے فوق چونکہ مضاف ہے اور مضاف الیہ ایدی ظاہر بظاہر ہے لہٰذا فوق کو حالت مضاف میں فتح ہے۔

مولانا پوری تقریر بہایت سکوت کے عالم میں سنتے رہے اور دل میں افسوس کرتے رہے کہ کیا غلطی ہوئی ہے۔ جواب دیتے بن نہ پڑا۔ کہنے لگے، جناب درست فرماتے ہیں۔ واقعاً غلطی تو ضرور ہوئی۔

اُستاد۔ آپ افسوس نہ کریں بغیر شاعری یہ نکات نہیں معلوم ہوتے بلکہ یوں کہوں کہ معلوم ہوتے ہیں مگر خیال صحت بغیر شعر و شاعری نہیں رہتا۔ شعر رہنے دیجیے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔

مطلع نمبر ۳

آئے نظر کے سامنے کیا کیا عجائبات — ہم پر پڑے جہان میں لاکھوں حوادثات

اُستاد۔ مولانا قوافی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ قوافی غلط ہیں اس لیے کہ دونوں

جمع الجمع ہیں اصولاً یہ جمع ہی غلط ہے۔ ہاں لغت میں عجائبات ملتا ہے۔ اگر بفرض محال صحیح مان بھی لیں تو عجائبات اور حوادثات کی علامت جمع (الف وتا) اگر علیحدہ کرلیں تو عجائبات کا عجائب اور حوادثات کا حوادث رہ جاتا ہے۔ عجائب وحوادث کا قافیہ صحیح نہیں۔ اگر (الف وتا) کو دونوں میں قافیہ قرار دیجیے تو قافیہ مکرر ہوا جاتا ہے یہ جائز نہیں۔ لہٰذا مطلع کاٹ دیجیے۔ چونکہ ابتدا ہے مختصراً بیان کیا آیندہ بالتفصیل سمجھاؤں گا۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ بہت خوب۔ مدح کا مطلع عرض کرلیا ہے۔ پڑھوں؟

اُستاد۔ ضرور پڑھیے۔

مولانا۔

مطلع نمبر ۴

شوہر ہیں علیؑ بنتِ رسولؐ دوسرا ہے — معصومہ زمانے میں بتولِ عَذرا ہے

اُستاد۔ جناب مولانا۔ بتول عذرا یعنے بفتح عین وذال۔ لغت میں نہیں ملتا بلکہ بجائے اسکے بفتح عین وسکون ذال پایا جاتا ہے۔ لہٰذا آپ نے جس طرح نظم کیا ہے غلط ہے۔ کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ بہت مناسب۔ مدح کا مطلع ہے۔

مطلع نمبر ۵

حیدرؑ کی فضیلت کا نہ کس طرح ہوں قائل — قرآں میں اُن کے لیے آیہ ہوئی نازل

اُستاد۔ آیت۔ مؤنث ہے آیہ مذکر ہے آپ نے آیہ مؤنث نظم کیا ہے۔ اُسے آیت پڑھیے۔ اور شعر پڑھیے۔

مولانا۔

مطلع نمبر ۶

پڑھتے ہیں سب مصائب میدانِ کربلا — پرطے ہوا نہ شادیِ قاسمؑ کا مسئلا

اُستاد۔ عجب مسئلا آپ نے نظم کیا ہے۔ عقد جناب قاسمؑ ایک اہم مسئلہ ہے جو آج تک لکھنؤ میں واقعاً طے نہ ہوسکا۔ خیر اس کو علما ہی طے کرسکتے ہیں عقد ہوا یا نہیں ہوا شعرا کے طے

کرنے کی بات نہیں۔ صرف اپنا مسلک بتا دوں ۔ میں نے صرف اس لیے نظم نہیں کیا کہ اگر عقد نہیں ہوا اور نظم کر گئے تو بلا وجہ امام زادہ اور امام زادی کی نسبت قرار دی۔ اور اگر عقد ہوا اور نظم نہیں کیا تو حشر میں یہ سوال نہ ہو گا کہ تم نے عقد نظم کیوں نہ کیا۔ لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ نظم نہ کیا جائے اب جو فن شاعری سے تعلق رکھنے والی بات ہے بتا تا ہوں ۔ وہ یہ کہ شادی کی اضافت، قاسم کی طرف صحیح نہیں۔ کیونکہ شادی بمعنے خوشی ہے بمعنے عقد کسی لغت میں نہیں ملتا یہ معنے اہلِ ہند کے قرار دیے ہوئے ہیں ۔ لہذا بمعنے عقد ۔ شادی کا لفظ اردو ہے جب اردو ہے تو اضافت غلط ۔

مولانا ۔ اس طرح تو اساتذہ نے نظم کیا ہے ۔

اُستاد ۔ کچھ کہلوائیے نہیں ۔ سب نے غلطی کی ہے۔ آپ شعر نکال ڈالیے ۔ اور پڑھیے ۔

مولانا ۔ سلام کا ایک مطلع ہے ۔ **مطلع نمبر ۲**

وہ غم اُٹھائے چہرے کی رنگت سفید ہے ۔۔۔ قیدِ ستم میں سیدِ سجادؑ قید ہے

اُستاد ۔ سفید بمعنے (قا) کو فتح صحیح نہیں قید کا قافیہ نہیں ہو سکتا ۔ سفید قافیہ بھید کا ہو سکتا ہے لہذا نظری کر دیجیے ۔ اور پڑھیے ۔

مولانا ۔ ایک بند کہہ لایا ہوں سُنا دوں ؟

اُستاد ۔ ضرور ۔

مولانا ۔ **بند**

عاشور کو پیاسا تھا یدُ اللہ کا جانی ۔۔۔ کہتا تھا یہی شمر سے او ظلم کے بانی

بھولے گی نہ تا حشر یہ دنیا کو کہانی ۔۔۔ بچوں کو مرے تو نے پلایا نہیں پانی

فرزندِ محمدؐ کا تجھے دھیان نہیں ہے

بھائی سیّد کا تجھے دھیان نہیں ہے

اُستاد ۔ بند غنیمت ہے صرف بیت کے قوافی غلط ہیں محمدؐ کا قافیہ سیّد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ

سید بفتح سین و فتح یائے مشدد غلط ہے۔ سَیِّد بفتح سین و یائے مکسور مشدد صحیح ہے بیت بدل کے پھر سنائیے گا یا بند کاٹ دیجیے۔

مولانا۔ بہت خوب (یہ کہہ کے خاموش ہو گئے)

اُستاد۔ کیا اب کوئی شعر یا بند نہیں؟

مولانا۔ جی بس اتنے ہی شعر کہہ سکا۔

اُستاد۔ خیر کوئی قباحت نہیں کہنے لگیے گا۔

(مولانا نے سلام کر کے اشعار کا پرچہ تہ کر کے جیب میں رکھ لیا)

دلچسپ معلومات نمبر ۲

مولانا۔ حضور گھڑی ملاحظہ فرمائیں کَے بجی ہیں؟

اُستاد۔ یہ کَے بجی کیوں بولے بالکل خلاف فصاحت محاورہ ہے۔ کَے بجے ہیں بولنا چاہیے۔

مولانا۔ بہت خوب۔ مگر لوگوں کو دسؔ بجا ہے بولتے سُنا ہے۔

اُستاد۔ یہ بھی غلط۔ جمع کو واحد بولنا کیا معنے۔

مولانا۔ لوگ سوا ایک یا ساڑھے ایک بجا ہے بولتے ہیں صحیح ہے یا غلط؟

اُستاد۔ بالکل غلط صرف سَوا یا ڈیڑھ بجا ہے صحیح ہے۔ پَونے ایک بھی غلط ہے۔ بجائے اس کے پَون بجا ہے صحیح ہے۔

مولانا۔ بجا ہے۔

اُستاد۔ اب کس تاریخ غزل لائیے گا؟

مولانا۔ سولہؔ تاریخ حاضر ہوں گا۔

اُستاد۔ عدد و معدود میں فرق ہے۔ اعداد سولہؔ یا بیس کہے جاتے ہیں۔ عام دسؔ یا بارہؔ بولے جاتے ہیں لیکن تاریخوں کے متعلق ہمیشہ سولھویں، بیسویں کہتے ہیں۔ ایک سے چھٹی تاریخ تک تو

پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی، چھٹی بولتے ہیں اس کے بعد ساتویں، آٹھویں، نویں، دسویں یہانتک کہ اُنتیسویں، تیسویں تک برابر اسی طرح بولتے ہیں۔

مولانا۔ بہت مناسب۔ (طاق کی طرف اشارہ کرکے) کیا کلام پاک ہے؟

اُستاد۔ جی ہاں، قرآن مجید ہے۔

مولانا۔ مُتَرجَّم ہے؟

اُستاد۔ آپ اور مُتَرجَّم بضم میم وبفتح تا و را وبفتح جیم مشدد و میم ساکن بول گئے کسی لغت میں شاید اس طرح نہ ملے مُتَرجَم بضم میم و فتح تا و سکون را و فتح جیم و سکون میم صحیح ہے۔ اگر کہیں مل جائے گا تو میں بھی بولنے لگوں گا۔

مولانا۔ بالکل درست ہے۔ اتفاقیہ بول گیا۔ کچھ عرصے کے بعد میری گفتگو میں انشاءاللہ تعالیٰ ایک لفظ بھی غلط نہ ہووے گا۔

اُستاد۔ (ہووے) میں (وے) زائد بھی ہے اور غیر فصیح بھی (ہوگا) صحیح ہے۔ اور مطلب بھی ہوگا میں ادا ہو جاتا ہے۔

مولانا۔ بیشک حضور کا فرمانا درست ہے۔ اگر اسی طرح جناب ٹوکتے رہے تو بڑے بڑے اُستادوں کو چند ماہ کے عرصے میں زمین دکھادوں گا۔

اُستاد۔ زمین دکھانے کا صَرف بے محل ہے (زمین دیکھنا) قے کرنے کو کہتے ہیں۔ کیا آپ اساتذہ کو قے کرائیے گا؟ (مولانا ہنسنے لگے) کسی کا شعر ہے ؎

کبھی سر اُٹھا کے نہیں دیکھتے ہیں　　فلک کے ستم سے زمیں دیکھتے ہیں

اس شعر میں ذم ہے۔ جیسا آپ کی گفتگو میں ذم ہے۔ ایسے محاورات سے احتیاط کیا کیجیے۔

مولانا۔ میں ناواقف تھا اس لیے بول گیا۔

اُستاد۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بتائیے کہ علاوہ غزل کہنے کے یا اشعار مختلفہ کہنے کے کیا مشغلہ رہتا ہے؟

مولانا۔ صرف چار بجے ہوا خوری کو دریا والے راستے پر ٹہلنے جاتا ہوں تاکہ آب وہوائے ترائی مفید ہو اور صحت برقرار رہے اس کے علاوہ تمام اوقات کُتُب بینی میں صرف کرتا ہوں ۔۔۔

اُستاد ۔ دوران گفتگو میں اتفاقیہ آپ ایک لفظ بول گئے ۔ بتادوں وہ یہ کہ ترائی کی طرف (ہوا) کی اضافت ناجائز ہے ۔ ترائی فارسی نہیں ہے (تر) فارسی ہے ۔ ترائی بالکل اُردو یہ لفظ دھوکا دیتا ہے ۔ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیے گا کہ جس لفظ میں کلام ہو تحقیق ضرور کرلیا کیجیے گا ۔ اُستاد عمر بھر نہیں بتاتا صرف راہیں بتادیتا ہے ۔ ذاتی تحقیق سے شعرا مستند ہوتے ہیں ۔ اور دنیا میں نام پیدا کرتے ہیں ۔ دل چاہتا ہے کہ آپ کا امتحان لوں ۔

مولانا ۔ جیسا حضور مناسب خیال فرمائیں ۔

اُستاد ۔ دو چار شعر کہہ کے سنائیے ۔

(مولانا بہت خوب کہہ کے خاموش ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد) ایک شعر عرض کیا ہے ۔

اُستاد ۔ پڑھیے ۔

مولانا ۔ چھُٹوں گا مصیبت سے گر تو نے چاہا کرم کر برائے نبیؐ یا الٰہا

اُستاد ۔ شعر غنیمت ہے ۔ مگر ایک ایسا دھوکا کھایا جو آپ کے قابل نہ تھا ۔

مولانا ۔ (غور کرکے) حضور فرمائیں کیا ہے ؟

اُستاد ۔ (یا الٰہا) کے کیا معنے ۔ یا حرف ندا ۔ الٰہا کے آخر کا الف ندائیہ ۔ دو نداؤں سے کیا خاص حاصل ہے ۔

(مولانا شرمندہ ہو کے) کمبخت پہلے سمجھ میں نہیں آتا ۔ جب ٹوکا جاتا ہے تو خفت ہوتی ہے (یہ کہہ کے مولانا دیر تک خاموش رہے) ۔ قبلہ ایک بیت اور کہی ۔ عرض کروں ؟

اُستاد ۔ ضرور فرمائیے ۔

مولانا ۔ ؎ جس کو غفلت سے نہیں کام وہ ہشیار ہے پھر
جب تعلق نہ کوئی گُل سے رہا خار ہے پھر

اُستاد۔ نایاب بیت آپ نے کہی ہے۔ اگر دنیا کے سامنے یہ بیت پیش کر دیجیے تو تعریفوں کی انتہا باقی نہ رہے مگر یہ تو فرمائیے کہ ردیف بیکار ہے یا نہیں۔ مطلب صرف اتنے میں تمام ہوا جاتا ہے ؎ جس کو غفلت سے نہیں کام وہ ہشیار ہے
جب تعلق نہ کوئی گُل سے رہا خار ہے

یہ نہایت لطیف چیز ہے جو عرض کی ہمیشہ ایسی چیزوں سے احتیاط کیجیے گا۔

مولانا۔ بیشک درست ہے۔ ردیف بالکل بیکار ہے۔ دو ایک شعر اور عرض کروں؟

اُستاد۔ ضرور۔

مولانا۔ (تھوڑے سکوت کے بعد) شعر عرض ہے ؎

جو سیر اس کی دیکھو تو اے گُل بجا ہے چمن دل کے زخموں کا پھُولا پھلا ہے

اُستاد۔ پُرانے رنگ کا بہترین شعر ہے مگر ایک عیب صریح موجود ہے اور وہ یہ کہ شعر میں اضمار قبل الذکر ہے۔ (اُس کی) کا اشارہ چمن کی طرف ہے۔ جو مقدم ہے چمن کا لفظ بعد کو آیا لہٰذا دوسرا مصرع پہلا مصرع کر دیجیے اور پہلا مصرع دوسرا قرار دے لیجیے یہ عیب نکل جائے گا۔

مولانا۔ نہایت مناسب۔ (تھوڑی دیر کے بعد غور و فکر کر کے) ایک بیت پھر عرض کی ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

میں مجوب ہوں اور میں مایوس ہوں یہ ہیں داغ غم میں تو طاؤس ہوں

[illegible]د۔ اصطلاح شعرا میں ایک جنس کے حرفوں کا باہم جمع ہونا (اثقال) کہلاتا ہے۔ چونکہ پڑھنے میں ثقل و تکلف ہوتا ہے اس لیے اس کا نام (اثقال) رکھا جیسا کہ آپ کے شعر میں موجود ہے۔ (میں مجوب) کا ٹکڑا ملاحظہ ہو۔ (میں) اور (مجوب) برابر برابر آئے ثقل پیدا ہو گیا۔ اسی طرح (میں) اور (مایوس) برابر لانے لگے تکلف پیدا ہو گیا۔ اسی عنوان سے (داغ) کا غین اور (غم) کا غین متصل ہو گیا۔ (تو) اور (طاؤس) جمع ہونے سے انتہائی ثقل کلام کا آئینہ بن گئے۔ آپ پھر شعر پڑھیے دیکھیے ثقل معلوم ہوتا ہے یا نہیں۔

مولانا۔ (دوبارہ شعر پڑھ کے) یقیناً ثقل بے تکلف ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اب جو شعر جناب کو سنانا چاہتا ہوں یہی عیب موجود ہے۔

اُستاد۔ پڑھیے تو معلوم ہو۔

مولانا۔ میں مرتا ہوں تو لب پہ ہے دم مرا بتاؤ تو تم اب یہ کیا کر رہے ہو

اُستاد۔ بیشک بالکل وہی عیب اس شعر میں بھی ہے۔ (میں) اور (مرتا) قریب آگئے (تو) اور (لب) جمع ہوگئے (تو) اور (تم) یکجا ہونے سے ثقل پیدا ہوگیا ہمیشہ اسکا لحاظ رکھیے گا۔

مولانا۔ بہت مناسب۔ ضرور خیال رکھوں گا۔

اُستاد۔ میں سمجھ گیا آپ موزوں طبع ہیں۔ صرف راہ بتانے کی ضرورت ہے۔ آپ جلد ترقی کر جائیں گے۔

مولانا۔ حضور کا کرم درکار ہے۔ اب اجازت چاہتا ہوں۔

اُستاد۔ خدا حافظ۔

مولانا کھڑے ہوکے سلام کر کے رخصت ہوگئے۔

اُستاد دن رات کُتب بینی میں مشغول رہے۔ نواب آٹھ دن تک غزل کہتے رہے روز شنبہ صبح آٹھ بجے غزل لے کے استاد کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور استاد کو بہ ادب سلام کیا۔

اُستاد۔ تسلیمات۔ آئیے۔

نواب پھر سلام کر کے سامنے دو زانو بیٹھ گئے۔

اُستاد۔ غزل کہی یا متفرق اشعار؟

نواب۔ حضور، غزل عرض کی ہے۔

اُستاد۔ لائیے؟

نواب نے خوشخط لکھی ہوئی غزل اُستاد کی خدمت میں پیش کی۔ اُستاد نے غزل کھولی اور خوشخط دیکھ کے کہا کہ ہاں غزل یا کوئی کلام بغرض اصلاح اس طرح آنا چاہیئے غزل سامنے

رکھی اور نواب سے کہا کہ آپ شعر پڑھتے جائیے مَیں بتاتا جاؤں ۔

نواب ۔ بہت خوب ۔

اصلاح نمبر۳

غزل

مطلع نمبر ۱

مجکو ڈر لگتا ہے صورت سے ستم ایجاد کی — دل کو پھاڑا اس قدر بیداد پر بیداد کی

اُستاد ۔ (مسکرا کے نرم لہجے میں) دیکھیے مطلع تو آپ نے کہا ۔ قافیہ درست، موزوں ہے لیکن ایک بات آپ کو سمجھادوں ۔ آیندہ خیال رکھیے گا ۔

نواب ۔ حضور ارشاد فرمائیں ۔ ضرور خیال رکھوں گا ۔

اُستاد ۔ معشوق کی عزّت عاشق کی نظر میں خاص اہمیت رکھتی ہے ۔

محبت کا مقتضا یہ ہے کہ صادق ہو اور کبھی معشوق سے نفرت نہ ہو ۔ وہ کسی قدر ہی ظلم و ستم کیوں نہ کرلے ۔ معشوق سے خوف آنے کے معنے یہ ہوئے کہ محبت نفرت سے بدل گئی ۔ اور یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ محبت صادق ہونے کے بعد کبھی ختم نہیں ہوتی بلکہ کم بھی نہیں ہوتی ۔

پھر دل پھٹنا چہ معنے دارد ۔ دل پھٹنا نفرت ہوجانے کے محل پر بولتے ہیں ۔ جیسا کہ آپ نے نظم کیا یہ حفظ مراتب معشوق کے خلاف ہے ۔ عاشق ہمیشہ راضی بہ رضا رہتا ہے ۔ گو معشوق دل آزاری کی کوئی انتہا باقی نہ رکھے ۔ دل پھٹنا نفرت کے معنے میں اساتذہ نے استعمال کیا ہے ۔

جلالؔ لکھنوی

یہ شوق خرق عادت دیوانگی میں پہونچی — دل پھاڑتا ہے میرا اب ذکر پیرہن کا

لہٰذا یوں بدل دیجیے ؎

شرح میں کس سے کروں ظلم ستم ایجاد کی — مار ڈالا اس قدر بیداد پر بیداد کی

نواب ۔ بہت مناسب کہہ کے بدل دیا ۔

شعر نمبر ۲

خواہشِ دیدار سے غش آگیا اور گر پڑے　　حضرتِ موسیٰؑ نے اپنی خاک بھی برباد کی

اُستاد۔ اے مَعاذَاللہ۔ آپ نے پیغمبر کے مرتبے کا بھی لحاظ نہ رکھا۔ آپ کے شعر میں ایک معصوم کی سخت توہین ہوئی۔ آیندہ لحاظ رکھیے گا۔

اِسے حفظِ مراتب کہتے ہیں۔ پھر نہ کوہِ طور کا ذکر نہ تجلی کا تذکرہ۔ واقعہ کو آپ نے بالکل مُبہم رکھا مطلب صاف ادا نہ ہوسکا۔ الفاظ مناسب نہیں بلکہ بیکار۔ بندش خراب۔

خاک برباد کرنا نہیں بولتے بلکہ مٹی اپنے ہاتھ سے خراب کی یا مٹی خراب ہوئی بولتے ہیں۔ ہاتھ کا ذکر کرکے استعمال کیا ہے جو فصیح تر ہے۔

صبا

اُس شعلہ رو کے ہاتھ نہ مٹی خراب ہو　　جل کر ہے ورنہ اک کفِ خاکستر آئینہ

بغیر　کا ذکر کیے بھی بولتے ہیں۔ فصیح ہے۔

آتش

خراب مٹی نہ ہو کسی کی کوئی نہ مردودِ دوستاں ہو　　جُدا ہوا شاخ سے جو پتّا غبارِ خاطر ہوا چمن کا

اسیر

کہیں سبو کہیں ساغر بنی کہیں خُم مے　　ہر ایک طرح فلک نے خراب کی مٹی

شعر میں اگر مجموعی حیثیت سے ایک بات بھی قاعدے کی ہوتی تو رہنے دیتا۔ لہٰذا نظری کر دیجیے۔

نواب۔ میں نظری کے معنے نہ سمجھا؟

اُستاد۔ نظری کرنا شعر کاٹ دینے کو کہتے ہیں (پنسل ہاتھ میں لے کے) یہ طریقہ ہے۔ (یہ کہہ کے شعر کو نظری کر دیا)۔ اور پڑھیے؟

نواب۔ ملاحظہ ہو۔

شعر نمبر ۳

اس قدر شہ رگ سے میری خون نکلا ذبح میں　　خون میں تا دیر پیری ہے چھُری جلّاد کی

اُستاد۔ اس شعر میں ضعفِ نظم بھی ہے لفظِ خون کی تکرار سستی نظم کی دلیل ہے جو کم مشقی کی علامت ہے۔ پیر نے کی جگہ تیرنے ہونا چاہیئے کیونکہ مچھلی کے لیے تیرنا مستعمل ہے گو آپ نے مچھلی یا ماہی کا شعر میں ذکر نہیں کیا لیکن آپ کے دل میں مچھلی کا خیال ضرور ہے۔

نواب۔ بالکل درست فرمایا گو ذکر نہیں مگر میں نے مچھلی کو خیال کر لیا تھا۔

اُستاد۔ صرف خیال پر کام نہیں چلتا ذکر ضروری ہے۔ چھری کو جب مچھلی بنایا تھا تو مچھلی کا لفظ بھی لانا چاہیئے تھا۔ لہٰذا یوں لکھ لیجیے ؎

ذبح میں دریا لہو کا میری شہرگ سے بہا　　　بن کے مچھلی خون میں تیری چھری جلاد کی

نواب۔ کیا خوب حضور نے اصلاح فرمائی ہے۔

شعر نمبر ۴

کہتے ہیں میت پہ میری موت تم کو آ گئی　　　کیجیے اب سیر جا کے خوب عدم آباد کی

اُستاد۔ آپ کے شعر میں شتر گربہ ہے۔

نواب۔ حضور، شتر گربہ کیا؟

اُستاد۔ لفظی معنے اونٹ، بلی کے ہیں۔ اصطلاح شعرا میں مخاطب سے ایک وقت میں ایک یا ایک بند یا ایک مصرع میں کبھی آپ، کبھی تم، کبھی تو کر کے بات کرنا۔

(سیفی) نے اس کی مثال فارسی میں (ما) اور (من) کی لکھی ہے۔ یعنے مخاطب سے کبھی ما، کبھی من کہہ کے بات کرنا۔

اردو میں بکثرت امثلہ موجود ہیں۔ اس وقت صرف دو شعر سناتا ہوں۔

نامعلوم

ہم اپنا حال اہل زمیں کیا بیاں کریں　　　رہتا ہوں مثل برق فلک بیقرار میں

نامعلوم

سحر ہو گئی آپ ہرگز نہ آئے　　　کٹی کس طرح شب تمھیں کیا خبر ہے

میں اور اساتذہ لکھنؤ اور دہلی کی مثالیں پیش کرسکتا ہوں۔ بڑے بڑے اساتذہ نے شتر گربہ نظم کیا ہے۔ لیکن ابھی بے محل ہوگا آیندہ بالتشریح نام بنام اشعار اور مراثی کے بند سناؤں گا (آپ اچھی طرح سمجھ گئے؟)۔

نواب ۔ مطلب ذہن نشین ہوگیا ۔

اُستاد ۔ دوسرا عیب یہ ہے کہ عدم کا عین گر گیا ۔

نواب ۔ حضور، عین کیونکر گرا میری سمجھ میں نہیں آیا ؟

اُستاد ۔ آپ نے علم عروض پڑھا ہے۔ تقطیع کرسکتے ہیں ؟

نواب ۔ جی، میں عروض سے بالکل ناواقف ہوں ۔

اُستاد ۔ جب آپ تقطیع کرنے لگیں گے اور عروض پڑھ لیں گے اُس وقت بالتفصیل بتاؤں گا کہ حرف کیونکر گرتا ہے کیونکر بچایا جاتا ہے۔ اس وقت ایک معمولی سا قاعدہ بتائے دیتا ہوں سمجھ لیجیے۔ تاکہ آیندہ حرف عین کبھی نہ گرے ۔ اور وہ یہ ہے :۔

قاعدہ

مصرع میں عین کو غین کرکے پڑھیے یعنے عین پر نقطہ دے لیجیے۔ اگر کوئی تکلف پڑھنے میں نہ ہو یعنے مصرع اُسی صفائی سے پڑھ لیا جائے جس طرح عین میں پڑھا جاتا تھا تو عین نہیں گرا اور اگر زبان رُکے اور تکلف پیدا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ عین گر گیا ۔

اب اپنے دوسرے مصرع کو یوں پڑھیے کہ عین کو غین کرلیجیے ۔

نواب ۔ بہت خوب کہہ کے عین کو غین کرکے مصرع جو پڑھا۔ تو خوب پر رُک گئے ۔

اُستاد ۔ کیوں ؟ پڑھیے ؟

نواب ۔ اُس صفائی سے نہیں پڑھا جاتا ۔

اُستاد ۔ بس سمجھ لیجیے عین گر گیا ۔

آیندہ جب غزل کہیے گا جس قدر عین ہوں سب کو غین کرکے پڑھ لیا کیجیے گا ۔

آپ دونوں عیب سمجھ گئے؛ شعر کاٹ دیجیے ۔

نواب ۔ بہت مناسب ۔

شعر نمبر ۵

وصل کی شب جوش میں مجھ سے یہ فرمانے لگے　　لو نکالو حسرتیں اپنے دلِ ناشاد کی

اُستاد ۔ استغفراللہ، نہایت مذموم، واہیات شعر ہے ۔ اس قسم کے شعر کبھی نہ کہیے گا ۔ بالکل بازاری خیال ۔ کیا آپ کو داغ دہلوی کا رنگ زیادہ پسند ہے؟ داغ نے اس قسم کے تخلیات کے دریا بہا دیے ۔ چنانچہ مشہور شعر ہے ؎

بہت تم کو ساکرتے تھے کہ ٹپکے کوڑہ ہاتھوں میں　　جوانی آپ ہی کی پھوٹ نکلی چھاتیاں ہو کر

ایک داغ ہی پر بازاری خیال کا دھتہ نہیں ۔ بہت سے اساتذہ نے ایسے خیال نظم کیے ہیں چنانچہ خدائے سخن حضرت میر تقی میر

لذتِ دُنیا سے کیا بہرہ ہمیں　　پاس ہے رنڈی ولے ہے ضعف باہ

امیر مینائی

ہزاروں برس کی ہے بڑھیا یہ دنیا　　مگر تاکتی ہے جواں کیسے کیسے

امیر مینائی

آنکھیں دکھلاتے ہو جوبن تو دکھاؤ صاحب　　وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے

آتش

ہوتا ہے خوشنوائی بلبل سے آشکار　　یہ مُشتِ پر بھی شاعروں کا احتلام ہے

آپ نے شعر سُنے کس قدر پست خیال کے شعر ہیں ان کو مخربِ اخلاق نہ کہنا گناہ عظیم کا مرادف ہے ۔ آپ ہمیشہ احتیاط کیجیے گا ۔

نواب ۔ بہت خوب، ضرور احتیاط کروں گا ۔

اُستاد ۔ یہ شعر کاٹ دیجیے ۔ اور پڑھیے ۔

نواب ۔ شعر کاٹ کے ۔

شعر نمبر ۶

صبح تک زنداں کی دیواریں ہلا کیں شام سے — شب کو قیدی نے تمھارے اس طرح فریاد کی

اُستاد۔ واہ، سبحان اللہ (شام سے) کا ٹکڑا بالکل زائد۔ کلام میں زوائد نہ ہونا چاہیئے۔

نواب - زوائد کیا ؟

اُستاد- زوائد جمع زائد کی یعنے بھرتی کے لفظ نہ ہونا چاہیئے۔ تمام الفاظ اپنا اپنا مطلب ادا کریں - دیگر یہ کہ آپ نے سرقہ بھی کیا ہے جو قطعاً حرام ہے -

نواب - گھبرا کے، چوری کی ہے ؟

اُستاد- جی ہاں -

نواب - کس کی چوری ؟

اُستاد- جناب رشید لکھنوی مرثیہ گو کی چوری - مرحوم کی غزل کا مشہور شعر ہے ؎

سحر تک روز زنداں کی ہلا کرتی ہیں دیواریں — نہ جانے شب کو قیدی کس طرح فریاد کرتے ہیں

دیکھیے، کسی کے مضمون کو بجنسہٖ یا قدرے تغیر کے ساتھ جانتے ہوئے اپنا کر لینا یعنی خود نظم کر لینا، سرقہ کہلاتا ہے۔ اور اگر بغیر علم کسی کے مضمون سے لڑ جائے تو سرقہ نہیں کہتے بلکہ توارد کہتے ہیں تفصیل آیندہ بیان کروں گا ابھی آپ سمجھ نہ سکیں گے۔ شعر کاٹ دیجیے۔

نواب- بہت بہتر (یہ کہہ کے شعر کاٹ دیا) -

شعر نمبر ۷

کھانا پینا اُٹھنا بیٹھنا ہو گیا دشوار اب — بڑھ گئی ہے اس قدر دھڑکن دلِ ناشاد کی

اُستاد- پہلے مصرع کی بندش بھی خراب ہے۔ اور ناموزوں بھی ہے۔ یوں بدل دیجیے تو شعر غنیمت ہو جائے ؎

چلنا پھرنا بیٹھنا اُٹھنا ہے فرقت میں محال — بڑھ گئی ہے اس قدر دھڑکن دلِ ناشاد کی

نواب- بہت مناسب (یہ کہہ کے بدلا ہوا مصرع لکھ لیا) -

شعر نمبر ۸
مقطع

ہوگیا زعفر تمھارے عشق کا اتنا اثر غیر حالت اُس ستمگر نے تمھارے بعد کی

اُستاد۔ خوب کیا آپ کا تخلص زعفر ہے۔

نواب۔ بڑی فکر کی کہ نیا تخلص مل جائے اور اچھا ہو لیکن نہ ملا مجبوری زعفر تخلص رکھ لیا اب جو حضور کا حکم ہو۔

اُستاد۔ میرے خیال میں اُمید تخلص رکھ لیجیے۔

نواب۔ بہت خوب، واہ واہ۔ آیندہ مقطع میں اُمید ہی نظم کروں گا۔

اُستاد۔ غزل بھر میں سب سے بڑا عیب مقطع کے قافیہ کا ہے۔ یاد، فریاد، آباد کے ساتھ (بعد) کیونکر آسکتا ہے؟ بعد میں حرف دال کے قبل عین ہے عین کی جگہ الف ہونا چاہیئے تھا۔

یاد، فریاد میں دال حرف روی ہے۔ الف حرف قید ضرور ہے۔ حرف قید کے بدلنے کے متعلق مختلف اقوال ہیں بعض کا خیال ہے کہ حرف قید بدلا جاسکتا ہے بعض حرام سمجھتے ہیں۔ جو جائز سمجھتے ہیں اُن میں سے شیخ سعدی بھی ہیں۔ چنانچہ اُن کا شعر ہے ؎

چہ مصر و چہ شام و چہ بر و چہ بحر ہمہ روستا نید و شیراز شہر

اور حرف قید کے بدلنے میں یہ قید بھی لگادی ہے۔ حرف قریب المخرج ہونا چاہیے لیکن محققین خاص کے نزدیک حرف قید کا بدلنا قطعاً حرام ہے۔ چنانچہ مؤلف حدائق البلاغۃ اسی کے مؤید ہیں۔ شعراء ہند کا بھی معمول یہی ہے کہ حرف قید نہیں بدلتے۔

نواب۔ سرکار، یاد آگیا۔ جوش ملیح آبادی نے جائز قرار دیتے ہوئے اسی طرح کا قافیہ نظم کیا ہے جو مطبوعہ کتاب میں ہے۔

اُستاد۔ جوش کا نام لینے سے آپ کا کیا مطلب؟

نواب۔ وہ بہت مشہور و مقبول شاعر ہیں۔

اُستاد ۔ بیشک موجودہ دَور کی شاعری کے اعتبار سے ضرور مقبول عوام ہیں لیکن اسکے یہ معنے نہیں کہ اُنکا کلام سَند میں پیش کیا جا سکے اسلیے کہ وہ قیودِ شعر و عیوب و محسنات کی پابندی نہیں کرتے دنیائے اُردو میں ناحق انقلاب پیدا کر کے (شاعر انقلاب) بن گئے۔ جناب جوش کے نظم کر دینے سے یاد ۔ فریاد کا قافیہ رعد یا بعد کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ خدائے سخن حضرت عشق مرثیہ گو نے ایسے ہی عیوب سے متاثر ہو کے یہ بیت نظم فرمائی ہے

ہر تازہ گو بھی اپنی جگہ لاجواب ہے　　　ورنہ زمینِ شعر کی مٹی خراب ہے

آپ ہمیشہ احتیاط کیجیے گا۔ اور میرے سامنے کبھی ایسے شعرا کی مثال پیش نہ کیجیے گا مقطع کاٹ دیجیے!

نواب ۔ بہت خوب کہہ کے (مقطع کاٹ دیا) سلام کر کے غزل تہ کر کے جیب میں رکھلی اور پیچھے ہٹ کے بیٹھ گئے ۔

اُستاد ۔ جتنے شعر باقی رہ گئے ہیں صاف کر لیجیے گا۔ مسوّدہ تلف نہ کیجیے گا آیندہ کام آئے گا۔ جو باتیں بتائی ہیں اُن کا خیال رکھیے گا ۔ آٹھویں روز ایک غزل ضرور آنی چاہیئے تاکہ مشق بڑھتی رہے ۔ درحقیقت شاعر کے لیے ضروری ہے کہ کم از کم پچاس شعر روزانہ کہے۔ کچھ ہدایات اور کروں گا۔ جو آپ کے لیے بہت زیادہ مفید اور کار آمد ثابت ہوں گے ۔

نواب ۔ بہت خوب ۔ (تھوڑی دیر سکوت کے بعد) اجازت چاہتا ہوں ؟

اُستاد ۔ جائیے گا ۔ اچھا خدا حافظ ۔ ۔

نواب ۔ سلام کرتے ہوئے خدا حافظ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے ۔

دلچسپ معلومات نمبر ۳

اُستاد حدائق البلاغۃ اُٹھا کے جا بجا سے مطالعہ میں مصروف ہو گئے ۔ تقریباً آدھ گھنٹہ نہ گزرا ہو گا کہ یکایک چار شاعر کہنہ مشق صرف اس لیے کہ اُستاد کا امتحان لیں کہ معلومات کس قدر ہیں آگئے سب نے اجازت چاہی ۔

اُستاد نے کھڑے ہو کے (تشریف لائیے) ۔

چاروں شاعر کمرے میں آگئے ۔

اُستاد نے بسم اللہ کہہ کے اپنے قریب سب کو بٹھایا (چاروں شاعر یہ ہیں (۱) مروّت صاحب (۲) شہرت صاحب (۳) زینت صاحب (۴) حیرت صاحب) ۔

آپ حضرات کا کیونکر تشریف لانا ہوا؟ کہاں زحمت فرمائی ؟

شاعر۔ ہم لوگ افقر صاحب موہانی کے یہاں مشاعرے میں حاضر ہوئے ہیں آج شب کو ہے۔ خیال ہوا کہ جناب کی قدمبوسی کر لیں اس لیے کہ لکھنؤ اب آپ ہی ایسے حضرات کے دَم سے لکھنؤ ہے ۔ کچھ کلام سے حضور مستفید فرمائیں تو مہماں نوازی ہو گی ۔

اُستاد۔ عرصے سے شعر گوئی ترک کر چکا، برسوں سے ایک مصرع نہیں کہا مجھے کیا سُنیے گا ۔ ہاں آپ حضرات ماشاءاللہ شب و روز کہتے رہتے ہیں کچھ ارشاد ہو تو عین بندہ نوازی ہو گی ۔

شعرا۔ نہیں حضور کچھ ضرور ارشاد فرمائیں ۔ مہمان کی خوشی میزبان پر فرض ہے ۔ ہم لوگ مہمان ہیں ۔

اُستاد۔ آپ حضرات مجبور کر رہے ہیں صرف ایک مطلع جو تقریباً تیس برس قبل کا ہے سنائے دیتا ہوں ۔ اُس کے بعد آپ حضرات کو غزلیں سُنانی ہوں گی ۔

شعرا۔ حضور ایک مطلع میں سیری نہ ہو گی ۔

اُستاد۔ یہ بھی صرف آپ حضرات کی خوشی سے پڑھے دیتا ہوں ورنہ غزل گوئی، غزل خوانی ترک کر چکا ۔

شعرا۔ (آپس میں اشارہ کر کے) خیر جو خوشی ہو ارشاد فرمائیے ۔

اُستاد۔

آتشِ فرقت سے دل اس طرح سوزاں ہو گیا ۔۔۔ داغ لَو دینے لگے سروِ چراغاں ہو گیا

شعرا۔ (مُسکرا کے) واہ حضور واہ ۔ کیا مطلع ارشاد فرمایا ہے ۔ مروّت صاحب (ہمراہیوں کی طرف دیکھ کے) مطلع پھر ارشاد ہو ۔ اُستاد نے پھر پڑھا ۔ اور سلام کیا ۔ شہرت صاحب (مُسکرا کے) حضور پھر عنایت فرمائیں ۔ اُستاد نے پھر پڑھا ۔

(اب اُستاد نے خیال کیا کہ مطلع پر کوئی اعتراض ہے)

زینت صاحب ۔ حضور، ایک مرتبہ اور ارشاد ہو ۔

اُستاد نے سلام کرتے ہوئے پھر پڑھا (اور شعرا کی طرف نظر ڈال کے) کیا آپ حضرات کو مطلع میں کچھ کلام ہے ؟

شعرا ۔ امید ہے کہ جناب گستاخی معاف فرمائیں گے ۔

اُستاد ۔ نہیں نہیں جو اعتراض ہو ارشاد فرمائیے

مروت صاحب ۔ قافی کے متعلق دریافت کرنا چاہتے ہیں ۔ جناب نے سوزاں، چراغاں نظم فرمایا ہے ۔ یہ ایطا جلی ہے ۔ جو افحش عیوب میں شمار کیا جاتا ہے ۔ کیا حضور کے نزدیک ایطا نہیں ہے اور اگر ہے تو جائز ہے ؟

(دُور اندیش تجربہ کار اُستاد سمجھ گئے کہ چونکہ میں لکھنوی ہوں ۔ جذبۂ تعصّب میرے ذلیل کرنے کیلئے یہاں تک ان حضرات کو لایا ہے) ۔

اُستاد ۔ بظاہر تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ایطا جلی ہے جسے یقیناً ناجائز سمجھتا ہوں لیکن فی الحقیقت جلی کیا ایطا خفی کی بھی جھلک نہیں پائی جاتی ۔

شہرت صاحب ۔ یہ تو جناب کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے ۔ دلیل کا وجود نہیں ۔ کیا چراغاں کا چراغ ۔ اور سوزاں کا سوز باقی نہیں رہتا ۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جناب کیا فرما رہے ہیں ۔

اُستاد ۔ پہلا جواب یہ ہے کہ سوزاں کا الف و نون علامت فاعلیت ہے ۔ چراغاں کا الف و نون زائد ہے ۔ چونکہ علامتوں میں فرق ہے اس لیے جائز ہونے میں کیا کلام ہے ۔ گو میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں ۔

شہرت صاحب ۔ یہ مسئلہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا ؟

اُستاد ۔ (غصہ میں) یہ چیز آپ کے سمجھنے کی بھی نہیں ہے ۔

زینت صاحب ۔ کیا کچھ چیزیں جناب کے نزدیک ایسی بھی ہیں جس کے سمجھنے سے ہم لوگ قاصر ہیں ۔

اُستاد ۔ کچھ کا لفظ نہ بولیے بکثرت چیزیں ایسی ہیں کہ جناب نے جن کا نام بھی نہ سُنا ہوگا ۔

حیرت صاحب۔ معافی کا خواستگار ہوں، بے ادبی ہے۔ یہ اہل لکھنؤ کا خاص طریقہ ہے کہ اپنے سامنے کسی کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے پہلے کرلیا ہے کہ فن شعر وسخن میں ہم سے بہتر دستگاہ کسی کو نہیں جیسا کہ جناب نے طریقہ اختیار فرمایا ہے تو مشق سمجھتے ہوئے صریحی غلطی کو صحیح فرما رہے ہیں۔

اُستاد۔ (غضبناک لہجے میں) اہل لکھنؤ قطعاً متعصب نہیں کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے۔ سر باہر سے آنے والے شاعر کی عزت کرتے ہیں، اُس کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں۔ بلکہ بہت سے پُرخلوص اہل لکھنؤ ایسے بھی ہیں جو لکھنوی شاعر کو پست کرتے ہوئے بیرونی شاعر کو ہفت آسمان کی سیر کراتے ہیں۔ کبھی کوئی آنے والا لکھنؤ سے بے عزت ہو کے نہیں گیا۔ اہل لکھنؤ نے ڈنکے بجوا دیے تعریفوں کے پُل باندھ کے چہار دانگ عالم میں روشناس کرادیا۔ برخلاف اس کے لکھنوی غریب بعض متعصب مقامات پر گئے اور مرثیہ پڑھنے کیلئے منبر پر جانا تھا کہ آتش بغض وحسد نے بھڑک کے خرمن اخلاق کو خاک سیاہ کر دیا۔ اثنائے خوانندگی میں کسی نے ذاکر کو مُنہ چڑھا دیا کسی نے چُوہچ دکھائی کسی نے آنکھ ماری۔ ذاکر غریب الوطن میزبانوں کی نالائق حرکت سے عاجز آ کے۔ بے ربط مرثیہ چھوڑ کے اُتر آیا۔ اور رُخ سوئے وطن کر دیا (حیرت صاحب کی طرف رُخ کر کے) آپ کے چھیڑنے سے موضوع بدل گیا۔ ہاں جناب آپ کے نزدیک بھی عیب ہے۔

حیرت ۔ قطعاً عیب صریح موجود ہے۔

اُستاد۔ میں تقریر شروع کرتا ہوں۔ جو کچھ اعتراض ہو تقریر کے بعد فرمائیے گا۔ غور سے ملاحظہ ہو۔

حیرت ۔ ارشاد۔

اُستاد۔ زبان عربی میں جسے (ایطا) کہتے ہیں۔ فارسی زبان میں اسی کو (شائگاں) کہتے ہیں۔ اسکی دو قسمیں ہیں۔ جلی اور خفی۔

جلی اُسے کہتے ہیں جس میں تکرار قافیہ ظاہر بظاہر ہو۔

مثال ۔ دردمند، حاجتمند۔ ستگر۔ افسوں گر۔ یاراں۔ دوستاں وغیرہ اسی کی واضح مثال

حضرت سودا کے چار مصرع ہیں ؎

جاری آب اشک ہے آنکھوں سے جو شام وسحر ۔۔۔ پُتلیاں کہتی ہیں دل کو عشق ہے سبطین سے

شائگاں کتنا جلی ہے دیکھیے اہلِ نظر چشمۂ تسنیم و کوثر ہیں رواں عینین سے

موصوف نے شائگاں کو کس حُسن سے نظم فرمایا ہے۔ گویا ایک قاعدہ بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اگر شائگاں نظم کر کے ظاہر کر دیا جائے تو قباحت نہیں گو سبطین کا سبطِ حسنین کا حسن رہ گیا لیکن شائگاں کا لفظ چار مصرعوں میں لا کے عیب کو واضح کر دیا اب عیب نہ رہا۔

خفی اُسے کہتے ہیں جس میں تکرار قوافی ظاہر بظاہر نہ ہو۔

مثال - دانا - بینا - حیراں - سرگرداں -

ایطاء کے معنی بھی یہی ہیں۔ تکرار کلمہ قوافی میں۔ ایک معنی کے ساتھ - آپ کے نزدیک میرے مطلع میں ایطا جلی ہے -

حیرت - جناب نے جو کچھ تقریر فرمائی یہ ابتدائی کتابوں میں اسی سلسلے سے لکھی ہوئی ہے -

اُستاد - میں نے عرض کر دیا تھا کہ جناب درمیان میں نہ بولیں - بیشک چھوٹی کتابوں میں بھی یہ مسئلہ یوں ہی لکھا ہوا ہے - لیکن اب جو کچھ عرض کرتا ہوں بڑی بڑی کتابوں میں نہ ملے گا - اور شاید جناب نے آج تک کسی سے سُنا بھی نہ ہو - اتنا تو دنیا جانتی ہے - وہ یہ ہے کہ جواز ایطا کی دو صورتیں ہیں - پہلی صورت یہ ہے کہ تکرار لفظ کے ساتھ معنے بدلتے جائیں - جیسے جناب رشید لکھنوی مرثیہ گو کے ایک بند کے چار مصرع بہار کے موقع پر ؎

نہ کسی نے خبرِ حالتِ نیک و بدلی شرط آپس میں بہار آنے کی سب نے بدلی

باغِ عالم کی ہوا اور ہوئی رُت بدلی بوندیاں پڑ رہی ہیں چھائی ہوئی ہے بدلی

دیکھیے چاروں مصرعوں میں بدلی کا لفظ قافیہ ہے - مگر معنی ہر جگہ بدلتے گئے یہ جائز اور قطعاً جائز ہے - دوسری صورت یہ ہے کہ بیت میں دونوں قافیے ایک طرح کے ہوں لیکن ایک قافیہ علَم ہو۔ دراصل علَم کے دو دو جز ہوں لیکن علَم ہونے کے بعد ایک مستقل شے قرار دیتے ہیں جس کے بعد تحلیل اجزا کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی - جیسے حیدر - صفدر - حیدر کی اصل حی در - سانپ یا اژدہے کا پھاڑنے والا - صفدر کے معنی صفوں کا چیرنے والا - بظاہر شائگان جلی

موجود ہے لیکن چونکہ حیدر علم ہوگیا ہے اس لیے جائز ہوگیا ۔ علمیت کی دلیل خود قولِ حضرت علیؑ ہے جو خیبر میں مرحب کے مقابل میں رجز کے محل پہ فرمایا تھا انا الذی سمتنی امی حیدرا
چنانچہ بطور مثال حضرت انیسؔ رح کا بند ہے ۔

مطلع

میدان میں عباسِ دلاور کی ہے آمد — ہر صف میں یہ ہے شور کہ صفدر کی ہے آمد
سب کہتے ہیں کرار کے دلبر کی ہے آمد — یہ اور کی آمد نہیں حیدر کی ہے آمد
اک دم میں اُلٹ دیگا ورق فوج کی صف کا
رُخ ہے سوئے دریا خلفِ شاہِ نجف کا

حیدر، صفدر ایک ہی بند میں نظم فرمایا ہے جو قطعاً جائز ہے ۔ میں نے جو کچھ عرض کیا یعنے حیدر و صفدر کی مثال پیش کی یہ بربنائے مشہور ہے یعنے حیدر ۔ حی در سے علم ہوا درانحالیکہ میری تحقیق میں حیدر مستقلاً علم ہے ۔ اژدہے کو حی نہیں بلکہ حیہ کہتے ہیں ۔ رہا در تو دریدن سے در بنا کے عرب النسل عورت کبھی اپنے بچے کے نام میں شامل نہیں کرے گی جیسا کہ بربنائے مشہور ہے ۔ بہر طور یہ طے شدہ امر ہے کہ اگر ایک قافیہ علم ہو تو جائز ہے مثلاً پہلے مصرع میں چراغاں ہو اور دوسرے مصرع میں سرو چراغاں ہو اور سرو چراغاں کسی کا نام ہو جیسا کہ میرے مطلع میں ہے تو قطعاً جائز قرار پائے گا ۔

حیرت مثل آئینہ حیران ہو کے اُستاد کا مُنہ دیکھنے لگے باقی حضرات نے شرم سے سر جُھکالیا ۔ اور بالانشان سب نے کہا بجا ہے ، درست ہے ۔ واقعاً جناب کا مطلع صحیح ہے لیکن ایک بات باقی رہ گئی وہ یہ کہ سرو چراغاں بھی علم ہے یا نہیں ۔

اُستاد ۔ بیشک یہ فرض میرا ہی ہے کہ ثابت کروں ۔ سُنیئے بہار عجم ستند لغت ہے اُسکی عبارت بجنسہ پڑھتا ہوں ۔ اب آپ کو کوئی کلام باقی نہ رہے گا (سرو چراغاں) مثل چلچراغ بود وبعضے از تازہ گویان زمان ما این را در اشعار خود بستہ اند لیکن در کلام قدما یافت نشدہ ۔

اب تو جناب کو علمیت سروچراغاں کا یقین ہوا۔
حیرت۔ جناب کا فرمانا بالکل درست و بجا ہے ہم لوگ اپنا اعتراض واپس لیتے ہیں۔
اُستاد۔ مگر میں اپنا جواب واپس نہیں لیتا۔ اب کچھ اپنے کلام سے آپ حضرات مستفید فرمائیں (گو اُستاد کا سکہ دل پر بیٹھ چکا تھا، ہیبت طاری ہو چکی تھی۔ مگر جذبۂ تعصب لکھنؤ نے مجبور کر کے شعر پڑھنے پر آمادہ کیا۔)
(شعرا ایک دوسرے کو اشارہ کر کے، اُستاد کی طرف دیکھ کے) ہم لوگ کلام ساتھ لانا بھول گئے اب جناب ہی اپنے کلام سے مسرور فرمائیں۔
اُستاد۔ میں اب ایک شعر بھی نہیں پڑھوں گا۔ جو کچھ یاد ہو ارشاد فرمایئے۔
(شعرا یہ خیال کرتے ہوئے کہ سمجھے اور جنچے ہوئے متفرق اشعار سنائیں گے تاکہ اُستاد اعتراض نہ کر سکیں)
مروت صاحب۔ شاید جناب تعلّی خیال فرمائیں یا دعویٰ متصور فرمائیں۔ ایسا نہیں بلکہ واقعاً ہم لوگ حتی الامکان اتنا سمجھ کے شعر کہتے ہیں کہ اعتراض کا خیال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ اگر جناب کو کہیں شک ہو تو ضرور دریافت فرمالیں۔
اُستاد۔ فن شعر و سخن ایسا فن ہے کہ انسان عمر بھر دھوکے کھاتا ہے۔
مروت صاحب۔ ہم لوگ خدا کی قسم دیتے ہیں کہ اگر کہیں کچھ شک یا خیال پیدا ہو تو ضرور اعتراض فرمادیجئے گا۔ مروت سے کام نہ لیجیے گا۔ ہم لوگ ناراض نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ہم لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ہمیشہ بے عیب کہتے ہیں۔
اُستاد۔ (مسکرا کے) چونکہ آپ حضرات نے قسم دیدی ہے اس لیے جہاں سمجھ میں نہ آئے گا دریافت کرلوں گا۔
شعرا۔ (یکبارگی) ہم لوگ خوش ہوں گے ناخوشی کی کیا بات ہے۔
اُستاد۔ پھر ارشاد ہو؟

مروت صاحب۔ مسلسل غزل یا دیگر کلام یاد نہیں۔ متفرق اشعار ملاحظہ ہوں۔ شعر عرض ہے ؎

کیا بتاتی ہیں تمازتِ مہر ۔ تھا سرِ حشر سایۂ رحمت

اُستاد۔ بہت خوب شعر فرمایا ہے لیکن عرض یہ ہے کہ سایۂ رحمت کس کا تھا پتا نہ چلا؟

مروت صاحب۔ خدا کی رحمت کا سایہ مراد ہے۔

اُستاد۔ بتانے سے سمجھ میں آیا ورنہ اجنبی شخص قطعاً سمجھ نہ سکتا۔

مروت صاحب۔ یہ نیا رنگ ہے۔ صرف اشارات میں مطلب ادا ہوتا ہے۔ یہ خصوصیت پُرانے رنگ کی ہے کہ وضاحت ضرور ہو۔

اُستاد۔ اب سمجھ گیا۔ بیشک اگر نئے رنگ کا شعر ہے تو درست ہے۔ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ طرزِ جدید کی شاعری میں مصرعوں کی بے ربطی اور مطلب کے ابہام کا نام شعر ہے۔

مروت صاحب۔ جی نہیں۔ یہ ادبِ لطیف ہے۔

اُستاد۔ سب باتوں کو جانے دیجیے۔ یہ تمازت کا لفظ ترکیب کے ساتھ آپ نے کیوں استعمال کیا کیا عربی یا فارسی ہے؟

مروت صاحب۔ عربی لفظ ہے بروزن سخاوت۔ مصدر ہے۔ کیا اب بھی اضافت صحیح نہیں؟

اُستاد۔ صرف جناب کا معیارِ تحقیق سمجھنا چاہتا تھا۔ آپ دھوکے میں ہیں۔ مصدری وزن ضرور ہے۔ لیکن عربی نہیں۔ اس لفظ کے واضع اہلِ ہند ہیں لہٰذا اُردو ہے۔

مروت صاحب۔ کیا کسی لغت میں اس لفظ کا وجود نہیں؟

اُستاد۔ بیشک کسی لغت میں نہیں ملے گا۔

مروت صاحب۔ تمام عالم بولتا ہے۔

اُستاد۔ پوری دنیا غلط بولتی ہے۔ ہاں بغیر ترکیب اُردو سمجھتے ہوئے صحیح ہوجائے گا۔ ترکیب کے ساتھ تو قطعاً ناجائز۔

مروت صاحب۔ میں نے جان کے امتحاناً غلط لفظ شعر میں لاکے پڑھا تاکہ جناب کی استعدادِ علمی ستو

دریافت کرسکوں۔

اُستاد (بڑے غیظ کے لہجے میں) بہت مناسب اور شعر ارشاد ہوں تو استعدادِ علمی جناب پر کما حقہ ظاہر کروں۔

مروت صاحب - بہت خوب - شعر عرض ہے ؎

متلاشیِ دل رہا میں مگر ۔۔۔ زندگی بھر مجھے پتا نہ ملا

اُستاد - ابھی تو امتحاناً کوئی لفظ آپ نے غلط استعمال نہیں کیا۔

مروت صاحب - جی نہیں بالکل سمجھا ہوا شعر ہے۔

اُستاد - (چونکہ غصہ آچکا تھا) جناب وہی عیب جو شعر اول میں تھا اس شعر میں بھی ہے۔ 'مُتلاشی' نہ عربی ہے نہ فارسی بلکہ اُردو ہے اور آپ ترکیب یعنے اضافت کے ساتھ نظم کر گئے۔

مروت صاحب - جب وزن عربی ہے گو اُردو سہی تو اضافت میں قباحت نہیں ہے۔

اُستاد - سبحان اللہ، آج جناب سے معلوم ہوا کہ اُردو کی اضافت فارسی یا عربی لفظ کی طرف صحیح ہے - معاف فرمائیے گا آپ میری استعدادِ علمی معلوم فرمانا چاہتے تھے قبل اسکے کہ میری حیثیت علمی معلوم ہو - مجھے جناب کی تحقیق و بلند خیالی کی حد کا پتا چل گیا - قاعدہ عرض کیے دیتا ہوں، ماننا نہ ماننا جناب کا فعل ہے۔

قاعدہ

اگر اہلِ ہند کسی عربی یا فارسی لفظ کی حرکت بدل کے بولیں - یا کسی وزن عربی پر لفظ وضع کرکے معنے خاص میں استعمال کریں - تو قطعاً اُردو کا حکم جاری کیا جائے گا۔ اس پر اجماعِ شعراءِ مُستَنَد ہے - آیندہ خیال رکھیے گا۔

مروت صاحب سر جھکا کے خاموش ہو گئے - سب پر ایک رعب طاری ہو گیا - مگر زینت حسین بول اُٹھے کہ قبلہ دو ایک شعر میرے ملاحظہ ہوں شاید اعتراض کی زحمت جناب کو نہ ہو۔

اُستاد - جناب ضرور ارشاد فرمائیں۔

زینت صاحب - شعر عرض ہے ؎

اے خیالِ مہتمم یہ اہتمامِ زندگی دیکھنا اک روز بھر جائے گا جامِ زندگی

اُستاد - جناب معاف فرمائیں گے اعتراض کی زحمت ہوئی -

زینت صاحب - ارشاد ہو کیا غلطی ہے ؟

اُستاد - مروت صاحب والے شعروں کا عیب آپ کے شعر میں بھی موجود ہے -

زینت صاحب - لفظ مہتمم کا وجود کیا لغت میں نہیں ہے ؟

اُستاد - آپ نثراً بھی ترکیب سے بول رہے ہیں - میں عرض کر چکا کہ کہیں آپ کو اس لفظ کا وجود نہیں ملے گا - یہ ساختۂ اہلِ ہند ہے -

زینت صاحب - (شرما کے) ایک شعر اور عرض کرتا ہوں اگر جناب نے اعتراض فرمادیا تو یقیناً مان لوں گا کہ ایک مستند اُستاد کو ایسا ہی ہونا چاہیئے -

اُستاد - یہ ضروری نہیں کہ انسان کے ہر شعر میں عیب ہو مگر خیر، پڑھیے -

زینت صاحب - شعر عرض ہے ؎

نقشِ ہستی مٹاتا ہے مگر اے ظلم دوست سامنا عادل کا اک دن حشر میں ہوجائے گا

اُستاد - وہی ہوا جو دلِ بے قرار کہتا تھا - جناب نقش، نقوش تک تو غنیمت ہے لیکن نقشہ وہ بھی ترکیب کے ساتھ کہیں نہیں ملتا نظرِ قاصر سے نہیں گزرا - میرے نزدیک ساختہ اہلِ ہند ہے اور اُردو ہے ترکیب سے استعمال ہونے میں کلام ہے - شعرائے ہند نے نقش ترکیب کے ساتھ استعمال کیا ہے اور نقشہ ہمیشہ بغیر ترکیب استعمال کیا - چند شعر اساتذہ کے سناتا ہوں، آپ حضرات کو اندازہ ہو جائے گا کہ میں کہاں تک صحیح کہہ رہا ہوں - نقش کی مثالیں ملاحظہ ہوں کہ ترکیب کے ساتھ نظم کیا ہے -

آتش

صفحۂ دل سے مٹاؤں کس طرح نقشِ صنم ملک میں ہوتا کسی کے گھر نہیں اللہ کا

امیر

نقشِ ہستی میں ابھی محو کیے دیتا ہوں　　خطِ تقدیر نہیں ہے کہ مٹا ہی نہ سکوں

غالب

آشفتگی نے نقشِ سُوَیدا کیا درست　　ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دُود تھا

پھر کہتے ہیں ؎

غالب

اُس کی بزم آرائیاں سُن کر دلِ رنجور یاں　　مثلِ نقشِ مدّعائے غیر بیٹھا جائے ہے

نقشہ کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں جو بغیر ترکیب استعمال ہوا ہے ۔

آتش

جبیں پر اپنی افشاں کو جو اُس محبوب نے چھڑکا　　کتابی چہرے نے نقشہ دکھایا لوحِ قرآں کا

داغ

ناامیدی مٹائے جاتی ہے　　شوق نقشہ جمائے جاتا ہے

وزیر

اُس شہسوار کا ہے دماغ آسمان پر　　کھینچا ہے جو ہلال نے نقشہ رکاب کا

امیر

افلاک نے چمکائے ستارے تو میں سمجھا　　نقشے یہ اُڑائے ہیں تری بزمِ طرب کے

غالب

تم ماہِ شبِ چار دہم تھے مرے گھر کے　　پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

نہایت صاف دلی سے عرض کرتا ہوں کہ نقشہ اگر آپ کی تحقیق میں کسی وقت آجائے تو مجھے ضرور اصلاح دیجیے گا میں تھک چکا ہوں ۔

(زینت صاحب خود اور اُن کے ہمراہی دیر تک خاموش رہے) ۔

زینت صاحب ۔ غالباً جناب کا وقت خراب ہو رہا ہوگا ۔ آیندہ ہفتہ معین فرمایئے تو

جناب کے اعتراضات کی تحقیق کر کے ہم لوگ جواب پر تیار ہو کے آئیں۔
اُستاد۔ آپ حضرات مسافر ہیں۔ آیندہ شنبہ کو زحمت ہو گی۔ کل یکشنبہ ہے تشریف لائیے دو صاحب باقی رہ گئے ہیں اُن کا اشتیاق ہے۔
زینت صاحب۔ (ہمراہیوں کی طرف دیکھ کے) بہت بہتر ہے۔ کل اِسی وقت حاضرِ خدمت ہوں گے۔ اب اجازت مرحمت ہو۔
اُستاد۔ پان اور نوش فرمائیے۔
سب نے پان کھایا اور رخصت ہو گئے۔ راستہ بھر یہی باتیں کہ کیا خیال کر کے گئے تھے کیا ہوا۔ قیامت کا حافظہ، غضب کی تحقیق ہے۔ جیسا اہلِ لکھنؤ کو سُنتے تھے ویسا ہی پایا۔ اب جتنے شعر ان کے سامنے پڑھے جائیں نہایت سمجھ کے تحقیق کر کے پڑھے جائیں۔
شہرت صاحب۔ حیرت صاحب، کل ہم لوگوں کی باری ہے خدا رحم کرے۔ آپ حضرات تو اپنا کلام سُنا چکے۔ یہی باتیں کرتے ہوئے جائے قیام پر پہونچے اور دن بھر اشعار درست کیے گئے۔ اور یہ طے کیا گیا کہ کون کون سے شعر کل پڑھے جائیں۔ دو بجے شب تک مشاعرے میں شرکت کر کے سب نے آرام کیا۔ صبح کو بیدار ہوتے ہی اُستاد کے یہاں جانے کی تیاری شروع کی۔

یہاں اُستاد، صبح کا وقت ہے، بیٹھکے میں مولانا کا انتظار کر رہے ہیں کہ وقت مُعیّنہ پر مولانا آ گئے۔ سلام علیکم۔
اُستاد۔ علیکم السّلام۔ آئیے۔
مولانا۔ حاضر کہہ کے سامنے بہ ادب بیٹھ گئے۔
اُستاد۔ سب خیریت؟
مولانا۔ بفضلہٖ تعالیٰ من جمیع الجہات مع الخیر ہوں۔
اُستاد۔ فرمائیے کچھ شعر بھی کہے؟ مَیں تو آپ کا انتظار کر رہا تھا۔

مولانا۔ جی، صرف دس شعر عرض کر سکا۔

اُستاد۔ لائیے۔

مولانا نے جیب سے خوشخط لکھی ہوئی غزل نکال کے پیش کی۔

اُستاد۔ آپ شعر پڑھتے جایئے میں بتاتا جاؤں۔

مولانا۔ بہت خوب۔

اصلاح نمبر۴

غزل مولانا

مطلع نمبر۱

اک انقلاب کی دُنیا بسا رہا ہوں میں　　　تغیرات کے جلوے دکھا رہا ہوں میں

اُستاد۔ مطلع سُن کے متحیر ہو گئے۔ فرمایا کہ پوری غزل پڑھ جایئے پھر اصلاح دوں گا عجب رنگ کا مطلع سُنایا۔

مولانا۔ یہ سمجھے کہ اُستاد کو مطلع پسند آیا۔ اب جو شعر پڑھا تو نہایت دلکش سُریلے لہجے میں۔

شعر نمبر۲

نظر میں ہے جو حجاباتِ قُدس کی ہیبت　　　وہ ارتعاش ہے دل کو کہ کانپتا ہوں میں

اُستاد۔ مولانا معاف فرمایئے گا۔ اُستاد کے سامنے اصلاح لیتے وقت غزل یا کوئی کلام دُھن میں نہیں سُنانا چاہیئے۔ یہ پُرانا قاعدہ ہے جو عرض کیا۔ یہ بات بھی ہمیشہ ملحوظ رہے۔

مولانا۔ بہت خوب کہہ کے سیدھا سیدھا کلام سُنانے لگے۔

شعر نمبر۳

حدِ ترقیِ انساں ہے سعیِ لاحاصل　　　خموشیوں کو تکلم بنا رہا ہوں میں

اُستاد۔ (سر ہلا کے) واہ واہ، کیا کہنا۔

شعر نمبر۴

ترقیوں کے منازل کی بُعد ہے معلوم　　　قدم اُٹھائے ہوئے پھر بھی جا رہا ہوں میں

اُستاد ۔ (طمع سے) بہت خوب ۔

شعر نمبر ۵

بنا ہے ماہرِ خلقِ عشقِ لا محدود — اب ایک نقطہ پہ دنیا کو لا رہا ہوں میں

اُستاد ۔ خوب صاحب ۔ واہ جناب ۔

شعر نمبر ۶

چلا ہوں شامل دل سوئے منزلِ اُلفت — کہ ذرّے ذرّے کو رہبر بنا رہا ہوں میں

اُستاد ۔ مناسب ۔

شعر نمبر ۷

ہے آندھیوں کا تلاطم مناظرِ حیرت — بڑھی ہے وحشتِ دل خاک اُڑا رہا ہوں میں

اُستاد ۔ عجیب بات ۔

شعر نمبر ۸

میں اپنے دل کو لگائے ہوئے ہوں سینے سے — کہ جلوہ گہ تری قدرت کا پا رہا ہوں میں

اُستاد ۔ اہاہا ۔

شعر نمبر ۹

جو گیسوئے یار کے دستِ رقیب میں دیکھے — تو بِل میں سانپ کی صورت کھا رہا ہوں میں

اُستاد ۔ بجا ہے ۔

شعر نمبر ۱۰

شعارِ ذوقِ طلب کا وہ کیف ہے طاری — حجابِ قُدس کے پردے اُٹھا رہا ہوں میں

غزل ختم ہوگئی ، مولانا کے سکوت پر اُستاد نے سر بلند کر کے پوچھا کہ یہ پہلی غزل ہے یا اس سے پہلے کچھ اور غزلیں بھی آپ نے کہی ہیں ۔

مولانا ۔ تین چار غزلیں کئی برس ہوئے جب کہی تھیں یا اب یہ غزل عرض کی ہے ۔

اُستاد - جناب کا رنگِ طبیعت معلوم ہو گیا - بہت بلند شعر فرماتے ہیں - خیر، اب غزل پھر شروع کیجیے تاکہ ایک ایک شعر بنتا چلے -

مولانا - بہت خوب -

مطلع

اک انقلاب کی دُنیا بسا رہا ہوں میں　　　تغیرات کے جلوے دکھا رہا ہوں میں

اُستاد - مولانا پہلے مطلب بیان فرمائیے تو کچھ کہوں -

مولانا - شاعر کہتا ہے کہ میں وہ باکمال انسان ہوں کہ انقلاب کی دنیا بسا رہا ہوں یعنے کثرت سے انقلابات پیدا کر رہا ہوں - اُسی کو دوسرے مصرع میں توضیحاً کہا کہ دُنیا کو تغیرات کے جلوے دکھا رہا ہوں - میں نے درحقیقت منطق کا ایک اہم مسئلہ حل کیا ہے -

اُستاد (گھبرا کے) جناب وہ کیا ؟

مولانا - حدوثِ عالم پر روشنی ڈالی ہے العالم متغیرٌ وکلُّ متغیرٍ حادثٌ - نتیجہ یہ نکلا کہ فالعالمُ حادثٌ -

اُستاد - مولانا - آپ نے اُردو میں مطلع کہا ہے یا قطبی کے دریا کو کوزے میں بند کیا ہے - اُردو شعر کی تعریف یہ ہے کہ اہل زبان شعر سُننے کے بعد فوراً معانی و مطالب سے واقف ہو جائیں - آپ کی پہیلی شاید کوئی ہندوستان والا نہ بوجھ سکے - اُکا حل عراق عرب و عجم میں نکلنا دشوار ہے - مصرع اوّل و دوم میں تعلق ہونا چاہیے آپ کے یہاں ربط نہیں - اگر ربط مانیے گا تو مصرع ثانی بیکار ہوا جاتا ہے - اسی کو اساتذہ نے (المعنیٰ فی بطنِ الشاعر) کہا ہے - کہنے والا سب کچھ کہہ گیا لیکن سمجھنے والا کچھ نہ سمجھا - لکھنؤ کے پست طبقے کے لوگ ایسے محل پر ایک مثل بولتے ہیں - (نواب بولیں فارسی گنوار بھاگے جائیں) آپ کے مطلع کا کوئی حاصل نہیں - میں سمجھتا ہوں آج کل جو نیا رنگ نکلا ہے آپ اُس کے مقلد ہیں - شعر میں ایسے الفاظ یا ایسی ترکیبیں لانا جن کا مطلب فوری سمجھ میں نہ آسکے میرے نزدیک

شعر بے معنی کہے جانے کا مستحق ہے - پھر اردو شاعری، اُس میں انقلاب و تغیرات و جلوہ وغیرہ کے ایسے الفاظ خاص ترکیبوں کے ساتھ شعر کو بالکل مبہم کر دیتے ہیں - برائے خدا یہ رنگ چھوڑیے زبان و محاورہ کا لحاظ کر کے شعر کہیے، زبان نرم رہنا چاہیئے - مزید یہ کہ جناب نے اک نیا محاورہ استعمال کیا یعنے (روشنی ڈالنا) -

مولانا - کیا فصیح نہیں ؟

اُستاد - بالکل غیر فصیح ہے، انگریزی دانوں نے کچھ عرصے سے بولنا شروع کیا ہے - یہ ممکن ہے کہ دس بیس سال بولنے کے بعد فصیح ہو جائے لیکن ابھی غیر فصیح آیندہ نہ بولیے گا نہ نظم کیجیے گا - ایک بات اور بتا دوں - میری عادت یہ ہے کہ ایک ایک حرف پر اعتراض کرتا ہوں اسی سے مجھ سے دنیا ناراض ہے - آپ کو اگر تحصیلِ فن کرنا ہے تو کبھی ناراض نہ ہو جایئے گا -

مولانا - استغفراللہ، بھلا میری یہ مجال کہ حضور سے ناراض ہو سکوں - کیا شعر کاٹ دوں ؟

اُستاد - نہیں، رہنے دیجیے - آج کل کا رنگ ہی یہی رہ گیا ہے کہ جس قدر مبہم شعر کہا جائے اُسی قدر شاعروں میں واہ واہ زیادہ ہوتی ہے - اور شعر پڑھیے -

مولانا - ؎

شعر نمبر ۲

نظر میں ہے جو حجاباتِ قُدس کی ہیبت　　　وہ ارتعاش ہے دل کو کہ کانپتا ہوں میں

اُستاد - ذرا اس شعر کا بھی مطلب بیان کیجیے - میری سمجھ میں کچھ نہ آیا -

مولانا - میں نے معراج کی شب نظر میں رکھ کے شعر عرض کیا ہے - جناب رسولِ خدا جب معراج میں تشریف لے گئے اور قریبِ پردہ پہونچے تو جلالتِ بارگاہِ ایزدی کی وجہ سے آپ کا دِل کانپنے لگا تھا اور آپ پر خاص رعب طاری ہو گیا تھا - اس شعر میں اُس منظر کی تصویرکشی کی ہے -

اُستاد - آپ نے کہا ہے کہ میری نظر میں حجاباتِ قدرت ہیں، دل میں رعشہ ہے، کانپ رہا ہوں - مولانا! یا تو ہر شعر کے ساتھ تشریح بھی لکھ لایا کیجیے تا کہ کسی کو سناتے وقت یا مجھ کو آپ کو سمجھانا نہ پڑے تشریح سے خود سمجھ لیا جایا کرے - صرف الفاظ کا گورکھ دھندا ہے - دل کا ارتعاش

عجب ترکیب ہے، حجابات قدس اشد رہے وزنِ الفاظ۔ آپ بالکل آجکل کے رنگ پر چل رہے ہیں۔ موجودہ دَور میں ایسے شاعر پیدا ہو گئے ہیں جو خود کہتے ہیں اور خود ہی سمجھ لیتے ہیں دوسرا اُن کے کلام سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ یہ رنگ آپ کو چھوڑنا پڑے گا۔

مولانا۔ جیسا حضور کا حکم ہو۔ ایک بات دریافت کرنا ہے وہ یہ کہ جناب نے رعشہ بکسر را ارشاد فرمایا غالباً رعشہ بفتح را رہے۔

اُستاد۔ آپ دھوکے میں ہیں۔ میں صحیح بولا۔ ترکیب کے ساتھ رعشہ بکسر را ہی بولنا چاہیئے یہ میری احتیاط ہے کہ بغیر ترکیب بھی لفظ صحیح بولتا ہوں۔ ضرغام بکسر را صحیح ہے۔ عوام و خواص بفتح را بولنے لگے۔ بغیر ترکیب ضرغام بفتح را بولا جا سکتا ہے۔ لیکن مع الترکیب غلط۔ یہی شان بعینہٖ گلعذار کی ہے۔ حقیقتاً گلعذار بکسر عین ہے۔ دنیا بالفتح عین بولنے لگی یہ غلط ہے۔ صرف اس اشتباہ کو دُور کرنے کے لیے اگر گلعذار بضم عین بولا جائے کہ ازار پائجامہ کو کہتے ہیں تو قباحت نہیں۔ اسی طرح اور بھی الفاظ ہیں جو آیندہ بتادوں گا۔ اور پڑھیئے۔

مولانا۔ بہت خوب۔

شعر نمبر ۳

حدِ ترقّیِ انساں ہے سعیِ لاحاصل   خموشیوں کو تکلم بنا رہا ہوں میں

اُستاد۔ دولخت ہے۔

مولانا۔ میں سمجھا نہیں

اُستاد۔ پہلے مصرع کو جب دوسرے مصرع سے کوئی تعلق یا لگاؤ نہو یعنے ایک مصرع کا کچھ دوسرے مصرع کا کچھ مطلب ہو تو اسے دولخت کہتے ہیں۔ پھر یہ کہ مصرع اولیٰ بے معنے ہے حد ترقی انساں کا لاحاصل سعی ہونا کیا معنے غور فرمایئے۔ خموشیوں کو تکلم بنانا ثابت نہیں۔ لہٰذا مجموعی حیثیت سے شعر بے معنے ہے۔ کاٹ دیجیے۔

مولانا۔ (بجبر) بہت خوب۔ غزل بھر میں یہی شعر مجھ کو پسند تھا۔ میں نے ڈوب کے کہا تھا۔

اُستاد۔ ڈوب کے کیا کہا تھا میں سمجھا نہیں۔ آپ تو نئے نئے محاورات بول رہے ہیں۔ ڈوب کے کہنا کیا معنے رکھتا ہے۔ دریا میں کہا ہے، حوض میں غوطہ لگا کے کہا ہے، کنوئیں میں بیٹھ کے کہا ہے۔ برائے خدا زبان کا محاورے کا خیال کر کے بولا کیجیے۔

مولانا۔ بہت خوب۔ گہری فکر سے کہا تھا۔

اُستاد۔ یہ صرف بھی نیا ہے کبھی نہ بولیے گا۔ رہی جناب کی پسند تو آپ شعر اصلاح لیتے وقت اصلاح دینے والے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا کیجیے۔ کچھ عرصے تک پسند خاطر سے کام نہ لیجئے۔ میں سنے جتنے شعر اس وقت تک سُنے سب سے زیادہ پست شعر یہی ہے۔ نظری کر دیجئے۔ یعنے کاٹ دیجیے۔ ایک بات اور بتا دوں۔ شعر کسی قدر پسند خاطر کیوں نہ ہو نظری شعر کبھی کسی کو سنا نہ دیجیے گا نہیں کیونکہ اُستاد ذمہ دار ہوتا ہے۔

مولانا شعر نمبر ۴

ترقیوں کے منازل کی بُعد ہے معلوم قدم اُٹھائے ہوئے پھر بھی جا رہا ہوں میں

اُستاد۔ لفظ بُعد مذکر ہے آپ نے مؤنث نظم کیا ہے۔ پھر منازل جمع منزل ہے۔ عربی لفظ واحد کی جمع اُردو میں ہمیشہ تذکیر بولی جاتی ہے۔ یہ قاعدہ یاد رکھیے گا۔ جیسے مناظر اچھے تھے۔ منازل طے کیے گئے۔ گو یہ قاعدہ میں نے بلا سبب بیان کیا مگر فائدے سے خالی نہیں۔ ایک بات اور یہ ہے کہ دوسرے مصرع کا (پھر بھی) محتاج ہے کہ پہلے مصرع میں (گو) لایا جائے۔ یعنے یوں ہونا چاہیے تھا کہ ترقیوں کے منازل کا گو بُعد معلوم ہے۔ پھر بھی قدم اُٹھائے ہوئے جا رہا ہوں۔ یہ شعر بھی کاٹ دیجیے۔

مولانا۔ (بہ تکلف) بہت مناسب ہے۔

شعر نمبر ۵

بنا ہے راہبر خلق عشق لا محدود اب ایک نقطہ پہ دُنیا کو لا رہا ہوں میں

اُستاد۔ گو شعر رکھنے کا نہیں مگر رہنے دیجیے۔ برائے خدا آئندہ نرم زبان، فصیح محاورات کی

کوشش کیجیے گا تاکہ زبان کا لطف باقی رہے - اور پڑھیے -

مولانا شعر نمبر ۶

چلا ہوں شامل دل ہوئے منزلِ اُلفت کہ ذرّے ذرّے کو رہبر بنا رہا ہوں میں

اُستاد - شاملِ دل کی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی یہ تو پورب کی زبان ہے - پورب والے حضرات اگر باہر سے کوئی شئے منگاتے ہیں تو خط میں لکھتے ہیں کہ اپنے شامل لیتے آئیے گا - کیا آپ پوربی ہیں ؟

مولانا - میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ کھجوہ ضلع سارن کا رہنے والا ہوں ضلع سارن پورب میں ہے -

اُستاد - جبھی، خیر یہ بتادوں کہ لکھنؤ کی یہ زبان نہیں - داغ دہلوی کا شعر یاد آگیا لیکن معتبر نہیں کیونکہ لکھنؤ، دہلی کی زبان میں فرق ہے - داغ سہ

خواب میں بھی کبھی تنہا نہیں دیکھا تم کو دل میں بھی آئے تو اغیار کے شامل آئے

مولانا - کیا لکھنؤ میں کسی نے یہ محاورہ استعمال نہیں کیا ؟

اُستاد - صرف اسیر مرحوم لکھنوی نظم فرما گئے ہیں چونکہ اس صرف میں متفرد ہیں لہذا معتبر نہیں

اسیر لکھنوی سہ

جسم میں نفس لعیں روح کے شامل آیا گھر تلک ساتھ ہمارے سگِ منزل آیا

میرے نزدیک احتیاط لازم - دونوں مصرعوں میں تعلق نہیں، نکال ڈالیے - اور شعر پڑھیے -

مولانا - بہت خوب -

شعر نمبر ۷

ہے آندھیوں کا تلاطم مناظرِ حیرت بڑھی ہے وحشتِ دل خاک اُڑا رہا ہوں میں

اُستاد - ابھی آپ سے مصرع نہیں لگتا - دوسرا مصرع صاف ہے لیکن پہلے مصرع میں آندھیوں کا تلاطم، نئی ترکیب ہے - پھر مناظرِ حیرت - غیر مانوس، کوئی ربط نہیں - یوں بدل دیجیے سہ

جہاں میں آئیں گی تا حشر آندھیاں لاکھوں بڑھی ہے وحشتِ دل خاک اُڑا رہا ہوں میں

مولانا۔ (خوش ہو کے) بہت صاف شعر ہو گیا۔ واقعاً جان پڑ گئی۔

اُستاد۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔

شعر نمبر ۸

میں اپنے دل کو لگائے ہوئے ہوں سینے سے کہ جلوہ گہ تری قدرت کا پا رہا ہوں میں

اُستاد۔ پہلے مصرع کے اول میں (میں) کا لفظ موجود۔ دوسرے مصرع کے آخر میں پھر (میں) کا لفظ۔ بہر طور ایک زائد ہے۔ یہ سخت عیب ہے۔ یوں بدل دیجیے ؎

اسی سے دل کو لگائے ہوئے ہوں سینے سے کہ جلوہ گہ تری قدرت کی پا رہا ہوں میں

اور پڑھیے۔

مولانا۔ بہت خوب۔

شعر نمبر ۹

جو گیسو یار کے دستِ رقیب میں دیکھے تو دل میں سانپ کی صورت سے کھا رہا ہوں میں

اُستاد۔ اس شعر میں تین عیب ہیں۔ پہلا۔ گیسو کا واؤ گر گیا جس کے گرنے نے شعر کو ناموزوں کر دیا چونکہ حرف اصلی ہے۔

مولانا۔ کیا لکھنؤ یا دہلی کے اساتذہ نے واؤ اصلی نہیں گرایا؟

اُستاد۔ عجیب بات آپ نے پوچھی۔ لکھنؤ اور دہلی کے بڑے بڑے اساتذہ نے واؤ گرایا۔ کسی مجمع میں اگر نام بنام بیان کرنا شروع کروں اور شعر پڑھتا جاؤں تو شاید زندہ نہ بچ سکیں۔ آپ کو صرف دو ایک شعرا کا کلام بطور مثال سناتا ہوں۔ خدائے سخن، فخرِ دہلی حضرت میر تقی میر نے واؤ گرایا۔ میر

نہ اتنی دارو پی ظالم کہ اس خمار میں ہوں [1] مزاج گرم ہے پھر اور یہ ہوا ہے گرم

حضرت آتش لکھنوی نے بھی واؤ گرا دیا۔ آتش

شوقِ شکار تجکو جو اے چرخ ہے سنا چرچے کے سبزہ آہو ہیں کیا کیا ہرے ہوئے

[1] (دارو) کا واؤ گر گیا۔ دیکھئے کلیات میر ص۳۰۲ حاشیہ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔ [2] (آہو) کا واؤ گر گیا۔ دیکھئے ص۲۳۹ حاشیہ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ

ایک بات اور یاد رکھیے گا۔ کبھی عیب میں تقلید نہیں کی جاتی۔ غلط ہمیشہ غلط رہے گا۔ چونکہ اہل ہند اہل ایران کے مقلد ہیں اور شعراء مستند اہل ایران و اہل زبان نے کبھی حرف اصلی نہیں گرایا لہذا اہل ہند کو بھی نہ گرانا چاہیئے یہی قاعدہ بھی ہے۔ شعر کاٹ دیجئے۔

مولانا۔ شعر نمبر ۱
مقطع

شعار ذوق طلب کا وہ کیف طاری ہے ۔ حجاب قدس کے پردے اُٹھا رہا ہوں میں

اُستاد۔ غنیمت ہے رہنے دیجیے۔ جن باتوں کو بتایا ہے آئندہ خیال رکھیے گا۔

مولانا۔ بہت خوب کہتے ہوئے سلام کر کے پیچھے ہٹ گئے اور غزل تہ کر کے جیب میں رکھ لی۔

اُستاد۔ اگر وقت ہو تو تھوڑی دیر تشریف رکھیے۔ کچھ شعرا آتے ہوں گے، آپ کو لطف آئے گا۔

مولانا۔ مجھے کوئی کام نہیں، حاضر ہوں۔

یکایک مروتؔ صاحب۔ شہرتؔ صاحب۔ زینتؔ صاحب۔ حیرتؔ صاحب آگئے۔

دلچسپ معلومات نمبر ۴

اُستاد۔ اے لیجیے تشریف لے آئے۔

شعرا۔ سلامٌ علیکم۔

اُستاد۔ علیکمُ السّلام۔ تشریف لائیے۔ کھڑے ہو کے تعظیم کی، اپنے قریب سب کو بٹھایا۔

شعرا۔ ہم لوگوں کو ایسی تاخیر تو نہیں ہوئی؟

اُستاد۔ جی نہیں۔ ابھی آپ کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔

شعرا۔ حضور، آج بھی ایک ہی شعر سہی، سُنا دیجیے۔ بڑا اشتیاق ہے۔

اُستاد۔ آپ حضرات مجبور کرتے ہیں، صرف ایک مطلع قصیدہ کا مدح علیؑ میں یاد آگیا سُنائے دیتا ہوں۔

شعرا ۔ ضرور ارشاد ہو ۔
اُستاد ۔ مطلع عرض کیا ہے ؎

حق نے کسے دیا ہے یہ رتبہ جہان میں　　کردی بیاں فضیلتِ حیدر قرآن میں

زینت صاحب ۔ حضور کیا کہنا کس قدر صاف مطلع ہے ۔
دیگر شعرا ۔ سبحان اللہ، واہ واہ ۔
اُستاد ۔ مطلع میں تو آپ حضرات کو کوئی کلام نہیں ؟
زینت صاحب ۔ حضور، قرآن بفتح را نظم ہوا ہے
اُستاد ۔ بسکون را و بفتح را دونوں صحیح ۔ اہل عجم نے بفتح را بھی استعمال کیا ہے ۔ خدائے سخن حضرت عشق مرثیہ گو ؒ کے شاگرد سید سجاد صاحب کشمیری کا مطلع ہے جو مرحوم کا دیکھا ہوا ہے ۔

مطلع سلام

وصف محاسنِ رُخِ شبیرؑ ہو گیا　　مطلع مرا قرآن کی تفسیر ہو گیا

حضرت رشید ؒ کا ایک بند یاد آگیا جس میں قرآن بفتح را نظم ہے ۔

بند رشید لکھنوی (تلوار کی تعریف)

کھُل گیا صاف کہ ہے پیرِ اجل اور یہ جوان　　اس کا کھِنچنا ہے کہ ہے جنگ و جدل کا اعلان
سچ یہ ہے قابلِ تحریر جو ہے اس کی شان　　جوہر اسکے ہیں کہ لکھا ہوا باریک قرآن
شاہ کھائے ہیں قسم بخششِ امت کے لیے
کہ اُٹھایا ہے اسے آج شہادت کے لیے

(جناب شہرت صاحب کی طرف دیکھ کے) اب آپ کا اور حیرت صاحب کا بہت اشتیاق ہے ۔
جناب شہرت ۔ متفرق اشعار سناتا ہوں، شعر عرض ہے ؎

لاشِ غریب اُٹھ گئی آئے مگر نہ آپ　　امید آپ سے یہ کبھی مہرباں نہ تھی

اُستاد - بہت خوب - درد میں ڈوبا ہوا شعر آپ نے فرمایا مگر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں - شرم آتی ہے، آپ نے قسم دی تھی اس لیے مسئلہ سمجھنے کے لیے دریافت کرتا ہوں - یہ فرمایئے کہ (لاش) بمعنے میت انسان کیا لغت میں موجود ہے ؟

شہرت صاحب - غالباً ہوگا اس لیے کہ مستند اساتذۂ لکھنؤ نے نظماً استعمال کیا ہے -

اُستاد - اپنی تحقیق فرمایئے، اساتذہ کے نظم کرنے پر نہ جایئے - خدا معلوم کیا کیا رطب یابس نظم نہیں کر گئے، بعض اوقات افسوس ہوتا ہے -

شہرت صاحب - میری کوئی خاص تحقیق خود نہیں ہے - جناب بیان فرمائیں -

اُستاد - لاش اُردو ہے - لاشہ فارسی ہے - کسی لغت میں لاش بمعنے میت انسان نہیں ملے گا - جب وجود نہیں تو اُردو جب اُردو تو ترکیب چہ معنے دارد اساتذہ سے تسامح ہوا ہے -

شہرت صاحب - واقعاً جناب کے استحصار کی مدح ہو نہیں سکتی بالکل درست فرمایا - ایک سلام عرض کیا تھا اُس کا مطلع سُناتا ہوں ؎

رائجِ دینِ پیمبرؐ حیدرِ کرار تھے　　　فاتحِ خیبر وصیِ احمدِ مختار تھے

اُستاد - مطلع عمدہ اور صاف کہا ہے - اپنی طبیعت سے مجبور ہوں - ایک بات چاہتا ہوں عرض کروں - وہ یہ کہ رائج کی اضافت دین کی طرف آپ نے دی ہے اور معنے رائج کرنیوالا مراد لیے ہیں یہ صحیح نہیں، ہاں رائج الوقت صحیح ہے - رائج بمعنے فاعلیت غیر صحیح - دنیا بہت بڑے دھوکے میں ہے - یہ بڑی اہم اور خاص چیز ہے جو آپ کو بتائی -

شہرت صاحب - ہم لوگ احسانمند ہیں - خیال تھا کچھ، جناب کو پایا کچھ -

ایک غزل کا شعر یاد آ گیا دل چاہتا ہے سُنا دوں - بنظرِ اصلاح ملاحظہ ہو ؎

میرے مرنے پر بہائے گا زمانہ اشکِ خوں　　　حشر تک میری صفِ ماتم بچھائی جائے گی

اُستاد - واقعاً آپ نے بہترین شعر سُنایا - کیا مدح کروں لیکن چونکہ آپ کا حکم ہے ایک لطیف اعتراض کرتا ہوں جس کا جواب ناممکن -

شہرت صاحب - بخدا میں ناراض نہ ہونگا۔ حتی الامکان جواب دوں گا۔ اگر حضور سمجھا دینگے مان لوں گا -

اُستاد - (صفِ ماتم) بالکل غلط ہے - ماتم کی صف کہنا صحیح ہے - کیونکہ ماتم کی صف ہندوستان میں بچھائی جاتی ہے - ایران میں یہ رسم مفقود ہے - لغت میں یا کسی فارسی مُستند شاعر کے کلام میں یہ ترکیب نہیں ملے گی - اہلِ ہند، مرنے والے کے غم میں جہاں پر انتقال ہوتا ہے ایک فرش بچھاتے ہیں جس پر تعزیت دینے والے تعزیت دیتے ہیں، عزیز فرش پر بیٹھ کے روتے ہیں، یہ فرش چالیسویں تک بچھا رہتا ہے - اسے ماتم کی صف کہتے ہیں لہذا اُردو ہے - اُردو کی ترکیب اضافی غلط ہے صفِ ماتم کہنا اور مُردے کی صف مُراد لینا غلط ہے

محسن لکھنوی حضرت عشق مرثیہ گو کے منجملہ متروکات صفِ ماتم بھی ہے - مرحوم کے مرثیے کی ایک بیت مجھے یاد ہے جس میں ماتم کی صف نظم فرمایا ہے - غالباً جناب زینبؑ کسی بی بی سے فرما رہی ہیں -

بیت

ماتم کی صف بچھائیں گے روئیں گے ایک جا ہم تم سحر کو بیٹھ کے رُوئیں گے ایک جا

شہرت صاحب - جناب نے میری غلط فہمی کو رفع فرمایا - حقیقتاً ایسا ہی ہونا چاہیئے - اب جناب حیرت صاحب کا کلام ملاحظہ فرمائیں -

اُستاد - (حیرت صاحب کی طرف دیکھ کے) جناب اپنے کلام سے محظوظ فرمائیں ؟

حیرت صاحب - ایک نظم کے چند شعر پڑھتا ہوں جس میں شہدائے کربلا کے صبر کا تذکرہ کیا ہے مطلع عرض ہے ؎

کر گئے وعدہ وفائی بادشاہِ کربلا صبر میں تھے فرد لیکن حضرتِ زین العبا

اُستاد - ایک بات عرض کر لوں پھر دوسرا شعر ارشاد فرمائیے گا وہ یہ کہ میری پوری عمر اس تحقیق میں صرف ہو گئی کہ زین العبا کے کیا معنے ہیں - کیوں امام سید الساجدینؑ کو زین العبا کہتے ہیں؟ لیکن آج تک مجھے کچھ پتہ نہ چلا - میرے نزدیک غلط ہے زین العابدین کہنا صحیح ہے - اگر آپ کی

تحقیق میں صحیح ہو تو فرمایئے ۔

حیرت صاحب ۔ اس کے متعلق میری کوئی تحقیق نہیں صرف مشہور کی بنا پر دھوکا کھا گیا حقیقتاً جناب کا فرمانا بجا ہے یہ ترکیب غلط ہے ۔ (عبا) پر الف لام کیونکر لگا (زین) کو مضاف کیوں کیا گیا معنے مشہور کس مناسبت سے مراد لیے واقعاً تحقیق طلب شے ہے جب جناب کے نزدیک غلط ہے تو غلط ہی ہے ۔ دوسرا شعر جناب ملاحظہ فرمائیں ؎

تین دن کی پیاس میں دکھلائے جوہر صبر کے　　　جان تک میری فدا ہے اے شہ کرب و بلا

اُستاد ۔ کرب و بلا کے معنے (کربلا) کسی لغت میں نہیں ملتے ۔ یہ اہلِ ہند کی ترکیب معلوم ہوتی ہے اس کی طرف اضافت دینا صحیح نہیں ۔ یعنے شہ کرب و بلا کہنا درست نہیں ۔ میرے نزدیک بغیر ترکیب بھی کرب و بلا بول کے کربلا مراد لینا جائز نہیں ۔

حیرت صاحب ۔ اگر لغت میں یہ معنے نہیں تو اضافت قطعاً نادرست مگر حضور، سب نے نظم جو کیا ہے ؟

اُستاد ۔ اگر سب غلطی کریں تو کیا ضروری ہے کہ ہم بھی غلطی کریں ؟

حیرت صاحب ۔ یہ بالکل درست ہے ۔ قبلہ ایک مرثیہ کی بیت سناتا ہوں ؎

خدا پرست تھے حق دوست تھے نمازی تھے　　　جناب حضرت زینبؑ کے لال غازی تھے

اُستاد ۔ بیت تو بہت صاف ہے ۔ لیکن جناب تکرار بیجا کا اعتراض وارد ہوتا ہے ۔ یا جناب زینبؑ کہئے یا حضرتِ زینبؑ کہیے معنے دونوں کے قریب قریب ایک تکرار بے محل ۔ اس مسئلے میں پڑھے لکھے دھوکا کھاتے ہیں اور کھا گئے ۔

حیرت صاحب ۔ واقعاً کیا لطیف اعتراض ہے ۔ سامنے کی بات مگر سمجھ میں نہیں آتی ۔ ایک بیت اور ملاحظہ ہو ؎

عاشور کا تھا دن ہمہ تن یاس تھے حسینؑ　　　دشتِ بلا میں بیکس و بے آس تھے حسینؑ

اُستاد ۔ عمدہ بیت ہے لیکن پھر معافی کا خواستگار ہوں ۔ بہت بڑے عیب کی طرف توجہ

دلانا چاہتا ہوں ۔ آس مخفف آسیا ہے جس کے معنے (چکی) لیکن آس کے یہ معنے جو جناب کی بیت میں یعنے بیکس، بے ناصر و مددگار وغیرہ کسی لغت میں نہیں ملتے۔ آس کا لفظ اِن معنوں میں اُردو ہے۔ آپ نے ترکیب فارسی کے ساتھ نظم فرمایا ہے ۔

حیرت صاحب ۔ اس طرح تو اساتذہ متقدمین نے نظم فرمایا ہے ۔

اُستاد ۔ جناب بار بار یہی فرماتے ہیں کہ اساتذہ نے نظم کیا ۔ میں کہتا ہوں کہ بالکل غلط نظم فرمایا ہے۔ اساتذہ تو خیر گزر گئے موجودہ دور کے اساتذہ و محققین مجھ کو اب سمجھادیں تو خاغلاں لکھنے کو تیار ہوں جب اہلِ ایران نے ان معنوں میں استعمال ہی نہیں کیا تو فارسی کیونکر ہو سکتا ہے ۔ جب فارسی نہیں تو ترکیب کے کیا معنے اس کے معنے یہ ہوئے کہ اردو، فارسی کی ترکیب جائز قرار دے لی جائے ۔ یہ ناممکن ۔

حیرت صاحب ۔ بخدا کیا کیا مسائل جناب نے حل فرمائے ہیں ۔ جیسا سنتے تھے ویسا ہی پایا بلکہ کچھ زائد پایا۔ بس حضور بہت سمع خراشی کی ۔ یہ حسرت رہی کہ حضور کا کلام سیر ہو کے سنیں ۔

اُستاد ۔ اس ناقدر دنیا میں رہنے کو دل نہیں چاہتا ۔ غلطی پر پھبتیں اڑتی ہیں صحیح پر کوئی واہ تو واہ آہ بھی نہیں کرتا ۔

شعرا ۔ اب حضور اجازت مرحمت فرمائیں ۔ آج ہی ہم لوگ لکھنؤ سے چلے جائیں گے ۔ آپ کے الطاف، آپ کا خُلقِ عمیم یاد آئے گا ۔

اُستاد ۔ خدا حافظ، حوالہ امام ضامن ثامنؑ کیا ۔

سب کھڑے ہو گئے، اُستاد نے صدر پھاٹک تک جا کے رخصت کیا، مولانا بھی سب کے ساتھ رخصت ہوئے ۔ اُستاد مختلف کاموں میں مصروف ہو گئے، دن گزرتے دیر نہیں لگتی ۔ ہفتہ کا دن آ گیا، نواب صاحب صبح کو غزل لے کے آ گئے ۔ سلام کر کے اُستاد کے سامنے کمرے میں بیٹھ گئے ۔

اُستاد ۔ پڑھیے اصلاح دے دوں ۔ مجھے آج کچھ ضروری کام انجام دینا ہیں، تعجیل ہے ۔

نواب ۔ حضور، غزل تو کہہ نہ سکا چند متفرق اشعار عرض کیے ہیں، ملاحظہ ہوں ۔

اصلاح نمبر ۵

کلام متفرق

شعر نمبر ۱

قتل تو کرتا ہے ظالم پر رہے اتنا خیال　　خون کا دھبا رہے گا دامنِ شمشیر میں

اُستاد ۔ دامنِ شمشیر غلط ہے اس لیے کہ اہل فرس نے دامنِ شمشیر نہیں استعمال کیا ۔ کہیں پتہ نہیں چلتا ۔ جتنے دامن یعنے جتنے طریقوں سے ایرانیوں نے استعمال کیے ہیں بس وہی صحیح ۔ باقی سب غلط ۔ اہلِ ہند کو کوئی حق نہیں ۔ آیندہ بدل کے لائیے گا ۔ اور پڑھیے ۔

شعر نمبر ۲

نواب ۔ سلام کا مطلع عرض کیا ہے ؎

کچھ ایسا قوتِ بازو بلا محبوب داور کو　　قلمدانِ وزارت دے دیا احمدؐ نے حیدرؑ کو

اُستاد ۔ قلمدان ۔ لغت میں یا کلام اہلِ فرس میں نہیں ملتا ۔ بغیر ترکیب بولنا صحیح ہے ترکیب کے ساتھ غلط ۔ مطلع کاٹ دیجیے ۔

نواب ۔ بہت مناسب ۔ ایک دوسرے سلام کا شعر ؎

شعر نمبر ۳

ماں فاطمہؑ ہیں باپ علیؑ جد ہیں پیمبرؐ　　حسنینؑ سے بہتر کوئی دنیا میں نہیں ہے

اُستاد ۔ حسنینؑ بسکون سین صحیح نہیں ۔ بفتحتین صحیح ۔ اس وجہ سے کہ حسنین تثنیہ حسن ہے اور واحد میں سین کو فتح ہے کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ تثنیہ میں سین ساکن کر دیا جائے ۔ لہذا یہ شعر کاٹ دیجیے ۔

نواب ۔ بہت مناسب ۔

شعر نمبر ۴

ہمیں آج منظور جینا نہیں ہے　　غم مرگ شاہِ مدینہ نہیں ہے

اُستاد۔ آج تو جو شعر آپ سُناتے ہیں عیب سے خالی نہیں۔ اس مسئلے کو غور سے سُنیئے گا۔
جینا، پسینا، ہمینا یہ سب اُردو لفظیں ہیں ان کے آخر میں الف ہے (ہا) نہیں ہے۔
(ہا) کے ساتھ لکھنا بھی غلط ہے۔

مدینہ کے آخر میں (ہا) ہے اور عربی لفظ ہے۔ اگر ترکیب کے ساتھ نہ ہو تو (ہا) الف سے بدل جاتی ہے لیکن اگر ترکیب ہو جیسے آپ کے شعر میں (شاہِ مدینہ) تو (ہا) الف سے نہیں بدل سکتی۔ جب (ہا) الف سے نہ بدلے گی تو ظاہر ہے پسینا، ہمینا، کا قافیہ کیونکر صحیح ہوگا؟

نواب۔ مجھے یاد نہیں، کسی بڑے اُستاد کے یہاں دیکھا تھا۔

اُستاد۔ بیشک دیکھا ہوگا۔ اساتذہ کے کلام میں کُھلے ہوئے عیوب میں یہ عیب بھی موجود ہے۔ شعر کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ بہت خوب

شعر نمبر ۵

کسی کا کون مصیبت میں ساتھ دیتا ہے　　خدا ہر ایک بلا سے نجات دیتا ہے

اُستاد۔ اس مطلع میں قافیہ غلط۔ ساتھ کے آخر میں (ہا) ہے۔ نجات کے آخر میں (تا) ہے۔ قافیہ کیونکر صحیح ہوگا خود غور کیجیے۔

نواب۔ بالکل بجا اور درست ہے۔ میں نے بھی خیال کیا تھا مگر اساتذہ کے کلام میں پانے کے بعد یہ سمجھ کے نظم کیا کہ جائز ہوگا۔

اُستاد۔ ہمیشہ احتیاط کیجیے گا جواز کی کوئی صورت نہیں خدا معلوم اساتذہ نے کونسا اجتہاد کیا ہے اور کیونکر جائز قرار دے لیا۔ میرے نزدیک قطعاً غلط۔ اور شعر پڑھیے۔

نواب۔ بجا فرماتے ہیں۔

شعر نمبر ۶

بادِ خزاں کے چلتے ہی سب دفعتاً مٹے　　　　پھولے پھلے جہان میں کیا کیا چمن مٹے

اُستاد۔ پہلے مصرع میں قافیہ (دفعتاً) دوسرے مصرع میں قافیہ چمن کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ دفعتاً کے آخر میں تنوین۔ چمن کے آخر میں نون ہے۔ گو بعض متقدمین نے جائز قرار دیا ہے مگر میرے نزدیک بالکل ناجائز۔ آپ احتیاط کیجیے گا۔ اور پڑھیے

نواب۔ ضرور۔

شعر نمبر ۷

بینِ جگر خراش کئے سب نے میرے بعد　　　　محشر کی طرح گھر میں مرے شور و غل رہا

اُستاد۔ یوں تو ایک شعر میں ایک غلطی ہوتی تھی، اس کی دو غلطیاں ہیں۔

پہلی غلطی (بینِ جگر خراش کی) 'بین' اُردو ہے۔ 'جگر خراش' فارسی۔ ترکیب صحیح نہیں لوگ بولتے ہیں مگر غلط۔

دوسری غلطی (شور و غل) شور فارسی غل اُردو۔ واؤ عاطفہ درمیان میں لانا اصولاً بالکل ناجائز لہٰذا غلط۔ ہاں (واؤ) نکال کے صرف شور غل کہا جا سکتا ہے۔ یہ شعر بھی کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ بہت خوب۔

شعر نمبر ۸

جب قتل رن میں بادشہِ کربلا ہوا　　　　آندھی چلی سیاہ کہ محشر بپا ہوا

اُستاد۔ محشر بپا ہونا، میرے نزدیک صحیح نہیں۔ بجائے اس کے حشر بپا ہونا بولنا چاہیے اس لیے کہ محشر اسم ظرف مکان ہے۔ ظرف کا بپا ہونا قرینِ قیاس نہیں۔ کسی فارسی والے کے یہاں یہ صرف نہیں ملے گا۔ لہٰذا احتیاط کا مقتضی یہ ہے کہ استعمال نہ کیا جائے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ درست۔

شعر نمبر ۹

ناصح نصیحتوں کا تری خاک ہو اثر　　　　اب تو میں عادی مے خون ناب ہو گیا

اُستاد۔ عادی بمعنی عادت کنندہ نہیں آیا۔ چونکہ ترکیب سے نظم ہوا لہٰذا غلط بغیر ترکیب اُردو

سمجھتے ہوئے بمعنے عادت کنندہ صحیح ہے لہذا شعر کاٹ دیجیے - اور پڑھیے -
نواب :- بہت خوب - صرف ایک مطلع اور باقی رہ گیا - وہ یہ ہے کہ

مطلع

جس دم ستروں سے مرا غم بدل گیا　　فوراً خیال صورتِ موسم بدل گیا

اُستاد - ایک خاص بات بتاتا چلوں وہ یہ کہ موسم بکسر سین عربی لغت ہے جس کے معنے فصل کے ہیں - ظرف زمان ہے - بغیر ترکیب یا مع الترکیب عالم کا قافیہ ہو سکتا ہے - اہلِ ہند نے حرکتِ سین کو بدل کے استعمال کیا یعنے (موسِم) بکسر سین کو بفتح سین بولنا شروع کیا اور اسقدر استعمال کیا کہ اُردو ہوگیا - اب اگر موسَم غم کا قافیہ بغیر ترکیب قرار دیا جائے تو قباحت نہیں مع الترکیب صحیح نہ ہوگا اسلیے کہ اُردو فارسی کی ترکیب لازم آئے گی جو ناجائز ہے جیساکہ شعر میں ہے - مطلع کاٹ دیجیے - آج جتنے شعر آپ نے سُنائے قریب قریب سب میں عیوب موجود ہیں - آیندہ متفرق اشعار کہہ کے نہ لائیے گا وہی سلسلہ غزل جو چلے پایا ہے قائم رکھیے گا -

نواب بہت خوب کہہ کے، تھوڑی دیر بیٹھ کے حسب قاعدۂ قدیم رخصت ہوئے -

دلچسپ معلومات نمبر ۵

ابھی نواب گھر تک نہ پہونچے ہوں گے کہ ایک مرد بزرگ لکھنوی جن کی عمر تقریباً اسّی سال کی ہوگی، اُستاد کی خدمت میں تشریف لائے اور بعد ادائے رسم و رواج لکھنؤ اُستاد کے سامنے بیٹھ گئے - (ان بزرگ کی تعلیمی حالت کمزور تھی مگر مادۂ تحقیق بہت تھا - ہر وقت صحیح و غلط کا تذکرہ ہر بزم میں فرماتے رہتے تھے) -

اُستاد - جناب نے کہاں زحمت فرمائی ؟

بزرگ - چند چیزیں قابلِ دریافت تھیں، آپ کو محقق فن سمجھتے ہوئے حاضر ہوا، چاہتا ہوں

شکوک رفع کروں۔

اُستاد۔ میں مرد جاہل ہوں، یہ سب جناب کا حسن ظن ہے۔ ارشاد ہوں اگر علم ہوگا تو عرض کر دوں گا۔

بزرگ۔ لوگ (شریک دار) بولتے ہیں، کہاں تک صحیح ہے؟

اُستاد۔ یہ ترکیب غلط ہے (شریک) اسم فاعل ہے یعنے شریک ہونے والا۔ اب (دار) بالکل زائد ہے۔ لکھنؤ کے جہلا نے یہ ترکیب بنائی ہے۔ شریک دار کی جگہ شریک کہنا کافی ہو۔

بزرگ۔ ماشاءاللہ، کیا خوب سمجھایا۔ یہ فرمایئے کہ معزز (زا) اول کو زیر دے کے بولنا صحیح ہے یا زبر دے کے۔

اُستاد۔ اپنے اپنے محل پر دونوں صحیح ہیں۔ جہلا اکثر و بیشتر یہ بولتے ہیں (آپ بڑے معزز ہیں) یعنے بڑے عزت والے۔ مفعول کی جگہ فاعل کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ زا، اول کو زیر دے کے بولتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ ایسے موقع پر مفعول بولنا چاہیئے۔ معزز بفتح زا اول کہنا چاہیئے۔ معزز بکسر زا اول کے معنے تو عزت کرنے والے کے ہیں نہ عزت یافتہ کے۔ معزز بفتح زا وہ ہے جو عزت یافتہ ہو۔

بزرگ۔ درست ہے، خوب مطلب واضح فرمایا۔ میرا شک رفع ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ (لفظ معلومات) بصورت مؤنث استعمال ہوتا ہے یا مذکر، اور فصیح کیا ہے؟

اُستاد۔ معلومات معلوم کی جمع ہے۔ عربی زبان میں جمع حکم تانیث میں ہوتی ہے لیکن اُردو میں جمع بصورت تذکیر بولی جاتی ہے۔ علاوہ چند الفاظ کے مثلاً احوال۔ اوقات وغیرہ۔

لکھنؤ میں فصحا معلومات بصورت مذکر بولتے ہیں یعنے (معلومات اچھے تھے)۔ عوام اکثر و بیشتر بولتے ہیں کہ (اُن کی معلومات کم ہے)۔ یہ غلط ہے۔ میرے نزدیک مذکر بولنا صحیح و فصیح ہے۔ کسی کا شعر ہے ؎

اُنکے معلومات کا ہر راز شکل راز تھا   آفرینش سے کہیں پہلے مرا آغاز تھا

دیکھیے مذکر استعمال کیا ہے ۔

بزرگ ۔ درست دبجا ہے ۔ ایک بات اور دریافت طلب ہے وہ یہ کہ (اَجِنَّہ) کیا ہے ؟

اُستاد ۔ جنین جس کے معنے بچّے کے ہیں اس کی جمع (اَجِنَّہ) ہے جُہلا جن کی جمع سمجھتے ہوئے اَجِنَّہ بولتے ہیں اور بہت سے جن مُراد لیتے ہیں یہ غلط ہے بلکہ (جن) کی جمع (جِنّات) ہے اُردو زبان میں (جن) کی جمع (واؤ) اور (نون) کے ساتھ بولی جاتی ہے ۔ یعنے (جنوں) جیسا کہ حضرت عشق رح کے مرثیے کا ایک مصرع ہے ۔ ع

جنوں نے بیرِ عَلم میں پناہ چاہی ہے

بزرگ ۔ سُبحان اللہ ، واہ رے استحضار جناب ایک بات اور بتایئے ۔ لفظ رَمضان صحیح ہے یا رَمْضان ؟

اُستاد ۔ صحیح رَمَضان ہے بفتحتین یعنے (را) کو اور (میم) کو فتح ہے ۔ کلام پاک میں بھی بصورت مذکور آیا ہے ۔ بسکون میم بولنا غلط ہے ۔

بزرگ ۔ جزاکم اللہ کیا تحقیق ہے ، کیا ریاضت ہے ۔ یہ فرمایئے کہ جلو کے کیا معنے ہیں ؟

اُستاد ۔ جلو کے حقیقی معنے آگے چلنے کے ہیں جیسا کہ لغات میں موجود ہے یا شعرا ہند و ایران نے استعمال کیا ہے لیکن بہت سے شعرا اور غیر شعرا نثراً و نظماً اسی لفظ کو پشت کے معنے میں استعمال کرتے ہیں ۔ حقیقتاً یہ فاش غلطی ہے ۔ لفظ بہر حال صحیح معنے میں استعمال ہونا چاہیئے ۔ جلودار کے معنے آگے چلنے کے ہیں ۔

بزرگ ۔ خدا نظرِ بد سے محفوظ رکھے ۔ یہ فرمایئے کہ لفظ بُرص ہے یا بَرَص ہے ؟

اُستاد ۔ بُرص بفتح باموحدہ وسکون را رِ مہلہ جیسا کہ عوام وخواص بولتے ہیں ۔ قطعاً غلط ہے بلکہ بجائے بفتح باء موحدہ وسکون را رِ مہلہ بفتحتین یعنے (با) کو فتح اور (را) کو فتح دے کے بولنا چاہیئے جس کے معنے وہ سفید داغ جو جسم پر پڑجاتے ہیں ۔ اس مرض لاعلاج یعنے غلط استعمال کی عادت کو ترک کرنا بہتر ہے ۔ ہاں اگر کوئی صاحب لفظ کو غلط ہی استعمال کرنا چاہیں تو بغیر ترکیب اپنی اُردو زبان میں شامل کرتے ہوئے استعمال کرسکتے ہیں لیکن مع الترکیب

نظماً و نثراً قطعاً حرام ہے۔

بزرگ ۔ خدا کی پناہ، کیا خوش بیانی ہے، کیا یادداشت ہے ۔ اچھا یہ فرمایئے کہ لوگ پرورشا بولتے ہیں صحیح ہے یا غلط؟

اُستاد ۔ بالکل غلط۔ اس لیے کہ (پروردن) جس کے معنے پالنا۔ فارسی زبان کا مصدر ہے۔ اس کا حاصل مصدر پرورش ہے۔ اس کے معنے بھی پالنا۔ کیونکہ جو مصدر کے معنے ہوتے ہیں وہی حاصل مصدر کے معنے ہوتے ہیں۔ اب پرورشاً عربی ترکیب سے بولنا یہ قطعاً ناجائز ہے۔ اس لیے کہ فارسی لفظ عربی ترکیب کے ساتھ نہیں بولا جاتا۔ بلکہ یوں کہوں کہ قاعدتاً بولنا صحیح نہیں۔ آپ نے غور فرمایا؟

بزرگ ۔ ہاں جناب خوب غور کیا۔ اب یہ فرمایئے کہ (قریب المرگ) صحیح ہے یا غلط؟

اُستاد ۔ قریب عربی زبان کا لغت اسم فاعل جس کے معنے قُربت رکھنے والا۔ مرگ فارسی زبان کا لغت جس کے معنے موت کے ہیں۔ فارسی لفظ پر عربی زبان کا الف لام آ نہیں سکتا لہٰذا یہ ترکیب غلط قطعاً۔

بزرگ ۔ سامنے کی بات اور میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ آپ نے ماشاء اللہ مطلب آئینہ کر دیا۔ اتنا اور بتا دیجیے کہ (اے مومنو) بولنا صحیح ہے؟

اُستاد ۔ صحیح نہیں۔ کیونکہ (مومنو) میں واوِ ثانی حرفِ ندا ہے جس کے معنے (اے مومنین) آپ خود انصاف فرمائیں کہ اب (اے) کی کیا ضرورت ہے۔ دو حروف ندا کا لانا مخل فصاحت بلکہ غلط ہے۔ صرف (مومنو) کہنا صحیح ہے۔

بزرگ ۔ بہت زحمت دی۔ ایک آدھ بات اور بتا دیجیے تو مرخص ہوں۔ وہ یہ کہ احوال جمع ہے یا واحد۔

اُستاد ۔ احوال جمع بھی ہے، واحد بھی ہے۔ عربی قاعدے سے حال کی جمع احوال ہے لیکن فارسی والوں نے اسی جمع کو واحد بھی استعمال کیا ہے۔ اُن کے تتبع میں اہلِ ہند نے بلکہ یوں کہوں

کہ مستند شعرا نے واحد میں استعمال کیا۔ چونکہ اہلِ فرس نے استعمال کیا لہذا ہمارے لیے احوال کو واحد استعمال کرنا قطعاً جائز۔ چنانچہ جناب تعشق رہ کے مرثیے کا ایک مصرع ہے جو کسی عورت کی زبانی ہے۔ ع

احوال شہِ جنّ و بشر غیر ہوا ہے

بزرگ ۔ غالباً لفظ 'اوقات' کی بھی یہی صورت ہوگی ؟

اُستاد ۔ جی ہاں ، وہی شکل ہے مگر قدرے تغیر ہے۔ وہ یہ کہ احوال کو مذکر بولتے ہیں اور اوقات کو اہلِ ہند عزت کے معنے میں مؤنث بولتے ہیں۔ جیسے (آپ کی کیا اوقات ہے)۔ لیکن جب وقت کی جمع اوقات بولیں گے تو مذکر ہی استعمال کریں گے۔ جیسے (اُن کے اوقات منضبط ہیں) ۔

بزرگ ۔ میں نے بڑی زحمت دی، اب اجازت چاہتا ہوں۔ اگر زندہ رہا تو کل اور شکوک رفع کروں گا۔ خدا حافظ۔

اُستاد ۔ جناب ضرور تشریف لائیں۔ خدا حافظ۔

بزرگ رخصت ہوئے، آج کے دوسرے روز صبح کو مولانا سلام لے کے اُستاد کے دولتکدے پر پہونچ گئے۔

اُستاد ۔ آیئے ؛ میں انتظار ہی کر رہا تھا ۔

مولانا ۔ سلامٌ علیکم کرکے بیٹھ گئے اور سلام نکال کے مطلع پڑھا۔

اُستاد ۔ علیکمُ السّلام کہہ کے اصلاح میں مصروف ہو گئے۔

اصلاح نمبر ۶

سلام ۔ مطلع

عاشور کو تھا دشتِ بلا میں عَجب سَماں   مارا مِرے اخی کو یہ زینب کی تھی فُغاں

اُستاد - جائے تعجب - مولانا آپ اور (میرے اخی) نظم فرمائیں - کیا اخی میں یائے متکلم نہیں ؟
مولانا - (دانتوں کے نیچے انگلی دبا کے) بیشک غلطی ہوئی اخی کافی ہے - میرے زائد ہے -
اُستاد - میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ علم اور چیز ہے، شعر و شاعری اور عمل اور چیز ہے - خیر بدل کے لائیے گا - اور پڑھیے -

مولانا - شعر نمبر ۲

ظلم سپاہ شر پہ، رضامند تھے حسینؑ   تھے لاجواب صبر میں شبیرؑ بے گماں

اُستاد - رضامند، کہیں نہیں ملتا - یہ ترکیب اہل ہند ہے - احتیاط کیجیے گا - یہ بھی بدل کے لائیے گا - اور پڑھیے -

مولانا - شعر نمبر ۳

آئینہ بندیاں تھیں غضب، راہ شام میں   تھے سر برہنہ سب حرم شاہ دوجہاں

اُستاد - مولانا حرم کے معنے خانۂ کعبہ کے ہیں یا رواق خانۂ کعبہ - حرم کے معنے اہل بیت کے شاید کسی لغت میں نہ ملیں - ان معنے میں حرم اُردو ہے - ترکیب کیونکر جائز ہو سکتی ہے - حرم حسینؑ بول کے اہل بیت مراد لینا بالکل غلط ہے -
مولانا - بیشک حضور، حرم شاہ - حرم حسینؑ کہنا اور اہل بیت مراد لینا صحیح نہیں - لیکن اساتذہ نے تو نظم فرمایا ہے -
اُستاد - ایک یہی نہیں، اساتذہ کیا کچھ نہیں کہہ گئے - ان باتوں کو رہنے دیجیے - اور شعر پڑھیے اسے بھی بدل کے لائیے گا - میرے نزدیک ناجائز ہے -

مولانا   شعر نمبر ۴

یا بوتُراب کہہ کے ہوئے حملہ ور حسینؑ   بہنے لگیں لہو کی ہر اک سمت ندیاں

اُستاد - مولانا، آپ تو عربی داں ہیں پھر 'یا بوتراب' پڑھ رہے ہیں - حرف یا منادائے مضاف کو حالت نصب میں کر دیتا ہے - منادا حالت نصب میں الف کے ساتھ مضاف ہوتا ہے -

حالت رفع میں ابوتراب کہنا چاہیئے۔ حالت جر میں ابی تراب۔ حالت نصب میں جیسا کہ شعر میں ہے۔ ابا تراب کہنا چاہیے۔ آپ سے کیا کہوں آپ خود ماشاء اللہ فارغ التحصیل ہیں۔ میر تقی میر کا شعر یاد آگیا ؎

ہوا ہوں جور فلک سے نپٹ میں زار و نزار   پہونچیو یا خلفۃ الصدق حیدر کرار

خلفت کی فا کو فتح دے کے پڑھنا چاہیئے اس لیے کہ یا حرف ندا قبل خلفت آگیا ہے۔ لہٰذا منادائے مضاف حالت نصب میں ہے۔

مولانا۔ بخدا آپ سے بہتر دوسرا شاعر محقق دنیا میں نہ ہوگا۔ بیشک مجھ سے فاش غلطی ہوئی۔

اُستاد۔ بغیر سیکھے نہیں آتا

مولانا۔ **شعر نمبر ۵**

آیا سمٹ کے دامنِ تیغِ حسینؑ میں   دشتِ بلا میں پھیلا ہوا لشکرِ گراں

اُستاد۔ دامنِ تیغ لغت میں یا کلامِ اہلِ فرس میں کہیں نہیں ملتا۔ احتیاط کیجئے گا۔ بدل کے لائیے گا۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ بہت خوب **شعر نمبر ۶**

نعرے سے چرخِ نیلوفری ہل کے رہ گیا   تھا کس غضب کا غیظ شہنشاہِ دوجہاں

اُستاد۔ نیلوفری کا واؤ ختم ہوگیا۔ درحقیقت نیلوفری۔ بروزن مستفعلن ہے۔ اسکو بدل دیجیے گا۔

فردوسی

بیک گردشِ چرخِ نیلوفری   نہ قیصر بجا مند نے قیصری

مولانا۔ **شعر نمبر ۷**

اک وار میں تباہ کیا فوجِ شام کو   جرّار بے نظیر تھے سلطانِ انس وجاں

اُستاد۔ جرّار کے معنے لغت میں (۱) لشکر بسیار (۲) انبوہ کہ از بسیاری مردم آہستہ رند نہ بسبب بھاد۔ کسی لغت میں نہیں ملتا لہٰذا اس معنے میں اُردو ہے۔ کیونکہ اہلِ ہند اس معنے میں بولتے ہیں۔

ایسی صورت میں ترکیب صحیح نہیں بلکہ بالکل غلط۔ جرّار بمعنے بہادر، اُردو ہے ۔
مولانا ۔ حضور نے منع فرمایا تھا مگر دل نہیں مانتا، عرض کرتا ہوں۔ شعرا مستند لکھنؤ دہلی نے بہادر کے معنے میں مع التّرکیب استعمال کیا ہے ۔
اُستاد ۔ میں پھر کہوں گا بالکل غلط استعمال ہے ۔ کوئی صاحب مجھے سمجھا دیں تو مان لوں۔ آپ کبھی نظم نہ کیجیے گا ۔ اور پڑھیے ۔
مولانا ۔ صرف سات شعر کہہ سکا تھا لے آیا ۔
اُستاد ۔ اس سے کام نہ چلے گا ۔ مکمل پندرہ اشعار کی غزل ہونا چاہیئے ۔ ابھی سلام و نوحہ نہ کہیئے جب غزل پر قدرت ہو جائے گی کہنے لگیے گا ۔
مولانا ۔ بہت خوب ۔ انشاء اللہ تعالیٰ تعمیلِ ارشاد کروں گا ۔ اجازت لے کے رخصت ہو گئے ۔

دلچسپ معلومات نمبر ۶

(وہی بزرگ جو کل شکوک رفع کر گئے تھے تشریف لے آئے ۔ حسبِ تہذیبِ لکھنؤ مراسم ادا کر کے شکوک دریافت کرنے لگے ۔)
بزرگ ۔ یہ فرمائیے کہ لفظ نَقَب ہے یا نَقْب ۔
اُستاد ۔ بہت زیادہ نَقَب بولتے ہیں یعنے بفتحتین ۔ مجھے خوف یہ ہے کہ کہیں اسی کو دُنیا صحیح نہ سمجھنے لگے ۔ درحقیقت صحیح نَقْب بفتح نون و سکون قاف ہے ۔ اس کے معنے دیوار میں سوراخ کرنے کے ہیں ۔ بہار عجم و منتخب و صراح میں نقب کے معنے سُرنگ کے ہیں ۔ میرے نزدیک صحیح لفظ استعمال کرنا ضروری ہے ۔
بزرگ ۔ خوب توضیح فرمائی ۔ یہ فرمایئے کہ حَرَکت صحیح ہے یا حَرْکت ؟
اُستاد ۔ درحقیقت حَرَکت ہے ۔ بفتح اول و ثانی و ثالث نہ بسکون ثانی جیسا کہ مشہور ہے لیکن بعض اساتذہ بسکون را بھی لکھ گئے ہیں ۔ حضرت ملّا فوقی کہتے ہیں ۔

زبس خوش حرکت و شیریں ادا بود   کہ گر میداد تیزی خوشنا بود

لیکن بہتر یہی ہے کہ بفتح اول و ثانی و ثالث استعمال کیا جائے۔

بزرگ ۔ میں خوب سمجھ گیا، کیا تعریف کروں ۔ ذرا یہ فرمائیے کہ جَراحت ہے یا جِراحت ۔

اُستاد ۔ صحیح لفظ جِراحت بکسر جیم ہے جس کے معنے (ریش ۔ زخم) کے ہیں بفتح جیم غلط ہے جو کچھ عرض کیا بہار عجم و منتخب و بحر الجواہر و کنز و صراح میں اسی طرح ہے ۔ میرے نزدیک بغیر ترکیب اگر جَراحت بفتح جیم بولا جائے تو صحیح ہے اس لیے کہ کثرت استعمال اُردو ہونے پر دلالت کرتی ہے ۔

بزرگ ۔ اے ماشاءاللہ، خدا حافظہ کی قوت کو برقرار رکھے ۔ یہ تو فرمائیے کہ مُزیب کہاں تک صحیح ہے ۔

اُستاد ۔ کسی حد تک صحیح نہیں ۔ مزیب بروزن مقید بابِ تفعیل سے نہیں آیا ۔ یہ لفظ تراشیدۂ اہلِ ہند ہے ۔ لہذا اس کا استعمال مع الترکیب قطعاً غلط کیونکہ وزن عربی ہے لیکن درحقیقت اُردو زبان کا لغت ہے ۔ چونکہ کثرت کے ساتھ استعمال نہیں لہذا میرے نزدیک بدون ترکیب بھی احتیاط لازم ۔ ایسے الفاظ صرف بھی نہ کرنا چاہیئے خواہ نظم ہو یا نثر تاکہ آنے والی نسلیں دھوکا نہ کھائیں ۔ بہت ایسے ہیں جو لاعلمی کی وجہ سے لغت نہیں دیکھ سکتے ۔ اگر علم ہے کم فرصتی کا بہانہ ۔ لہذا میری ناقص رائے میں ایسے الفاظ کا ترک بہتر ۔

بزرگ ۔ ناقص کیا آپ کی رائے بالکل درست ہے ۔ غالباً جناب کے نزدیک المضاف بھی غلط ہوگا

اُستاد ۔ بیشک غلط ۔ کیونکہ حقیقتاً المضاعف تھا جس کو جہلا نے المضاف بولنا شروع کیا المضاف اُردو ہے ۔ بغیر ترکیب بولنے میں قباحت نہیں ۔ کسی کا مصرع ہے ۔ ع

درد درماں سے المضاف ہوا

بزرگ ۔ یہ سب تو خیر ۔ ایک چیز کے متعلق فرمائیے کہاں تک درست ہے ۔ اور وہ "کتب خانہ" ۔

اُستاد ۔ کتب خانہ بولنا بالکل غلط صرف کتب کہنے سے مطلب حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ

مکتب اسم ظرف ہے۔ اس کے معنے کتابوں کی جگہ کتابوں کا گھر، خانہ لگانا بالکل عبث ٹھہرا۔ مکتب خانہ جہلا بولتے ہیں۔ تعلیم یافتہ لوگوں کو احتراز لازم۔

بزرگ ۔ درست ہے۔ (حرم گاہ) کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے؟

اُستاد۔ غلط۔ اس لیے کہ حرم بفتحتین اس کے معنے عربی میں 'احاطہ گرداگرد خانہ کعبہ' اور نزدیک فارسیان بمعنے 'اندرون سرا مردانِ اشراف'، کے استعمال ہوتا ہے اور بمعنے منکوحہ و بمعنے کنیز وغیرہ بھی اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں۔ بہر حیثیت (گاہ) زائد لہذا صرف حرم کہنا کافی۔ لیکن صاحب غیاث اللغات کی بھی تحقیق سُن لیجیے میں اصل عبارت پڑھتا ہوں۔ کہتے ہیں:۔ "حرم گاہ محلسرا بمعنے منکوحہ و حلیلہ نیز آرند تسمیۃ الحال باسم محل فارسیان بر بعض الفاظ باوصف معنے ظرفیت لفظ (گاہ) و (خانہ) زیادہ کنند چنانچہ حرم گاہ و مکتب خانہ و منزل گاہ و بزم گاہ و حرم سرا از مصطلحات" میرے نزدیک پھر بھی احتیاط لازم گو تقلید فارسیان شیوۂ اہل ہند ہے۔

بزرگ ۔ ماشاءاللہ خوب تقریر فرمائی۔ یہ فرمائیے کہ (قدوم) کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے؟

اُستاد۔ (قدوم) بضمتین یعنے قاف کو اور دال کو پیش۔ قدم کی جمع سمجھنا قطعاً غلط کیونکہ قدم کی جمع (اقدام) ہے نہ (قدوم)۔ بعض شعرا نے اس لفظ میں دھوکا کھایا ہے اور قدوم بمعنے اقدام نظم کر گئے جیسا کہ اس شعر میں ہے ؎

ہوں جس پہ نقشِ قدومِ رسولِ پاک عیاں ۔۔۔ میں رکھوں حرم کے نادر وہ سنگ سینے پر

ظاہر ہے کہ اس شعر میں (قدوم) بمعنے (اقدام) نظم ہوا ہے یہ فاش غلطی ہے لہذا اُردو ہونے کے سبب سے ترکیب سے نظم نہیں کیا جا سکتا۔ میرے نزدیک تنہا بھی استعمال صحیح نہیں۔

بزرگ ۔ بجا ہے، درست ہے۔ آپ کا فرمانا قابل اطاعت۔ اتنا اور فرما دیجیے کہ حمل بفتحتین صحیح ہے یا غلط یوں کہوں کہ (بُرجِ حمل) بفتحتین یا (برج حمل) بفتح اول و سکون ثانی ہے:

اُستاد۔ بفتحتین صحیح۔ بفتح اول و سکون ثانی غلط یعنے برج حمل بفتحتین صحیح اسکے خلاف غلط۔

بزرگ - آپ کو تو غور وفکر کی ضرورت ہی نہیں پڑتی جو پوچھا فوراً جواب شافی ملا۔ یہ فرمائیے کہ لفظ فِضا۔ بکسر (فا) صحیح ہے یا غلط۔

اُستاد - غلط۔ اصل لفظ فَضا بفتح (فا) ہے جس کے معنے (زمین فراخی) (فراخی زمین) کے ہیں اور کشادگی صحن خانہ ومیدان یہ قطعاً صحیح جو کچھ عرض کیا بجنسہ منتخب وبحرالجواہر و مزیل وکشف وصراح میں موجود ہے۔ فضا بالکسر بولنا خطا ہے۔

بزرگ - آج بھی بہت زحمت دی صرف ایک بات اور بتا دیجیے میں رخصت ہو جاؤں۔ وہ یہ کہ لفظ (قلفی) ہے یا (قفلی) اور فصیح کون ہے۔

اُستاد - قلفی کا استعمال بالخصوص عوام میں بہت ہے یہ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ فصحا لکھنؤ ہمیشہ (قفلی) کہتے ہیں۔ میرے نزدیک یہی فصیح وداخل زبان ہے (قلفی) غلط۔

بزرگ - بس اب پھر کسی دن حاضر ہوں گا۔ چند شکوک اور ہیں دریافت کرلوں گا۔

اُستاد - میرے نزدیک آیندہ ہفتے کو تشریف لائیے ایک نواب صاحب اصلاح لینے آتے ہیں دس بجے تک فرصت ہو جاتی ہے۔

بزرگ - انشاء اللہ تعالیٰ ضرور حاضر ہوں گا، آپ کی زحمت کا خیال ہے۔

اُستاد - پان نوش فرمائیے، مجھے کوئی زحمت نہیں ہوتی۔

بزرگ پان کھا کے رخصت ہوئے اور امور دنیاوی میں مشغول ہو گئے۔ اُستاد کُتب بینی میں مصروف رہے۔ نواب غزل کہنے میں یہاں تک کہ ہفتہ کی صبح نمودار ہوئی اور نواب غزل لے کے آگئے اور بعد سلام سامنے بیٹھ گئے۔

اُستاد - پڑھیے۔ آج ایک صاحب شکوک رفع کرنے کے لیے آنے والے ہیں۔

نواب نے بہت خوب کہہ کے مطلع پڑھا۔

اصلاح نمبر ۷ - غزل

مطلع

رقیب کرتے ہیں اُن سے بُرائیاں میری ‏ ‏ ‏ ‏ بلا رہی ہیں دلوں کو خموشیاں میری

اُستاد ۔ مطلع میں شائگاں ہے ۔ جسے ایطار کہتے ہیں ۔ ایطار کے دو معنے ہیں ۔ (۱) پائمال کرنا (۲) قافیہ کا مکرر لانا ۔ ایطار کی دو قسمیں ہیں (۱) خفی (۲) جلی ۔

(۱) خفی اُس کو کہتے ہیں کہ قافیہ ظاہر نہ ہو ۔ جیسے دانا ۔ بینا ۔ آب ۔ گلاب وغیرہ چونکہ ان قوافی میں واضح طور پر تکرار ظاہر نہیں ہے اس لیے اس کو خفی ایطار کہتے ہیں ۔

(۲) جلی وہ ہے کہ جس میں تکرار قافیہ ظاہر بظاہر ہو ۔ مثلاً خوشتر اور زیبا تر اگر دو مصرعوں میں لے آئیں گے تو جلی ایطار ہو جائے گا ۔ اس لیے کہ لفظ تر ظاہر بظاہر آگیا ۔ باقی رہے خوش اور زیبا اُن میں قافیہ نہیں ہے ۔ یا ستمگر ، افسوں گر ۔ بعینہ خوش تر اور زیبا تر کی سی کیفیت ہے ۔ اسی طرح سیمیں اور زریں کہ سیم و زر بچتا ہے اور یا و نون ایک طرح کے ہیں جو تکرار قافیہ پر دلالت کرتے ہیں لہذا ایسے عیوب قوافی میں نہ ہونا چاہیے یہ اصطلاح عروضیین و شعرا میں بدترین عیوب کہلائے جاتے ہیں ۔

آپ کے مطلع میں الف و نون چونکہ ایک طرح کے ہیں لہذا تکرار قافیہ ہوگئی ۔ اور ایطار جلی پایا گیا ۔ اِس بحث کو اچھی طرح سمجھ گئے ؟

نواب ۔ میں بالکل سمجھ گیا ۔ لیکن حضور اس وقت تو سمجھ گیا خوف یہ ہے کہ بھول نہ جاؤں ۔ کیونکہ دماغ کمبخت کام نہیں دیتا ۔ اچھی بات یاد کی اور تھوڑی دیر میں بھول گیا ۔

اُستاد ۔ خیر ، دو چار بار ٹوکنے میں سمجھ جائیے گا ۔ یہ یاد رکھیے گا کہ انسان ماں کے پیٹ سے سیکھ کے نہیں آتا ۔ حاصل کرنے کی ضرورت ہے ورنہ سوائے ٹھوکریں کھانے کے اور کچھ نہیں ہوتا یہ غلط مقولہ ہے کہ " ہم شاعر مادر زاد ہیں " ۔ رہی شاعری ، تو لکھنؤ کے کبڑیے اور قصائی بھی کر لیتے ہیں ۔ اور اچھے شعر نکال لیتے ہیں ، تو کیا شاعر کہلانے کے مستحق ہیں ۔ نہیں ایسا نہیں ہے ۔ دوسرے آپ کے دونوں مصرعے الگ الگ ہیں کوئی ربط نہیں مصرع اول یوں بدل دیجیے ۔

ہوئی نہ واقف شکوہ کبھی زباں میری   ہلا رہی ہیں دلوں کو خموشیاں میری

نواب ۔ واہ واہ ۔ یہ کہہ کے مصرعہ اول کے نیچے لکھ لیا ۔

اُستاد- کیا مطلع ایک ہی کہا ہے ؟
نواب - جی ہاں -
اُستاد - دو تین مطلع کم سے کم کہا کیجئے تاکہ مشق بڑھے - خیر، شعر پڑھیے -
نواب - ملاحظہ ہو - ؎

الٰہی خیر ہو یہ خواب میں نے دیکھا ہے　　چبا رہا ہے سگِ یار ہڈیاں میری

اُستاد- اس شعر میں دو عیب ہیں- پہلا عیب الٰہی کی (یا) گر گئی - عربی زبان کا لفظ یا اصلی ہے- گرنا ناجائز -
نواب - کیا کسی اُردو شاعر نے (یا) نہیں گرائی ؟
اُستاد - یہ نہ پوچھیے - رونا اسی کا ہے کہ عیب سمجھتے رہے مگر گراتے رہے- چونکہ آپ نے پوچھا اس لیے بتاتا ہوں کہ کن کن حضرات نے (یا) کو گرایا ہے- اس وقت صرف دو چار کا کلام سناتا ہوں - میر تقی میر اور آتش کے کلام سے چند مثالیں پیش کرتا ہوں، باقی آیندہ -
یہ بھی یاد رکھیے گا کہ غزل گویوں میں تو کوئی صاحب اس عیب سے محفوظ نہ رہ سکے مرثیہ گویوں میں جن حضرات نے اس عیب کو عیب سمجھا اُن میں سے خدائے سخن حضرت عشق مرحوم بھی ہیں- پورے کلام میں کوئی حرف فارسی یا عربی کا گرنے نہیں دیا -
نواب - درست، بجا ہے -
اُستاد- سُنیے، میر تقی میر کہتے ہیں ؎

کچھ راہ بھی نکالو سگِ دیاباں سے تم (۱) کرتے نہیں ہیں دوری سے اب اُسکی باک ہم
دُوری کا لفظ فارسی ہے (یا) کو گرادیا -

آہستہ اے نسیم کہ اطرافِ باغ کے (۲) مشتاق پرفشانی ہیں اک مشت خاک ہم
فشانی کا لفظ فارسی (یا) کو گرادیا -

ع ؎ صـ حاشیہ- مطبع نولکشور

فریادی ہوں تو ٹپکے لُہو مری زباں سے (۳) نالے کو بلبلوں کے خاطر میں بھی نہ لاؤں

فریادی فارسی زبان کا لفظ (یا) گرادی -

قطعہ

عیش و خوشی ہے شیب میں ہو گو یہ وہ کہاں (۴) لذت جو ہے جوانی کے رنج و عتاب میں

دیں عمر خضر موسمِ پیری میں تو نہ لے مرنا ہی اس سے خوب ہے عہدِ شباب میں

مصرع ۲ میں جوانی کی (یا) گر گئی -

سب خوبیاں ہیں شیخ مشیخت پناہ میں (۵) پر ایک حیلہ سازی ہے اُس دستگاہ میں

سازی کی (یا) گر گئی -

ہوئی ہے زندگی دشوار مشکل آساں کر (۶) پھروں چلوں تو ہوں پر میں وبال اپنا ہوں

زندگی فارسی لغت (یا) گرادی -

اب دوچار شعر آتش کے بھی سُن لیجیے - **آتش**

بے آہ کیے جان نہیں بچتی اب لے دل (۱) بیتابی سے ہے تنگ مرا حوصلہ آیا

بیتابی فارسی لغت ہے (یا) گرادی -

بس اپنی ستی کو گردش ہے چشم ساقی کی (۲) ہمارا پیٹ نہیں ہے شراب کا مٹکا

ستی فارسی لغت ہے (یا) گرادی -

سودائی زلف یار کا جب سے ہوا ہے دل (۳) قالب میں مرغ روح کو ایذائے دام ہے

سودائی فارسی لغت (یا) گرادی

ایک غزل آتش نے ایسی کہی جس میں پوری غزل کے ہر شعر میں حرف (یا) کو گرادیا بلکہ یوں کہوں کہ ہر قافیے کی (ی) کو گرادیا - سُنئے -

غزل

اسیر لطف و کرم کی رہائی مشکل ہے (۱) نگیں کو نام سے تیرے جدائی مشکل ہے

ہزار دعوے باطل کیا کریں یا رب (۲) بُتوں کی تیری طرح سے خدائی مشکل ہے
پھرایا سر کو ترے زمزموں نے اے بلبل (۳) خفا نہ ہو تو کہوں خوشنوائی مشکل ہے
بہت سی دیکھی ہیں خمار ہم نے تلواریں (۴) تمھارے ابروؤں کی کج ادائی مشکل ہے
وہ اتحاد نہیں ہے کہ جس میں فرق پڑے (۵) ہمارے اور تمھارے جدائی مشکل ہے
کمر سے بڑھ چلے گیسوئے یار قہر کیا (۶) عدم سے دو قدم آگے رسائی مشکل ہے
ولایتی بھی حسینوں کو ہم نے دیکھ لیا (۷) منش تری سی کہاں میرزائی مشکل ہے
پھریں گے ہم نہ ہزار آپ ہم سے منہ پھیریں (۸) تمھیں ہے سہل ہمیں بیوفائی مشکل ہے

اِس شعر میں شُتر گُربہ نظم کر گئے۔ پہلے مصرع میں 'آپ' سے خطاب کیا۔ دوسرے میں 'تم' کر کے بات کی۔ اصولاً یہ بھی ناجائز۔ آپ اس کا خیال رکھیے گا۔

جِلا کیا کریں آئینہ ساز آئینے (۹) صفائے رُخ کی تمھارے صفائی مشکل ہے

بظاہر صفائی کی (یا) بھی گرادی۔ فارسی یا عربی سمجھتے ہوئے اعتراض ممکن ہے مگر فی الحقیقت صفائی کا لفظ نہ فارسی ہے نہ عربی بلکہ اُردو ہے۔ اُردو لفظ میں حرف (یا) کا گرنا جائز ہے لہٰذا اعتراض نہیں ہوسکتا۔ خلاصہ یہ کہ غزل بھر میں صرف ایک قافیہ ایسا ہے یعنے صفائی جس میں حرف (یا) گرا تو، مگر جائز گرا۔ باقی سب قوافی میں حرف (یا) گرا اور قطعاً بے محل اور ناجائز طریقے سے گرا۔

حیا سے یار نے بدلا جو کیفِ مے میں رنگ (۱۰) یقیں ہوا یہ ہمیں پارسائی مشکل ہے
عنایت اس کو ہو بے مانگے بوسہ اے شہِ حسن (۱۱) فقیرِ مست کو تیرے گدائی مشکل ہے
ہزار پنجہ مرجاں کا چھپا ہو رنگ (۱۲) وہ دلربائی دستِ حنائی مشکل ہے
کنارہ کش ہو اے بحرِ حُسن عاشق سے (۱۳) نہیں تو کہتے ہیں ہم آشنائی مشکل ہے
خلیل کا اسے کعبہ نہ جانیو آتش (۱۴) خدا کا گھر ہے یہ دل تک رسائی مشکل ہے

گو خود آتش کا مقولہ ہے مگر عیب نظم کردیا ہے

عیب شاعر کو لگا دیتا ہے آتش نقص شعر　　داغ جب پھل میں لگا عین ثمر میں داغ ہے

نواب - (تعجب کے ساتھ) کیا یہ لوگ سمجھتے نہیں تھے ؟

اُستاد - سمجھتے سب کچھ تھے صرف سہولت کے خیال سے ایسا کرتے تھے ۔

نواب - سہولت کیا ؟

اُستاد - سہولت یہی کہ اگر (یا) کو گرنے سے بچاتے ہیں تو غور و فکر کرنا ہوگی - ہمزۂ وصل لانا پڑے گا جو بچا لے - اپنے کو اُستاد سمجھتے ہوئے جائز قرار دے لیا - یا یوں کہیے کہ جس طرح اودھ کے شاہزادگان و رؤسا کو خون معاف تھے کسی کو دو خون، کسی کو چار خون اُسی طرح ان اساتذہ کو یہ خون معاف تھے - غلط سمجھتے تھے اور نظم کرتے تھے غلط کیوں ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ ہم اہلِ ایران کے مقلد ہیں مستند اہل ایران نے حرف (یا) کا گرنا برا سمجھا ہے - چنانچہ سعدؔی عرفؔی، خاقانؔی، نظیرؔی وغیرہ کے کلام بھر میں کہیں حرف (یا) نہیں گرا لہٰذا ہم کو بھی تقلیداً نہ گرانا چاہئے -

نواب - ہمزۂ وصل سے کیونکر بچاتے ہیں ؟

اُستاد - آیندہ بتاؤں گا - آپ سمجھ نہ سکیں گے اور شعر میں دوسرا عیب جو میں نے کہا تھا وہ خاص عیب نہیں - موجودہ دَور کو دیکھتے ہوئے ایسی تخیل نہ ہونا چاہیئے - یہ تخیلات انقلاب کی آندھی میں کہیں سے کہیں پہونچ گئے - اب کوئی نظم نہیں کرتا متقدمین ایسے خیالات زیادہ نظم کرتے تھے - اور شعر پڑھیئے -

نواب - ـــہ

نزع میں آئیں وہ بالیں پہ اور میں مر جاؤں　　مرے کریم یہ قسمت بھلا کہاں میری

اُستاد - آپ کے لحاظ سے شعر غنیمت ہے مگر ایک بہت بڑا عیب موجود ہے - اور وہ یہ ہے کہ لفظ (نزع) عربی زبان کا لغت ہے جس کے معنے نکلنے کے ہیں - نوؔن کو فتح، زاؔ کو سکون عیؔن کو سکون - آپ نے یوں نظم کیا ہے - نوؔن کو فتح، زاؔ کو فتح، عیؔن کو سکون - چونکہ

لغت میں موجود نہیں نہ کسی نے اس طرح نظم کیا لہذا غلط۔ آپ نے کہتے سُنا ہوگا۔ فلاں شخص کو
نزع روح میں بڑی دقت پیش آئی۔ لہذا یہ مصرع یوں بدل دیجیے عیب نکل جائے گا ؎

وہ آئیں نزع میں بالیں پہ جب تو موت آئے   مرے کریم یہ قسمت بھلا کہاں میری

نواب - کیا کہنا - واقعی آپ اُستاد ہیں -

اُستاد - اور پڑھیے -

نواب - ؎

پڑی نظر جو مری اُن کے اُٹھتے جوبن پر   لبوں پہ آگئی رگ رگ سے کھنچ کے جاں میری

اُستاد - (مسکرا کے) آپ کو گذشتہ غزل میں منع کر چکا ہوں - یہ رنگ اب باقی نہیں جب سے
انگریزی تعلیم زیادہ ہوگئی خیالات میں تغیر ہوگیا - ایسے اشعار پر اسکول اور کالج کے طلبہ تالیاں
بجانے لگتے ہیں - اس رنگ کے اشعار متقدمین زیادہ کہتے تھے - اور آخر میں داغ دہلوی نے
تو دریا بہا دیے - کوئی بازاری خیال، بازاری صرف ایسا نہیں جو نظم نہ کر گئے ہوں اگر کسی کے
یہاں کلام میں پچاس شعر ملیں گے تو داغ کے یہاں ہزار شعر موجود ہیں - آپ کے سامنے مخربِ اخلاق
شعر پڑھنا خلاف تہذیب سمجھتا ہوں - گو آج سے قبل چار پانچ شعر اس قسم کے مختلف اساتذہ کے
سُنا چکا ہوں مجھے بعد کو خیال آیا کہ ایسا چاہیے نہ تھا مگر کیا کروں کہ روا روی میں پڑھ گیا۔ خیر
اور پڑھیے -

نواب - ؎

اسی دعا میں مری عمر ہو رہی ہے تمام   خدا کرے وہ کبھی سُن لیں داستاں میری

اُستاد - اس شعر میں اصلاح کی حاجت نہیں، غنیمت ہے - اور پڑھیے -

نواب - ؎

کہا یہ دل نے کہ اب قصہ چھیڑیے کوئی اور   جو خاتمہ پہ کبھی آئی داستاں میری

اُستاد - معلوم ہوتا ہے آپ دیوان سامنے رکھ کے شعر کہتے ہیں -

نواب - جی، صرف اس لیے دیکھتا ہوں کہ نظر بڑھے اور راہ ملے -
اُستاد - آپ نے امیرؔ مینائی کی چوری کی ہے - امیرؔ کہتے ہیں ؎

کہا جگر نے کہ اب چھیڑیے مرا قصہ جو خاتمہ پہ کبھی دل کی داستاں آئی

خود غور کیجیے کہ کوئی فرق ہے - (چونکہ واقعہ صحیح تھا - اور انتہائی پریشانی میں امیرؔ کے مضمون کو بدلنے کی کوشش کی تھی) -
نواب - درست ہے - بیشک کوئی فرق نہیں -
اُستاد - شعر کاٹ دیجیے - اور پڑھیے -
نواب - ؎

بنا رہے ہیں وہ زلفوں کی گوندھ کے پھانسی نکل رہی ہے یہاں جانِ ناتواں میری

اُستاد - اور سُنیے - میر تقی میرؔ پر ہاتھ صاف کر دیا - یہ آپ کیا کرتے ہیں ؟ میرؔ کا شعر ہے ؎

وہ بال گوندھ کے پھانسی عبث بناتے ہیں بلائے جاں ہے یونہی جانِ ناتواں کے لیے

نواب - چونکہ سرقہ کیا تھا - سخت شرمندہ ہوئے اور خیال کیا کہ اُستاد کا حافظہ زبردست ہے یہاں ترکیب نہ چل سکے گی - شعر سُنتے ہی فوراً شعر پڑھ دیتے ہیں -
اُستاد - شعر کاٹ دیجیے - اور پڑھیے - آپ کو سرقہ کا بڑا ذوق ہے ؟
نواب - بڑی شرمندگی کے ساتھ، ڈرتے ڈرتے ؎

نمک چھڑکتے ہیں وہ دیکھ کے مرے دل کو دکھاؤں زخم یہ ہمت بھلا کہاں میری

اُستاد - ایک نہ شد دو شد تو تھا ہی - اب دو نہ شد سہ شد کا مضمون ہو گیا - یہ شعر بھی چوری کا ہے - استغفراللہ، آپ یہ کیا کرتے ہیں ؟ بالکل میرؔ کا شعر نظم کر دیا ؎

ادھر کھلی مری چھاتی اُدھر نمک چھڑکا جراحت اُس کو دکھانے کا اب مزا نہ رہا

آیندہ خیال رکھیے گا - جس طرح دو ایک لفظ اور بحر بدل کے آپ شعر میں لے آتے ہیں - نہ لائیے گا -

(نواب کے کاٹو تو لہو نہیں، شرم سے آنکھ نہیں اٹھتی، دل میں سوچ رہے ہیں کہ خداوندا اُستاد کا کس قیامت کا دماغ ہے۔ اِدھر شعر پڑھا، فوراً شعر پڑھ دیا۔ اب کبھی ایسا نہ کروں گا)
نواب نے حضور، بہت خوب کہہ کے چُپ ہو کے سر جُھکا لیا۔

اُستاد ۔ اور پڑھیے کہیں پھر سرقہ نہ کیا ہو۔

نواب ۔ ؎

عجب طرح کی اُداسی وہاں برستی ہے ۔۔۔ گئی ہے خاک بھی اُڑ کے جہاں جہاں کری

اُستاد ۔ شعر غنیمت کہا ہے۔ کوئی بات نہیں۔ اور شعر پڑھیے۔

نواب ۔ ؎

اخیر وقت ہے آنا ہے گر تو جلد آؤ ۔۔۔ کہ بند ہونے گی کچھ دیر میں زباں میری

اُستاد ۔ خیر، یہ شعر بھی رہنے دیجیے غنیمت ہے۔ ہونے کا (ے) نکال ڈالیے زائد ہے۔
نواب مُسکرائے اور مُسکراتے کیوں نہ، اس لیے کہ اتنی خفگی کے بعد دو شعر باقی رہے چہرے پر بحالی آگئی۔

اُستاد ۔ اور پڑھیے۔ اگر ایسے ہی شعر کہے تو بہت بہتر ہے۔

نواب ۔ مقطع عرض ہے ؎

اُمیدِ حسرتِ دیدار میں روتا ہوں ۔۔۔ زمانے بھر سے جُدا کیوں نہ ہو فغاں میری

اُستاد ۔ مقطع قدرے بنانے کے قابل ہے مگر خیر رہنے دیجیے۔ آپ سے پھر کہتا ہوں کہ کسی کے کلام کی چوری نہ کیجیے گا۔

(نواب سلام کر کے تھوڑا پیچھے ہٹ کر بیٹھے اور غزل تہ کر کے جیب میں رکھ کے اُستاد سے اجازت لے کے رخصت ہو گئے)۔

دلچسپ معلومات نمبر ۷

اِدھر نواب روانہ ہوئے اُدھر وہی بزرگ جن کو شبانہ روز سوائے تحقیق زبان کے دوسرا کام نہ تھا، تشریف لے آئے۔

بزرگ ۔ آداب بجا لاتا ہوں۔ معاف فرمائیے گا۔ ذرا تاخیر ہو گئی۔

اُستاد ۔ تسلیمات۔ جی، تاخیر تو نہیں ہوئی ابھی ابھی نواب صاحب اصلاح لیکے گئے ہیں۔

بزرگ ۔ پھر مجھے بھی کچھ اصلاح دے دیجیے چند سوالات کا حل فرما دیجیے۔ سخت طبیعت پریشان ہے۔

اُستاد ۔ ارشاد ہوں۔ مگر جناب یہ تو فرمائیں کہ آپ شاعری تو فرماتے نہیں پھر تحقیق الفاظ کیوں فرماتے ہیں؟

بزرگ ۔ صرف اس لیے کہ اگر کسی محفل میں یا کسی پڑھے لکھے سے بات چیت کروں تو اعتراض نہ ہو سکے۔ گو جاہل ہوں مگر لکھنؤ کے وقار کو قائم رکھنے کے لیے تحقیق کی فکر دامنگیر رہتی ہے۔

اُستاد ۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے، اس خیال کے لوگ کہاں پیدا ہوں گے۔ اب تو یہ حال ہے کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے مُنہ کھول دیتے ہیں اور آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور دعویٰ یہ کہ ہم خاندانی ہیں۔ بات کرتے ہیں تو غلطیاں موجود، کلام سُناتے ہیں تو عیوب کے دریا بہا دیتے ہیں۔ کیا بیان کیا جائے، خیر جناب ارشاد فرمائیں۔

بزرگ ۔ یہ فرمائیے کہ جو دو فرشتے قبر میں آتے ہیں ان میں سے ایک کا نام منکِر کاف کو زیر ہے یا منکَر کاف کو زبر ہے؟

اُستاد ۔ مُنکَر بالضم و کاف مفتوح اس کے مختلف معنے ہیں (۱) بد۔ (۲) قبیح و نالائق۔ (۳) ہر وہ امر قبیح جس سے دیکھنے والے متنفر ہوں۔ (۴) فعل نامشروع (۵) نام فرشتہ

ان دو فرشتوں میں سے جو قبر میں سوال وجواب کے لیے آتے ہیں اسے مُنکر کہنا غلط ہے۔ عوام بکثرت مُنکر نکیر بکسر کاف کہتے ہیں اس کا اعتبار نہیں ۔ منکر بکسر کاف کے معنے انکار کنندہ کے ہیں۔ غالباً جناب سمجھ گئے ہوں گے ۔

بزرگ ۔ بالکل سمجھ گیا۔ اس سے واضح کون بیان کرسکتا ہے ۔ اتنا ارشاد ہو کہ انثیٰ کی جمع اِناث، الف کو زیر یا اُناث پیش کے ساتھ ہے ۔

اُستاد ۔ آپ کیا کیا سوالات فرماتے ہیں ۔ واقعتاً پڑھے لکھے بھی جن کی طرف غور نہیں کرتے ۔ سُنیئے (اِناث) بکسر اول انثیٰ کی جمع ہے جس کے معنے (کئی عورتیں)۔ (اُناث) بالضم جیسا کہ عوام وخواص مع العطف مثلاً (ذکور و اُناث) یہ قطعاً غلط ہے ۔ آپ ہمیشہ اِناث الف کو زیر دے کے بولیے گا ۔

بزرگ ۔ بہت خوب۔ آج بڑا شک رفع ہوا۔ کاش پہلے سے آپ کی خدمتگذاری کا شرف حاصل کر چکا ہوتا تو خدا معلوم آج تک معلومات میں کس قدر اضافہ ہوچکا ہوتا۔ اچھا جناب یہ فرمائیں کہ لفظ اِلمَاس زیر کے ساتھ ہے یا زبر کے ساتھ ہے ۔

اُستاد ۔ میرے نزدیک الف کو زبر ہے ۔ یعنے (اَلماس) ایک جوہر ہے جو بہت سفید د شفاف، گراں قیمت ہوتا ہے جسے ہیرا کہتے ہیں لیکن (اِلماس) زیر کے ساتھ جیسا کہ مشہور ہے غلط ہے ۔ ترکیب کے ساتھ پابند اعراب ہونا ضروری ہے ۔ جیسے (اَلماسِ گراں قیمت) ایسی حالت میں الف کو زبر دے کے بولنا چاہیئے ۔ رہا بغیر ترکیب یعنے تنہا تو (اِلماس) زیر کے ساتھ بولنے میں قباحت نہیں کیونکہ اُردو کا حکم جاری ہے ۔

بزرگ ۔ ماشاء اللہ، سبحان اللہ۔ آپ کی جامعیت کا جواب نہیں ۔ ایک بات یہ قابلِ دریافت ہے کہ لفظ (عضو) پیش کے ساتھ ہے یا زبر کے ساتھ ؟

اُستاد ۔ (عضو) عین کو زبر دے کے بولنا غلط ہے ۔ صحیح لفظ درحقیقت (عُضو) پیش کے ساتھ ہے ۔

بزرگ ۔ جناب درست فرماتے ہیں۔ بہت زحمت دے رہا ہوں ۔ ارشاد ہو کہ لفظ (اٰمین)

الف کو زیر ہے یا زبر؟

اُستاد۔ مسئلہ سخت ہے۔ غور سے ملاحظہ ہو۔ اِمین بالکسر و میم مکسور بمعنے بے خوف و بے دہشت یہ امالہ ہے (آمن) کا کہ جو اسم فاعل ہے امن کا اور (امین) بالکسر و میم مفتوح بمعنے بے خوف تر یہ امالہ ہے آمن میم مفتوح کا کہ جو اسم تفضیل ہے امن کا۔ اور (آمین) بالفتح میم مفتوح بمعنے مبارک تر اور جانب دست راست کیونکہ بر تقدیر معنے مبارک تر اسم تفضیل ہے یُمن کا اور دوسرے معنے کے لحاظ سے ماخوذ ہے یمن سے کہ جس کے معنے دست راست کے ہیں۔ جناب اچھی طرح سمجھ گئے۔

بزرگ۔ خوب سمجھا۔ خدا آپ کو زندہ رکھے، واللہ دل سے دعا نکلتی ہے۔ یہ بھی ارشاد ہو کہ مادرِ جناب علی اکبرؑ زوجۂ جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا نام صرف (لیلیٰ) تھا یا (اُمِّ لیلیٰ)۔

اُستاد۔ (اُمِّ لیلیٰ) بولنا اور مادرِ جناب علی اکبرؑ مراد لینا صحیح نہیں۔ (اُمِّ لیلےٰ) درحقیقت نانی تھیں۔ مادرِ جناب علی اکبرؑ کو (لیلیٰ) کہنا صحیح ہے۔ میری تحقیق یہی ہے اگر اسکے خلاف کبھی ثابت ہوگا تو خیال بدل دوں گا۔

بزرگ۔ میرا بھی یہی خیال تھا جیسا جناب نے ارشاد فرمایا اب یہ فرمایئے کہ لفظ نقاب فتح کے ساتھ ہے یا زیر کے ساتھ۔

اُستاد۔ حقیقتاً تو (نِقاب) بالکسر ہے چونکہ بکثرت زبر کے ساتھ بولا جانے لگا اس لیے بغیر ترکیب (نقاب) بالفتح فصیح ہے۔ ترکیب کے ساتھ نقاب بالکسر بولنا چاہیے۔

بزرگ۔ بالکل درست۔ وقت بہت آگیا۔ دو چار سوالات اور حل فرما دیجیے تو رخصت ہوں۔ اقربا کے متعلق کلام ہے کہ صحیح کس طرح ہے۔

اُستاد۔ (اِقربا) بکسر را جمع قریب صحیح ہے لیکن (اقُربا) بالضم یا (اقرَبا) بالفتح جیسا کہ بین العوام مشہور ہے اور کثرت سے بولا جاتا ہے غلط ہے۔

بزرگ - جناب صحیح فرماتے ہیں میری تحقیق بھی یہی تھی - یہ فرمائیے کہ (اشرفی) میں سین ساکن ہے یا سین کو زبر ہے -

اُستاد - (اشرفی) بسکون شین وفتح را صحیح ہے اور یہ منسوب ہے ایک بادشاہ کی طرف جس کا نام (باشرف) تھا جس کے عہد میں سکۂ زرجو وزن میں دو ماشہ تھا رائج ہوا لیکن جو لوگ کہ (شین) کو زبر دے کے اور (رے) کو ساکن کر کے بولتے ہیں قطعاً غلط ہے -

بزرگ - بجا ہے - جناب کی اس تحقیق خاص سے بہت فائدہ پہونچا - یہ بھی ارشاد ہو کہ (اسامی) کسی ایک انسان کو کہنا کہاں تک درست ہے -

اُستاد - غور سے ملاحظہ فرمائیے گا - اسامی بالفتح جمع الجمع اسم ہے - کیونکہ (اسامی) جمع (اسماء) اور (اسماء) جمع (اسم) لیکن (آسامی) الف ممدودہ کے ساتھ یا (اسامی) بشار مثلہ یا الف و نون کے ساتھ جمع بنانا - مثلاً (اسامیان) کہنا یہ تینوں صورتیں محض غلط ہیں - چونکہ کاشتکار کو کثرت سے اسامی کہتے ہیں اس لیے اُردو سمجھتے ہوئے کہنا غلط نہیں ہے -

بزرگ - یہ تحقیق بھی جناب کی خاص ہے - یہ فرمائیے کہ (لحیہ) فتح کے ساتھ یا (لحیہ) زیر کے ساتھ ہے -

اُستاد - صحیح حقیقتاً (لحیہ) زیر کے ساتھ ہے اس کے معنے (ریش) یعنے داڑھی جو مردوں کے چہرے پر ہوتی ہے لیکن (لحیہ) زیر کے ساتھ کہ جو عموماً لوگ استعمال کرتے ہیں اور ترکیب کے ساتھ استعمال کرتے ہیں قطعاً غلط ہے - جیسے (حلق لحیہ) داڑھی مُنڈانا - تنہا استعمال غنیمت تھا حرکت بدل جانے کے بعد ترکیب دینا قیامت ہے - عوام کے استعمال پر نظر کر کے تعلیم یافتہ حضرات دھوکا کھاتے ہیں اور بغیر تحقیق لفظ غلط استعمال کر جاتے ہیں جن کی وجہ سے صاحبانِ علم و تحقیق کو دھوکا ہوتا ہے -

بزرگ - آپ کی تعریف میں زبان قاصر ہے - جو پوچھا اُسی وقت جواب شافی ملا - استاد ارشاد ہو کہ لفظ (عمامہ) ہے زبر کے ساتھ یا زیر کے ساتھ میں تحقیق سے عاجز ہوں -

اُستاد - صحیح لفظ (عمامہ) بالکسر ہے - منتخب و مدار و سکندری و بحرالجواہر کشف و قاموس

و بہارِ عجم وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے لیکن بالفتح جیسا کہ دنیا بولتی ہے ۔ غلط ہے ۔ بس یہ کہئے کہ
صحیح مان لیجیے کہ حرکت بدلنے پر اُردو ہے ۔ پھر سوال ترکیب کا رہے گا کہ ترکیب کے ساتھ بالفتح
کہنا غلط ہوگا ۔ بالکسر صحیح ہوگا ۔

بزرگ ۔ خوب سمجھا مطلب ذہن نشین ہوگیا ۔ جناب کا کیا خیال ہے ۔ لفظ اُسترہ ہے یعنے
الف کو پیش یا اَسترہ ہے الف کو زبر جیسا کہ سب بولتے ہیں ۔

اُستاد ۔ صحیح لفظ (اُسترہ) پیش کے ساتھ ہے ۔ اس کا مصدر (استردن) ہے جس کے معنے
(مُونڈنا) لیکن اَسترہ جیسا کہ آپ نے فرمایا عوام بکثرت بولتے ہیں غلط ہے ۔

بزرگ ۔ صحیح ہے ۔ بس ایک بات اور سمجھا دیجیے ۔ واشد بڑی زحمت دی اور وہ یہ کہ پڑھے
لکھے لوگ کہتے ہیں کہ لفظِ (اَرنی) میں کلام ہے ۔ بعض کہتے ہیں (ارِنی) ہے یعنے رے کو
زیر ہے ۔ بعض کہتے ہیں (رے) ساکن ہے ۔

اُستاد ۔ آپ نے بڑا سخت سوال فرمایا ۔ خیر سُن لیجیے (اَرِنی) بفتح الف وکسرِ رَا وکسرِ نون اسکے
معنے ہیں (مجکو دکھا) یہ اشارہ ہے قصہ حضرت موسیٰؑ کی جانب کہ بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا
تھا (رب ارنی انظر الیک) ترجمہ یہ ہے کہ پروردگار میرے سامنے آ، میں تجھ کو دیکھنا
چاہتا ہوں ۔ آواز غیب پیدا ہوئی تھی کہ اے موسیٰؑ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے ۔ کلمۂ (ارنی)
مرکب ہے لفظ (ار) اور نون وقایہ اور یائے متکلم سے اور (ار) دراصل (ارئی) تھا بروزن
(اَکرم) کہ جو امر ہے بابِ افعال سے حرکت ہمزہ نقل کرکے ماقبل کو دی اور ہمزہ کو بسبب التقائے
ساکنین اور (یا) کو بجہت وقف کہ جو آخر امر میں ہوتا ہے حذف کردیا (ار) باقی رہا جب
نون وقایہ اور یائے متکلم کو اُس سے ملا دیا (ارنی) ہوگیا اس کو اہلِ فرس نے بسکون را استعمال
کیا جیسا کہ (مخزن اسرار) میں مولوی نظامی نے نظم فرمایا ہے ؎

موسیٰ ازیں جام تہی دید دست ۔ شیشہ بکہ پایہ ارنی شکست

لیکن چونکہ کلامِ پاک میں ارنی بکسرِ را نازل ہے لہٰذا ہر شخص پر فرض ہے کہ اسی طرح استعمال کرے

اندا اہلِ فرس کی اس امر میں تقلید نہ کرے مقتضاء احتیاط یہی ہے۔ باقی اختیار ہے بحث جواز کے لیے تقلید اہل فرس کا جواب کافی ہوگا۔ غالباً آپ اچھی طرح اس مسئلے کو سمجھ گئے ہوں گے۔ میرے پاس وقت ہے اگر آپ کچھ اور پوچھنا چاہیں تو بتا سکتا ہوں۔

بزرگ ۔ خدا زندہ رکھے میں خوب سمجھ گیا۔ آج میرے یہاں ایک تقریب ہے اس لیے زیادہ ٹھہر نہیں سکتا۔ کل یکشنبہ کو اسی وقت ضرور حاضر ہوں گا۔ جتنے سوالات باقی ہیں حل کر لوں گا اجازت چاہتا ہوں۔

اُستاد ۔ بہت خوب ۔ خدا حافظ ۔

بزرگ رخصت ہو کے گھر پہونچے اور تقریب کے سرانجام میں مصروف ہو گئے۔ اُستاد اپنے کارہائے ضروری کو انجام دینے لگے۔ جاتے ہوئے وقت گزرتے ہوئے زمانے کو قرار نہیں۔ دن گزرا، رات گزری، صبح نمودار ہوئی۔ اپنے وقت پر مولانا اُستاد کے گھر پہونچ گئے دیکھا کہ اُستاد چمن میں ٹہل رہے ہیں اور ایک سنجیدہ شاگرد جو عرصے سے غزل دکھاتے ہیں اُن کے کلام پر اصلاح دے رہے ہیں۔

مولانا ۔ (سلام کر کے) اگر اجازت ہو تو میں بھی اصلاح دیکھتا رہوں فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

اُستاد ۔ ضرور (یہ کہہ کے پُرانے شاگرد سے کہا شعر پڑھیے (گیارہ اشعار کی غزل تھی چار شعر سُنا چکے تھے پانچواں شعر پڑھا۔ مگر اتفاق سے مطلع درمیانِ غزل میں لکھ لیا تھا)۔

قدیم شاگرد ۔ حضور، ایک مطلع اور ہے جو بیچ میں لکھ لیا تھا سُناتا ہوں ۔ **مطلع**

غنیمت تھی ہستی مرے دل جگر کی (۱) نہ میں نے نظر کی نہ تم نے نظر کی

اُستاد ۔ (قدرے سکوت کے بعد) مطلع صاف ہے، غنیمت ہے۔ اب کلام پر اصلاح کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ اور پڑھیے۔

قدیم شاگرد ۔ سب حضور کے قدموں کی برکت ہے۔ سلام کر کے ؎

شبِ ہجر سو کے قیامت کو اُٹھا (۲) مجھے ناز یہ ہے کہ میں نے سحر کی

اُستاد۔ اچھا ہے اور بہت اچھا ہے ۔ واہ ۔
قدیم شاگرد ۔ میں اس قابل نہیں سرکار کا فیض ہے ۔ آداب بجالاتا ہوں ۔
مرا زخمِ دل حد سے اتنا بڑھا ہے (۳) نظر کام کرتی نہیں چارہ گر کی
اُستاد۔ خیر پرانا خیال ہے ۔ اور پڑھیے ۔
قدیم شاگرد۔ ؎
کھنچا روح بن کے مرے دل سے پیکاں (۴) یہ تدبیر اُلٹی ہوئی چارہ گر کی
اُستاد۔ نازک خیال ہے ۔ اور پڑھیے ۔
قدیم شاگرد۔ (سلام کر کے) جناب کا تصدق ہے ۔
خلوصِ محبت یہ کہتا ہے بڑھ کے (۵) کوئی حد معین نہیں ہے اثر کی
اُستاد۔ اب آپ کچھ غنیمت کہنے لگے ۔ بہ نسبت گزشتہ زمانے کے اب بہتر کہہ لیتے ہیں ۔
قدیم شاگرد۔ تسلیم کر کے ۔
اثر دیکھتے ہو وفاؤں کا پیری (۶) وہ حالت نہیں اب تمھاری نظر کی
اُستاد۔ اچھا کہا ہے ، بہت صاف ہے ۔ اور پڑھیے ۔
قدیم شاگرد۔ سب حضور کی مرحمت کا اثر ہے ۔
ہمیشہ رہیں حق پہ حسرت نگاہیں (۷) مصیبت میں ہم نے خدا پر نظر کی
اُستاد۔ (دونوں شاگردوں سے) اب کمرے میں چلیے ۔
قدیم شاگرد۔ (سلام کر کے) مجھے کچھ کار ضروری درپیش ہیں اگر اجازت ہو تو رخصت ہوؤں ۔
اُستاد۔ ہاں ، آپ جائیے ۔ واقعاً آپ کثیر الاشغال ہیں ۔
قدیم شاگرد۔ پھر سلام کرتے ہوئے ، خدا حافظ کہہ کے رخصت ہو گئے ۔
اُستاد۔ خدا حافظ کہہ کے مولانا کو ساتھ لے کے کمرے میں چلے آئے ۔ فرد کش ہوتے ہوئے مولانا سے پوچھا "کہیے اور کتنے شعر کہے ؟"

مولانا۔ صرف بارہ شعر کہہ سکا۔ معافی چاہتا ہوں (یہ کہہ کے جیب سے خوشخط غزل نکال کے سادگی کے ساتھ سُنانے لگے۔

اصلاح نمبر ۸

غزل مولانا

مطلع

واعظ کا وعظ سُنتے ہی مدہوش ہو گئے (۱) فصلِ بہار آتے ہی مے نوش ہو گئے

اُستاد۔ لفظ وعظ مؤنث ہے۔ آپ نے مذکر نظم کیا۔ وعظ کہی گئی، موعظہ کہا گیا یہی اہلِ زبان کا استعمال ہے۔ آج کل کے غیر معتبر حضرات وعظ کو مذکر بولتے ہیں۔ مصرعِ اول صحیح نہیں ہے۔ مصرع سست ہوا جاتا ہے مگر یوں بدل دیجیے۔

واعظ کے موعظے بھی فراموش ہو گئے فصلِ بہار آتے ہی مے نوش ہو گئے

مولانا نے مصرع لکھ لیا مطلع مکمل ہو گیا۔

اَے گردشِ زمانہ کروں شکوہ کب تلک (۲) جو یاد تھے سبق سو فراموش ہو گئے

اُستاد۔ تلک کا لفظ آج سے پچاس سال قبل تک فصیح تھا اب متروک ہے بلکہ غیر فصیح ہے۔ ڈیڑھ سو سال قبل کا میر تقی میر کا شعر ہے۔

طاقت ہو جس کے دلیں وہ دو چار دن رہے ہم ناتوانِ عشق تمھارے کہاں تلک

میر نے پھر کہا ہے اور 'تلک' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

ہم صحبتیِ یار کو ہے اعتبار شرط اپنی پہونچ تو میر نہیں پاسباں تلک

اور اساتذہ لکھنؤ نے بھی اس لفظ استعمال کیا ہے لیکن حضرت ناسخ پر خدا رحمت نازل فرمائے۔ کیا زبان کو صاف کیا ہے۔ ان کے عہد سے (تلک) بالکل متروک ہے یہی (تلک) متروکات حضرت عشق رہے ہے جو مایۂ ناز مرثیہ گو تھے اور حضرت انیس و دبیر رحمہا کے ہمعصر و ہمپایہ تھے۔

پھر (سُو) کا لفظ یہ بھی متروک ہے متقدمین نے بہت استعمال کیا ہے۔ چنانچہ میر تقی میر کا شعر ہے ؎

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی — چاہتے ہیں سُو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

حضرت تعشق مرحوم کے مرثیے کا ایک چھٹا مصرع جو فنائے دنیا کے محل پر کہا ہے یاد آیا ؏

تھیں سرمگیں سُو خاک اُن آنکھوں میں بھر گئی

میر تقی میر ؎

خون ہو کر بہہ گیا مدت ہوئی — دل جو ڈھونڈو سُو گیا کس کے کنے

یہ لفظ بھی متروکات حضرت عشق رہ سے ہے۔ آپ کہیں گے کہ حضرت عشق کا ذکر متروکات میں ضرور آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی ایک اُستاد مرثیہ گو لکھنؤ میں ایسے گزرے ہیں جو اپنی احتیاط کی حیثیت سے دنیائے لکھنؤ میں منفرد تھے۔ کلام بھر میں کہیں بازاری لفظ، بازاری محاورہ نہ ملے گا۔ اُن کی ذات قابلِ تقلید ہے۔ ایسے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ بعد حضرت ناسخ تحقیق میں حضرت عشق ہی کی ذات تھی جس کا جواب نہ تھا۔ دنیا نے مرحوم کو پہچانا نہیں۔ نہ اُنھوں نے پہچنوانے کی کوشش کی حتیٰ کہ باہر روساء کے یہاں مرثیہ پڑھنے نہ گئے۔ نہ پڑھوائی لی بلکہ مرحوم کا قول تھا کہ عشق حسینؑ کے آنسو نہیں بیچتا۔ حضرت عشق مرحوم کی رباعی ہے

گو مرثیہ خوانی نہیں پیشہ میرا — لیکن ہے یہی شغل ہمیشہ میرا

ہاں کس نے کہا مرثیہ ان قیدوں سے — پایا نہ کسی شیر نے بیشہ میرا

ایک رئیس کے یہاں سالانہ مجلس پڑھتے تھے لوگوں نے مشہور کیا کہ رقم لے کے پڑھتے ہیں تو نہایت غصے میں منبر پر اُنھیں رئیس کے یہاں یہ رباعی پڑھی ۔ رباعی

بتلاؤ تو کچھ لے کے کہاں پڑھتے ہیں — رغبت سے جو کہتا ہے وہاں پڑھتے ہیں

دنیا میں نہیں بیچتے اشکِ غمِ شاہ — ہم پڑھتے ہیں للہ جہاں پڑھتے ہیں

بڑی آن بان سے بسر کر گئے، ہمیشہ گنگا جمنی تامدان پر نکلتے تھے کسی رئیس سے کبھی دَب کے نہ ملے۔

چند متروکات حضرت عشق رہ آپ کو سناتا ہوں، کُل متروکات اس وقت یاد نہیں۔ جتنی چیزیں آپ سے بیان کرتا ہوں مرحوم کے کلام میں اُن کا وجود ہی نہ پایئے گا۔

۱۔ (مجرا۔ مجرائی) کو نظم کرنا اچھا نہیں سمجھتے تھے صرف اس لیے کہ لکھنؤ میں مجرا ناچنے والی عورتوں کے ناچ کو کہتے ہیں۔ مثلاً فلاں عورت نے اچھا مجرا کیا یعنے خوب ناچی گائی۔

۲۔ (تا بگور۔ تا بفلک۔ تا بحشر وغیرہ وغیرہ) ان ترکیبوں سے اپنے کلام کو ہمیشہ پاک رکھا گو مستند شعراء اہلِ ایران فردوسی وغیرہ نے نظم کیا ہے۔ مگر موصوف یہ فرمایا کرتے تھے کہ جو معنے (تا) کے ہیں وہی معنے (با) کے ہیں۔ صرف تکرار کے خیال سے احتیاط فرماتے تھے۔ گو یہ احتیاط بحدِ افراط تھی مگر قابلِ تعریف یہ بات ہے کہ جہاں تا بگور نظم میں آتا ہوگا نظم نہیں فرماتے ہوں گے۔ دشواریوں کی پابندی کا خود التزام فرمایا تھا۔ یہی قابلِ صد تحسین امر ہے۔

۳۔ (بصد جاہ۔ بصد غم۔ بہ آہ و زاری۔ بہ کرّ و فر۔ بچشم نم) وغیرہم سے ہمیشہ احتیاط کی۔ غالباً وجہ احتیاط یہی ہے کہ کلام اہلِ فرس میں شاید وجود نہ ہو۔

۴۔ (بھاگڑ۔ بھیڑ۔ ہُلڑ۔ لبے ہونا۔ لبے پڑنا۔ بھیڑ بھاڑ۔ کڑیل جوان۔ دُلارا۔ ندّی۔ بھینا۔ بھیا۔ چھاتی۔ دھڑا دھڑ۔ بے کلی۔ ماں جایا۔ ماں جائے) ان تمام مذکورالصدر الفاظ اور ترکیبوں کو مخل فصاحت سمجھتے تھے پورا کلام، پاک ہے کہیں وجود نہ پایئے گا۔

۵۔ (سُو) جیسا کہ میں ذکر کر چکا۔ (تب۔ بِن) بغیر کے معنے میں (نَے) نہیں کے معنے میں۔ (اوپر) کی جگہ (پر)۔ (والے) جیسے آم والے، ترکاری والے۔ (کاہیکو) کیوں کے محل پر۔ مذکورالصدر چیزوں سے ہمیشہ احتیاط فرماتے تھے کہ (اوپر) کی جگہ پر کہنا فصیح ہے۔ (کاہیکو) کی جگہ کیوں بولنا چاہیئے۔

۶۔ (تلے) کا لفظ کہیں استعمال نہیں کیا۔ اس کے بجائے (نیچے۔ زیر) بولے۔ (پہ) کی جگہ ہمیشہ (پر) بولے۔ (پہ) کو غیر فصیح سمجھتے تھے۔ (یاں۔ واں) کی جگہ ہمیشہ

(یہاں - وہاں) استعمال کیا - (مرا - مری) کے موقع پر (میرا - میری) فصیح سمجھتے تھے -
(کیجے - لیجے - دیجے) جیسے کسی کا شعر ہے ؎

نہ کیجے آپ مری حسرتوں کی بربادی نہ دیجے آپ جو پیغام موت اچھا ہے

ہمیشہ (کیجیے - لیجیے - دیجیے) استعمال کیا جس طرح اس شعر میں ہے ؎

لازم ہے عاشقوں کی محبت کا کچھ خیال بعد فنا نہ خاک کو برباد کیجیے

۷ - (ہووے) کی جگہ (ہو) - (ہووے گا) کے محل پر (ہوگا) بولتے تھے اور نظم فرماتے تھے - (اک) کے بجائے ہمیشہ (ایک) - (آنکے) کی جگہ (آکے) - (آکر) کے موقع پر (آکے) استعمال فرماتے تھے -

۸ - اخفاء نون بغیر ترکیب مخل فصاحت سمجھتے تھے جیسے - ع

مرا خوں ہوا اور مری جاں گئی

اس کے بجائے اگر مرحوم موصوف نظم فرماتے تو یوں - ع

ہوا خون میرا گئی جان میری

۹ - (اور) کی جگہ کبھی (اَر) نہیں بولے - جیسے شعر ہے ؎

اُن کی شہرت ہوئی زمانے میں اور میں بدنام خلق ہو کے رہا

بلکہ ہمیشہ یوں نظم فرمایا جس طرح کسی کے اس شعر میں نظم ہے ؎

آپ کو کچھ نہیں ہماری فکر اور ہم اپنی جان دیتے ہیں

۱۰ - مرحوم نے ایک مطلع یا بند میں یہ قافیے جو اب بتاتا ہوں کبھی جمع نہیں کیے - (چلا - پھرا - بیٹھا - اٹھا - دیکھا - سُنا - بندھا - کھُلا - دَھرا - کہا - گرا - ہلا - گھٹا - بڑھا) - اسی طرح (چلو - پھرو - اُٹھو - بیٹھو - دیکھو - سنو) وغیرہم کے جمع کرنے سے کلام کو محفوظ رکھا -

۱۱ - (ہمارا - تمہارا) ایک مطلع میں قافیہ نہیں لاتے تھے - مزید احتیاط یہ تھی کہ جس طرح

اس بیت میں جو پڑھتا ہوں گر پڑے ہے کبھی جائز نہ سمجھیے - بیت

باہر سے آہ گھر میں جو تشریف لاتے ہیں　　　　کیسی پچھاڑیں حضرت شبیرؑ کھاتے ہیں

مرحوم فرماتے تھے کہ تقطیع کرنے میں (تشریف لات) - (شبیرؑ کھات) رہتا ہے - میں مکروہ سمجھتا ہوں -

۱۲- یائے نسبت، یائے مصدری، یائے اسم فاعل سب کا گرنا ناجائز سمجھتے تھے اس کی تقریر آپ سے کر چکا ہوں، مزید بتانے کی ضرورت نہیں -

آمدم بر سر مطلب تو کا لفظ آپ کبھی نہ استعمال کیجیے گا - اس آخری دور میں مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی نے ایک محل پہ یہ لفظ صرف کیا مگر حاشیہ دیوان پر لکھ دیا کہ گو یہ لفظ نہیں بولا جاتا مگر میں نے صرف اس لیے نظم کر دیا کہ میرے شعر میں دوسرا لفظ اس محل پر آ ہی نہ سکتا تھا گویا مجبوری کا اظہار کیا ہے - مرحوم بڑے محقق تھے -

اِس شعر کو یوں بدل دیجیے تو زیادہ مناسب ہے ؎

اے گردشِ زمانہ شکایت کروں میں کیا　　　　جو یاد تھے سبق وہ فراموش ہو گئے

مولانا - بہت خوب - ان باتوں کا خیال رکھوں گا -

دنیا تو سُن رہی تھی بڑے ذوق و شوق سے (۳) افسانہ کہتے کہتے ہی خاموش ہو گئے

اُستاد - مولانا ثاقبؔ کے شعر کا بالکل ترجمہ وہ بھی نامکمل - اسی کو سرقہ کہتے ہیں - مولانا ظلہ کا شعر ہے ؎

زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا　　　　ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

مولانا - سرقہ ممدوح بھی تو ہوتا ہے -

اُستاد - میں سرقہ کے متعلق مختصر تقریر کرتا ہوں، غور سے سُنیے گا - سرقہ کی شعر میں دو قسمیں ہیں - ظاہر و غیر ظاہر -

قسم اوّل - ظاہر سرقہ کی یہ ہے کہ دوسرے کے شعر کو بغیر کسی تغیر کے لفظاً و معناً

اپنا کرلیں اسے عرف شعرائے عرب میں نسخ و انتحال کہتے ہیں یہ سرقہ انتہائی مذموم و معیوب کہلاتا ہے۔
قسم دوم ظاہر سرقہ کی یہ ہے کہ معنے کو تمام الفاظ کے ساتھ یا بعض الفاظ کے ساتھ اخذ کریں اور ترتیب نظم کو تغیر دیں اس قسم کو غارہ اور مسخ کہتے ہیں اس صورت میں اگر شعر ماخوذ ماخوذ منہ سے بلیغ ہو تو مقبول و ممدوح کہلائے گا۔
قسم سوم ظاہر سرقہ کی یہ ہے کہ کل معنے شعر اخذ کرلیں اور دوسرے الفاظ کا جامہ پہنادیں اس صورت میں اگر دوسرا شعر پہلے سے بلیغ ہے تو مقبول ممدوح اور اگر دونوں بلاغت میں برابر ہیں تو ترجیح پہلے کو ہے اور اگر دوسرا شعر پست ہے تو مذموم و معیوب کہلانے کا مستحق ہے۔ اب آپ کا شعر کسی طرح جناب ثاقب کے شعر سے بلیغ نہیں مقصد و مطلب شعر بالکل وہی مگر الفاظ جناب ثاقب کے شعر سے زائد عنوان ادا خراب۔ شعر میں یہ ظاہر نہیں کہ افسانہ کہتے کہتے کون صاحب خاموش ہوگئے۔ کوئی داستان گو صاحب تھے یا جناب شاعر صاحب۔ بہر طور شعر کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ ؎

نالوں نے شام غم کے کیا اس قدر اثر (۴) جنوں نے سُن لیا وہ گراں گوش ہوگئے

اُستاد۔ اس شعر میں کوئی خاص بات نہیں۔ آپ کے کہنے کا شعر نہیں۔ مرتبہ سے گرا ہوا ہے۔ نکال ڈالیے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ ؎

دریائے خون بہہ گیا کوچے میں یار کے (۵) ہم ذبح جب ہوئے تو سبکدوش ہوگئے

اُستاد۔ آپ کے شعر میں اعلان نون ہے۔ خون کے نون کا اعلان ہوگیا۔ جو ناجائز کیونکہ اضافت موجود ہے اگر اضافت نہ ہوتی تو اختیار تھا چاہے اخفا ہوتا یا اعلان۔

مولانا۔ کوئی ترکیب ہو عام اس سے کہ توصیفی ہو یا اضافی وغیرہ نون کا اعلان ناجائز ہے؟

اُستاد۔ جو نون (واو۔ الف۔ یا) کے بعد آئے۔ جیسے خون کا واو۔ زمین کی یا۔ آسمان کا الف۔

ان سب کا اعلان مع الاضافت محققین کے نزدیک صحیح نہیں - ایک بات اور کہہ دوں متقدمین نے بے سبب، بے دلیل ان عیوب کو جائز قرار دے رکھا تھا چنانچہ خدائے سخن میر تقی میر نے سیکڑوں مقام پر اعلان نون کیا ہے - مثال

مارا کسی لباس میں عریانی نے مجھے　　　جس سے تہِ زمین بھی میں بے کفن گیا

آج آوارہ ہوا سے بال اسیرانِ قفس　　　بے گل و باغ و خیابان نہ ہو دیں گے کل

آج کل جو حضرات محتاط ہیں اعلان نون صحیح نہیں سمجھتے - مثلاً مرزا محمد ہادی صاحب عزیز وغیرہ - کہیں کلام میں اعلان نون نہ ملے گا مجھ سے خود تبادلۂ خیالات ہو چکا ہے - لیکن بعض حضرات شعرا جو اپنے کو محقق سمجھتے ہیں اور باہر سے آ کے لکھنؤ کو سرفراز فرمایا ہے یا لکھنؤ کے ہیں زبان دانی اور اردو کے محقق بنتے ہیں اُن کا خیال یہ ہے کہ جائز ہے -

مولانا - عدم صحت کی دلیل کیا ہے ؟

اُستاد - ہاں، یہ سوال آپ نے کیا - جواب سُنیے - ہم اہل ہند قواعد میں اہل ایران کے مُقلد ہیں جو اُن کی طرز عمل وہی ہماری طرز ہے اور آج تک ایسا ہی ہوتا آیا کہ کُل قواعد میں پابندی کرتے آئے - چونکہ اہل ایران یعنے مستند شعرا عجم نے اعلان نون کو ناجائز قرار دیا ہے - اور کہیں مستند شعرا کے کلام میں نہیں ملتا اس لیے اہل ہند کو اعلان نہ کرنا چاہیئے -

مولانا - شاید بعض ایرانی کلام میں اعلان نون موجود ہے -

اُستاد - بعض شعرا عجم کے یہاں اعلان ہے لیکن وہ مستند نہیں اور اگر مستند مانیے گا تو غلطی کا اعتراف کرنا ہوگا - یہ ماننا پڑے گا کہ عیب نظم کر گئے - جیسا کہ فردوسی کے پورے شاہنامہ میں صرف تین یا چار جگہ اعلان نون ہے جو قواعد ایرانیین کے قطعاً خلاف ہے لہذا قابلِ تقلید نہیں - مصرع اولیٰ کو یوں بدل دیجیے - ؎

دریا لہو کا بہہ گیا کوچے میں یار کے　　　ہم ذبح جب ہوئے تو سبکدوش ہو گئے

مولانا - مصرع بدل سکے -

تو چارہ گر علالتِ دل کا نہ کر علاج (۶) سارے طریق تجکو فراموش ہوگئے

اُستاد۔ علالت کا لفظ اُردو ہے۔ آپ نے دل کی طرف اضافت دے دی۔ اُردو، فارسی یا اُردو، عربی کی اضافت صحیح نہیں۔

مولانا۔ علالت مصدر ہے۔ علت اس کا مادہ۔ بروزن سخاوت و جلالت یہ تو عربی ہے۔

اُستاد۔ بغیر تحقیق دنیا میں کام نہیں چلتا۔ کتاب دیکھنے اور مطالعے میں وقت صرف کرنے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں صحیح کیا، اور غلط کیا ہے۔ عربی کے کسی دیوان کسی کتاب کسی لغت میں بھلا یہ لفظ دکھا تو دیجیے۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ کہیں نہ ملے گا۔

مولانا چونکہ عربی داں تھے اس لیے سخت شرمندہ ہوئے کہ منتہی الارب قاموس وغیرہ کیوں نہ دیکھ لیا۔ دل میں کہنے لگے کہ آیندہ ہر لفظ کی تحقیق کر کے آیا کروں گا۔

اُستاد۔ اہلِ ہند نے لفظ علت سے علالت بنایا۔ گویا وضع کیا اور معنے وہی قرار دیے جو علت کے ہیں۔ چونکہ واضع اہل ہند ہیں لہذا علالت کے لفظ پر اُردو کا حکم جاری ہوگا۔ کیونکہ لفظ جہاں منقول یا وضع ہوتا ہے وہیں کا کہلاتا ہے۔ یوں بدل دیجیے سے

اے چارہ گر تو دل کے مرض کا نہ کر علاج سارے طریق تجکو فراموش ہوگئے

شعر بدلنے کے بعد بھی کسی قابل نہیں۔ بھرتی کے الفاظ، مطلب صاف نہیں۔ مگر خیر، رہنے دیجیے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ (دھیمی آواز سے) بہت مناسب۔

جنگل کو چاک کر کے گریباں چلا گیا گم جب جنوں میں آئے ہوئے ہوش ہوگئے

اُستاد۔ آپ کے شعر میں بہت بڑی تعقید ہے۔ مصرع اولیٰ میں زائد۔ مصرع ثانیہ میں تھوڑی سی تعقید ہے اور آپ نے تو علم معانی کا باقاعدہ مطالعہ کیا ہوگا۔ مطول و مختصر معانی خصوصاً نصاب میں پڑھی ہوگی۔

مولانا۔ میں نے سب کچھ پڑھا ہے۔ مگر چونکہ ان چیزوں کی مزاولت نہیں اسلیے دماغ سے

بحث نکل گئی حضور تقریر فرماویں۔

اُستاد۔ سُنیے۔ مختصر تقریر کیے دیتا ہوں۔ آپ مطالعہ کر لیجیے گا۔ تعقید کے معنے پوشیدہ بات کہنا۔ اور اصطلاح علمِ معانی میں الفاظ کا مقدم و مؤخر کرنا وزن کی رعایت سے تعقید کی دو قسمیں ہیں۔ معنوی و لفظی۔ معنوی یہ ہے کہ کلام ایسا کہ جس کی دلالت اپنے معنے مقصود پر غیر ظاہر ہو۔ بسبب عدم انتقال ذہن معنے لغوی سے معنے مقصود متکلم کی طرف کیونکہ لوازم بعیدہ وسائط کثیرہ کے ساتھ قرینہ کا انتفا ہے۔ لفظی وہ ہے کہ ایسا کلام کہ جو ظاہر معنے مقصود پر دلالت نہ کرے بسبب تقدیم و تاخیر الفاظ یا دیگر۔ محذوفات وغیرہ کی وجہ سے کہ جو موجب دشواری فہم معنے ہو۔

یہ چیز بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہ دونوں عیب از قسم معائب فصاحت و بلاغت ہیں۔ بعض فصحا و بلغا کا یہ خیال ہے کہ تعقید لفظی تو عیب میں داخل ہے اور معنوی تعقید ہنر ہے۔

مثال تعقید لفظی۔

چوں برائی میکنم افغان و زاری دیں درم

اب واضح ہو گیا کہ آپ کے مصرع اولیٰ میں تعقید لفظی صریح موجود ہے۔ آپ کا مصرع یہ ہے کہ

جنگل کو چاک کر کے گریباں چلا گیا

مقصود آپ کا یہ ہے کہ گریباں چاک کر کے دیوانہ جنگل کو چلا گیا۔ ظاہر مصرع یہ بتاتا ہے کہ گریبان جنگل کو چاک کر کے چلا گیا اور یہ ناممکن کہ کپڑے کا گریبان جنگل کو چاک کر ڈالے۔ اسی کو تعقید لفظی کہتے ہیں۔ یہ مصرع یوں ہونا چاہیئے تھا

گریباں چاک کر کے جانبِ جنگل گیا وحشی

بحر بدل گئی۔ تو معلوم ہوا کہ بحر کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ نے تقدیم و تاخیر الفاظ کا خیال نہیں کیا۔ جیسا کہ تعریف تعقید میں ہے۔ اور یہ کسی طرح صحیح نہیں۔ ایسا مضمون نظم نہ کیجیے جو پابندی بحر نہ کر سکے۔ رہا دوسرا مصرع

گم جب جنوں میں آئے ہوئے ہوش ہو گئے

اس کو یوں بدل دیجیے

جب گم جنوں میں آئے ہوئے ہوش ہو گئے

جب کے لفظ کو مقدم کر دینے سے مصرع صاف ہو گیا

مولانا۔ ایک آدھ سال کہنے کے بعد یہ چیزیں سمجھ میں آئیں گی صرف پڑھ لینے سے انسان محفوظ نہیں رہ سکتا۔ جیسا کہ پڑھے لکھے حضرات کا خیال ہوتا ہے کہ تحصیل علم کے بعد شاعری بھی آجاتی ہے۔ شاعری مشق کا کام ہے۔

اُستاد۔ میرے خیال میں شعر نکال ڈالیے تو بہتر ہے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ بہت خوب۔ یہ کہہ کے شعر کو کاٹ دیا۔

صحرائے عشق میں ہے جنوں ریزوں کا زور (۸) فصلِ بہار آتے ہی مدہوش ہو گئے

اُستاد۔ جنوں ریزیاں، یہ کون سی ترکیب ہے؟ بالکل غریب ترکیب ہے۔ آج کل کے شعراء نے یہ اختیار کیا ہے کہ پابندیِ اہلِ عجم تو ترک کر دی۔ اب جو کچھ سمجھ میں آتا ہے نظم کر جاتے ہیں۔ جو ترکیب گڑھتے ہیں صرف کر دیتے ہیں۔ درآں حالیکہ اصول کا مقتضیٰ یہ ہے کہ زبانِ غیر میں تصرف کا کوئی حق حاصل نہ ہو۔

فارسی ترکیبوں میں اہلِ ایران کی تقلید ضروری ہو گی۔ شعر کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ ؎

ہم نے تو ایک جام پیا تھا بفرطِ شوق (۹) زاہد سمجھ رہا ہے بلا نوش ہو گئے

اُستاد۔ شعر غنیمت ہے۔ اچھا ہے۔ مگر ایک بات قابلِ دریافت ہے کہ (بلا نوش) سے آپ کی کیا مراد ہے۔ اور کیا معنے مُراد لیے ہیں؟

مولانا۔ بلا نوش کے معنے بہت زیادہ پینے والا۔

اُستاد۔ کیا لغت میں بلا نوش کے معنے یہی ہیں جو آپ نے بتائے؟

مولانا۔ غالباً ہوں گے۔ کیونکہ اُردو شعرا مستند کے کلام میں بلا نوش کی ترکیب بہت زیادہ

پائی جاتی ہے۔

اُستاد۔ (الماری کی طرف دیکھتے ہوئے) بہارِ عجم کی جلد اول اُٹھا لیجیے۔

مولانا بہت خوب کہہ کے الماری سے بہارِ عجم کی جلد نکال کے خود دیکھنے لگے۔ اُستاد خاموش بیٹھے رہے۔

مولانا۔ (تھوڑی دیر کے بعد) جی نہیں ملا۔

اُستاد۔ اگر لغت میں موجود نہیں تو استعمال صحیح نہیں اس لیے کہ فارسی ترکیب ہے اور فارسی لغات اور کلام میں کہیں پتہ نہیں۔ اگر مل جائے تو صحیح۔ نہ ملے تو غلط۔ اس کی تحقیق آیندہ کر کے آیئے گا اور میں بھی تحقیق کروں گا۔ شعر رہنے دیجیے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ بہت خوب۔

اے شوقِ دید پیکرِ ہجراں نصیب ہوں (۱۰) جلوے چمک رہے تھے کہ روپوش ہو گئے

اُستاد۔ شعر غنیمت ہے لیکن مطلب واضح نہ ہو سکا۔ یہ نہ ظاہر ہوا کہ کون روپوش ہو گئے۔ دوسرے جلوے چمکنا غریب ترکیب ہے۔ شاید ہی کسی نے استعمال کی ہو۔ اس مصرع کو یوں بدل دیجیے تو شعر بے عیب ہو جائے۔ اور پڑھیے ؎

اے شوقِ دید پیکرِ ہجراں نصیب ہوں جلوہ مجھے دکھا کے وہ روپوش ہو گئے

مولانا۔ بہت مناسب۔ مصرع بدل کے لکھ لیا۔

صیاد طولِ قیدِ فراواں کی حد نہ پوچھ کیفِ بہار و عیش فراموش ہو گئے

اُستاد۔ اس شعر میں آپ بہت بڑا دھوکا کھا گئے جس کی آپ سے امید نہ تھی۔ طولِ قید کے بعد فراواں کا لفظ لانے سے کیا مطلب۔ جو طولِ قید وہی قیدِ فراواں۔

مولانا۔ (تاویل کرنا چاہتے تھے کہ مطلب سمجھ گئے۔ سر جھکا کے) بندہ پرور درست ہے کس قدر فاش غلطی ہوئی۔

اُستاد۔ بُرا نہ مانیے گا۔ میرا مقولہ، بلکہ میرا کیوں اُستادوں کا مقولہ ہے کہ شاعر کے لیے ہمیشہ ایک سنبھالنے والے کی ضرورت ہے۔ ابھی آپ کی مشق نہیں ہے ورنہ کہتا کہ مصرع بدلیے

خیر آیندہ ایسا ہی ہوگا۔ مصرع بدل دیا ؎

صیاد طولِ قید کی ہے مختصر یہ حد　　کیفِ بہار و عیش فراموش ہوگئے

مولانا۔ مقطع عرض کیا ہے۔　**مقطع**

کیوں اے شعارؔ اُس نے جو اُلٹی نقاب رخ (۱۲) لائے نہ تاب دیکھ کے بے ہوش ہوگئے

اُستاد۔ مقطع بالکل ٹھیک کہا ہے۔ رہنے دیجیے۔

مولانا بہ ادب تسلیم کرکے، غزل جیب میں رکھ کے، اجازت لے کے رخصت ہوئے۔

دلچسپ معلومات نمبر ۸

(وہی بزرگ جو کل تحقیقِ الفاظ کر گئے تھے حسبِ وعدہ تشریف لے آئے اور بعد آدابِ تسلیمات استاد سے سوال کیا)

بزرگ۔ پہلا سوال یہ ہے کہ (خلاصی) کا لفظ صحیح ہے یا غلط؟

اُستاد۔ لفظ غلط ہے۔ اس واسطے کہ بدونِ (یا) خود مصدر ہے۔ جو کچھ عرض کیا یہ (تالیفاتِ نوراللہ اور خان آرزو سے لیکن بعض محققین کا خیال یہ ہے کہ چونکہ تصرف فارسیان موجود ہے اس لیے جواز تصرف میں کلام نہیں۔ فیصلہ اہل نظر کے سپرد ہے۔

بزرگ۔ یہ بالکل درست ہے۔ جو جس کی تحقیق ہو ویسا عمل کرے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ (بشارت) کی (با) کو صحیح اعراب کیا ہے؟ اپنی تحقیق بھی ارشاد ہو۔

اُستاد۔ (بشارت) کی (با) زیر اور پیش کے ساتھ صحیح ہے یعنے (بِشارت) اور (بُشارت) لیکن (بَشارت) زبر کے ساتھ جیسا کہ عوام بولتے ہیں بلکہ یوں کہوں کہ خواص بھی بولتے ہیں مع الترکیب قطعاً غلط ہے بغیر ترکیب صحیح ہے۔ چونکہ حرکت بدل جانے سے لفظ اُردو ہوگیا۔

بزرگ۔ بہت وضاحت سے جناب نے حل فرمایا۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ (اخبارات) کہنا کہاں تک درست ہے؟

اُستاد - اخبار - خبر کی جمع ہے اور عربی زبان کا لغت ہے جس کے معنے بہت سی خبریں اب اخبارات کہنا الف و تا کے ساتھ یعنے جمع کی جمع بنانا خلاف قاعدہ ہے۔ بلکہ غلط ہے اخبارات کی جگہ پر صرف اخبار کہنا چاہیئے۔ ہاں اخبار اور اخبارات بمعنی جریدہ اُردو ہے۔

بزرگ - میں سمجھ گیا۔ چوتھا سوال بھی اعراب کے متعلق ہے وہ یہ کہ لفظ (بقراط) بے کو پیش ہے یا زبر؟

اُستاد - لفظ حقیقتاً (بقراط) زبر کے ساتھ ہے۔ یونان کے مشہور حکیم کا نام ہے لیکن پیش کے ساتھ جیسا کہ عموماً لوگ بولتے ہیں غلط ہے۔ اُردو ہونے کی حیثیت سے تنہا یعنے بغیر ترکیب بولا جا سکتا ہے۔

بزرگ - واقعاً آپ کے محقق ہونے میں کلام نہیں۔ پانچواں سوال عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ لوگ (بکارت) (با) کو زبر دے کے بولتے ہیں صحیح ہے؟

اُستاد - زبر کے ساتھ صحیح ہے۔ اس کے معنے دوشیزگی۔ مزیل الاغلاط و صراح و کشف و منتخب میں بالفتح ہے۔ لیکن زیر کے ساتھ جیسا کہ عوام یا بعض خواص بولتے ہیں غلط ہے۔ مع الترکیب بالکل غلط۔ بغیر ترکیب خیر۔

بزرگ - خوب تقریر فرمائی، خوب حوالے دیے۔ ماشاء اللہ۔ چھٹا سوال بھی ملاحظہ ہو وہ یہ کہ لوگ (اَدبار) بولتے ہیں۔ صحیح ہے؟

اُستاد - (اِدبار) الف کو زیر کے ساتھ صحیح ہے جس کے معنے منتخب اللغات میں دولت سے پیٹھ دکھانے کے ہیں لیکن (اَدبار) زبر کے ساتھ جیسا کہ عوام و خواص اکثر استعمال کرتے ہیں اور مفلس ہو جانے کے معنے میں بولتے ہیں قطعاً غلط ہے۔ اُردو فرض کرتے ہوئے بالفتح چنداں قباحت نہیں لیکن مع الترکیب استعمال کرنے میں کلام کیا بلکہ غلط ہے کیونکہ حرکت بدل جانے کے بعد لفظ اپنی زبان کا یعنے جہاں کا ہے نہیں رہتا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جس زبان والے دوسری زبان کے لفظ کو حرکت بدل کے بولتے ہیں لفظ اُنھیں کی زبان کا

مانا جاتا ہے۔ جیسا کہ ادبار کی لفظ مثال میں خود موجود ہے ۔
بزرگ۔ مطلب سمجھ گیا۔ جناب (لفظ) کو مؤنث بولے۔ میں سمجھتا تھا مذکر ہے ۔
اُستاد۔ زبان اُردو میں (لفظ) کو مؤنث بھی بولتے ہیں اور مذکر بھی بولتے ہیں۔ میں نے اُردو زبان کی قید لگائی۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ عربی زبان میں بھی دونوں طرح بولا جاتا ہے کبھی اس کی طرف ضمیر مؤنث پھیرتے ہیں کبھی ضمیر مذکر پھیرتے ہیں جیسا کہ (مغنی) عربی زبان کے قواعد کی ایک کتاب ہے اُس میں صاحب مغنی نے (لفظ) کی تعریف میں اسی سبب سے (کالخنثا) کہا ہے یعنے لفظ مثل خنثا کے ہے۔ عورت بھی ہے مرد بھی ہے۔ میرے نزدیک اُردو زبان میں دونوں طرح بولنا صحیح ۔
بزرگ۔ معاف فرمایئے گا اعتراض مقصود نہیں۔ ساتواں سوال یہ کہ (جُغہ) صحیح ہے یا غلط؟
اُستاد۔ (جُغہ) غلط ہے اس کے بجائے (جیغہ) بولنا چاہیے بالخصوص جب عطف و اضافت کے ساتھ ہو۔ تنہا جغہ بولا جا سکتا ہے۔ اُس قاعدے سے جو برابر عرض کرتا آتا ہوں یعنے اُردو سمجھتے ہوئے ۔
بزرگ۔ آٹھواں سوال میرے نزدیک ذرا پیچیدگی رکھتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ (کلگّی) بتشدید کاف فارسی صحیح ہے؟
اُستاد۔ عوام میں تو (کلگّی) بہ تشدید کاف فارسی ضرور مشہور ہے لیکن غلط ہے جیسا کہ اس شعر میں نظم ہے ؎

ترا تاج پر نور مہتاب ہے — جغہ بھی کلگی بھی نایاب ہے

لیکن بسکونِ لام نظم کرنے میں قباحت نہیں مقتضاءِ احتیاط یہ ہے کہ کلگی کا لفظ بغیر ترکیب فارسی ہو یعنے مضاف و مضاف الیہ وغیرہ نہ ہو اگر (کلگی تحفہ) یا (رونق کلگی) بالضرورت فارسی نظم کیا جائے تو کلّگی بہ تشدید لام نظم کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس شعر میں ہے ؎

سر کا کل حور از بدرگی — سر سخت خوردنست از کلگی

غالباً مطلب تو واضح ہو گیا ہوگا۔

بزرگ۔ بالکل۔ اس سے زیادہ یا بہتر کون بیان کرسکتا ہے۔ نواں سوال یہ ہے کہ (منحصر) (سر) اور (دَر) کا قافیہ ہو سکتا ہے؟

اُستاد۔ نہیں ہو سکتا۔ صحیح لفظ (منحصِر) ہے یعنے (صاد) کو زیر ہے۔ اس لیے کہ منحصر عربی لغت ہے اسم فاعل ہے باب انفعال سے آیا ہے۔ اور باب انفعال لازم ہے۔ چونکہ لازم باب سے ہے اس لیے مفعول ہونے کی صورت سے استعمال کرنا صحیح نہیں اگر متعدی باب سے ہوتا تو قافیہ (سر) اور (در) ہو سکتا تھا۔ لہٰذا ہمیشہ منحصر بکسر صاد نظم کرنا چاہیے بلکہ نثراً بھی اسی طرح استعمال کرنا چاہیے۔

بزرگ۔ واہ واہ۔ خوب بیان فرمایا۔ دسواں سوال بھی حل فرما دیجیے۔ لوگ بکثرت (عزیزدار) بولتے ہیں کیا صحیح ہے۔

اُستاد۔ (دار) زائد ہے کیونکہ عزیز خود اسم فاعل ہے جس کے معنے قرابت رکھنے والا اب (دار) جو خود علامت فاعلیت ہے اضافہ کرنے سے کیا حاصل تعلیم یافتہ لوگوں کو احتیاط لازم۔

بزرگ۔ اب جناب کی زحمت ختم کرنا چاہتا ہوں گیارھواں سوال عرض کرتا ہوں حل فرما دیجیے وہ یہ کہ جس علم کے حاصل کرنے سے تقطیع کرسکتا ہے۔ اسے (عروض) عین کو پیش دے کے صحیح ہے یا زبر دے کے صحیح ہے۔

اُستاد۔ لفظ (عُرُوض) بضمتین یعنے (عین) اور (رے) کو پیش اس کے معنے ظاہر ہونے اور عارض ہونے کے ہیں اور (عین) کو زبر (رے) کو پیش کی صورت میں نام ایک علم کا ہے جس کے سبب سے بحور وغیرہ پر عبور ہو جاتا ہے۔

بزرگ۔ میں ہمیشہ (عین) کو پیش دے کے بولتا تھا اب زبر دے کے بولا کروں گا۔ کیونکہ آپ کے ایسے محقق نے تصحیح کی ہے۔

اُستاد۔ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا ہے۔ لغات میں اسی طرح تحریر ہے میں ہمیشہ محقق بات کہتا ہوں۔

بزرگ۔ یہ واقعہ ہے۔

اُستاد۔ آپ یہ کیا بولے جس محل پر آپ نے واقعہ کا لفظ صرف کیا۔ بالکل نیا صرف ہے۔ جو بے محل ہے۔ آپ کو (واقعتاً ایسا ہے) یا (واقعی ایسا ہے) کہنا چاہیئے تھا۔ اب یہ عجیب طریقہ نکلا ہے کہ بات سننے کے بعد لوگ کہتے ہیں 'یہ واقعہ ہے'۔ آپ فرمایئے۔ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

بزرگ۔ بیشک میں بے محل بولا۔ جناب نے خوب توجہ دلائی ورنہ ہمیشہ یونہی بولتا بس ایک بارھواں[۱۳] سوال اور حل فرما دیجیے میں مرض ہوں۔ وہ یہ کہ (بحل) حائے حطی سے لکھنا صحیح ہے؟

اُستاد۔ اصولاً تو غلط ہونا چاہیے اس لیے کہ (بحل) فارسی زبان کا لفظ ہے اِس کا مصدر (ہلیدن) ہے جس کے معنے 'چھوڑنا' ہیں اُس سے امر بنا (ہل) (با) حسب قاعدہ اضافہ کر کے (بہل) بولنے لگے۔ خدا معلوم ہائے ہوز کو حطی کیوں لکھنے لگے اور کیوں جائز قرار دے لیا۔ آج تک یہ مسئلہ میری سمجھ میں نہ آیا۔ بہرطور اب اگر ہائے حطی سے لکھیے تو قباحت نہیں کیونکہ رسم الخط یہی ہے۔ پابندی ضروری ہے۔

بزرگ۔ بہت خوب۔ میں نے بہت زحمت دی، معافی کا خواستگار ہوں۔ زندہ رہا تو پھر کبھی حاضر ہوں گا۔

اُستاد۔ کوئی زحمت نہیں ہوئی بلکہ دل خوش ہوا آپ ضرور تشریف لایا کیجیے۔

بزرگ۔ بہت مناسب۔ اب اجازت چاہتا ہوں، بہت جلد پھر حاضر ہوں گا۔

اُستاد نے خدا حافظ کہتے ہوئے کھڑے ہو کے رخصت کیا اور زنان خانے میں تشریف لے گئے۔ دن اور ایک رات گزارنے کے بعد صبح کو بارہ بنکی کسی دوست کے یہاں تشریف لے گئے

جمعہ کو واپسی ہوئی - دن بھر احباب سے ملتے رہے رات کو خستگی کی وجہ سے سویرے سے
آرام کیا۔ صبح کو بیدار ہوئے اور بعد فراغت نماز و تعقیبات کمرے میں فروکش ہوئے کہ یکایک
نواب صاحب نئی غزل لے کے آپہونچے اور سلام کرکے سامنے بیٹھ گئے -

اُستاد - کہیے غزل کہی - پڑھیے -

نواب - جی عرض کی ہے -(جیب سے غزل نکال کے مطلع پڑھا) -

اصلاح نمبر ۹
غزل نواب - مطلع

بعد اک مدت کے اُس گُل کی زیارت ہوگئی　　　اور رقیبوں نے وہ باتیں کیں عداوت ہوگئی

اُستاد - میرا ضمیر اس کو گوارا نہیں کرتا کہ آپ کے ہر شعر پر اصلاح دوں - مگر فرض منصبی
مجبور کرتا ہے کہ عیوب شعر سے آگاہ کردوں - میں اُن لوگوں میں نہیں جو تلامذہ سے رموز نکات
شاعری چھپاتے ہیں تاکہ شاگرد کبھی دعویٰ ہمسری نہ کرسکے بلکہ میرا دل یہ چاہتا ہے گھول کے پلادوں -

نواب - حضور ضرور اصلاح فرمائیں اور اگر مناسب ہو تو مطلع کاٹ دیں مجھے کوئی ملال
نہ ہوگا - میں بھی اُن لوگوں میں نہیں جو اپنے شعر کو الہام ربانی کہتے ہیں - میں صرف اس لیے حاضر
ہوا ہوں کہ کسی قابل ہوجاؤں - حضور فرمائیں -

اُستاد - وہی عیب ہے ایک بار شاید سمجھا بھی چکا ہوں یعنے دولخت ہونا -

نواب - دولخت کو ایک بار حضور پھر سمجھا دیں -

اُستاد - چاہیے یہ ہے کہ شعر کے دونوں مصرعوں میں ربط و سلسلہ و تعلق ہو - اور جب یہ اوصاف
یعنے ربط و تعلق دونوں مصرعوں میں نہ ہوگا اُسے دولخت کہیں گے - دولخت اس لیے کہتے ہیں کہ
چونکہ شعر کو ایک خیال کا مجموعہ ہونا چاہیے جو دونوں مصرعوں میں تمام ہوجائے - جب ایک مصرع
الگ اور دوسرا مصرع الگ ہوگا تو دولخت کہلایا جائے گا -

آپ کے مطلع میں پہلے مصرع کا مفہوم یہ ہے کہ بعد عرصہ دراز کے اتفاقیہ معشوق کا دیدار ہو گیا جو حقیقتاً عاشق کے لیے نعمت غیر مترقبہ کہا جا سکتا ہے۔

دوسرے مصرع میں۔ رقیبوں کی دراندازی کی شکایت اور محبوب کی نفرت و عداوت کا شکوہ۔ غور کیجیے کہ باہمی دونوں مصرعوں میں آخر کیا تعلق ہے۔

زیارت ہونے سے اور عداوت ہو جانے سے کیا تعلق؟ ہاں زیارت کی جگہ اگر لفظ محبت ہوتا تو کچھ دست و گریباں ہو جاتا۔ یعنے اگر ایک زمانے کے بعد محبت ہوئی بھی تو دشمنوں کی وجہ سے مُبدَّل بہ عداوت ہو گئی۔ لہٰذا مطلع کو یوں کر دیجیے تو عیب مذکور نکل جائے ؎

جب بُتِ بے پیر سے مجھ سے محبت ہو گئی ان رقیبوں نے وہ باتیں کیں عداوت ہو گئی

نواب۔ نہایت مناسب۔ بہت خوب۔

اُستاد۔ خوب یاد آیا۔ ایک عیب قافیے کا مطلع میں موجود ہے جس کا سمجھا دینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ زیارت اور عداوت یہ دونوں قافیے ہیں ہر دو قوافی میں (تا) ردی ہے۔ ردی اُس کو کہتے ہیں جس پر بنائے قافیہ ہو۔

قاعدہ

الف تاسیس قبلِ ردی آتا ہے اور ہمیشہ ساکن ہوتا ہے۔ اور الف تاسیس و ردی کے درمیان ایک حرف اور ہوتا ہے جس کو اصطلاح عروضیین میں (دخیل) کہتے ہیں جس کو متحرک ہونا ضروری ہے مثلاً خاور۔ یاور۔ مائل۔ سائل وغیرہ۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ اختلاف دخیل جائز ہے۔ جیسے زیارت۔ عادت میں حقیقتاً دخیل (را) ہے اور عادت میں (دال) اگر حرف تاسیس کی قید کر دی ہے اور مطلع کے دونوں مصرعوں میں موجود ہے تو قاعدتاً غزل کے ہر شعر میں حرف تاسیس کی قید کرنا ضروری ہو گی۔ ورنہ عیب کہے جانے کے قابل ہے اور اگر مطلع میں قید نہیں کی ہے جیسے یاور و گوہر وغیرہ تو اختیار ہے کہ غزل میں جتنے شعر ہوں سب میں جو چاہے قافیہ نظم ہو عام اس سے کہ حرف تاسیس والا ہو یا تاسیس والا حرف نہ ہو۔

اب آپ اچھی طرح سمجھ گئے۔ میں نے جو اصلاح دی ہے وہ درست ہے میرے مطلع میں قید تاسیس نہیں ہے۔ پہلے مصرع میں قافیہ محبت دوسرے میں عداوت ہے لہذا صحیح ہے۔

نواب۔ جناب نے بہت صاف مطلب بیان فرمایا جو بالکل ذہن نشین ہوگیا انشاء اللہ تعالیٰ اس کا خیال رکھوں گا۔

قبر پر تم آئے اور میں کروٹیں سینے لگا (۲) رو کشِ گلزارِ جنت میری تربت ہوگئی

اُستاد۔ آپ کا شعر نامکمل ہے۔ مصرع نہیں لگا، تعلق باقی نہیں۔ خالی قبر پر آنا اور کروٹیں لینا اور قبر کا گلزارِ جنت ہونا۔ ان میں کوئی ربط نہیں۔ مصرع اول اگر یوں ہو تو شعر مکمل و مستحسن ہو جائے ؎

پھول دو تم نے چڑھائے ہوگیا دل باغ باغ رو کشِ گلزارِ جنت میری تربت ہوگئی

رعایت لفظی بہت ضروری چیز ہے۔ مثلاً گلزار بنانے کے لیے پھول کا ذکر۔ دل کا باغ باغ ہونا لازمی چیز ہے۔ ان باتوں کا آئندہ لحاظ رکھیے گا۔

نواب۔ ضرور تعمیل ارشاد کروں گا۔

دل اُلجھتا ہے جو خشک ہو جاتے ہیں آنکھوں کے اشک (۳) اس قدر رُویا کہ رُوتے رُوتے عادت ہوگئی

اُستاد۔ ارے۔ پھر حرف گرا دیا۔

نواب۔ حضور کس مصرع میں ؟

اُستاد۔ پہلے مصرع میں یا خشک کا (کاف) گر گیا، یا ہو کی (ہا) بہر طور دو میں سے ایک حرف تقطیع میں ضرور گرے گا۔

نواب۔ میں نے عروض سیفی خود دیکھنا شروع کی ہے۔ بہت سے مقامات ابھی سمجھ میں بھی نہیں آسکے۔ بالخصوص بحروں کا فرق، زحافات سے تغیر بحور وغیرہ یہ دیکھ لیا تھا کہ کس بحر میں غزل کہہ رہا ہوں۔

اُستاد۔ اچھا بتائیے کس بحر میں غزل ہے ؟
نواب۔ (قدرے سکوت کے بعد) حضور بحر رمل ۔
اُستاد۔ مسدس ہے کہ مثمن اور زحاف اس میں کونسا ہے ؟
نواب۔ جی، مسدس ہے۔ یہ کہتے ہی، نہیں نہیں مثمن ہے ۔
اُستاد۔ مسدس و مثمن کے معنے کیا ہیں ؟ زحاف کس کو کہتے ہیں ؟
نواب۔ مسدس چھ رکنی بحر۔ مثمن آٹھ رکنی بحر۔ زحاف کی تعریف و معنی یاد نہیں آتے۔
اُستاد۔ چھ رکنی، آٹھ رکنی کی جگہ شش رکنی و ہشت رکنی بولا کیجیے۔ سُنیے (زحاف) عروضیین کی اصطلاح میں ارکان بحور میں تغیر واقع ہونے کو کہتے ہیں ۔

لغوی معنے زحاف کے یہ ہیں کہ کسی چیز کا اپنی اصل سے دُور ہو جانا۔ اور سہم زاحف اُس تیر کو کہتے ہیں جو نشانے سے الگ پڑے ۔

زحاف کئی صورتوں سے ہوتا ہے بلکہ تین صورتوں سے ہوتا ہے۔ اول یہ کہ متحرک حرف کو ساکن کر دیں۔ دوم یہ کہ بعض حروف رکنی کم کر دیں۔ سوم یہ کہ اصل حروف رکنی میں کچھ اضافہ کر دیا یہ بھی گوش گزار کر دوں کہ جتنے تغیرات و زحافات ہیں کہ جو ارکان میں واقع ہوتے ہیں کل سینتیس[۳۷] ہیں اور بعض زحاف۔ بعض بحروں سے مختص ہیں جو دوسری بحر میں آ ہی نہیں سکتے۔ بعض زحاف صرف چند رکنوں میں آتے ہیں ۔ اب بتائیے کہ اس میں زحاف کونسا ہے ؟
نواب۔ جی، زحاف (قدرے سکوت کے بعد) قصر ہے ۔
اُستاد۔ قصر کسے کہتے ہیں ؟
نواب۔ یہ یاد نہیں رہا۔
اُستاد۔ قصر، سبب کے ساکن حرف کو آخر رکن میں گرا دیں اور اُس کے ماقبل کو ساکن کر دیں جیسے 'فاعلاتن' سے 'فاعلات'۔ اور یہ کہ جس بحر میں آپ غزل کہہ کے لائے ہیں یہ بحر رمل مثمن محذوف ہے۔ اس میں زحاف حذف ہے۔ حذف کی تعریف یہ ہے کہ سبب خفیف کو آخر رکن سے

گرادیں جیسے 'فاعلاتن' سے 'فاعلا' کریں۔ پھر اُس کو 'فاعلن' کردیں۔ اب آپ کو تقطیع کرکے بتاتا ہوں

دل اُلجھتا ۔ ہے جو خشکو ۔ جاتے ہیں آں ۔ کھونکے اشک

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

آخر رُکن میں فاعلن سے فاعلان اس لیے ہوا کہ زحاف تسبیغ آگیا۔ تسبیغ سبب خفیف کے درمیان ایک الف کی زیادتی کو کہتے ہیں ۔

اب آپ سمجھے کہ (ہا) گر گئی۔ (خشک ہو کا) (خشکو) رہ گیا ۔

نواب ۔ میں سمجھ گیا مگر بغیر کسی سے پڑھے کام نہیں چل سکتا ۔ حضور نے فرمایا تھا کہ قاری یعقوب علی خاں صاحب نصرتؔ سے بلوادوں گا اُن سے پڑھ لینا۔ اگر مہینہ دو مہینے اُن سے پڑھ لوں تو یہ عیوب نہ آنے پائیں۔

اُستاد ۔ بیشک میں نے کہا تھا۔ میں ابھی ایک رقعہ لکھے دیتا ہوں۔ آپ اُن کو دیدیجیے گا وہ میری تحریر کا بہت خیال فرمائیں گے اور آپ کو پڑھادیں گے۔ یہ کہہ کے سادہ کاغذ اٹھایا اور رقعہ لکھنا شروع کیا :-

عالی جناب مُعلّی اَلقاب فرزدقِ دَوراں دعبلِ زماں دام لُطفکم

پس از سلام مسنون الاسلام ۔ معروض آنکہ بفضلہ المنّان بخیریت ہوں ۔ باعثِ تحریر عریضہ ہٰذا یہ ہے کہ میرے شاگردِ رشید نواب سید خورشید حسین صاحب اُمید حامل رقعہ ہٰذا نہایت خاندانی شخص ہیں۔ شاعری کے شوق نے مجبور کیا کہ مجھ سے سلسلہ تلمذ قائم کریں چنانچہ گو ابتدا ہے مگر برابر غزلیں کہہ کے لاتے ہیں اور اصلاح لیتے ہیں۔ اِنھیں موزوں، ناموزوں کا امتیاز نہیں۔ لہٰذا جناب کے کرم سے امید ہے کہ عروض سیفی وغیرہ پڑھا کے اس قابل بنادیں گے کہ صحیح تقطیع کر سکیں اور علم عروض و قافیہ سے قدرے واقف ہوجائیں۔ اپنی ناسازی مزاج کی وجہ سے عرصے سے حاضر خدمت نہ ہوسکا۔ اشتیاق دیدار از حد ہے۔ فقط

خیر طلب ہمسفر عراق

صندوقچے سے لفافہ نکالا، خط لفافے میں رکھ کے پتہ لکھ دیا۔

بعونہ تعالیٰ

گولہ گنج - متصل مکان جناب میاں عنبر صاحب (رشیدی)

بخدمت فیض درجت عرفی دوراں، فردوسی زماں عالیجناب سید قاری یعقوب علیخاں صاحب المتخلص بہ نصرت مدظلہ العالی

مشرف باد

اور نواب صاحب کو یہ کہہ کے دیا کہ آج ہی بھیج دیجیے گا۔ کل کا دن اچھا ہے پڑھنا شروع کر دیجیے گا۔

نواب - (رقعہ جیب میں رکھ کے) بہت خوب۔

اُستاد - دوسری چیز یہ کہ آپ نے پھر سرقہ کیا اور سرقہ بھی اتنے بڑے اُستاد کا کہ جسکی خوشگوئی مسلم۔

نواب - حضور وہ کون؟

اُستاد - وہ، خدائے سخن حضرت تعشق رح۔

نواب - وہ تو مرثیہ گو گزرے ہیں۔ میں نے اُن کا ایک مرثیہ بھی دیکھا ہے جس کا مطلع

کھینچ اے قلم مُرقعِ صحرائے کربلا

اُستاد - آپ نے مرثیہ کو کیسا پایا۔ پسند آیا یا نہیں؟

نواب - حضور، میں کیا اور میری پسند کیا۔ مرثیہ خوب ہے۔

اُستاد - تعشق مرحوم کا جواب نہیں۔ خدا کی قسم قلم توڑ دیا۔ اُن کے مراثی جانِ ادب روحِ تخئیل ہیں۔ مرحوم نے اپنی زندگی زیادہ تر جوارِ سیدالشہداء میں گزاری یعنے عراق میں اٹھارہ سال رہے۔ آج بھی دنیا تسلیم کیے ہوئے ہے کہ خوشگوئی میں یا حضرت انیس گزرے ہیں یا حضرت تعشق رح ان دو کا تو جواب ہو ہی نہ سکا۔

نواب - درست ہے۔ کیا غزل بھی کہتے تھے؟

اُستاد - غزلیں تو ایسی کہی ہیں کہ دنیا کو ماننا پڑا کہ یا لکھنؤ میں آتش خوشگو گزرے ہیں یا تعشق رح

ان دو کا جواب سرزمینِ لکھنؤ پیدا نہ کر سکی - ایک مختصر سا دیوان مرحوم کا چھپا ہے آپ نے نہیں دیکھا؟
نواب - جی نہیں، میں نے دیوان نہیں دیکھا - یہ مختصر کیوں چھپا؟
اُستاد - مختصر اس لیے چھپا کہ تعشق مرحوم فرماتے تھے کہ میں دُنیا میں صرف مداحِ حسینؑ کے لیے آیا ہوں - غزل تفننِ طبع کے لیے کہہ لیتا ہوں - مرحوم نے اپنی غزلیں آخر وقت میں خود جلا دیں اور یہ وصیت کی کہ میری غزلیں جن صاحب کے پاس ہوں میرے بعد طبع نہ کرائیں اگر طبع کرائینگے تو حشر میں دامنگیر ہونگا - چنانچہ اُن کی اولاد نے طبع نہیں کرائیں - حضرت عزیز لکھنوی نے غزلیں جمع کر کے چھپوا دیں جو دیوان کی شکل میں ہیں اور چند ہیں جس پر حضرت عزیز دام ظلہٗ نے ایک تقریظ بھی لکھی ہے جو قابل دید ہے - آپ یہ دیوان ڈھونڈھ کے خرید کیجیے اور از اول تا آخر ضرور دیکھ ڈالیے -
نواب - تعمیل ارشاد کروں گا - حضور وہ شعر کونسا ہے جس سے میرا شعر لڑ گیا؟
اُستاد - ہاں خوب یاد دلایا - وہ شعر جو جناب تعشق کا مایۂ ناز اور زبان زدِ خلائق ہے یہ ہے ؎

اب اگر تخفیف ہوتی ہے تو گھبراتا ہوں میں — دردِ دل اتنے دنوں سے ہے کہ عادت ہو گئی

نواب - واقعاً حضور نے درست فرمایا، لڑ گیا - کیا خوب شعر ہے - واللہ اس شعر کا جواب نہیں -
اُستاد - اپنا شعر نکال ڈالیے - اور پڑھیے -
نواب - بہت خوب -

سب منازل عشق کی طے ہو گئیں اے قلبِ زار (۴) — پھر بھی کوسوں دُور تجھ سے شامِ وصلت ہو گئی

اُستاد - منازل منزل کی جمع ہے اور منزل عربی زبان کا لغت ہے لہذا (طے ہو گئیں) کے بجائے (طے ہو گئے) ہونا چاہیے -

قاعدہ

جب کسی واحد کی جمع اردو زبان میں استعمال کریں گے تو ہمیشہ مذکّر بولیں گے - عام اس سے کہ واحد مذکّر ہو یا مؤنث - جیسے منزل، منازل - محفل، محافل - غریب، غرائب -

اگر عربی زبان میں بیشے عربی قاعدے سے کسی جمع کو مؤنث ہی کیوں نہ بولتے ہوں مگر اُردو زبان میں اُسے مذکر ہی بولیں گے ۔

کچھ عربی داں قابل ولائق حضرات نے ۔ جو قریب بہ اجتہاد ہو چکے ہوئے ہیں ۔ یہ نیا قاعدہ نکالا ہے کہ جو واحد مؤنث ہوگا اُس کی جمع بھی مؤنث بولیں گے اور لکھیں گے ۔ اور اگر کوئی اعتراض کرے گا تو جواب یہ دیں گے کہ چونکہ عربی زبان میں جمع مؤنث بولی جاتی ہے اس لیے ہم بھی مؤنث بولتے ہیں ۔ یہ خیال غلط ہے اس لیے کہ عربی قواعد یا عربی زبان کا حکم اُردو میں جاری نہیں ہو سکتا ۔ عربی تعلیم یافتہ اکثر وعظ و پند کے محل پر یا مجلس پڑھتے میں بول جاتے ہیں (بہت سی احادیث موجود ہیں) درانحالیکہ (بہت سے احادیث موجود ہیں) کہنا چاہیے ۔ کچھ سے ڈیڑھ سو سال قبل اہل زبان عربی جمع کو مؤنث بول جاتے تھے جیسے کہ امثلہ سے پتا چلتا ہے لیکن سو ، ڈیڑھ سو سال سے اس وقت تک شعرا اُردو و مستند اہل زبان کا معمول یہی رہا کہ مذکر بولیں

نواب ۔ جس کا واحد مؤنث ہو اُس کی جمع کو مؤنث بولنے میں تو کوئی قباحت نہ ہونا چاہیئے اسلیے کہ واحد مؤنث ہے ۔ جیسے مجلس سے مجالس ۔ اور جس کا واحد خود مذکر ہو اُسکی جمع مذکر بولنا چاہیئے کیونکہ واحد مذکر ہے ؟

اُستاد ۔ قیاس کا یہاں دخل نہیں صرف زبان کا صرف دیکھا جائے گا ۔ اگر یہ کہیے گا کہ واحد مؤنث ہے لہذا جمع بھی مؤنث بولی جائے تو فرمایئے کہ مصیبت کی جمع مصائب ۔ کیا بولیے گا؟ مصائب پڑے یا مصائب پڑیں ؟ (نواب نے سر جھکا لیا) یہ بھی بتا دوں کہ یہ حکم عربی لفظ کی جمع میں جاری ہوگا ۔ اس شعر میں سوائے عیب مذکور کے کوئی اور عیب نہیں ۔ ہوگئیں کی جگہ ہو گئے لکھ کے اور پڑھیئے ؎

سب منازل عشق کے طے ہو گئے اے قلب زار　　　　پھر بھی کوسوں دور مجھ سے شام وصلت ہو گئی

نواب ۔ لکھ کے ۔ ؎

کی مری اس حد دل آزاری مرے احباب نے　　　　پھٹ گیا میرا جگر دُنیا سے نفرت ہوگئی

اُستاد ۔ خوب ۔ (اس حد) محاورہ نہیں ہے بلکہ (اس حد کی)۔ مصرع اول میں یہ بہت بڑا عیب ہے ۔ مصرع ثانی میں (جگر پھٹنا) نفرت ہونے کے معنے میں آپ نے استعمال کیا ہے درآنحالیکہ نہ کسی اُستاد نے آجتک استعمال کیا نہ یوں عوام بولتے ہیں ۔ دل پھٹتا ہے۔ کلیجہ پھٹتا ہے مگر جگر پھٹنا یہ پہلی مثال ہے ۔ آپ سے قبل کسی نے استعمال نہ کیا ہوگا ۔

مثال ۔ ذیل کے شعر میں دل پھٹنا استعمال کیا گیا ہے :۔

داغ دہلوی

گر دل پھٹا ہے مجھ سے ترا اہلِ ہر علاج　　　　یا یہ بھی چاک جیب مری جان ہوگیا

مثال ۔ ذیل کے شعر میں کلیجہ پھٹنا استعمال کیا گیا ہے :۔

جلال لکھنوی

چمن میں کس پہ گریباں گلوں نے چاک کیا　　　　کلیجہ دیکھ کے پھٹتا ہے عندلیبوں کا

جگر کے استعمال کی چند مثالیں یاد آگئیں سُن لیجیے ۔ (جگر خون ہونا) ۔

آتش

جگر خوں پان کھاکے کر چکے لعلِ بدخشاں کا　　　　کلو ہندی جو پھیرا چاہتے ہو پنجہ مرجاں کا

نہایت فصیح محاورہ، عام و خاص سب بولتے ہیں ۔ آج سے سَو سال قبل سے بولا جاتا ہے لکھنؤ، دہلی کا مشترک صَرف ہے ۔

جگر پھٹنا یعنے صدمہ ہونا تکلیف ہونا ضرور فصیح ہے ۔ گو دہلی کا خاص صَرف ہے شاید ہی کسی اہل لکھنؤ نے استعمال کیا ہو ۔ بہر طور معنے مذکور میں بولا جاسکتا ہے لیکن وہ معنے جو آپ نے مُراد لیے ہیں ۔ نفرت ہو جانا ، پھر جانا ۔ یہ استعمال تو میں پہلے ہی کہہ چکا کہ مفقود ہے

مثال ۔　　　　داغ دہلوی

پھٹتا ہے جگر دیکھ کے قاصد کی مصیبت　　　　پوچھو تو یہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

جگر تھامنا - یہ محاورہ بھی فصیح ہے - رائج الوقت ہے - عام وخاص سب بولتے ہیں -

مثال - داغ دہلوی

اُس بُت کی جو یاد آئی ہمیں خلد بریں میں اُف کر کے جگر تھام لیا اشک بھر آئے

جگر پھنکنا - یہ محاورہ بھی فصیح ہے - رائج الوقت ہے - عام، خاص سب بولتے ہیں -

مثال - امیر مینائی

جلتا ہے اُلفت سے جو دل پھنکتا ہے فرقت سے جگر آفت ہیں دو داغ کہن ایک اس طرف ایک اس طرف

جگر کا پینا - یہ صرف بھی خاص ہے اور برابر فصحا لکھنؤ، دہلی بولتے اور استعمال کرتے ہیں -

مثال - امیر مینائی

میرا جگر تو کانپ گیا اُس نگاہ سے اُس سنگدل کا دل نہ ہلا میری آہ سے

جگر خراش ہونا - قدیم محاورہ ہے - عام، خاص سب بولتے ہیں فصیح بھی ہے -

مثال - غالب دہلوی

میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا ہوا

جگر کھودنا - حضرت غالب نے صرف فرمایا ہے، اہل لکھنؤ میں کسی نے استعمال نہیں کیا

بہر طور صرف موجود ہے -

مثال - غالب دہلوی

پھر جگر کھودنے لگا ناخن آمدِ فصل لالہ کاری ہے

جگر داری - بہت قدیم صرف ہے حضرت میر تقی میر نے استعمال کیا ہے - موجودہ دور میں بھی فصیح ہے -

مثال - میر دہلوی

بیقراری میں نہ دلبر سے اُٹھا ہرگز ہاتھ عشق کرنے کے تئیں شرط جگر داری ہے

جگر کر جانا - سودا ایسے اُستاد کا صرف کیا ہوا محاورہ لیکن موجودہ دور میں غیر فصیح ہے،

متروک ہو چکا - ہاں اُن کے زمانے میں ضرور فصیح تھا - بہر طور صرف موجود ہے -

مثال۔ سوداؔ

جا ہی بھڑا اُس صفِ مژگاں سے یار　　دل تو بڑا سا ہے جگر کر گیا

جگر پانی ہونا۔ یہ صرف بہت کم ہے، عوام بہت کم بولتے ہیں۔ بجائے اس کے دل پانی ہونا زیادہ بولا جاتا ہے۔

مثال۔ شادؔ لکھنوی (پیرو میر)

دیا کوئی ہمارا پانی جگر ہوا ہے　　اک چوٹ سی لگی ہے جب دل دُکھا کسی کا

میں نے چند مثالیں جگر کے صرف کی آپ کے سامنے پیش کیں۔ جن سے آپ یہ نتیجہ نکال سکیں گے کہ آپ نے جن معنے میں صرف کیا ہے اُن معنے میں کوئی مثال آپ کے سامنے نہیں آئی لہذا آپ کا صرف یعنے جگر پھٹنا نفرت کے معنے میں کسی نے استعمال نہیں کیا۔

یہ امر طے شدہ ہے کہ محاورہ بنانے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ عوام جب بول لیتے ہیں اور استعمال میں کثرت ہو جاتی ہے اُس وقت شعرا نظم کرتے ہیں۔ جب مستند مانا جاتا ہے۔ مثلاً چار دن کی چاندنی کے بجائے پانچ دن کی چاندنی اُسی موقع پر کوئی استاد بولے تو فصیح نہیں مانا جا سکتا ہے اسلیے کہ اگر اساتذہ کو محاورہ بنانے کا حق دے دیا جائے تو دنیا کو حق ہو جائے گا کہ دو چند، سہ چند، چہار چند، ڈہ چند بولتے بولتے پنج چند، شش چند، ہفت چند، ہشت چند، نہ چند، یازدہ چند، دوازدہ چند بولنے لگے۔ درآنحالیکہ اگر ایسا کیا جائے تو اعتراضات کی بھرمار ہو جائے گی۔ لہذا یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ جو صرف ہو وہی بولنا چاہیئے اپنی جدت طبع سے کام نہ لینا چاہیئے۔ آپ اپنے شعر کو یوں بدل دیجیے۔

کی مری اتنی دل آزاری مرے احباب نے　　پھٹ گیا دل مجکو عالم بھر سے نفرت ہو گئی

نواب۔ بہت سا سب۔

تیری ذہنیت سے عاجز ہوں بس اے ناصح خموش (۶) اب نہ سمجھا مجکو مے پینے کی عادت ہو گئی

اُستاد۔ ذہنیت کا لفظ میں نے آج ہی سُنا کیا معنے ہیں۔ کیا آپ نے وضع کیا ہے ؟

نواب - جی نہیں، میں نے وضع نہیں کیا - ایک اخبار پڑھا تھا اُس میں (جنوں کی ذہنیت) سرخی تھی میں سمجھا کہ لفظ صحیح ہے، صرف کر دیا -
اُستاد - بالکل غلط ہے - آیندہ کبھی استعمال نہ کیجیے گا - ذہنیت کا وجود کسی لغت میں نہیں ملے گا - بجائے اس کے مصرع یوں کر دیجیے -
تیری اس خصلت سے عاجز ہوں بس اے ناصح خموش   اب نہ سمجھا مجکو مَے پینے کی عادت ہو گئی
نواب - بہت خوب ؎
کیوں نہ ہو مجکو دعا پر ناز اے میرے کریم (۷) جب گناہوں پر ہوا نادم اجابت ہو گئی
اُستاد - واہ، کیا اجابت ہو گئی - یہ شعر کسی ظریف کا معلوم ہوتا ہے - (آج اُستاد کو غیر معمولی ہنسی آ گئی) ایک بات بتائیے ؟
نواب - حضور دریافت فرمائیں -
اُستاد - جب کوئی شخص پائخانہ سے واپس آتا ہے اور قبض سے پریشان ہوتا ہے تو آپ کیا پوچھتے ہیں ؟
نواب - جی، یہ پوچھتے ہیں کہ کیا اجابت ہوئی ؟ (یہ کہہ کے خود نواب ہنسنے لگے اور کہنے لگے) جی ہاں یہ قافیہ نظم کرنے کا نہیں تھا - دھوکا کھا گیا اور خود ہنسنے لگے -
اُستاد - آیندہ ضرور خیال رکھیے گا ورنہ کسی محفل میں ہنسی ہو جائے گی - ایک بات اور بتا دوں - یہی چیز جس کے سبب سے انسان یعنے شاعر کو آخر وقت تک ضرورت ہے کہ ایک سنبھالنے والا رہے - آج کل کے شاعر خود رُو، اصلاح لینا عیب سمجھتے ہیں اُسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذلت اُٹھاتے ہیں - خیر، جو جس کی سمجھ میں آتا ہے ویسا کرتا ہے شعر کاٹ دیجیے -
نواب - جی، بہت اچھا - ؎
ہم چلے ہیں آج سوئے بستیٔ مُلکِ عدم (۸) اس قدر دنیا میں اب رہنے سے نفرت ہو گئی
اُستاد - (سوئے بستیٔ مُلکِ عدم) ترکیب غلط ہے اس لیے کہ ہمیشہ فارسی لفظ کی ترکیب

فارسی سے دی جاتی ہے یا عربی کی فارسی سے لیکن طے شدہ مسئلہ یہ ہے کہ کبھی اُردو کے اضافت وعطف فارسی کی طرف یا فارسی کے اضافت وعطف اُردو کی طرف نہیں کرتے۔ آپ کے شعر میں (سوئے) فارسی لغت۔ (بستی) اُردو لغت۔ (مُلکِ) عربی لغت۔ لہذا ترکیب صحیح نہیں۔

قاعدہ

ایک صورت جائز ہے وہ یہ کہ جب کوئی لفظ علم ہو یعنے نام تو فارسی یا عربی لفظ کے عطف واضافت درست ہوں گے جیسے شہر لکھنؤ، مُلک اودھ، زمینِ رامدین وغیرہ اس کے علاوہ کوئی صورت صحیح نہ مانی جائے گی۔ یہ شعر یوں کر دیجیے ؎

آج گھبرا کے چلے ہیں جانبِ مُلکِ عدم — اس قدر دنیا میں اب رہنے سے نفرت ہو گئی

مَیں آپ کی حیثیت وقابلیت کے موافق شعر بناتا ہوں۔ جو حق اصلاح ہے وہ نہیں ہوتا۔ اور پڑھیے۔

نواب ۔ جی، درست۔ ایسا ہی ہونا چاہیے۔

کیا کروں فکرِ رہائش چار دن کے واسطے (۹) دل مرا مُردہ ہوا دنیا سے نفرت ہو گئی

اُستاد ۔ رہائش کون سی چڑیا ہے؟ کس زبان کا لفظ ہے؟ معنے کیا ہیں؟

نواب ۔ (گھبرا کے، تھوڑے سکوت کے بعد) حضور، لوگ بولتے ہیں۔ بڑے بڑوں کو بولتے سُنا ہے۔

اُستاد ۔ لوگ بولتے ہیں جھک مارتے ہیں۔ یہ لغت ہندوستانیوں نے بنایا ہے اور ترکیب کے ساتھ فارسی سمجھ کے بولتے ہیں۔ جن چیزوں کو سمجھاتا جاتا ہوں یاد رکھیے گا ورنہ ہمیشہ دھوکے کھائیے گا۔ رہائش لفظ غلط ہے اس کے کوئی معنے نہیں۔ بستی کا لفظ جو ترکیب کے ساتھ آپ نے استعمال کیا تھا اُس کے معنے تو تھے۔ یہ لفظ یعنے رہائش بے معنے لُغت ہے شعر یوں کر دیجیے ؎

کیا کروں سامانِ راحت چار دن کے واسطے — دل مرا مُردہ ہوا جینے سے نفرت ہو گئی

نواب ۔ بہت خوب ہو گیا ۔

میری جانب سے شکوکوں کی نہیں ہے انتہا (۱۰) بات یہ پیدا رقیبوں کی بدولت ہو گئی

اُستاد ۔ (غضبناک چہرے کے ساتھ) خوب ، جمع الجمع ۔ شکوک ، شک کی جمع ۔ عربی لغت ۔ آپ نے شکوکوں اُردو جمع بنائی ۔ یہ قاعدہ بالکل غلط ہے ۔ اصولاً یا تو شکوک نظم کرنا چاہیئے تھا یا شکوں نظم کرنا چاہیے تھا ۔ شک واحد ، اس کی جمع اُردو طریقے سے (واؤ نون) کے ساتھ بنائی جاتی ہے اس کے علاوہ اس لفظ کی جمع دوسرے طریقے سے زبان میں بولی ہی نہیں جاتی ۔ آپ کا شعر مبہم بھی ہے ۔ کس کو شک ہے ؟ بات کس کو پیدا ہوئی ہے ؟ معشوق کا ذکر نہ اشارہ شعر یوں بدل دیجیے ؎

میری جانب سے انھیں شک ہو گئے ہیں سیکڑوں بات یہ پیدا رقیبوں کی بدولت ہو گئی

نواب ۔ حضور ، بہت خوب ۔

اے دلِ نافہم تیرا کس طرف ہے گا خیال (۱۱) اُس بُتِ ظالم سے کیوں تجھ کو محبت ہو گئی

اُستاد ۔ آپ موزوں طبع ضرور ہیں ۔ مگر کم مشقی کو کیا کریں ، مجبور ہیں ۔ (ہے گا) میں مطلب (ہے) پر ختم ہو جاتا ہے ۔ (گا) بالکل زائد ہے ۔ بہت سے لوگ مگر عوام جاہل ۔ اکثر و بیشتر یہ بولتے ہیں کہ (ہم بازار جا رہے ہیں گے ، کچھ منگاؤ گے ؟) یہاں مطلب صرف (جا رہے ہیں) پہ ختم ہو جاتا ہے (گے) بالکل زائد ہے ۔ اس شعر کو یوں کر دیجیے ؎

کس طرف ہے اے دلِ نافہم یہ تیرا خیال اُس بُتِ ظالم سے کیوں تجھ کو محبت ہو گئی

نواب ۔ بجا ، درست ۔

مقطع

اک زمانے بھر کی پڑتی ہیں نگاہیں آج کل دے کے دل اُمید میری ایسی صورت ہو گئی

اُستاد ۔ پھر عیب موجود ہے وہ یہ ہے (اک زمانے بھر) اس جملے میں یا (اک) زائد ہے یا (بھر) زائد ہے ۔ اک زمانے کی ۔ اور زمانے بھر کی ۔ ایک ہی معنے ہیں ۔ زوائد کا لانا مخلِ فصاحت ہے ۔ یہ چیز بہت زیادہ غور طلب ہے ۔

مصرع ثانی میں صرف تقدم و تاخر سے مصرع درست ہو جائے گا۔ یوں ہونا چاہیے ؎
اک زمانے کی نگاہیں پڑ رہی ہیں آج کل   دے کے دل اُمید میری ایسی صورت ہو گئی
(غزل دیتے ہوئے) آیندہ محنت سے کہہ کے لائیے گا۔
نواب۔ تعمیل حکم میں ایک کوتاہی نہ کروں گا۔ غزل لے کے جیب میں رکھی سروقد کھڑے ہو کے اُستاد کو سلام کیا۔
اُستاد۔ تسلیم۔ کیا قاری یعقوب علیخاں صاحب نصرت کے یہاں بغرض طالب علمی جانے کا ارادہ ہے؟۔
نواب۔ ابھی وقت۔ پہلے اُن سے ملوں گا پھر مکان جانے کا قصد ہے حضور سے اجازت چاہتا ہوں
اُستاد۔ فی امان اللہ۔
نواب کھڑے ہو کے پھر سلام کر کے رخصت ہوئے اور قدم اُٹھاتے ہوئے شہر لکھنؤ گولہ گنج کی طرف روانہ ہوئے۔

دلچسپ معلومات نمبر ۹

صبح کے ۹ بج چکے ہیں، نواب تیزی کے ساتھ جاتے جاتے وزیر گنج پہنچ گئے اتفاق سے ایک ایسے شخص سے پتہ پوچھا جو قاری صاحب موصوف کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ اُنھوں نے کہا آپ تشریف لے چلیے میں بھی وہیں چل رہا ہوں۔
نواب۔ جناب قاری صاحب کو اچھی طرح سمجھ گئے؟
راہگیر۔ میں خوب سمجھ گیا۔ تشریف لے چلیے گو خلافِ تہذیب ہے مگر پوچھتا ہوں کہ جناب وہاں کیوں تشریف لیے جاتے ہیں؟ کیا کام ہے؟
نواب۔ مجھے شاعری کا شوق ہے لیکن علم عروض سے بدقسمتی سے بالکل نابلد ہوں چاہتا ہوں حاصل کروں۔

راہگیر۔ ضرور حاصل کیجیے بغیر تحصیل علم عروض شاعری ناممکن۔ واقعاً آپ کا خیال صحیح ہے۔ جناب کو کن بزرگ سے تلمذ حاصل ہے؟

نواب۔ (استاد کا نام بتاتے ہوئے) اُن کا کرم ہے جو کلام پر اصلاح فرما دیتے ہیں ورنہ میں کیا، اور میرا کلام کیا۔

(راستے بھر شعر و شاعری کے متعلق گفتگو رہی یہاں تک کہ جناب قاری یعقوب علیخاں صاحب کا مکان آگیا۔)

راہگیر۔ (اشارہ کرتے ہوئے) جی، یہی مکان ہے۔

نواب۔ مجھے تو اتنی گلیاں طے کر کے آج دن بھر بھی مکان نہ ملتا۔ جناب خضرِ طریقت بن کے مل گئے۔ ورنہ سخت پریشانی اُٹھانی پڑتی۔

راہگیر۔ جناب 'پریشانی اُٹھانی پڑتی' بول گئے معاف فرمایئے گا، اعتراض نہیں کرتا ہوں، صرف سمجھنا چاہتا ہوں۔ 'پریشانی اُٹھانا' اگر بولتے تو کیا مضائقہ تھا۔ میرے نزدیک دونوں طرح صحیح معلوم ہوتا ہے۔

نواب۔ جواب دیتا ہوں مگر معافی چاہتے ہوئے وہ یہ کہ مؤنث کے ساتھ (نی) لگاتے ہیں مذکر کے ساتھ (نا) لگاتے ہیں۔ فصحائے لکھنؤ کا یہی طریقہ ہے اور یہی فصیح بھی ہے مثلاً (مصیبت اٹھانی پڑی) اور (آزار کھینچنا پڑا) (زحمت برداشت کرنی پڑی) (صدمہ اُٹھانا پڑا) ان کے خلاف غیر فصیح کہلائے گا۔

راہگیر۔ ابھی اس کا فیصلہ اُستادِ معظم قاری صاحب قبلہ سے ہو جائے گا۔ میں پکارتا ہوں۔ یہ کہہ کے کنڈی کھٹکھٹائی۔

ماما۔ کون صاحب ہیں؟

راہگیر۔ میں ہوں ارشد۔ کیا جناب قاری صاحب تشریف رکھتے ہیں؟

ماما۔ جی ہاں تشریف رکھتے ہیں۔ آپ ڈیوڑھی میں آ کے کمرہ کھول لیجیے۔

راہگیر ۔ (ڈیوڑھی میں جا کے کمرہ کھول کے) تشریف لایئے ۔ جناب، میں یہ تو پوچھنا ہی بھول گیا کہ تخلص کیا کرتے ہیں ۔

نواب ۔ حقیر امید تخلص کرتا ہے ۔

راہگیر ۔ بہت عمدہ اور اچھوتا تخلص ہے ۔

(دونوں کمرے میں فروکش ہوئے ۔ اِدھر اُدھر کی گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ڈیوڑھی میں کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی ۔ کہ یکایک نواب نے دیکھا کہ ایک پستہ قد، معمر بزرگ، جن کے رخ پر آثارِ علم و فضل و کمال نمایاں، حقہ ہاتھ میں لیے تشریف لا رہے ہیں ۔ راستے ہی سے آداب عرض تسلیمات کہتے آتے ہیں)

راہگیر نے جلدی سے کھڑے ہو کے حقہ اُستاد کے ہاتھ سے لے لیا ۔ نواب بھی کھڑے ہو چکے تھے، قاری صاحب صدر مقام پر ایک گدا بچھا ہوا تھا جس کے پیچھے ایک پرانی تکیئی لگی ہوئی تھی فروکش ہوئے ۔ راہگیر نے حقہ اُستاد کے سامنے لگا دیا ۔

قاری صاحب ۔ (نواب کی طرف اشارہ کر کے) آپ کی تعریف ؟

راہگیر ۔ جناب کی خدمت میں تشریف لائے ہیں ۔

قاری صاحب ۔ (نواب صاحب کی طرف دیکھ کے) جناب کا کہاں تشریف لانا ہوا ؟

نواب ۔ حضور کی خدمت میں ایک لفافہ لایا ہوں ملاحظہ فرمالیں (یہ کہہ کے لفافہ جیب سے نکال کے ہاتھوں پر رکھ کے پیش کیا)

قاری صاحب ۔ اچھا ۔ آج یاد فرمایا (یہ کہہ کے لفافہ چاک کیا ۔ پورا مضمون پڑھ کے) کیا عرض کروں، ضعیف العمری کا زمانہ ہے، امراض کی کثرت ہے، درس و تدریس کا مشغلہ ایک عرصے سے ملتوی ہے مگر چونکہ آپ سفارش ایسے اُستادِ فن کی لائے ہیں کہ جن کا شہر لکھنؤ میں اب مثل و نظیر نہیں، بدیں وجہ میں آپ کے لیے وقت نکالوں گا ۔ آپ کو کس وقت تشریف لانے میں سہولت ہوگی ۔

نواب ۔ مجھے سوائے شعر و شاعری دنیا کا کوئی کام نہیں جو وقت حضور کا خالی ہو اور مناسب خیال فرمائیں ۔

قاری صاحب ۔ میرے خیال میں یہی وقت صبح کا بہتر ہوگا اس وقت کچھ دماغ حاضر رہتا ہے ۔ اور یہ فرمائیے کہ جناب نے علم عروض کے متعلق کن کن کتابوں کا مطالعہ فرمایا ؟

نواب ۔ عالیجناب میں نے کوئی کتاب علم عروض کی نہیں پڑھی ۔ اب شروع کروں گا ۔

قاری صاحب ۔ عربی و فارسی کی کون کون سی کتابیں پڑھیں ؟

نواب ۔ آمدنامہ ، گلزار دبستاں ، انوار سہیلی ، گلستاں ، بوستاں ، رقعات عالمگیری وغیرہ

قاری صاحب ۔ تو فارسی تو جناب نے کافی پڑھ لی ہے ۔ میرے خیال میں عروض سیفی شروع کر دیجیے آپ کا مطلب اسی ایک کتاب سے حل ہو جائے گا ۔

نواب ۔ بہت خوب ۔ کب سے حاضر ہوں ؟

قاری صاحب ۔ کل یکشنبہ ہے ۔ اچھا دن ہے ۔

نواب ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ضرور حاضر ہوں گا ۔

قاری صاحب ۔ (اپنے شاگرد ارشد صاحب کی طرف دیکھ کے) آپ اس وقت کہاں چلے گئے؟

ارشد صاحب ۔ صرف حضور کے استمزاج کو حاضر ہوا ہوں ۔

قاری صاحب ۔ بھائی استمزاج عربی زبان کا لغت نہیں ہے ۔ ہندوستانیوں نے خاص اجتہاد کیا ہے ۔ کہیں عربی کتاب میں یا لغت میں اس کا وجود نہیں ۔ آیندہ استعمال نہ کیجیے گا بڑے بڑے پڑھے لکھے بول جاتے ہیں ۔ یہ لفظ غلط ہے ۔

ارشد صاحب ۔ بہت خوب ۔ ایک بات اور یاد آگئی ۔

قاری صاحب ۔ وہ کیا ؟

ارشد صاحب ۔ حضور ، نواب صاحب راستے میں مل گئے تھے میں ساتھ لے آیا ۔ آپ (پریشانی اُٹھانی پڑی) بولتے ہیں ۔ میں نے عرض کیا کہ (پریشانی اُٹھانا پڑی) صحیح اور فصیح ہے

آپ کا خیال یہ ہے کہ مؤنث کے لیے (نی) لگاتے ہیں، مذکر کے لیے (نا) لگاتے ہیں۔
قاری صاحب - بالکل درست کہا۔ کس کے شاگرد، کس کے آگے زانوئے ادب تہ کیا ہے
واقعاً ان کے اُستاد کا جواب نہیں۔ آپ غلطی پر ہیں نواب صاحب نے بالکل بجا فرمایا۔
(اس تقریر کے بعد کچھ دیر سب پر سکوت طاری رہا کہ نواب نے پوچھا، اجازت چاہتا ہوں)
قاری صاحب - بہت خوب۔ خدا حافظ۔
ارشد صاحب - فدوی بھی مرخص ہونا چاہتا ہے۔ ایک ضروری کام درپیش ہے۔
قاری صاحب - ضرور، آپ بھی سدھاریے۔
(دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کرتے ہوئے روانہ ہوئے۔ قاری صاحب حقہ نوش فرماتے رہے۔ آغا میر کی ڈیوڑھی پر پہونچ کے ارشد صاحب نے کہا کہ میں رکاب گنج جاؤں گا۔ خدا حافظ۔ آپ سے خوب نیاز حاصل ہوا انشاء اللہ اب تو اکثر و بیشتر ملاقات ہوتی رہے گی ہم آپ تو اب پیر بھائی ہو جائیں گے)۔
نواب - انشاء اللہ تعالیٰ میں کس قابل ہوں، ایک ذلیل انسان کو آپ عزت دیتے ہیں۔ فی امان اللہ
ارشد صاحب رکاب گنج کی طرف روانہ ہوئے۔ نواب پاٹے نالے سے ہوتے ہوئے اپنے مکان پہونچ گئے۔ گھر میں انتظار ہو رہا تھا بیگم صاحب برابر ماما سے کہہ رہی تھیں خدا معلوم نواب ابھی تک کیوں نہ آئے اتنے میں دیکھا کہ نواب صاحب ڈیوڑھی سے چلے آتے ہیں۔
بیگم صاحبہ - آج اصلاح بہت دیر میں ہوئی۔
نواب - نہیں، اصلاح میں دیر نہیں ہوئی بلکہ گولہ گنج ایک صاحب کے یہاں اُستاد نے بھیجا تھا اس وجہ سے تاخیر ہو گئی۔ کھانا تیار ہے؟ آج خلافِ معمول بھوک لگ آئی۔
بیگم صاحبہ - نہیں تیار ہے تو ابھی تیار ہوا جاتا ہے۔ میں خود باورچی خانہ میں جا کے جلدی جلدی تیار کر کے خاصہ حاضر کرتی ہوں۔
نواب - زحمت کی ضرورت نہیں، کوئی ایسی بھوک نہیں ہے کہ برداشت نہ ہو سکے۔ آپ نے

کبھی کھانا نہیں پکایا لہذا گرمی میں نہ بیٹھیے گا ورنہ مزاج نادرست ہوجائے گا۔
بیگم صاحبہ۔ کیا خوب۔ شریف زادیوں کا فرض ہے کہ چکی پیسیں، آٹا گوندھیں، روٹی پکائیں۔ کیونکہ ہماری آقازادی ہماری بی بی جناب سیدہؑ بھی تو اپنے شوہر علیؑ کی خدمت کرتی تھیں اور چکی پیستی تھیں، آپ کی اطاعت تو ثواب ہے۔ یہ کہہ کے باورچی خانہ کی طرف روانہ ہوئیں۔
راستے ہی سے ماما کو آواز دی (بکریدن) کیا دیر ہے؟
ماما۔ بیگم صاحب، ابھی گوشت پتیلی میں ڈالا ہے، بس پانی خشک ہوجائے تو بھون کے حاضر کرتی ہوں۔
بیگم صاحبہ فوراً باورچی خانہ میں پہونچ گئیں، بہت جلد کھانا تیار کرکے دسترخوان بچھا کے نواب کو کھانا کھلادیا۔
نواب بعد فراغت طعام خاص کمرے میں آئے، مسہری پر بغرض آرام لیٹ رہے، تین بجے دن کو آنکھ کھلی، اُٹھ کے بیٹھے۔ اب دو فکریں دامنگیر ہوچکی تھیں ایک غزل دوسرے تحصیل علم عروض۔ عروض سیفی الماری سے نکال کے دیکھنے لگے، ورق اُلٹ پلٹ کرنا شروع کیے، جابجا سے مطالعہ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کتاب بند کی اور اس خوشی میں کہ عروض پڑھنے کے بعد مکمل شاعر ہوجاؤں گا، گھڑیاں گزارنے لگے۔
مشہور ہے کہ خوشی کی ساعتیں معلوم نہیں ہوتیں اور جلدی گزر جاتی ہیں۔ وہی ہوا کہ یکشنبہ کی صبح نمودار ہوگئی۔ جلدی جلدی ضروریات سے فراغت کرکے ناشتہ فرماکے، کپڑے پہن کے، کتاب میز سے اُٹھالی اور بیگم صاحبہ سے یہ فرماتے ہوئے کہ شاید آج کچھ دیر ہوجائے خیال نہ کیجیے گا میں سبق پڑھنے جارہا ہوں۔
بیگم صاحبہ۔ یہ سن اور سبق پڑھنے جانا۔ کیا آپ بچہ ہوگئے؟
نواب۔ علم وہ چیز ہے کہ اگر انسان عمر بھر بھی تحصیل کرے تو کم ہے۔ جناب رسول خدا صلعم کا فرمان ہے۔ بلکہ حکم ہے کہ "اُطلبُ العِلمَ مِنَ المَهدِ اِلَی اللَحَدِ" جس کا مقصد یہ ہے کہ علم

آغوشِ مادر سے لے کے اُس وقت تک حاصل کیے جاؤ جب تک قبر کا مُنہ دیکھو۔

بیگم صاحبہ - پھر کیا زندگی بھر یوں ہی کتاب بغل میں دبا کے جائیے گا؟

نواب - یہ میرے لیے باعثِ فخر ہے۔ بدنصیب ہیں وہ دولتمند طالب علم جو ملازم پر اپنا بوجھ لاد کے طالب علمی کرنے جاتے ہیں۔ اُن کو کبھی علم نہیں آتا۔ سُنا ہے کہ عراق میں بڑے بڑے جیّد طالب علم بلکہ مجتہد برابر بغلوں میں کتابیں دبا کے پھرا کرتے ہیں۔ پھر آج جو اُن کی قدر و منزلت ہے کون بیان کر سکتا ہے۔ سعدی نے چالیس سال کے سِن میں پڑھنا شروع کیا اور اس قدر علم حاصل کیا کہ ایران کا مایۂ ناز عالم کہلاتا ہے جس کا جواب ابھی تک دنیائے ایران پیدا نہ کر سکی۔ میں بھی اگر اسی سِن میں کسی علم کی تحصیل کروں تو کوئی قباحت نہیں۔

بیگم صاحبہ - اچھا سدھاریئے اپنا وقت خراب نہ کیجیے، دیر ہو رہی ہے کہیں مولوی صاحب خفا نہوں۔ سب ہنسنے لگے، نواب مُسکراتے ہوئے خدا حافظ کہہ کے باہر روانہ ہو گئے۔ راستہ معلوم تھا، سیدھے گولہ گنج پہونچ گئے، کُنڈی کھٹکھٹائی۔

ماما - کون صاحب ہیں؟

نواب - مَیں ہوں۔ (قاری صاحب نے ماما سے فرمایا کہ نئے طالب علم ہوں گے دروازہ کھول دو)

(ماما نے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے نواب سے کہا) تشریف لائیے، کمرے میں بیٹھیے، قاری صاحب تشریف لاتے ہیں۔

نواب کمرے میں دروازہ کھول کے بیٹھ گئے۔ چند منٹ نہ گزرے ہوں گے کہ جناب قاری صاحب اپنا حُقّہ لیے ہوئے تشریف لے آئے۔

نواب - تسلیمات عرض کرتا ہوں۔

قاری صاحب - بندگی عرض ہے (یہ کہہ کے گَتّھے پر فروکش ہو گئے)۔

نواب نے کتاب کھولی۔ چونکہ فارسی داں تھے 'بسم اللہ الرّحمٰنِ الرّحیم' کہہ کے صحیح صحیح عبارت پڑھی اور جہاں مطلب ختم ہوتا تھا رُک گئے۔

قاری صاحب - مطلب سنیئے مصنف و مؤلف کتاب نے اس کتاب کی ابتدا تعریف شعر و بیان شاعر سے کی ہے - طالب علم سے کہتا ہے کہ تو سمجھ لے کہ شعر کے معنے لغوی حیثیت سے جاننے اور پا لینے کے ہیں - اور اصطلاحی حیثیت سے شعر کی تعریف یہ ہے کہ شعر ایک موزوں بات کا نام ہے جس میں معنے بھی ہوں یعنے معنے دار ہو اور قافیہ کا وجود بھی ہو - سب سے بڑی قید تعریف شعر میں قصد موزونیت شاعر کی کر دی ہے یعنے قصداً شعر کہا ہو، نہ کہ اتفاقیہ بغیر قصد موزوں ہوا ہو - آپ مطلب سمجھ رہے ہیں ؟

نواب - میں خوب سمجھ رہا ہوں، جناب تقریر فرمائیں -

قاری صاحب - صاحب کتاب کہتا ہے کہ تعریف شعر میں موزوں کی قید اسلیے لگائی کہ ناموزوں شعر کو شعر نہیں کہتے - پھر با معنے ہونے کی قید اس لیے کی کہ بے معنے کو شعر نہیں کہتے پھر قافیے کی قید اس لیے بڑھائی کہ جس کلام میں قافیہ نہ ہو اُسے شعر نہیں کہیں گے یعنے موزوں ہے با معنے ہے لیکن مقفّٰی نہیں یعنے قافیہ نہیں شعر نہیں کہا جا سکتا - اب یہ قید کہ قصد موزونیت بھی ہو صرف اسلیے لگائی کہ شعر موزوں ہو، با معنے ہو، قافیہ رکھتا ہو لیکن شاعر نے قصداً نہ کہا ہو، اتفاقیہ موزوں ہوا ہو جب بھی تعریف شعر اُس پر صادق نہیں آئے گی - یہ جو کچھ تقریر میں نے کی اصطلاحی اعتبار سے کی - اُس کی مثال آیات و احادیث ہیں چونکہ قصد شعر نہ تھا اسلیے شعر کہے جانے کے مستحق نہیں - مثلاً

خداوند عالم فرماتا ہے -

آیت - ۱ - ثم اقررتم وانتم تشهدون -

آیت ۲ - ثم انتم هؤلاء تقتلون -

حدیث

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں -

الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم -

اگرچہ آیت کا وزن " فاعلاتن فاعلاتن فاعلات " ہے۔ مگر چونکہ قصد موزونیت شامل نہیں۔ اسلیے شعر کی تعریف صادق نہیں آتی۔
اسی طرح حدیث کا وزن " فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات " ہے مگر قصد موزونیت یہاں بھی مفقود ہے لہذا شعر نہیں کہیں گے۔
آپ مطلب اچھی طرح سمجھ گئے۔ کوئی شک تو باقی نہیں رہا؟
نواب - خوب سمجھ گیا - آپ جب دریافت فرمائیں گے یہی مطلب عرض کروں گا۔
قاری صاحب - بہت خوب۔ بس یہیں تک سبق رہنے دیجیے آج پہلا دن ہے۔
نواب - بہت خوب کہہ کے کتاب بند کی، تھوڑی دیر بیٹھے اُسکے بعد اجازت طلب کی۔
قاری صاحب - بہت خوب، خدا حافظ۔
نواب کھڑے ہو کے سلام کر کے رخصت ہو کے روانہ ہوئے، راستے بھر اُستاد کے بتائے ہوئے مطلب کو دل میں دُہراتے رہے۔ یہاں تک کہ مکان پر پہونچ گئے۔ جیسے ہی بغل میں کتاب دبائے ہوئے گھر میں پہونچے۔ بیوی نے جو سامنے دالان میں چوکے پر بیٹھی تھیں۔ مُسکرا کے پوچھا۔ آپ سبق پڑھ آئے؟
نواب - (ہنس کے) جی ہاں - کیوں؟
بیگم صاحبہ - جی، کچھ نہیں۔ آپ پڑھنے گئے ہوئے تھے۔ میں دعائیں مانگ رہی تھی کہ اے خدا، حافظ حقیقی، مولوی صاحب غصہ در نہ ہوں۔
نواب - تو کیا بچوں کی طرح میں بھی بھولوں گا جو مولوی صاحب ماریں گے۔
بیگم صاحبہ - (کھلکھلا کے) ڈر تو یہی ہے کہ کہیں سبق بھول نہ جائیے اسلیے کہ انسان ہی سے بھول ہوتا ہے۔
نواب - خوب کہی۔ یہ کہہ کے کمرے میں چلے گئے۔ اور سہری پر لیٹ کے پنسل، کاپی اُٹھا کے غزل کی فکر شروع کی تھی کہ مولانا، اُستاد کے گھر پر پندرہ اشعار کی غزل لے کے

پہونچ گئے۔ اُستاد اپنے کمرے میں منتظر بیٹھے ہوئے تھے۔

مولانا۔ سلامٌ علیکمُ۔

اُستاد۔ علیکمُ السّلام۔ آیئے، میں تو انتظار ہی کر رہا تھا۔ آج بہت تاخیر ہوگئی۔

مولانا۔ سنڈیلہ کے ایک دوست مہمان آگئے تھے اس وجہ سے تاخیر ہوگئی۔ (یہ کہہ کے خوشخط لکھی ہوئی غزل اُستاد کے سامنے جیب سے نکال کے پیش کی۔ اُستاد نے قالین پر غزل رکھ کے مطلع پڑھا)۔

اصلاح نمبر ۱
غزل مولانا

زلفِ شبگوں کو اگر چھوڑ دیں سُلجھانے میں (۱) عالمِ حسن نظر آتا ہے بَل کھانے میں

اُستاد۔ اس مطلع میں زمانے کا فرق ہے، یہ چیز تو آپ کے دیکھنے کی تھی مگر دھوکا کھاگئے۔

مولانا۔ قبلہ میں نہیں سمجھا۔ (یہ کہہ کے مطلع کو غور سے دیکھنے لگے)۔

اُستاد۔ دیکھیے پہلے مصرع کا ٹکڑا 'اگر چھوڑ دیں' موجودہ زمانے کے متعلق کہا گیا ہے اور یہی خبر بھی دے رہا ہے۔ اور دوسرے مصرع کا ٹکڑا 'نظر آتا ہے' آنے والے زمانے کی خبر دے رہا ہے۔ پہلے مصرع کے اعتبار سے دوسرا مصرع یوں ہونا چاہیے تھا۔

عالمِ حسن نظر آئے بَل کھانے میں

کیونکہ چھوڑ دیں کا جواب 'نظر آئے' ہونا چاہیئے۔ اب آپ کی سمجھ میں آیا؟

مولانا۔ واقعًا حضور کا اعتراض درست ہے جو باوجود نظرِ عمیق۔ میرے ذہن ناقص میں نہیں آیا تھا۔

اُستاد۔ مصرع اولیٰ کو یوں کر دیجیے ؎

چھوڑ دیتے ہیں جو وہ زلف کو سُلجھانے میں عالمِ حسن نظر آتا ہے بَل کھانے میں

مولانا۔ (بدلا ہوا مصرع لکھ کے) سبحان اللہ۔ کیا خوب اصلاح فرمائی ہے۔ کس قدر

صاف مطلع ہو گیا -

اُستاد - دوسرے مطلع کی طرف دیکھ کے -

کیا کروں آکے میں ساقی ترے میخانے میں (۲) کیف کی روح نہیں شیشہ و پیمانے میں

خیر مطلع با معنے تو ضرور ہے لیکن ایک بہت بڑا عیب موجود ہے جو اکثر و بیشتر اساتذۂ لکھنؤ اور دہلی کے یہاں بھی موجود ہے -

مولانا - (پھر غور سے مطلع کی طرف دیکھ کے) میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا -

اُستاد - بڑے بڑے اساتذہ تو سمجھ نہ سکے آپ ابھی کیا سمجھیں گے - سُنیے اور بہت غور سے سُنیے -

قاعدہ

ہر فارسی لفظ میں بشرطیکہ تنہا ہو یعنے ترکیب اضافی و عطفی وغیرہ نہ ہو تو اُردو قاعدے سے حرف یا کا اضافہ کیا جا سکتا ہے - مثلاً افسانہ فارسی لغت ہے اور تنہا بھی ہے - اسے افسانے (یا) زیادہ کر کے بول سکتے ہیں - جیسے کہیں کہ آپ کے افسانے میں کوئی رنگ نہیں - یہ جائز ہے لیکن اگر فارسی لفظ یا عربی لفظ کی طرف جس کے آخر میں ہائے ہوز ہو اضافت دیدیں - مثلاً یوں کہیں - صورت کاشانے ہیں - تو قطعاً جائز نہیں اس لیے کہ اضافت ترکیب کا نام ہے - اضافت ہونے کے بعد جملہ فارسی ہو گیا - جب فارسی ہو گیا تو باوجود فارسی ہونے کے اب اُردو کرنا درست نہیں اسلیے کہ تنہا ایک لفظ کے لیے تو قاعدتاً صحیح ہے - لیکن پوری عبارت یا پوری زبان یا پورے جملے کے لیے اہل ہند کو حق نہیں ہے کہ اُردو بنالیں اور کاشانے میں یہ مُسلّم ہے کہ (یا) اُردو کی ہے - جب یا اُردو کی ہے اور کاشانہ ترکیب کے بعد اُردو ہو نہیں سکتا تو (یا) بڑھائی نہیں جا سکتی - (صورتِ کاشانہ) کہنا چاہیے تھا وہ قافیہ کے خیال سے ہو نہیں سکتا لہٰذا (صورتِ کاشانے) غلط -

اسی طرح شیشہ و پیمانہ چونکہ (واو) عاطفہ ہے - شیشہ معطوف - پیمانہ معطوف الیہ اور

واؤ عطف فارسی زبان کا واؤ عطف ہے ۔ وہی قاعدہ جو اضافت کی حالت میں جاری ہوا تھا عطف کی صورت میں بھی جاری ہوگا یعنے بعد عطف اُردو کی (یا) نہیں لگائی جاسکتی ۔ چونکہ زبان غیر پر حق تصرف حاصل نہیں ہے ۔ لہذا آپ کا شیشہ و پیمانے نظم کرنا صحیح نہیں ۔ آپ مطلب سمجھ گئے ؟

مولانا ۔ جناب نے آئینہ فرما دیا ۔ کیا خوب مسئلہ حل فرمایا ہے ۔ واقعاً یہ وہ رموز و نکات ہیں کہ ہر کس و ناکس کو جن کی ہوا بھی نہیں لگی ۔ حضور مطلع کو درست فرمادیں ۔

اُستاد ۔ ہاں ، لکھیے ۔

دلِ میکش نہیں لگتا کبھی میخانہ میں کیف کی روح جو باقی نہ ہو پیمانہ میں

مولانا ۔ واہ واہ ، واہ واہ ۔ واللہ لاجواب مطلع ہوگیا ۔

اُستاد ۔ اے لیجیے ایک خاص بات سمجھانے کی اور ہے جو رہی جاتی تھی میں بھی دھوکا کھا رہا تھا ۔

مولانا ۔ حضور وہ کیا ؟

اُستاد ۔ پہلے مطلع میں آپ نے اُردو کے قافیے نظم کیے ہیں یعنے سُلجھانے ، بل کھانے ۔ دوسرے مطلع میں دونوں فارسی کے قافیے نظم کیے ہیں ۔

قاعدہ

اگر مطلع میں دونوں اُردو کے قافیے ہوں تو غزل بھر میں اختیار ہے کہ جس قدر چاہے اُردو کے قوافی نظم کرے جس قدر جی چاہے فارسی کے ۔ مثلاً مطلع میں کھانا ، پانا ، ہے تو اختیار ہے کہ جانا ، لانا ، ڈھانا وغیرہ ۔ میخانہ ، پیمانہ ، دیوانہ وغیرہ سب دیگر اشعار میں نظم کرسکتا ہے ۔ بشرطیکہ ترکیب نہو یعنے کھانا ، پانا ، کے ساتھ محفل رندانہ ، شمع و پروانہ نہیں لاسکتے کیونکہ رندانہ کی (ہ) یا پروانہ کی (ہ) الف نہیں ہوسکتی چونکہ ترکیب ہے ۔ تنہا الف رہ جائے گی ۔ لیکن اگر مطلع میں فارسی قوافی کی قید کردی ہے یعنے مثلاً میخانہ ، دیوانہ نظم کر دیا ہے تو غزل بھر میں

اردو کا قافیہ نہیں لایا جاسکتا ۔ یعنے میخانہ، ویرانے کے ساتھ جانا، پانا، وغیرہ نظم نہیں کیے جاسکتے جس قدر فارسی کے قوافی ہیں نظم ہو سکتے ہیں ۔

چونکہ آپ نے پہلے مطلع میں اردو کے قافیے نظم کیے ہیں اور آپ کی غزل کے شعروں میں بھی اردو کے قوافی موجود ہیں۔ اس لیے مطلع ثانی کو نکال ڈالیے تاکہ اردو کے قافیے اشعار میں باقی رہ سکیں ۔ اور اگر مطلع اول کو نکالیے گا تو سب قافیے فارسی کے لانا فرض ہوگا۔ میرے نزدیک مطلع ثانی نکال ڈالیے ۔ اور پڑھیے ۔

مولانا ۔ بہت مناسب ۔ یہ کہہ کے پنسل مطلع ثانی پر پھیر دی ۔

عجب انداز سے مارا دل زخمی پہ خدنگ (۳) لگ گئی ٹھیس چھلکتے ہوئے پیمانے میں

اُستاد ۔ پہلے مصرع کو دوسرے مصرع سے کوئی ربط و تعلق نہیں ۔

وہاں دل پر تیر پڑنا، یہاں پیمانے کا چھلکنا، ٹھیس لگنا۔ اسی کو مصرع کا نہ لگنا کہتے ہیں ۔

دوسرا مصرع صاف اور اچھا ہے ۔ پہلے مصرع کو یوں بدل دیجیے ؎

تم نے چھیڑا دلِ زخمی کو اُبلنے لگا خوں   لگ گئی ٹھیس چھلکتے ہوئے پیمانے میں

مولانا ۔ بہت خوب کہہ کے، اپنا مصرع کاٹ کے اُستاد کی اصلاح لکھ لی ۔

ناصحا تیری نصیحت پہ دھروں کیونکر گوشں (۴) دلِ بیتاب لیے جاتا ہے میخانے میں

اُستاد ۔ (گوش دھرنا) محاورہ نہیں ۔ ایسے محل پر کان دھرنا بولتے ہیں جیسا کہ داغ دہلوی کہتے ہیں ؎

سورۂ یوسفؑ سنوں کیا کان دھر کے واعظو   کان اُس نے بھر دیے ہیں لذتِ تقریر سے

لہذا گوش دھرنا غلط ۔ غیر فصیح ۔

مصرع ثانی میں بیتاب کا لفظ مفہوم ادا نہیں کرتا ۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ میں اے ناصح تیری نصیحت ضرور سنتا اور عمل کرتا ۔ شراب نوشی کو تو منع کرتا ہے اور میں پکا شرابی ہوں لیکن مجبور ہوں کہ میرا دل سننے نہیں دیتا اتنا بھی وقت نہیں کہ تھوڑی دیر ٹھہر کے تیری نصیحت سُن سکوں یہ مفہوم پورے شعر میں کماحقہ کہاں ادا ہوا لہذا اس شعر کو یوں بدل دیجیے ۔ اور پڑھیے ؎

کیا سُنوں تم کے نصیحت کو تری اے واعظ　　دل مجھے کھینچے لیے جاتا ہے میخانے میں

مولانا۔ (مناسب کہہ کے) شعر کے نیچے اُستاد کی اصلاح لکھ لی۔

آمدِ شب نے کیا خوف سے بند آنکھوں کو (۴)　　کٹ گیا روز اُدھر آنے میں اِدھر جانے میں

اُستاد۔ آپ سے ابھی مصرع نہیں لگتا۔ پہلے مصرع سے دوسرے مصرع کو بہ اعتبار مفہوم کوئی لگاؤ نہیں۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ دن تو اِدھر اُدھر کی باتوں میں بہر طور گزر گیا لیکن ہجر کی شب ایسی ہیبت آئی جس نے میری آنکھوں کو بند کر دیا کیونکہ قاعدہ ہے کہ خوفزدہ آنکھیں بند کرلیتا ہے۔ کیوں صاحب آپ کا مطلب یہی ہے نا؟

مولانا۔ جناب درست فرماتے ہیں۔ یہی مقصد ہے۔

اُستاد۔ دوسرے مصرع میں 'روز' کی جگہ 'دن' لکھیے۔ (روز کٹنا) غیر فصیح ہے۔ ایسے محل پر (دن کٹنا) بولتے ہیں۔ داغ کہتے ہیں ؎

کٹیں کس طرح تیری فرقت کے دن　　فزوں روزِ محشر سے ہے ہر گھڑی

آتش کہتے ہیں ؎

شگفتہ ہو کے نہ دو دن بھی ہم نے یاں کاٹے　　برنگ غنچۂ پژمردہ دل گرفتہ چلے

پہلے مصرع کو یوں بدل دیجیے ؎

آتے ہی ہجر کی شب خوف سے کیں آنکھیں بند　　کٹ گیا دن اِدھر آنے میں اُدھر جانے میں

ہاں، ایک بات اور ہے وہ یہ کہ آپ نے دوسرے مصرع کو یوں پڑھا تھا۔ ع

کٹ گیا روز اُدھر آنے میں اِدھر جانے میں

یہ ترتیب بحیثیت محاورہ و تصرّف غلط ہے۔ آپ کے یہاں پہلے (اُدھر) ہے یعنے الف کو پیش، اُس کے بعد (اِدھر) ہے یعنے الف کو زیر۔ یہ ترتیب فصحاء اہلِ زبان نے نہیں رکھی ہے بلکہ پہلے (اِدھر) الف کو زیر ہونا چاہیے اُس کے بعد (اُدھر) الف کو پیش ہونا چاہیے۔ حقیقتاً یوں ہونا چاہیے۔ ع

کٹ گیا دن اِدھر آنے میں اُدھر جانے میں

آپ خوب سمجھ گئے ؟ اس سے واضح کیا بیان کروں ۔ اور پڑھیے ۔

مولانا ۔ خوب اچھی طرح سمجھ میں آگیا ۔

دشت میں بستی مرے دل کی ہوئی ہے برباد (۵) کہو ویرانہ دکھا دوں تمھیں ویرانے میں

اُستاد ۔ پہلے مصرع کی ترکیب اس قدر بھونڈی ہے کہ قابلِ بیان نہیں ۔ بستی کی (ی) گرنا کس قدر بُرا معلوم ہو رہا ہے ۔ مصرع کی صفائی پر اسی (ی) کے گرنے سے خاص اثر پڑا ۔

مولانا ۔ آپ فرما چکے ہیں ۔ اُردو کی (ی) کا گرنا جائز ہے ۔ بستی کا لفظ اُردو ہے ۔

اُستاد ۔ میں جائز، ناجائز کے متعلق نہیں کہہ رہا ہوں ۔ بستی کی (ی) کا گرنا بالکل درست ہے ۔ پھر مصرع پڑھ کے دیکھیے کس قدر زبان کو تکلیف اور سماعت کو بُرا معلوم ہوتا ہے ۔ مصرع اتنا صاف ہونا چاہیے کہ سننے والے کو بھلا معلوم ہو ۔ دوسرے مصرع میں (کہو) کا لفظ نامناسب اس کی جگہ پر (آؤ) زیادہ بہتر ہوگا ۔ لہٰذا دونوں مصرعوں میں یوں ترمیم کر دیجیے ۔ اور پڑھیے ؎

ہو گئی دشت میں بستی مرے دل کی برباد آؤ ویرانہ دکھا دوں تمھیں ویرانے میں

مولانا ۔ بہت خوب ۔

آتشِ حسن سے دل جل گیا مابعد جگر (۶) دفعتاً دوڑ گئی دوسرے کاشانے میں

اُستاد ۔ مطلب بیان کیجیے ؟

مولانا ۔ جی، مقصد یہ ہے کہ حُسن کی آگ نے پہلے تو دل کو جلایا اُسکے بعد جگر کو خاک کیا ۔ اور کمال کی بات یہ ہے کہ دل کو جلاتے ہی فوراً جگر کی طرف دوڑ گئی اور جلا ڈالا ۔ دل کو ایک گھر جگر کو دوسرا گھر فرض کیا ہے ۔

اُستاد ۔ آپ کا مطلب واضح نہ ہو سکا ۔ پھر لفظ (مابعد) بہت ثقیل اور بھدا لفظ ہے جس کی غزل متحمل نہیں ہوتی ۔ اس کو یوں بدلیے ۔ اور پڑھیے ؎

آتشِ حسن سے دل پہلے جلا بعد جگر ایک سے دوڑ گئی دوسرے کاشانے میں

مولانا۔ بہت خوب۔
دن تو یادِ رخِ محبوب میں ہوتا ہے تمام (۷) شب گزرتی ہے وہاں زلف کے سلجھانے میں
اُستاد۔ ذرا اس شعر کا بھی مطلب بیان کیجیے۔
مولانا۔ میں نے اس خیال کو نظم کیا ہے کہ میرا دن اُن کے یعنے محبوب کے چہرے کی یاد میں ختم ہو جاتا ہے۔ یعنے میں دن بھر اُن کے رُخ زیبا کو یاد کیا کرتا ہوں۔ (چونکہ رُخ کو آفتاب اور دن سے تشبیہ دیتے ہیں اس لیے میں نے بھی رعایت کی ہے)۔ اور محبوب کی رات زلف کے سلجھانے میں یعنے زیب و زینت میں ختم ہوتی ہے۔ رات بھر بال بناتے گزرتی ہے۔ چونکہ زلف کو شب سے تشبیہ دیتے ہیں اس لیے رعایتاً میں نے نظم کیا۔ اور تو کوئی خاص بات نظم نہیں ہے۔
اُستاد۔ خیال آپ کا بالکل درست، تشبیہات قطعاً صحیح، صرف عنوانِ ادا درست نہیں۔ ابھی آپ کو الفاظ نہیں ملتے۔ ربط لگاؤ ایک دوسرے میں نہیں ہوتا۔ خیر، اگر آپ کہتے رہے اور اصلاح لیتے رہے تو کچھ ہو جائیے گا۔ میں خود تو کسی قابل نہیں ہوں۔
مولانا۔ اَے نعاذ اللہ، آپ یہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ اگر کسی قابل نہیں تو پھر شہر میں کون کس قابل ہے۔ اگر زندہ رہا تو عمر بھر بغیر حضور کی اصلاح کے ایک شعر بھی نہ پڑھوں گا۔ میں اُن لوگوں میں نہیں کہ یہ سمجھے کروں کہ اب تو ممتاز الافاضل، فاضل، صدر الافاضل، سند الافاضل، دبیر کامل، منشی کامل، فاضل فقیہ، فاضل تفسیر، فاضلِ ادب ہو چکا ہوں۔ مجھے اُردو ادب یا شاعری میں اصلاح کی حاجت نہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ عمر بھر اصلاح کی ضرورت ہے۔ چونکہ یہاں کا باشندہ نہیں ہوں اسلیے سمجھتا ہوں کہ کبھی محاورات و زبان پر قادر نہیں ہو سکتا اور نہ زبان کی موچ نکل سکتی ہے۔
اُستاد۔ خدا آپ کو زندہ رکھے کہ آپ میں اتنا امتیاز تو ہے۔ انھیں کہیئے جنھوں نے بزرجہ ت سے آکے دنیا کی ترقی کرکے زبان اُردو پر قبضہ مخالفانہ کیا ہے۔ اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم ادیب اِں ہیں،

ہم سے بہتر زبان وادب کا جاننے والا سارے لکھنؤ میں کوئی نہیں - مولانا یقین مانیے کہ بقول آپ کے ابھی زبان کی تو تجہ بھی نہیں نکلی ہے کہ (طاق پر کتاب رکھی ہے) کو (طاق پہ کتاب رکھی ہے) بول جاتے ہیں اور کوس لمن الملک بجاتے ہیں - اور دنیا کی اندھی تقلید والے اُن کو زبان اُردو کا ذمہ دار مانتے ہیں -

خیر، کہاں سے کہاں سلسلۂ گفتگو پہونچ گیا - آپ نے شعر کے دو حصے کیے ہیں پہلے مصرع میں اپنے متعلق، دوسرے میں محبوب کے متعلق نظم کیا ہے - چونکہ دوسرے مصرع میں وہاں کا لفظ ہے اسلیے آپ کو اپنی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہاں کا لفظ لانا چاہیئے تھا - دوسرے مصرع میں "شب گزرنے" سے زیادہ اچھا "رات کٹتی ہے" بنا دیجیے - کیونکہ پہلے مصرع میں دن کا لفظ ہے - دن کا جواب رات ہے - روز کا جواب شب ہے لہٰذا یوں بدل دیجیے ؎

یاد میں رُخ کی یہاں دن ہوا کرتا ہے تمام رات کٹتی ہے وہاں زلف کے سُلجھانے میں

اب آپ کا شعر مکمل ہوگیا - اور پڑھیے -

مولانا - درست، بجا ارشاد ہے - سبحان اللہ -

دیکھ کے خونِ جگر دشت میں فرماتے ہیں (۸) ہوگیا قتل مسافر کوئی ویرانے میں

اُستاد - غنیمت ہے لیکن قدرے تغیر کا محتاج - یوں بدل دیجیے تو شعر غنیمت ہوجائے ؎

کہتے ہیں دیکھ کے جنگل میں مرا خونِ جگر ہوگیا قتل مسافر کوئی ویرانے میں

اور پڑھیے -

مولانا - بہت خوب -

یاد رہتی ہے مجھے یوں تو نصیحت ناصح (۹) سہو ہوجاتا ہے پر جاتے ہی میخانے میں

اُستاد - یہاں پر "سہو ہوجانا" ثقیل ہے - شعر اور سب طرح درست ہے - مصرع ثانی میں کچھ تغیر کیجیے تاکہ نرمی پیدا ہو - میری ہدایت ہمیشہ یاد رکھیے گا جہاں تک ہوسکے زبان نرم رہے - ادبیت اسی کا نام ہے سُننے والے یہ نہ کہہ سکیں کہ شعر کہا ہے یا لٹھ گھمایا ہے - لہٰذا یوں

بدل دیجیے۔ اور پڑھیے ؎

یاد رہتی ہے مجھے یوں تو نصیحت ناصح　　　بھول جاتا ہوں مگر جاتے ہی میخانے میں

مولانا۔

دل میں رہنے پہ بھی کیا کیا نہ جلایا تم نے (۱۰) جان کے آگ لگاتے نہیں کاشانے میں

اُستاد۔ یہ شعر کاٹ دیجیے۔ ٹھیک نہیں ہے۔

مولانا۔ میں سمجھنا چاہتا ہوں تاکہ آیندہ ایسی غلطی نہ کروں جو اس شعر میں موجود ہے؟

اُستاد۔ آپ کو کیا سمجھاؤں کہ اس شعر میں کیا بات ہے۔ یاد رکھیے شعر ہی ایسی چیز ہے جو اُستاد اپنی رائے سے نظری کر دیتا ہے اور سمجھانا مشکل ہوتا ہے۔ آپ جب کہنے لگیں گے تو خود معلوم ہو جائے گا کہ اس شعر میں کیا عیب ہے۔ بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جو سمجھائی نہیں جا سکتیں۔

مولانا۔ بظاہر تو کوئی عیب معلوم نہیں ہوتا۔ یوں حضور جیسا فرمائیں۔

اُستاد۔ (قدرے غیظ کی نظر سے مولانا کو دیکھتے ہوئے) تو پھر اپنی مرضی پر شعر رہنے دیجیے۔ جب کسی سمجھدار کو سنائیے گا تو وہ ہنس دے گا۔

مولانا۔ (سر جھکا کے) عرض کرنا بے ادبی ہے لیکن خاطر جمعی نہیں ہوئی۔

اُستاد۔ (اچھے خاصے غصے کے لہجے میں) تو پھر سمجھ ہی لیجیے۔ سُنیے۔

مصرع اول میں یہ نہ پتا چلا کہ حقیقتاً محبوب کس کے دل میں رہا۔ آپ کے دل میں رہا یا احمد، محمود کے دل میں رہا یا میرے دل میں رہا ہر طور ایک تو یہ نہ طے پاسکا کہ کس کے دل میں رہا دوسرے جلانے کے معنے تکلیف دینا: کوفت دینا کے ہیں آگ لگانے کے معنے نہیں۔ پھر مصرع ثانی میں آگ سے کہہ دیا کہ دیکھو کسی گھر میں جان کے آگ نہیں لگاتے۔ آپ نے جلانے کے لفظ سے فائدہ اُٹھایا یہ فائدہ یہاں نہیں اُٹھایا جاسکتا ایک مصرع سے کچھ مفہوم نکل رہا ہے دوسرے مصرع سے کچھ مطلب پیدا ہو رہا ہے۔ مزید یہ کہ کوئی خاص بات

پورے مطلب سے نہیں نکل رہی ہے۔ شعر کی تعریف یہ ہے کہ کوئی معنے تو قرینہ سے نکل رہے ہوں۔ یہاں یہ سب مفقود۔ اب آپ کی سمجھ میں آیا۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ جی ہاں، اب سمجھ میں آگیا۔ واقعاً بالکل مہمل و بے معنے شعر ہے۔ یہ کہہ کے شعر مولانا نے کاٹ دیا۔

داخلِ عہد ہے پابندیٔ اُلفت ورنہ (۱۱) بیڑیاں توڑنے کا زور ہے دیوانے میں

اُستاد۔ یہ شعر آپ نے اچھا کہا (ہنستے ہوئے) ایسے شعر کہا کیجیے۔

مولانا۔ (تسلیم کرتے ہوئے) سب حضور کا تصدق ہے، میں کس قابل ہوں۔

اُستاد۔ شعر تو واقعاً بہتر ہے، خیال نازک ہے۔ مگر ایک لفظ کی کسر ہے۔ اگر وہ لفظ رکھ دیا جائے تو بہت بہتر ہے۔

مولانا۔ ضرور ارشاد ہو۔

اُستاد۔ لفظ عہد کاٹ کے لفظ وضع لکھ دیجیے تو شعر بہت بلند ہو جائے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔ (پھڑک اُٹھے) سُبحان اللہ کیا نکتہ رکھا ہے۔ اب شعر کی ترقی کی واقعاً انتہا نہیں یہ کہہ کے لفظ بدلا ہوا شعر پڑھا ؎

داخلِ وضع ہے پابندی الفت ورنہ بیڑیاں توڑنے کا زور ہے دیوانے میں

مقطع

اُن کے کوچے سے نکلنے کا وہی غم ہے شعار (۱۲) تھا جو فردوس سے آدم کو چلے آنے میں

اُستاد۔ ہائیں، غزل ختم ہوگئی۔ بس؟

مولانا۔ جی، صرف بارہ شعر کہہ سکا۔

اُستاد۔ (اچھا کہہ کے) مقطع صحیح ہے رہنے دیجیے۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۰

مولانا۔ (سلام کر کے غزل تہ کر کے جیب میں رکھ کے اور تھوڑا سا پیچھے ہٹ کے بیٹھ گئے)

اب حضور کا مزاج سامی کیسا رہتا ہے؟

اُستاد - کیا پوچھتے ہیں - یک پیری و صد عیب - ہم لوگ چراغ سحری ہیں - خدا معلوم کب سفر کر جائیں - ع آئے نہ آئے دم کا بھلا اعتبار کیا

مولانا - خدا نہ کرے کہ آپ ایسے باکمالوں سے دنیا خالی ہو جائے - خدا صدوسی سال سلامت رکھے - آپ ایسے حضرات کے بعد دنیائے شاعری کا چراغ گل ہو جائے گا -

اُستاد - دنیائے شاعری کے انقلاب نے کمر توڑ دی - اُردو زبان سمٹ رہی ہے - محاورات نئے نئے بن رہے ہیں - تہذیب کا خاتمہ ہوا جاتا ہے - ہر شخص اُستادی کا دعویٰ کر رہا ہے مشاعروں میں اب غزلیں پڑھی نہیں جاتیں بلکہ گائی جاتی ہیں - میں نے تو مشاعروں میں جانا ترک کر دیا - شعر ایسے پڑھے جاتے ہیں جن کا سر و پا نہیں - قواعد کی پابندیاں نہیں - بڑے مشاعروں میں عموماً صدارت کا جھگڑا نکالا گیا ہے - جنھیں موزوں پڑھنے کا سلیقہ نہیں دولتمند ہونے کی وجہ سے صدر بنائے جاتے ہیں - بخدا صحیح کہتا ہوں اگر پچیس برس قبل کسی مشاعرے میں کوئی صاحب غزل دُھن میں پڑھ دیتے تو پورا مشاعرہ اُٹھ جاتا - یا صدارت کی خبر ہوتی تو کوئی شریک نہ ہوتا - صاحب، غضب کی بات ہے کہ شعراء پر بلاوجہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ جان دے کے شعر کہیں اور دست بستہ صدر سے اجازت ضرور لیں - اسکے معنے یہ ہوئے کہ اگر صدر اتفاق سے اجازت نہ دے تو غزل پڑھ نہیں سکتے - ایسی غیر مہذب بزم میں کون شرکت کرے - مگر اب سب عادی ہو گئے ہیں - فاعتبروا یا اولی الابصار -

خدا ایسے وقت میں جلد اُٹھا لے تو بہتر ہے -

مولانا - یہ سب باتیں حضور درست فرما رہے ہیں -

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اُستاد کے ایک دوست جو لکھنؤ کے نواب، ممتاز حیثیت رکھتے تھے تشریف لائے - اُستاد جلدی سے کھڑے ہو گئے، مولانا بھی کھڑے ہو گئے -

رئیس - تسلیمات عرض کرتا ہوں -

اُستاد - کورنش بجالاتا ہوں - تشریف لائیے -

رئیس - قریب بیٹھتے ہوئے - بھئی آج دیکھنے کو دل چاہا، بہت دن سے ملاقات نہیں ہوئی تھی چلا آیا - آپ کیسے ہیں ؟

اُستاد - اب تو خدا کا فضل ہے -

رئیس - الحمد للہ - اور محل میں سب خیریت ہے ؟

اُستاد - سب آپ کی دعا ہے -

رئیس - (مولانا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آپ کی تعریف ؟

اُستاد - آپ بہت قابل و فارغ التحصیل ہیں - آپ کا وطن صوبۂ بہار میں ہے - مجھ سے غزل میں مشورہ فرماتے ہیں -

رئیس - بجا ہے - کیا آج بھی غزل بنوانے کے لیے تشریف لائے ہیں -

مولانا - جی، غزل بنوالی (یہ کہہ کے تعارفی سلام کیا) -

رئیس - تسلیمات - جناب کی غزل میں بھی سُن سکتا ہوں ؟

مولانا - اُستاد کی طرف دیکھنے لگے -

اُستاد - سُنا دیجیے - اب تو آپ کی غزل بن گئی -

رئیس - اپنا شعر پڑھ کے اصلاح پڑھیے گا تو لطف آئے گا - یہ بھی اندازہ ہو سکے گا کہ جناب نے کیا فرمایا اور ہمارے قبلہ نے کیا اصلاح فرمائی -

اُستاد - میرے خیال میں اصلاحی غزل سماعت فرمالیجیے - آپ کا وقت عزیز ضائع ہوگا -

رئیس - میرے پاس وقت کی کمی نہیں صرف آپ کی زحمت کا خیال ہے -

اُستاد - اے معاذ اللہ، آپ تشریف رکھیں اور مجھ کو زحمت ہو - مجھے بھی دنیا کا کوئی کام نہیں نہ کہیں آؤں نہ جاؤں - مہینوں نخاس کی طرف جانا نہیں ہوتا - برسوں سے امین آباد نہیں گیا - ایک دن دو ڈھائی سال ہوئے گیا تھا وہاں دنیا دوسری نظر آئی - عجب طرح کی عمارتیں دیکھیں -

دریافت سے معلوم ہوا کہ ملکِ امریکہ کے مکانات کا نمونہ ہیں۔ کیا عرض کروں کہ دیکھ کے کس قدر نفرت ہوئی۔ خیال ہوا کہ اللہ، یہ وہی لکھنؤ ہے یا کسی دوسرے شہر میں آیا ہوں۔ صرف جناب کے یہاں یا اشرف الدولہ بہادر کے یہاں کبھی کبھی چلا جاتا ہوں۔ ورنہ سوائے گھر کے اور اللہ اللہ کے کوئی کام نہیں۔ تلامذہ سے بار بار کہا کہ اب دماغ کام نہیں دیتا مجھے چھوڑ دیجئے۔ وہ نہیں مانتے بخدا جناب یقین مانیں اب دماغ کی یہ نوبت پہونچ گئی ہے کہ املا یاد نہیں رہا۔ بعض وقت مسائل بھول جاتا ہوں۔ اگر مشق کافی نہ ہوتی تو شاید اصلاح بھی نہ دے سکتا۔ ایک تو کچھ آتا نہ تھا دوسرے بقول شاعر ع وہ بھی بھولے ہم ہاں جو کچھ کہ ہم کو یاد تھا۔

رئیس۔ واللہ جناب بالکل صحیح و درست فرماتے ہیں۔ زمانہ بدل گیا۔ ہمارے آپ کے خیال کے لوگ "تالکٹورہ کی کربلا" "امین الدولہ بہادر کی کربلا" اور دیگر مقامات پر جا کے موت کی گہری نیند سو رہے ہے۔ یہ بُرا وقت دیکھنے کو ہم آپ رہ گئے۔ میں بھی کہیں نہیں جاتا۔ حتی الامکان نہ تو کسی شادی میں جاتا ہوں، نہ دعوت میں۔ تہذیب کے بدلنے نے لکھنؤ کا خاتمہ کر دیا۔

ابھی مہینہ بھر کا عرصہ ہوا ایک دوست کے صاحبزادے کے یہاں دعوت میں گیا تھا۔ وہ کسی بڑے عہدے پر ملازم ہوئے ہیں کیا بیان کروں جو کچھ تکلیف دل کو پہونچی ہے۔ فرش تو زمین ہی کا تھا، میز کرسی نہ تھی۔ خدا معلوم کس مجبوری سے یہ صورت اختیار کی گئی تھی۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ میرے ہمخیال مشکل سے تین چار صاحب تھے باقی سب کوٹ، پتلون والے آڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ کیونکہ پتلون پُرانی تہذیب کے ساتھ بیٹھنے ہی نہیں دیتا۔ دوسرے یہ کہ ابھی دسترخوان چُنا بھی نہیں گیا تھا کہ کسی نے بسم اللہ کہی تھی کہ سب نے کھانا کھانا شروع کر دیا۔ میرے اُلٹے حواس جاتے رہے، پانوں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ تیسرے یہ کہ ایک پر ایک ہڈیاں کھینچ کے مار رہا تھا۔ کوئی کسی پر پیالی پھینکتا تھا۔ کوئی کسی کے آگے سے بوٹی اُٹھا لیتا تھا۔ کیا بیان کروں میرے حلق سے نوالہ نہ اُترتا تھا۔ مجبوری دکھانے کے لیے تھوڑی غذا بکراہت کر لی اور رنگ دسترخوان دیکھتا رہا کہ بغیر ایک نے دوسرے کا انتظار کیے اُٹھنا شروع کر دیا۔

میں اور میرے ہمخیال پُرانی تہذیب والے ایک دوسرے کو دیکھا کیے آخریں نے مجبوری اُٹھ کے ہاتھ، مُنہ دھویا اور بغیر پان کھائے واپس چلا آیا۔ اب طے کر لیا ہے کہ کہیں دعوت میں نہیں جاؤنگا

اُستاد۔ جناب بالکل بجا فرماتے ہیں۔ اب لکھنؤ رہنے کے قابل نہیں رہا انگریزی پڑھ کے دماغ کا توازن صحیح نہیں رہا۔ جناب میں تو دعا کرتا ہوں کہ خدا جلد عزت کے ساتھ اُٹھا لے (یہ کہہ کے ٹھنڈی سانس بھری)۔

رئیس۔ (مولانا کی طرف دیکھ کے) ہاں جناب۔ پھر ارشاد ہو؟

مولانا۔ بہت خوب۔ یہ کہہ کے غزل شروع کی۔ پہلے اپنا شعر پڑھتے تھے پھر اُستاد کی اصلاح پڑھتے تھے۔ رئیس واہ واہ کر کے جھومتے جاتے تھے اور اصلاح کی تعریف کرتے جاتے تھے۔ اُستاد جُھک جُھک کے سلام کرتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ کس قابل ہوں، مجھے خود مصرع بھی لگانا نہیں آتا۔ رئیس جواب میں کہہ رہے تھے کہ "کیا فرماتے ہیں جناب۔ اب ہے کون۔ آپ اُستاد گر ہیں"۔ اُستاد کہہ رہے تھے "سب جناب کا حُسنِ ظن ہے"۔ یہاں تک کہ غزل ختم ہوئی۔ رئیس نے مولانا کی بہت تعریف کی اور کہا کہ آپ کچھ ہو کے رہیں گے۔ بہت طبیعت دار ہیں۔ کیوں نہ ہو، آپ شاگرد کس کے ہیں۔

مولانا۔ (جُھک کے سلام کر کے) سب اُستاد معظم کا صدقہ ہے۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ملازم نے نہایت نفیس بسا ہوا حُقّہ رئیس کے سامنے لا کے لگا دیا۔ رئیس نے اُستاد کو سلام کیا۔ (یہ لکھنؤ کی پُرانی تہذیب ہے) خاصدان پیش کر کے ملازم پچھلے قدم کمرے سے باہر چلا گیا۔

اُستاد۔ جناب پان نوش فرمائیں۔

رئیس۔ حقہ خوشبو دے رہا ہے، دَم کھا چکا ہے، چار کش پی لوں تو پان کھاؤں کیونکہ مجھے ایک وقت میں دونوں چیزیں اچھی نہیں لگتیں۔ یا پان کھاتا ہوں یا حُقّہ پیتا ہوں۔ ایک بات قابل دریافت تھی خوب یاد آگئی۔ یہ فرمائیے کہ سطحؔ کا لفظ مذکر بولا جاتا ہے یا مؤنث۔

اُستاد ۔ قبلہ ، ہمیشہ سے تو یہی سنتا آیا کہ (وہاں کا سطح بلند ہے) اب بیرونجات کے طلبہ نے مدرسوں میں تعلیم پانے کے بعد مجالس کی خوانندگی شروع کی ۔ برابر یہی بولتے ہیں کہ (وہاں کی سطح اچھی ہے ، وہاں کی بُری ہے) کسی اُستاد نے مؤنث استعمال نہیں کیا میرے نزدیک مذکر ہے۔

رئیس ۔ کوئی مثال جناب کو یاد ہے ؟

اُستاد ۔ (قدرے سکوت کے بعد) جی ، خواجہ وزیر کے مطلع کا ایک مصرع یاد آگیا وہ یہ ہے ع

یوں روؤں آسماں سے ملے سطح آب کا

رئیس ۔ ایک تو آپ کے فرمانے پر ہی طے کر چکا تھا کہ لفظ سطح مذکر ہے کیونکہ جناب کا فرمانا قطعاً مستند ہے ۔ دوسرے مثال نے بالکل اطمینان دلا دیا ۔

اُستاد ۔ اور اساتذہ کے شواہد بھی پیش کر سکتا ہوں ۔ مثلاً حضرت مودب مدظلہ کے مرثیے کا مصرع ہے ۔ ع ہے سطح آب نہر کا لوح جبین نور

رئیس ۔ جی ، اب کسی مثال کی ضرورت نہیں ۔

مولانا ۔ (دست بستہ) حضور کا قطع کلام ہوا ۔ میں اب تک مؤنث سمجھتا تھا ۔ اس وقت مطلب صاف ہو گیا ۔ (یہ کہہ کے اُستاد کی طرف جوڑے ہوئے ہاتھوں کو موڑ کے) اجازت چاہتا ہوں ؟

اُستاد ۔ اچھا ، سدھاریے ۔

مولانا کھڑے ہو کے دونوں کو بہ ادب سلام کرتے ہوئے کمرے کے باہر چلے گئے اور بوٹ پہن کے پھاٹک سے نکل کے مدرسے کی راہ لی ۔ نہایت خوشی خوشی روانہ ہوئے ۔ تھوڑی دیر کے بعد مدرسے پہونچے ۔ کمرے میں داخل ہو کے کپڑے اُتارے ۔ پلنگ پر لیٹ کے مصرع طرح نکالنے لگے ۔

یہاں تھوڑی دیر کے بعد رئیس اُستاد سے رخصت ہوئے ۔ زمانے کو قیام نہیں دن گزرنے لگے ۔ وہاں نواب برابر قاری یعقوب علیخاں صاحب کے یہاں علم عروض پڑھنے جا رہے ہیں غزل تیار ہو چکی ہے کہ ہفتہ کے روز صبح کو نواب اپنی نئی غزل لیے ہوئے نہایت خوش و خرم؛

لکھنؤ کا پُرانی وضع کا مہین لباس پہنے ہوئے اُستاد کے یہاں پہونچ گئے۔ اُستاد کمرے میں بیٹھے ہوئے معیارالاشعار کا مطالعہ فرما رہے تھے ۔

نواب - آداب تسلیمات بجالاتا ہوں ۔

اُستاد - تسلیم - آیئے ، میں تو انتظار ہی کر رہا تھا ۔

نواب - حاضر، کہتے ہوئے سامنے بہ ادب بیٹھ گئے اور جیب سے غزل نکال کے پیش کی ۔

اُستاد - آپ ہی پڑھتے جایئے، میں بناتا جاؤں -

نواب - بہت خوب ۔

اصلاح نمبرا
غزل نواب
مطلع

دَم نکلتے وقت بل لو طالبِ دیدار سے (۱) ہے ہے دُنیا چھُٹ رہی ہے ہجر کے بیمار سے

اُستاد - یہ پتہ نہ چلا کہ کس کا دَم نکل رہا ہے - عاشق مر رہا ہے یا معشوق ؟

نواب - جی ، عاشق مر رہا ہے ، معشوق کیوں مرنے لگا ۔ حضور سمجھا بھی چکے ہیں ۔

اُستاد - (مُسکراتے ہوئے) خیر، ایک دن مرنا تو سب کے لیے لابُدی ہے لیکن آپ کا مطلع نہیں بتاتا ۔ دَم نکلتے وقت بل لو یعنے مرتے وقت بل لو۔ یہ نکلتا ہے واضح ہونا چاہیئے کہ کس کا دَم نکل رہا ہے ، کون مر رہا ہے - یہ سخت عیب ہے کہ واضح نہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ (ہے ہے) کا صرف بالکل زائد - یہاں کوئی تُک ہی نہیں۔ (ہے ہے) کے صرف کے مقامات خاص ہوتے ہیں جیسا کہ جناب تعشق کے مرثیے کی ایک بیت ہے جناب سیدالشہدا زبردست جنگ فرما رہے ہیں، فوج شام ہر چہار طرف سے حملہ کر رہی ہے - تیر، تلوار، نیزہ، برچھی کے زخم کھا رہے ہیں - فضہ؛ جناب سیدہؑ کی لونڈی جس نے گودی میں کھلایا اور محنت سے پالا ہے - وہ خیمہ سے نکل آئی ہے اور حسینؑ کی مجبوری و بیکسی کو دیکھ کے گھبرا کے کہتی ہے تعشق

فردوس کے میوے جسے آتے ہوئے دیکھوں — ہے ہے میں اُسے برچھیاں کھاتے ہوئے دیکھوں

زیادہ تر عورت کی زبان سے (ہے ہے) کا صرف اچھا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اساتذہ مستند لکھنؤ نے (ہے ہے) کا صرف مرد کے لیے جائز قرار دے کے بھی نظم کیا ہے۔ آپ یوں بدل دیجیے ؎

ختم ہے بل جاؤ آ کے طالبِ دیدار سے — آج دنیا چھوٹتی ہے ہجر کے بیمار سے

نواب۔ مطلع

دل نے ضد کی ہجر میں اُس غیرتِ گلزار سے (۲) رات بھر چمٹا رہا اُن کے گلے کے ہار سے

اُستاد۔ عجب ترکیب و بندش کا شعر آپ کہتے ہیں۔ مطلب ادا ہی نہیں ہوتا۔ دل کا ضد کرنا۔ پھر چمٹنا۔ یاد رکھیے۔ جو جہاں لفظ صرف کرنے کا ہوتا ہے وہیں اچھا بھی معلوم ہوتا ہے یہاں چمٹنا بالکل غیر فصیح۔ لپٹنا فصیح ہے۔ شعر مجموعی حیثیت سے نامکمل۔ یوں مصرع لگائیے ؎

دل ہلا پردے میں جا کے غیرتِ گلزار سے — رات بھر لپٹا رہا اُن کے گلے کے ہار سے

نواب۔ مطلع

گیسو کی بدلی گھری ٹپکا عرق رخسار سے (۳) خوب بھیگا پھول سا رُخ حُسن کی بوچھار سے

اُستاد۔ میں غالباً آپ کو سمجھا چکا ہوں پھر بھی یاد نہ رہا۔ آپ نے گیسو کا واؤ گرا دیا۔ مصرع ناموزوں ہو گیا۔ حروفِ اصلی کا گرنا صحیح نہیں۔ آپ عروض پڑھنے جاتے ہیں؟

نواب۔ جی، روزانہ جاتا ہوں برابر سبق ہو رہا ہے۔

اُستاد۔ پھر واؤ کیوں گرا؟ تقطیع کیجیے۔

نواب۔ ابھی بحور تک نہیں پہونچا۔

اُستاد۔ خیر۔ آیندہ آپ کو سمجھا دوں گا۔ یہ شعر تو کاٹ دیجیے۔

نواب یہ سمجھ کے لائے تھے کہ شعر بہت عمدہ ہے۔ مجبوراً بہت خوب کہہ کے شعر کاٹ دیا۔

نواب۔ مطلع

کروٹیں لے کے زمیں کہتی ہے کوٹے یار سے (۴) حشر آجانے کا ڈر ہے شوخیِ رفتار سے

اُستاد۔ یہ مطلع غنیمت ہے رہنے دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ مطلع

میرے دل کو چھین کے وہ گویا ہیں اغیار سے (۵) دیکھو کیسا لائے ہم پھول عشق کے بازار سے

اُستاد۔ آپ نے اس غزل میں مطلعوں کے انبار لگا دیے۔ یہ کوتھا مطلع ہے؟

نواب۔ جی، پانچواں مطلع ہے۔ ایک مطلع نظری ہوگیا۔

اُستاد۔ خوب۔ واقعاً دریا بہا دیے۔ آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے بیان کرنا ضروری ہے۔ پہلے مصرع میں (گویا) کا الف گر گیا۔ حرف اصلی کا گرنا ناجائز۔ یوں بدل دیجیے۔ (گویا) پہلے لائیے اور (وہ) بعد کو۔ لکھیے۔ مصرع یوں کیجیے۔ ع

میرے دل کو چھین کے گویا وہ ہیں اغیار سے

دوسرے مصرع میں بھی عیب بیّن موجود ہے وہ یہ کہ عین گر گیا لہذا ناموزوں ہوا۔ یوں بدل دیجیے ؎

میرے دل کو چھین کے کہتے ہیں یہ اغیار سے تو ڑ کے ہم لائے ہیں گل عشق کے بازار سے

نواب۔ شعر

ایک یوسفؑ شکل کی اُلفت نے دیوانہ کیا (۶) عشق کا سامان لائے حُسن کی بازار سے

اُستاد۔ پہلے مصرع میں یوسفؑ شکل نامناسب ہے۔ بہتر ہے کہ مصرع کو یوں کیجیے۔ ع

چاہ نے اک غیرتِ یوسفؑ کی دیوانہ کیا

چونکہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے دشمنی سے جو گیارہ تھے۔ حضرت یوسفؑ کو کنویں میں گرا دیا تھا اور باپ سے یعنے حضرت یعقوبؑ سے آ کے کہدیا تھا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا اُٹھا لے گیا۔ جناب یعقوبؑ اپنے فرزند یوسفؑ کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ حضرت یوسفؑ سب بھائیوں میں

بلکہ اُس وقت تمام جہان کے حسینوں میں ایک حسین تھے۔ اُسکے بعد تاجر لوگ کنوئیں پر آئے پانی بھرنا چاہا۔ ڈول ڈالا۔ حضرت یوسفؑ نے ڈول پکڑ لیا جب تاجروں کو معلوم ہوا کہ اس کنوئیں میں انسان ہے تو انھوں نے نکالا اور بازار مصر میں غلاموں کی صف میں لے جا کے بٹھایا۔ یوسفؑ بکے۔ بادشاہ مصر کے غلام ہوئے۔ زلیخا عاشق ہوئی جو زوجہ بادشاہ مصر تھی۔ مختصر یہ کہ حضرت یوسفؑ کے لیے چاہ کا لفظ بہت مناسب ہے۔ کیونکہ فارسی زبان میں چاہ کنوئیں کو کہتے ہیں اور چاہ کے معنے اُردو میں محبت کے ہیں۔ لہذا مصرع بہ نسبت پہلے کے زیادہ بہتر بھی ہو گیا۔

دوسرے مصرع میں (سامان لائے) کی جگہ سودا لائے بہتر ہوتا۔ سودا کا لفظ اسلیے بہتر ہے کہ پہلے مصرع میں دیوانہ کا لفظ ہے۔ دیوانہ سودائی ہوتا ہے۔ سودا بازار میں ملتا ہے۔ یوسفؑ کے لحاظ سے بازار بھی مناسب ہے کیونکہ حضرت یوسفؑ بازار مصر میں فروخت ہوئے تھے۔ لہذا سودا کا لفظ آنا بجائے سامان کے زیادہ اچھا بلکہ ضروری ہے۔

نواب ۔ سرکار، سامان اور سودے میں تو کوئی فرق نہیں؟

اُستاد ۔ سامان عام ہے۔ ہر شے کو سامان کہا جاتا ہے۔ سودا صرف کھانے پینے کی شئے وہ بھی جنس کہی جاتی ہے۔ درحقیقت رعایت لفظی یہاں مقصود ہے۔ سودا ایک خلط کا نام ہے۔ اخلاط چار ہیں۔ سودا، صفرا، بلغم، خون جن کی کمی و بیشی سے انسان بیمار ہو جاتا ہے منجملہ اُن کے سودے کی زیادتی دیوانہ بنا دیتی ہے۔ یہ سب مناسبات ضروری ہیں۔ یہ ترکیبیں پُرانی ہیں۔ شعر مکمل نہیں ہوتا جب تک رعایات و مناسبات کا لحاظ نہو۔ آجکل کی شاعری نہیں کہ بزم ہے تو شمع نہیں۔ دیوانہ ہے تو بہار و سودا وغیرہ کا تذکرہ نہیں۔ دن کا ذکر کرتے ہیں رات معلوم ہوتا ہے۔ رات کا تذکرہ کرتے ہیں دن معلوم ہوتی ہے۔ شمع کا ذکر کرتے ہیں پروانہ نہیں لاتے۔ بہرطور مصرع ثانی یوں بدلیے۔ ع

عشق کا لائے ہیں سودا حُسن کے بازار سے

نواب۔ حُسن کی بازار سے ؟
اُستاد۔ حُسن کی نہیں۔ حُسن کے بازار سے۔
نواب۔ لوگ تو بازار کی بولتے ہیں۔ جیسے راجہ کی بازار۔
اُستاد۔ بازاری لوگ بولتے ہیں۔ عوام کا اعتبار نہیں بازار قطعاً مذکر ہے۔ خدائے سخن حضرت تعشق مرحوم کے مرثیے کی ایک بیت کا دوسرا مصرع یاد آگیا جو گھوڑے کی تعریف میں ہے۔

ع گرم بازارِ اجل تھا تو اُڑا جاتا تھا

لہذا شعر یوں بدل دیجیے ؎

چاہ نے اک عزتِ یوسفؑ کی دیوانہ کیا   عشق کا لائے ہیں سودا حُسن کے بازار سے

نواب۔

شعر

گل کا دامن جیب ذرا سر کا ہوا سے باغ میں (۷) آسکے بُلبُل نے برابر کردیا منقار سے

اُستاد۔ یہ شعر کاٹ دیجیے (برابر کردیا منقار سے) کا ٹکڑا قدرے مذموم ہے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ بہت خوب۔

شعر

مجھ سے اہلِ دل نے جب پوچھا کہ کیوں بیمار ہو (۸) بے تحاشا دل پکار اٹھا کہ ہجرِ یار سے

اُستاد۔ دونوں مصرعوں میں لفظ دِل اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ یہ سُستی نظم کی علامت ہے جہاں تک ممکن ہو تکرار لفظ نہ ہونا چاہیئے۔ وہ اور مقامات ہیں جہاں تکرار بہتر معلوم ہوتی ہے مثلاً جناب صفیؔ مرحوم کا مطلع۔ اس میں (یہی) کی تکرار ہے لیکن کس قدر بھلی معلوم ہوتی ہے ؎

یہی خیال رہا ہم جو زہر کھا نہ سکے   یہی کہے گا زمانہ کہ ناز اُٹھا نہ سکے

لہذا مصرع یوں بدل دیجیے ؎

جب یہ اہلِ درد نے پوچھا ہے چہرہ زرد کیوں   بے تحاشا دل پکار اُٹھا کہ ہجرِ یار سے

دوسرا شعر پڑھیے۔ چاہتا ہوں غزل جلدی بتادوں۔ مجھے جناب عزیزؔ لکھنوی کے یہاں جانا ہے کچھ شاعر جمع ہوں گے۔

نواب۔ شعر

دے کے گردش مارڈالا اُس ستم ایجاد نے (۹) مفت لے لی جان تیغِ ابروئے خمدار سے

اُستاد۔ غنیمت ہے۔ رہنے دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ شعر

جو ادا تم نے دکھائی اُس نے فوراً جان لی (۱۰) ایک دل زخمی ہوا ہے تیر سے تلوار سے

اُستاد۔ دوسرا مصرع اچھا ہے۔ مگر مصرع لگا نہیں۔ تیر تلوار ثابت نہیں ہوئے۔ یوں بدل دیجیے۔ دیکھیے اب مصرع لگا ہے

قہر تھی تیغِ ادا آفت خدنگِ ناز تھا ایک دل زخمی ہوا ہے تیر سے تلوار سے

نواب۔ شعر

دین حق ہے، کفر باطل، صاف ہر دانہ کہے (۱۱) ہے خطا نسبت جو دے تسبیح کو زُنّار سے

اُستاد۔ غزل کا مذہبیات سے تعلق نہ رکھنا چاہیے آئندہ خیال رکھیے گا۔ یہ شعر بھی کاٹ دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ مقطع

ہو مبارک سلطنت شاہانِ دُنیا کو اُمیدؔ (۱۲) کام کیا ادنا فقیروں کو بھلا دربار سے

اُستاد۔ غنیمت ہے۔ (ادنا) کی جگہ (ہم سے) لکھ دیجیے باقی درست ہے۔ مجھے اجازت دیجیے کہ ضروریات سے فارغ ہو کے وقت پر پہونچ جاؤں۔

نواب اجازت لے کے سلام کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۱

اُستاد نے حمام کیا، کپڑے بدلے، وہی پُرانا لباس، ململ کا کرتہ، جامدانی کا انگرکھا، جالندھر ہزار والی چھالٹین کا پائجامہ، پٹّوں میں تیل لگا ہوا، دوپلی ٹوپی، پاؤں میں گھیتلا جوتا، گلے میں رومال بندھا ہوا روانہ ہوئے۔ پیچھے ملازم ساتھ ساتھ، وکٹوریہ گنج جناب عزیزؔ لکھنوی کے

دولتکدے پر پہونچ گئے۔ وہاں پہلے سے بلیغ لکھنوی، حکیم فدا احمد صاحب دانش لکھنوی، نواب پٹن صاحب ثروت لکھنوی، نواب مجن صاحب جویا لکھنوی، محمد صاحب بہار سکریٹری انجمن معین الادب لکھنو عیرہ وغیرہ تشریف فرماتھے اور انتظار ہو رہا تھا۔ جب کوئی جناب عزیز سے پوچھتا تھا کہ آپ نے کے بجے کا وعدہ لیا تھا تو فرماتے تھے کہ میں نے گیارہ بجے کا وعدہ لیا تھا۔ ابھی گیارہ نہیں بجے وہ وضعدار ہستی وقت پر پہونچ جائے گی۔ یکایک دیکھا سامنے سے تشریف لارہے ہیں۔ جناب عزیز نے کہا۔ دیکھیے وہ تشریف لارہے ہیں۔ سب نے کہا بیشک ٹھیک وقت پر تشریف لائے۔

جیسے قریب کمرے کے پہونچے سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تسلیمات بجالاتا ہوں، کورنش عرض کرتا ہوں، آداب بجالاتا ہوں کی صدا سے کمرہ گونج گیا۔ ادھر تشریف لائیے، یہاں جلوہ فرمائیے کی آوازیں، صدر میں سب کے نکلنے سے معافی مانگتے ہوئے فروکش ہوئے۔ اسکے بعد مزاج پرسی کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب نے اُستاد کا مزاج پوچھا۔ اُستاد نے سب کا مزاج دریافت کیا۔ پھر ایک نے دوسرے کو سلام کیا۔ جناب بلیغ نے حقہ بڑھایا، اُستاد نے کھڑے ہو کے سلام کرکے حقہ لیا اور پینے لگے۔ جناب عزیز نے دست بستہ مزاج دریافت کیا۔

اُستاد۔ الحمد للہ، بخیریت ہوں۔ پیرانہ سالی کا مرض ہے اور کیا عرض کروں۔

نواب بلیغ صاحب اور حکیم فدا احمد صاحب دانش نے فوراً کہا کہ یہی مرض حضور ہم کو بھی ہے کسی دوا سے فائدہ نہیں ہوتا۔

پورا مجمع اس لطیف مزاح سے ہنسنے لگا۔

اُستاد۔ اس کا علاج یہاں نہیں ہوگا۔ جنت میں ہوگا جب شباب پھر ملے گا۔

پھر سب اس جواب پر ٹھٹھا مار کر ہنسے۔

جناب عزیز۔ (اُستاد کی طرف دیکھ کے) آپ کے تشریف لانے سے قبل ایک زبردست بحث چھڑی ہوئی تھی۔ تمام شہر میں چرچے ہیں۔

اُستاد۔ جناب وہ کیا؟
حضرت عزیز۔ سُنا ہے کہ کسی دن نواب نبن صاحب رازؔ شاگرد جناب جاویدؔ نے اپنی ایک غزل اپنے گھر پدمحن صاحب تمنّا کو سُنائی اور نواب سید حضور عالم صاحب نواب بھی وہاں تشریف رکھتے تھے۔ اتفاق سے کسی شعر میں نواب نبن صاحب رازؔ نے (دار و مدار) صرف کر دیا تھا۔ پوری غزل سننے کے بعد تمنّا صاحب نے خاص لہجے میں یہ مشورہ دیا کہ (دار و مدار) غلط ہے نکال ڈالیے۔ چونکہ دونوں ایک ہی اُستاد کے شاگرد ہیں۔ نبن صاحب رازؔ کو سخت ناگوار ہوا اور تمنّا صاحب سے کہا کہ ابھی بچّہ ہو، کچھ دن اور اصلاح لو تو شاعری کے نکات سمجھ میں آئیں گے۔ تمنّا صاحب کبیدہ خاطر وہاں سے اُٹھ آئے۔ سُنا ہے کہ نواب حضور عالم صاحب بیٹھے رہے۔ تمنّا صاحب کے چلے جانے کے بعد رازؔ صاحب نے اس بات کی سخت کوشش کی کہ نواب صاحب کو سمجھا دوں کہ (دار و مدار) صحیح ہے۔

غیاث اللغات کھولی اور (دار) نکال کے پوری عبارت بجنسہٖ سنائی وہ یہ ہے:۔

(دار بمعنے مطلق چوب و درخت است و نیز چوبِ دراز سرکج کہ در زمین فرو بردہ دزداں و گنہ گاران را در گلو رسن بستہ بداں کشند و بعربی بمعنے خانہ و محلہ و سرائے از سراج و برہان و بہار عجم)

پھر حرف میم میں جلدی جلدی ڈھونڈھ کے لفظ (مدار) نکالا اور بجنسہٖ عبارت پڑھی:۔

(مدار جائے دور و جائے گردش از منتخب و معنے دائرہ و دورہ و حلقہ نیز آید)

دونوں عبارتیں سُنانے کے بعد کچھ فائدہ (دار) کی عبارت سے نکالا اور کچھ فائدہ (مدار) کی عبارت سے نکالا۔ انتہائی کوشش کی کہ (انحصار) کے معنے نکال لوں۔ پھر نواب صاحب رخصت ہو کے چلے آئے۔ اب جناب، لکھنؤ کے اساتذہ سے استفتے لیے جا رہے ہیں۔ کچھ تمنّا صاحب کی تائید کر رہے ہیں۔ کچھ نواب رازؔ صاحب کے ہمخیال ہیں۔

اُستاد۔ یہ فرمائیے کہ جناب کا کیا خیال ہے؟
جناب عزیز۔ میں اور جناب بلیغ صاحب اور جناب بہار صاحب اور جناب آتش صاحب

سب ہمخیال ہیں اور تمنا صاحب کا اعتراض بالکل درست ۔
اُستاد ۔ جناب حق کے ساتھ ہیں ۔ واقعاً (دار و مدار) بمعنے انحصار کسی صورت سے صحیح ہو ہی نہیں سکتا گو دار بھی فارسی مدار بھی فارسی ، واؤ عاطفہ بھی صحیح لیکن چونکہ اہلِ ہند نے (دار و مدار) بمعنے انحصار بولنا شروع کیا اسلیے درست نہیں کیونکہ اہلِ ہند کو فارسی زبان میں تصرف کا حق نہیں ہے چونکہ واؤ عاطفہ فارسی زبان کا ہے ۔ ہاں (دار اور مدار) کہنا صحیح ہوگا ۔ کیونکہ اُردو کا عطف (اور) ہے ۔ اگر (دار و مدار) صحیح مان لیا جائے تو (شور و غل ، بین ، جگر خراش) سب کو صحیح ماننا ہوگا ۔
تمام اہلِ صحبت ۔ جناب بجا فرماتے ہیں ۔ واقعاً صحیح ہے ۔ صاحب (دار و مدار) قطعاً غلط ہے ۔
اُستاد ۔ جی ، اور کیا ۔
جناب عزیز ۔ میں بھی جناب ہی کا ہمخیال ہوں ۔ مجھ سے دریافت کیا گیا تھا ۔ میں نے کہدیا کہ (دار و مدار) غلط ہے ۔

جتنی دیر یہ گفتگو ہوتی رہی جناب بہار سماور کی چائے تیار فرماتے رہے ۔ یہاں تک کہ چا تیار ہوئی ، نہایت خلوص سے سب نے چا پی ، حقّہ کا دور چلتا رہا ، برابر خاصدان میں پان آتے رہے ۔ دو بجے دن تک غزلیں پڑھی گئیں مختلف مسائل شعر و سخن پر گفتگو ہوتی رہی ۔ اُسکے بعد اُستاد نے اور سب نے جناب عزیز سے اجازت چاہی ۔ جناب عزیز نے دست بستہ سب سے زحمت کی معافی چاہی ۔ سب نے کہا " کیا فرماتے ہیں جناب اس قدر پُر لطف باتیں اور نایاب صحبت رہی ہے کہ شاید و باید " ۔ سب کھڑے ہو گئے ۔ جناب عزیز نے سب کو گلی تک آ کے رخصت کیا ۔ آداب عرض ، خدا حافظ ، فی امان اللہ کہہ کہہ کے سب رخصت ہوئے اور ایک دوسرے سے رخصت ہو کے اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے ۔

اُستاد نے اپنے گھر پر آ کے کپڑے اُتارے اور خاص کمرے میں آرام کیا ۔ لیکن خدا معلوم کیا بات ہوئی کہ کچھ حرارت سی ہو گئی ، مزاج نادرست ہو گیا ۔

دوسرے دن صبح کو استخارہ دیکھا جناب حکیم سید محمد قاسم صاحب مسیح الملک عرف جناب صاحب عالم صاحب مالک دواخانہ معدن الادویہ پر دا جب آیا۔ ملازم کو حکم فرمایا کہ دس بجے تک حکیم صاحب عالم صاحب کے یہاں چلوں گا، کہیں جانا نہیں۔ یہ فرما ہی رہے تھے کہ مولانا نئی غزل تیار کر کے تشریف لے آئے۔

مولانا۔ سلامٌ علیکم کہہ کے کمرے میں بیٹھ گئے۔

اُستاد۔ (علیکم السلام کہہ کے) میرا مزاج ایک ہفتہ سے ناساز ہے۔ میں آج غزل دیکھ نہیں سکتا غزل دے دیجیے جب میرا مزاج درست ہوگا تو دیکھ رکھوں گا۔ آٹھ دن کے بعد جب دوسری غزل لائیے گا تو یہ غزل لے جائیے گا۔

مولانا۔ بہت مناسب۔ غزل جیب سے نکال کے پیش کی۔

اُستاد نے غزل لے کے گاؤ کے نیچے رکھ لی۔

مولانا۔ خدا حضور کو شفائے کامل و صحت عاجل عنایت فرمائے (اجازت لے کے سلام کر کے رخصت ہو گئے)۔

اُستاد نے کپڑے پہنے، تانگہ بلوایا، ملازم کو ساتھ لیا، معدن الادویہ پہونچ گئے۔ حکیم سید محمد قاسم صاحب عرف صاحب عالم صاحب اور جناب مولانا مولوی سید احمد صاحب قبلہ اور دیگر عمائد مطب میں تشریف رکھتے تھے کھڑے ہو گئے، بہت عزت و احترام سے اپنے برابر بٹھایا، اہل مطب نے مزاج پرسی کی۔ تھوڑی دیر کے بعد حکیم صاحب نے اُستاد کا مزاج سامی دریافت فرمایا۔ اُستاد نے کل کیفیت مزاج بیان فرمائی۔ اُسکے بعد متعدد استخاروں کے بعد نسخہ تیار ہوا۔ اُستاد کی خدمت میں پیش کیا۔ اُستاد نے سلام کر کے نسخہ لیا، پرہیز دریافت فرمایا۔ حکیم صاحب موصوف نے مونگ کی دال، شلغم، لوکی، توری، پرول کھانے کو بتائے۔ چاول سے پرہیز تجویز کیا۔ اُستاد رخصت ہو کے اپنے ادب کدہ پر تشریف لے آئے۔ خاصہ تقلیل سے نوش فرمایا۔ تھوڑی دیر آرام فرما کے جو بیدار ہوئے تو قدرے مزاج درست پایا۔ گلی کی، پان نوش فرمایا اور مولانا کی غزل نکال کے سامنے رکھی۔

اور اصلاح دینی شروع کی ۔

اصلاح نمبر ۱۲

غزل مولانا

مطلع نمبر ۱

~~روح نکلی نہیں~~ مرنا ہوا مشکل مجکو ~~قتل کرنے پہ~~ جو دیکھا کیا قاتل مجکو
روح ٹھہری رہی ذبح کے بعد

مطلع نمبر ۲

~~منہ کو کیوں پھیرتا ہے جان کے سائل مجکو~~ ذبح کر ڈال ارے خنجر قاتل مجکو
ہوگا احسان نہ جا چھوڑ کے بسمل مجکو

شعر نمبر ۳

~~ضعف نے بڑھ کے خیالات کی ویرانی~~ ذرہ ذرہ نظر آنے لگا منزل مجکو
ضعف سے دشت نوردی میں ہوا یہ عالم

شعر نمبر ۴

دشتِ وحشت میں جو تھک جاتا ہوں چلتے چلتے ہو کے بیتاب بٹھاتا ہے مرادل مجکو

شعر نمبر ۵

~~قوتِ جذبۂ دل باعث صد فخر ہے تو~~ ~~اب~~ مشکل نظر آتی نہیں مشکل مجکو
سختیاں ہجر میں اسد جو اٹھائیں اے دل کوئی

شعر نمبر ۶

~~بعد منزل نے تغافل کا وہ ڈالا پردہ~~ دل کو میں ڈھونڈ رہا ہوں تو مرادل مجکو
ہے شب ہجر میں دزدیدہ نظر کا جو خیال ڈھونڈتا اور

شعر نمبر ۷

~~میرے گریہ نے کیا حشر میں سب کو غرقاب~~ ~~مل چکا ٹوٹا ہوا حشر میں جب دل مجکو~~
آہ کی دیر تک آنکھوں سے لگا کے رویا مل گیا حشر میں جب ٹوٹا ہوا

شعر نمبر ۸

~~جان~~ رخصت ہوئی یہ کہہ کے نہ دیکھا تم نے جو نکلنے میں ہوئی جسم سے مشکل مجکو
روح

شعر نمبر ۹

~~تشنگی عشق کے دریا میں ہوئی میری فنا~~ جب نظر آنے لگا سامنے ساحل مجکو
بحر الفت میں تشنگی زیست سے ہو مجھ سے دفا

شعر نمبر ۱۰

~~خوب~~ اندھیر کیا ڈال لی ظالم نے نقاب رُخِ روشن کی طرف دیکھ کے مائل مجکو
ارسے

شعر نمبر ۱۱

جن سے ملنے کی سدا منتیں مانیں ~~واشر~~ اب پنھاتے ہیں وہی طوق و سلاسل مجکو
اے دل

شعر نمبر ۱۲

دلِ بیتاب ~~رواں تھا سوئے نقطۂ عشق~~ دردنے اُٹھ کے بٹھایا سرِ منزل مجکو
خدا جانے کہاں لے جاتا

شعر نمبر ۱۳

شاید اُلفت پہ بھروسا ہی نہیں اُسکو شعار آزماتا ہے جو ہر بات پہ قاتل مجکو

غزل پُر اصلاح فرمانے کے بعد قلمدان میں غزل رکھی تھی کہ الہ آباد سے چلا ہوا خط نامہ بر نے لاکے دیا۔ لفافے کے سرنامہ پڑھا تو اُستاد ہی کے نام تھا۔ لفافہ چاک کیا تو ایک طولانی مضمون کا پرچہ نکلا جس کو اُستاد نے سن اول تا آخر پڑھا۔ مضمون حسب ذیل ہے:۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۲

عالیجناب معلی القاب جبل زماں حسان دوراں رشک عرفی و فخر نظیری دامت برکاتکم

پس از تسلیمات فدویانہ

فدوی کو حضور سے غائبانہ خلوص حاصل ہے۔ ایک مرتبہ مراد آباد کے اسٹیشن پر جناب کی زیارت سے مشرف ہوا تھا جس کو دو سال کا عرصہ ہوا۔ نیاز بھی حاصل ہوا تھا۔ اشتیاق زیارت تا حدِ کمال ہے۔ حضور چونکہ لکھنؤ کے مستند اُستاد و محقق و خاندانی ہیں اسلیے چند ایسے محاورات جن میں الہ آباد میں سخت اختلاف پیدا ہے۔ حضور سے دریافت کرنا چاہتا ہوں تاکہ خاطر جمعی

ہو جائے وہ یہ ہیں :-

(۱) جاتی دنیا - یہاں زمانہ گزرنے کے محل پر بولتے ہیں - (۲) جان ہے تو دنیا ہے -
(۳) گلابی جاڑہ کسے کہتے ہیں؟ (۴) جان ٹوٹنا - بولتے ہیں یا نہیں ؟ (۵) جگر پانی ہوا - محاورہ ہے یا نہیں ؟ (۶) جلاپا کس کی زبان ہے اور کیا معنے ہیں - مذکر ہے یا مؤنث - (۷) جم جم کس کی زبان ہے اور کیا معنی ہیں؟ (۸) جنور - جانور کی جگہ بولنا فصیح ہے یا نہیں - (۹) جھنڈے چڑھانا کے کیا معنے ہیں اور فصیح ہے یا نہیں ؟

جواب سے سرفراز فرما کے جناب شکر گزار فرمائیں - مزید اگر مثالیں تحریر فرمادیں گے تو زیادہ بہتر ہوگا - باہمی نزاع دُور ہو جائے گی ٹکٹ لفافہ میں موجود ہے حضور جواب مرحمت فرمادیں - فقط

سعیدالدین خاں اظہر

پتہ :- الہ آباد سٹی - محلہ چاندنی چوک نمبر ۱۴۴

خط پڑھ کے رکھ لیا - اسلیے کہ مزاج ناساز تھا - خیال کیا کہ کسی دوسرے وقت جب مزاج بالکل صحیح ہوگا تو جواب لکھوں گا -

ہفتہ کے روز صبح کو مزاج بحال پایا - بعد نماز و وظائف اپنے کمرے میں تشریف فرما ہوئے خیال آیا کہ خط کا جواب دے دوں - خط نکالا اور پھر پڑھ کے جواب حسب ذیل لکھنا شروع کیا :-

مخلص بندہ

تسلیمات - گو مزاج ناساز ہے مگر بموافق حکم تعمیل کرتا ہوں - میں اس قابل نہیں جو جناب نے میرے متعلق تحریر فرمایا ہے - مجھے صحیح غلط کا امتیاز نہیں - موزوں، ناموزوں سمجھنے کا سلیقہ نہیں - میں خود اس قابل ہوں کہ میرے کلام پر اصلاح دی جائے - جس ترتیب سے جناب نے سوالات لکھے ہیں اُسی ترتیب سے جوابات تحریر کرتا ہوں :-

(۱) 'جاتی دنیا' کے جو معنے جناب نے لکھے ہیں یعنے زمانہ گزرنا - میں نے آجتک کسی کو بولتے نہیں سُنا نہ لکھنؤ میں کوئی بولتا ہے - یہ معنے بالکل غلط ہیں - بلکہ 'جاتی دنیا' تعجب و استعجاب کے

محل پر بولتے ہیں جس کی امید نہ ہو وہ بات کسی سے ظہور میں آئے۔ مثال سے مطلب واضح ہوجائیگا لکھنؤ کے مسلم الثبوت اُستاد حضرت اسیرؔ کا مشہور شعر میرے معنے پر دال ہے۔ شعر

نبض بیمار جو اے رشکِ مسیحا دیکھی
آج کیا آپ نے جاتی ہوئی دنیا دیکھی

یہ شعر بتاتا ہے کہ پوچھنے والا نہایت تعجب سے پوچھ رہا ہے کہ آپ نے بیمار کی نبض پر ہاتھ ڈالا۔ بڑے تعجب کی بات ہے کیونکہ آپ ایسا خود دار اور نبضِ مریض دیکھے۔ ایسے ہی مواقع پر 'جاتی دنیا'، یا 'جاتی ہوئی دنیا' بولتے ہیں۔

(۲) 'جان ہے تو دنیا ہے' یہ لکھنؤ کا محاورہ نہیں۔ بلکہ اس محل پر 'جان ہے تو جہان ہے' بولتے ہیں۔ یعنے اگر اپنی جان رہی تو سب کچھ ورنہ دُنیا پر خاک ہے۔ مثال میں حضرت شوقؔ لکھنوی کا شعر تحریر کرتا ہوں جن کا کلام بحیثیت محاورات بالکل مستند۔ شعر

یوں بھی دیتا ہے کوئی اپنی جان
سب سمجھتے ہیں جان ہے تو جہان

(۳) 'گلابی جاڑا' ابتدائے سرما کو کہتے ہیں یعنے نہ گرمی ہو نہ تیز سردی بلکہ کچھ خنکی پڑنے لگی ہو۔ مثال میں مثنوی عروجِ الفت کا شعر یاد آگیا لکھے دیتا ہوں۔ شعر

ہوگیا تھا جو دن تداخل کا
پڑتا تھا کچھ گلابی جاڑا سا

(۴) 'جان ٹوٹنا'۔ اہلِ لکھنؤ کی زبان نہیں، یہ دہلی کا صرف ہے۔ لکھنؤ میں موجودہ دَور میں اس محل پر 'دم ٹوٹنا' بولتے ہیں۔ اہلِ لکھنؤ نے کبھی جان ٹوٹنا استعمال نہیں کیا۔ چنانچہ مجھ نا اہل کا شعر ہے سے

ہچکیوں سے مری تکلیف بڑھانے والے
دم مرا ٹوٹ چکا تھا کہ مجھے یاد کیا

اس محاورے کی عمر تقریباً دو سَو برس کی ہے جواب مفقود ہے۔ میر تقی میرؔ کا شعر بطور مثال پیش کرتا ہوں۔ شعر

دَو چار روز آگے چھاتی گئی تھی کوٹی
ہجراں کا غم تھا ایسا سختی سے جان ٹوٹی

(۵) 'جگر پانی ہونا' صحیح ہے، خاص زبان ہے، قدیم محاورہ ہے۔ یعنے انتہائی متاثر

ہو کے دل پر اثر لینا - چنانچہ شاؔد لکھنوی کا شعر بطور مثال پیش ہے - شعر

رو دیا کوئی، ہمارا پانی جگر ہوا ہے　　　اک چوٹ سی لگی ہے جب دل دُکھا کسی کا

(۶) 'جلاپا' - عورتوں کی زبان ہے، یہ لغت مردوں کے بولنے کا نہیں - اسکے معنے دشمنی، عداوت، بغض - جلاپا کا لفظ بصورت مذکر بولا جاتا ہے - چنانچہ نسیؔم نے گلزارِ نسیم میں یہ لغت مذکر استعمال کیا ہے - ؎

کافور سے جل اُٹھے سراپا　　　ٹھنڈی ہوئیں تھا جنھیں جلاپا

(۷) 'جم جم' - خاص عورتوں کے بولنے کا لغت ہے مرد قطعاً نہیں بولتے - 'جم جم' کے معنے اللہ مبارک کرے، ماشاء اللہ - چنانچہ شوؔق لکھنوی کا شعر ہے شعر

میری جانب سے یہ گماں، کیا خوب؟　　　جھوٹ جم جم سے ہے بہت مرغوب

(۸) 'جنور' - جانور کی جگہ بولنا بالکل غیر فصیح - لکھنؤ کے عوام دیہاتی جنور، جناور بولتے ہیں - فصحا صرف جانور استعمال کرتے ہیں - چونکہ کسی مستند اہل زبان نے یہ لغت صرف نہیں کیا اس لیے مثال پیش کرنے سے مجبور ہوں -

(۹) 'جھنڈے پر چڑھانا'، کے معنے شہرت دینا، مشہور کرنا، بلکہ بہت زیادہ مشہور کرنے کو۔ اعلان کرنے کو جھنڈے پر چڑھانا بولتے ہیں اس کا استعمال لکھنؤ میں دو طریقوں سے ہے - جھنڈے چڑھانا - شوؔق لکھنوی ؎

ارے بات کو یوں بڑھاتے نہیں　　　کہ مالک کو جھنڈے چڑھاتے نہیں

جھنڈے پر چڑھانا - جاؔن لکھنوی ؎

بانس منڈی سے تو پوشیدہ منگایا تعویذ　　　خوب جھنڈے پہ صنوبر نے چڑھایا تعویذ

چونکہ عورتوں کی زبان ہے اس لیے اُن کے اعتبار سے فصیح ہے - غزل وغیرہ میں استعمال کرنے کا یہ محاورہ نہیں، احتیاط لازم ہے - فقط

غیر معروف بقلمہ

خط لفافہ میں رکھا، پورا پتہ لکھ کے ملازم کو دیا ڈاکخانہ میں ڈال آؤ۔ ملازم خط لے کے چلا تھا
کہ نواب صاحب اپنی غزل لے کے تشریف لائے، آداب و تسلیمات بجالا کے بیٹھ گئے۔
نواب۔ حضور کا مزاج مبارک؟
اُستاد۔ بفضلہ اب تو ذرا اچھا ہوں، مزاج زیادہ ناساز ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی تک سوا مزاج کی
شکایت ہے حکیم صاحب نے کتب بینی کو منع فرمایا ہے۔ غزل دے دیجیے ابکی جو غزل نئی
کہہ کے لائیے گا میں اصلاح دے رکھوں گا لے لیجیے گا۔
نواب۔ بہت خوب کہہ کے غزل نکال کے پیش کر دی۔
اُستاد۔ (غزل لیتے ہوئے) صاف لکھی ہوئی ہے؟
نواب۔ جی، خوشخط لکھوا کے لایا ہوں۔
اُستاد۔ بہتر۔ آپ کے یہاں سب خیریت ہے؟
نواب۔ حضور کی دعا کی برکت سے خیریت ہے۔
اُستاد۔ کہیے، قاری صاحب کے یہاں عروض سیفی پڑھنے برابر جاتے ہیں؟
نواب۔ سوائے اُس دن کے جس دن اصلاح لینے یہاں آتا ہوں جیسے آج کا دن، روزانہ
پڑھنے جاتا ہوں۔
اُستاد۔ اب آپ کہاں تک پہونچے۔
نواب۔ چونکہ سبق تھوڑا تھوڑا ہوتا ہے اسلیے ابھی کچھ زیادہ کتاب ہوئی نہیں۔
اُستاد۔ پڑھے جائیے، کبھی نہ کبھی آ ہی جائے گا۔ انسان تھوڑا پڑھے اور یاد ہو جائے تو زیادہ
پڑھنے اور بھول جانے سے بہتر ہے۔
نواب۔ بجا ہے۔ (تھوڑی دیر خاموش بیٹھنے کے بعد اجازت لے کے رخصت ہوئے)۔
یہاں اُستاد نے خاصہ نوش فرمایا اُسکے بعد اپنے خاص کمرے میں بغرضِ آرام تشریف لے گئے
بارہ بجے سے چار بجے تک آرام فرماتے رہے۔ بیدار ہونے کے بعد وضو کیا، نماز پڑھی اُسکے بعد

بیٹھکے میں فرد کش ہوئے۔ طبیعت بہلانے کے لیے نواب کی غزل نکالی اور اصلاح دینی شروع کی۔ چونکہ نواب مبتدی شاگرد تھے اسلیے اصلاح دینے کے بعد ہر شعر کے نیچے جو غلطی تھی اُسکی صراحت بھی فرما دی۔ متقدمین کا یہی طریقہ تھا۔

اصلاح نمبر ۱۲

غزل نواب

مطلع نمبر ۱

انھیں لاکھ سمجھائیں سمجھانے والے ~~وہ ہیں اپنے عاشق کو تڑپانے والے~~
نہیں اپنی ضد سے وہ باز آنے والے

چونکہ مطلع میں ایطا ہے اسلیے دوسرا مصرع کاٹ دیا۔ سمجھانا اور تڑپانا ایک مطلع میں نہیں لاسکتے اسلیے کہ جس طرح فارسی میں (زریں۔سیمیں) لانے سے ایطا ہو جاتا ہے۔ زریں کا (زر) رہتا ہے اور سیمیں کا (سیم) اور زر اور سیم دونوں قافیے نہیں قرار پاتے۔ اُسی طرح یہاں مطلع میں سمجھانے کا (سمجھ) اور تڑپانے کا (تڑپ) رہ جاتا ہے لہذا قافیہ درست نہیں رہتا۔ گو اساتذہ متقدمین نے اُردو کے قوافی میں ایطا کو جائز رکھا ہے مگر میرے نزدیک اُردو کے قوافی میں ایطا کا پایا جانا حرام ہے۔ کوئی وجہ جواز کی سمجھ میں نہیں آتی۔ میں عیب میں کسی کی تقلید نہیں کرتا۔ مصرع ثانی بدل دیا۔

مطلع نمبر ۲

دلِ مضطرب تیرِ غم کھانے والے اگر جان ~~دے~~ دے نہیں آنے والے
تو بھی جا وہ

مطلع نمبر ۳

ترے غم ~~میں اور~~ دل کے تڑپانے والے گئے جان سے سیکڑوں جانے والے
عشق میں

چونکہ ایطا نہیں تھا اس لیے صرف اصلاح دیدی اور مطلع رہنے دیا۔ چند قوافی ایسے ہیں جن میں ایطا نہیں ہوتا مثلاً (آ۔ جا۔ کھا۔ پا۔ فرما۔ لگا) ان قوافی کے ساتھ کوئی

قافیہ بھی آئے گا صحیح مانا جائے گا۔ مثلاً (آ۔ اور تڑپا) صحیح۔ (بنوا)۔ (فرما) صحیح۔ (سمجھا)
(پا) صحیح۔ (لگا) کا چونکہ (لگ) باقی رہتا ہے اور وہ مہمل و بے معنی رہتا ہے۔ اسلیے لگا کو
مہمل سمجھتے ہوئے اساتذہ نے جائز قرار دے لیا ہے جبکہ الف کے قافیے کے ساتھ لائیں گے
صحیح رہے گا۔

شعر نمبر ۴

~~لگاتے ہیں دونوں طرف آگ دشمن یہاں آنے والے وہاں جانے والے~~

(دونوں طرف آگ لگانا) قدرے مذموم ہے اسلیے شعر نظری کر دیا۔ اور شعر میں کوئی
خاص بات بھی نہیں ہے۔

شعر نمبر ۵

ملا کے نظر تیر مارا جگر پر ~~ارے دشمن جاں~~ محبت دکھا کے ستم ڈھانے والے

چونکہ نظر ملا کے تیر مارا تھا۔ اسلیے (محبت دکھا کے) کا ٹکڑا ضروری تھا ورنہ مصرع نہ لگتا۔
(ارے دشمنِ جاں) سے کوئی خاص فائدہ نہیں۔

شعر نمبر ۶

ابھی میں پسِ مرگ ہوتا ہوں زندہ جو کہہ دے کوئی آ گئے آنے والے

شعر غنیمت ہے۔ رہنے دیا۔

شعر نمبر ۷

~~تمہارے لگا کے ہوئے عاشق پہ اشک~~ تجھے ان کے مرنے پہ آئے گا رونا غریبوں کو ہنس ہنس کے رُلوانے والے

چونکہ غزل بحرِ متقارب مثمن سالم میں ہے اور اس شعر کے پہلے مصرع میں زحاف قصر
واقع ہو گیا۔ قصر کی تعریف یہ ہے کہ سبب کے ساکن حرف کو آخر رکن سے گرا دیں اور ماقبل کو
ساکن کر دیں۔ جیسے مفاعیلن سے مفاعیل۔ اور فاعلاتن سے فاعلات اور فعولن سے فعول۔
بحر متقارب مثمن سالم کا وزن صحیح (فعولن فعولن فعولن فعولن) ہے اور مقصور کا وزن (فعولن فعولن
فعولن فعول) ہے۔ لہٰذا مصرع بدل دیا اسلیے کہ یہ ناجائز ہے کہ ایک مصرع سالم ہو اور ایک
میں زحاف ہو۔ ہاں اگر غزل بحر متقارب مثمن مقصور میں ہوتی تو پہلا مصرع رہنے دیا جاتا۔

قاعدہ یہ ہے کہ سالم ہو تو کُل مصرع سالم ہونا چاہیئے۔ مزاحف ہو تو کُل مصرعوں میں وہی زحاف لانا چاہیئے دوسرا زحاف بھی نہیں لا سکتے۔

شعر نمبر ۸

یہ بتلا دے کس ~~پہلوؤں میں بھروسے~~ کے سہارے جیوں میں — مرے دل کو پہلو سے لے جانے والے

بھروسہ کرنے کے ٹکڑے سے کوئی فائدہ نہیں تھا بلکہ زائد تھا اسلیے بدل دیا۔

شعر نمبر ۹

~~وہ وعدے پہ آئیں یہ ممکن نہیں~~ وہ کیا آج وعدے پہ آئیں گے لے دل — ~~سدا جھوٹ بولے~~ کبھی سچ نہ قسم کھانے والے

پہلے مصرع میں وہی عیب ہے۔ جو ساتویں شعر میں ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہاں پہلا مصرع مقصور تھا یہاں پہلا مصرع محذوف ہے یعنے زحاف حذف آگیا۔ چونکہ بحر سالم ہے اس لیے غزل بھر میں محذوف مصرع آ ہی نہیں سکتا لہذا بدل دیا۔

پہلے مصرع کا وزن ہے (فعولن فعولن فعولن فعل) زحاف حذف کی تعریف یہ ہے کہ سبب خفیف کو آخر رکن سے گرادیں جیسے (فعولن) سے لن گرادیں تو (فعو) رہ جائے گا اور (فعو) سکونِ لام کے ساتھ (فعل) کی طرف منقول ہو جائے گا۔ آئندہ خیال رہنا چاہیئے۔

دوسرے مصرع میں (سدا جھوٹ بولے) سے (کبھی سچ نہ بولے) زیادہ نرم ہے اسلیے بدل دیا

شعر نمبر ۱۰

مرا دل ~~یہاں سے لیے جا رہا ہے~~ لیے جاتا ہے اُس گلی میں — ~~جہاں سے واپس آتے نہیں~~ نہیں پھر کے آتے جہاں جا آنے والے

(لے جا رہا) کا ٹکڑا غیر فصیح، یہ زبان نہیں۔ بجائے اس کے (لیے جاتا ہے) بولتے ہیں۔

دوسرے مصرع میں تعقید ہے۔ (جہاں واپس آتے نہیں آنے والے) اس میں لفظ مقدم، مؤخر ہو گئے ہیں۔ (واپس آتے نہیں جہاں جانے والے) ہونا چاہیئے تھا۔ چونکہ یہ ترتیب ناموزوں تھی اسلیے موزوں مصرع بدل دیا۔ واپس کا لفظ اسلیے بدلا کہ یہ اب زبان میں داخل ہوا ہے۔ فصاحت کے مرتبے تک نہیں پہونچا، کچھ عرصہ جب استعمال کو گزر جائے گا اُس وقت واپس کا لفظ فصیح ہوگا۔

بجائے اُس کے (پھر کے آنا) بدلا۔

واقعہ

میاں جودت مرحوم شاگرد رشید حضرت عشق مرحوم کی ایک اصلاح شدہ غزل نظر سے گزری جس میں جناب عشق نے اصلاح فرمائی تھی۔ ایک شعر میں میاں جودت مرحوم نے واپس کا لفظ صرف کیا تھا۔ غالباً یہ مصرع تھا ع

آتا ہے نہ قاصد نہ جواب آتا ہے

تو حضرت عشق مرحوم نے واپس کے لفظ کو سُرخ لکیر سے گھیر کے نیچے سرخی سے لکھا تھا کہ واپس کا لفظ گو فارسی ہے مگر بالکل جدید اس لحاظ سے ہے کہ اُردو زبان میں ابھی داخل نہیں ہوا ہے۔ لہذا غیر فصیح۔

میں نے جب یہ غزل دیکھی تھی تو خیال ہوا تھا کہ اللہ ایسے محقق و محتاط ادیب بھی سرزمین لکھنؤ میں گزرے ہیں۔ جناب عشق مرحوم نے واپس کے لفظ کے نیچے (پھر کے) لکھ بھی دیا تھا۔ لہذا میں نے آپ کے یہاں سے بھی واپس کا لفظ نکال دیا۔ گو، اُس وقت کے اعتبار سے اِس وقت واپس کا لفظ بہت زیادہ بولا جاتا ہے مگر احتیاط بہت بہتر چیز ہے۔

شعر نمبر ۱۱

میں دَم توڑتا ہوں وہ دیکھیں گے کیونکر ~~خداوندا آئیں نہ اب~~ آنے والے
الٰہی نہ آئیں ابھی

(خداوندا) کا الف ندائیہ گر گیا مصرع ناموزوں ہو گیا اس لیے بدل دیا۔

قاعدہ

جب کوئی حرف تقطیع میں گرنے لگتا ہے تو ہمزہ جو ہمیشہ متحرک ہوتا ہے مابعد لاکے گرتے ہوئے حرف کو بچا لیتے ہیں۔ ہمزہ خود گر جاتا ہے اور اپنی حرکت ماقبل والے حرف کو دیدیتا ہے ماقبل والا حرف جو گرتا ہوتا ہے حرکت پا جانے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ جیسے مصرع ہے۔ ع

لے لیا نام جب اُس نے نکل آئے آنسو

اگر (جب) کے بعد ہمزہ نہ ہوتا یعنے کوئی دوسرا حرف ہوتا تو (جب) کی (با) ضرور گر جاتی جیسے مصرع ہے ع

لے لیا نام جب عالم نے تو آنسو نکلے

چونکہ ہمزہ کی جگہ عین تھا تقطیع میں گر گیا - بہرطور دو حروف سے ایک حرف گر گیا - اس لیے اصولاً گرتے ہوئے حرف کے بعد ہمزہ لاتے ہیں تاکہ حرف محفوظ ہو جائے - اب سوال یہ ہے کہ (خداوندا) کا الف ندائیہ جو ساکن بھی ہے اس کو (آئیں) کے ہمزہ نے کیوں نہ بچایا ہمزہ کی حرکت الف ندائیہ کو کیوں نہ دی گئی اور اگر الف ندائیہ کو گرا دیں تو کیا قباحت ہے؟ جواب یہ ہے کہ الف جو ہمیشہ ساکن ہوتا ہے کبھی حرکت قبول نہیں کرتا - ہمزہ خود گر کے حرکت ماقبل کو دیتا ہے الف میں صلاحیت نہیں کہ حرکت قبول کر سکے اسی سبب سے خداوندا کا الف ندائیہ اگر ہمزہ سے بچایا جائے گا تو الف خود گر جائے گا اور ہمزہ بچ جائے گا لہذا کسی طرح الف ہمزہ سے نہیں بچایا جا سکتا جیسے (میرزا) کا الف (خداوندا) کا الف ندائیہ (موسیٰؑ - عیسیٰؑ) کا الف وغیرہ وغیرہ -

شعر نمبر ۱۲

شب ہجر ہے کر لے دو ~~تین~~ چار باتیں　　　مرے دل مصیبت میں کام آنے والے

دو تین باتیں محاورہ نہیں - دو چار باتیں محاورہ صحیح ہے لہذا بدل دیا - ہمیشہ اختصار کے محل پر دو چار یا صرف دو یا صرف چار بولتے ہیں - جیسے دو دن کی زندگی - چار دن کی زندگی - دو چار باتیں - دو چار روز وغیرہ وغیرہ -

شعر نمبر ۱۳

~~پ فصل خزاں کی خبر دے رہے ہیں~~ خبر فصل گل کی مجھے دے رہے ہیں　　　مری بیڑیوں کے بدلوانے والے

ایک چیز سمجھا دینا بہت ضروری ہے وہ یہ کہ عاشق انتہائے عشق میں دیوانہ ہو جاتا ہے اور تکلیف اٹھاتے اٹھاتے، چلتے چلتے سوداویت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو انسان مجنون کی سی باتیں کرنے لگتا ہے - اسی سے اکثر عاشق سڑی ہو جاتے ہیں - یہ بھی قاعدہ ہے کہ

پاگل انسان دوسروں کو ایذا پہونچاتا ہے اور خود محسوس نہیں کرتا۔ عزیز دوست جب جنون انتہا کو پہونچتا ہے تو پاؤں میں بیڑیاں، زنجیریں پہنا دیتے ہیں تاکہ تکلیف نہ دے سکے۔ شعرا نے غزل میں یہ خیال قائم کیا ہے کہ معشوق اپنی بدنامی کے خوف سے عاشق مجنون کو قید کر دیتا ہے پا بہ زنجیر کر دیتا ہے۔ اور جب زنجیریں یا بیڑیاں پرانی ہو جاتی ہیں تو بدل ڈالی جاتی ہیں تاکہ سودائی یعنے مجنون بیڑیاں توڑ کے بھاگ نہ جائے۔ بالخصوص فصل بہار میں بڑی روک تھام کرنی پڑتی ہے کیونکہ مجنون کا جنون فصلِ بہار میں زیادہ ہو جاتا ہے اور فصلِ خزاں میں کم ہو جاتا ہے آپ نے اسی خیال کو نظم کیا مگر بجائے فصلِ گل یا فصل بہار کے فصلِ خزاں نظم کیا جو بالکل بے تعلق۔ بیڑیاں فصل گل میں بدلی جاتی ہیں۔ نہ فصل خزاں میں۔ لہذا مصرع بدل دیا کسی کا شعر ہے ؎

گیجیے سالگرہ فصلِ بہار آ پہونچی ۔۔۔ بیڑیاں پھر سے بدلوایئے دیوانوں کی

شعر نمبر ۱۴

~~مری جاں چلی~~ اور مری روح نکلی (مری نبض ڈوبی) ۔۔۔ نہ آئے مگر دل کے ٹھہرانے والے

ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ شاعر جہاں تک ممکن ہو بغیر ترکیب نون غنہ کا ضرور اعلان کرے، گو اعلان نہ کرنے میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔ مگر فصاحت اعلان میں ہے آپ نے جان کے نون کا اخفا کیا جو انتہائی برا معلوم ہوتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ جان جانا روح نکلنا دونوں کے معنے ایک لہذا ایک ٹکڑا بیکار۔ صرف اسلیے (مری نبض ڈوبی) بدلا کہ فصاحت پیدا ہو جائے اور مصرع صاف ہو جائے۔

شعر نمبر ۱۵

~~مری جان غم سے نکل جائے گی ۔۔۔ اسے غیظ میں زلف سلجھانے والے~~

اس شعر میں شعر نمبر ۹ والا عیب ہے اور کوئی خاص بات بھی نہیں لہذا نظری کر دیا۔

شعر نمبر ۱۶

~~مجھے تو نے تنہا و تنہا~~ (نہ تنہا و تنہا مجھے تو) رہا کر ۔۔۔ مرے ہمنوا پیسے ہیں مرجانے والے

(اکیلا) کا لفظ فصیح نہیں لہذا مصرع کے تین جز بدل دیے ۔

شعر نمبر ۱۷

نہ امید بھولے سے آئے لحد پر   جو احباب تھے روز کے آنے والے

مقطع میں کوئی عیب نہیں ۔ لہذا رہنے دیا ۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۲

اصلاح دینے کے بعد غزل تہ کر کے قالین کے نیچے رکھدی ۔ حقہ نوش فرمانے لگے کہ ایک پُرانے شاگرد ایک نئی غزل لیے ہوئے آگئے ۔ آداب تسلیمات بجالا کے سامنے بیٹھ گئے۔

اُستاد ۔ (تسلیم کہہ کے) کہاں آنا ہوا ؟

شاگرد ۔ میں نے سُنا تھا کہ حضور کا مزاج کچھ ناساز ہو گیا تھا خیال ہوا کہ چل کے استمزاج کرلوں ۔ اور چند شعر بھی عرض کیے تھے بغرض اصلاح لایا ہوں ۔

اُستاد ۔ یہ (استمزاج) آپ کیوں بولے ۔ کیا آپ کو میں نے سمجھایا نہیں ؟

شاگرد ۔ حضور نے مجھ سے تو اس کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا ۔

اُستاد ۔ خیر، سمجھیے ۔ استمزاج وزن پر ہے استفعال کے جو مصدر ہے ۔ اہل عرب نے مزج و مزاج جو خود مصدر ہے باب استفعال سے کبھی استعمال نہیں کیا ۔ کہیں عربی لغت یا عربی کلام میں اس لفظ کا وجود نہیں ۔ یہ اہل ہند کا ساختہ و پرداختہ لغت ہے ۔ استمزاج بولنے کے تابع حالت مزاج مراد لیتے ہیں کیونکہ باب استفعال کی خاصیت طلب ہے چونکہ اہل ہند کو کوئی حق نہیں حاصل ہے ۔ لہذا غلط ہے ۔ آیندہ یاد رکھیے گا ۔

شاگرد ۔ واقعی تنقید حضور ہی کا کام ہے ۔

اُستاد ۔ پھر آپ غلط بولے زبان عربی میں صرف نقد بولا جاتا ہے جس کے معنے پرکھنے کے ہیں ۔ باب تفعیل سے تنقید بنانا یہ اہل ہند کی ترکیب ہے جو لغت عربی میں کہیں نہ ملے گا۔

لہذا (تنقید) بھی غلط ہے لحاظ رکھیے گا ۔
شاگرد ۔ بہت خوب ۔ خدا حضور کو زندہ رکھے ہر مسئلہ کو کس قدر صاف کر کے مع وجوہات اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ مطلب آئینہ ہو جاتا ہے ۔
اُستاد ۔ کیا خوب، آج آپ تو قسم کھا کے آئے ہیں کہ حتی الامکان غلط الفاظ ضرور بولو گے جناب وجوہات کیا چیز ہے ؟
شاگرد ۔ (سر جھکا کے) سرکار، بڑے بڑے بولتے ہیں ۔
اُستاد ۔ جھک مارتے ہیں ۔ یہ کمبخت بازاری لوگ 'وجوہات وجوہات' بولا کرتے ہیں بلکہ بعض جاہلوں کو وجوہاتوں بولتے سُنا ہے ۔ جناب وجہ کے معنے ایک سبب وجوہ جمع ہے اسکے معنے بہت سے سبب ۔ اب عربی قاعدے سے (ات) بڑھا کے بولنا چہ معنے دارد ۔ یہ بالکل غلط ہے ۔ میں اسلیے ٹوک دیتا ہوں کہ خدا معلوم کب دنیا سے سفر کر جاؤں ۔ عمر طبعی کو پہونچ چکا ہوں ۔ آپ لوگ میرے بعد کسی کے پاس جانے کے محتاج نہ رہیں ۔
شاگرد ۔ حضور، مجھ کو بھی تحقیق کرنے کی لت ہے ۔ ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہوں ۔
اُستاد ۔ سبحان اللہ ۔ اب زبان بولنے لگے ۔ یہ جناب (لت) کے کیا معنے ؟
شاگرد ۔ لت کے معنے عادت کے ہیں ۔
اُستاد ۔ پھر آپ عادت کیوں نہ بولے ؟
شاگرد ۔ جناب فرما چکے ہیں کہ بڑا لفظ جہاں تک ممکن ہو نہ بولنا چاہیئے ۔ اُردو زبان کے نرم الفاظ استعمال کرنا چاہیئے ۔
اُستاد ۔ اس کے معنے یہ ہوئے کہ جتنے بازاری جاہلوں کے محاورات والفاظ ہیں وہ بھی بولنے لگیے ۔ واسطہ خدا کا کبھی ایسے الفاظ نہ بولیے گا ۔ فصحا، زبان اُردو بولنا حرام سمجھتے ہیں ۔ یہ مانا کہ اُردو زبان کا ایک لغت ہے ۔ لیکن پست طبقے کا آپ کی زبان سے جب دنیا سُنے گی تو سمجھے گی کہ فصیح ہے ۔ درآنحالیکہ غیر فصیح ہے ۔

شاگرد۔ معافی چاہتا ہوں، بڑی غلطی ہوئی۔
اُستاد۔ آج آپ اغلاط کے دریا بہا رہے ہیں۔ حضور، (غَلْطی) بسکون لام نہیں بلکہ (غَلَطی) بفتح لام بولیے اسلیے کہ لفظ غلط میں یائے زائدہ لگائی ہے کس قاعدے سے لام ساکن ہوا؟ جلدی میں پڑھے لکھے غلطی بسکون لام بول جاتے ہیں یہ خطا ہے۔
شاگرد۔ واقعتاً جناب درست فرماتے ہیں، زبان کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ یہ سب باتیں بُری صحبتوں کی شراکت سے ہوتی ہیں۔ ورنہ کبھی زبان نہ بگڑے۔
اُستاد۔ بخدا آپ کمال کر رہے ہیں میں بسبب بیماری کے کمزور ہو گیا ہوں مجھ میں اسوقت اتنا دم نہیں کہ برابر تقریر کیے جاؤں۔ آپ ہیں کہ غلط پر غلط بولے چلے جا رہے ہیں۔ کیوں صاحب، یہ لفظ (شراکت) کہاں سے آیا۔ مجھے آپ نے کبھی بولتے سُنا کسی لغت میں دیکھا؟
شاگرد۔ جی سب کو بولتے سنا۔
اُستاد۔ آپ خود تحقیق نہیں کرتے، اندھی تقلید سے کام لیتے ہیں گو (اندھی تقلید کا محاورہ میں خود غلط بولا) میں نے کبھی اپنے بزرگوں سے یا کسی کلام میں یہ محاورہ نہ سُنا نہ دیکھا خیر، بولتے سُنا ہے کے معنے یہ ہوئے کہ جہلا عوام (شرکاؤں) بولتے ہیں۔ آپ بھی بولا کیجیے۔ لوگ علماؤں کہتے ہیں، آپ بھی کہا کیجیے۔

شراکت قطعاً غلط ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کی تحقیق اس قدر محدود ہے۔ مطالعہ کیجیے۔ لغت دیکھیے۔ اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کیجیے۔ بولتے وقت یہ خیال رکھیے کہ صحیح بول رہے ہیں یا غلط۔ جب کسی وقت میں کسی قابل ہو جائیے گا۔ ورنہ میدان صاف۔
شاگرد۔ (نہایت شرمندگی کے ساتھ) بیشک قصور ہوا۔ آیندہ ضرور خیال رکھوں گا۔ اسلیے کہ میری ذہنیت دیگر شعرا کی طرح نہیں بدلی۔ میں اپنے کو حقیقتاً ہیچمدان ہی سمجھتا ہوں۔
اُستاد۔ آج آپ نے کس کی صورت دیکھی ہے۔ شاید کسی غلط گو کی شکل آپ نے دیکھی ہے جو برابر غلط الفاظ بولتے جا رہے ہیں۔ آج کے دن اگر آپ چاہیں تو زبان اُردو کے غلط الفاظ کا

ایک مختصر سا لغت تیار کر سکتے ہیں۔ خیر، کہاں تک سمجھاؤں۔
شاگرد۔ جی نہیں۔ حضور ضرور سمجھائیں، مجھے ناگوار نہیں ہوتا۔
اُستاد۔ کیا سمجھاؤں، میرا ضعف مجھ کو مجبور کیے دیتا ہے ورنہ دن بھر آپ ضرور بولتے اور میں سمجھائے چلا جاتا۔ سُنیئے (ذہنیت) جس کے معنے (دماغی کیفیت) یہ لفظ اہلِ ہند کا بنایا ہوا ہے۔ وزن مصدری قرار دیا ہے جو عربی زبان کا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ابھی بالکل نیا لفظ بنایا گیا ہے۔ کم سے کم پچاس سال گزرنے کے بعد شاید فصیح اور بولنے کے قابل ہوجائے ابھی قطعاً غلط ہے۔
شاگرد۔ بہت خوب۔ میں سمجھ گیا مگر بہ ادب ایک بات بحیثیت استفادہ عرض کرنا چاہتا ہوں جرأت نہیں ہوتی۔ حضور کا رعب مانع ہے۔
اُستاد۔ ضرور پوچھیے۔ کیا میں کچھ غلط بول گیا؟
شاگرد۔ اے معاذ اللہ۔ میری یہ مجال کہ میں کہوں حضور غلط بول گئے۔ صرف اپنے شک کو رفع کرنا چاہتا ہوں۔
اُستاد۔ بتائیے، کیا بات ہے؟
شاگرد۔ حضور نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ لفظ (ضَعف) ہے۔ ضاد کو زبر ہے۔ اس وقت سرکار بالضم (ضُعف) استعمال فرما گئے۔
اُستاد۔ آپ کا اعتراض واقعاً درست نہیں ہے کبھی تحقیقی دُنیا میں کس کا لحاظ و پاس نہ کیجیے گا ادب بغیر تحقیق نہیں آتا۔ ضعف بالفتح و بالضم دونوں طرح ہے۔ میں غلط نہیں بولا۔ ذہنیت کے متعلق تقریر کرتا ہوں غور سے سُنیئے۔ اس کے بعد مجھ میں بات کرنے کی شاید طاقت باقی نہ رہے۔

تقریر

زبان اُردو کیونکر بنی؟ ایرانیوں نے اپنے وطن مالوف کو ترک کر کے ہندوستان آباد کیا۔ ایران پر پہلی صدی سے عربی زبان کا غلبہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ مسلمان عرب بحیثیت فاتح

ایران میں داخل و قابض ہو گئے تھے مجبوراً دفاتر وغیرہ کی زبان بھی عربی ہو گئی تھی۔ چونکہ غلبہ عربیت ہو گیا تھا اسلیے مجبوراً ایرانیوں کو عربی لغات اپنی زبان میں شامل کرنا پڑے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانی زبان یعنے فارسی زبان عربی سے مخلوط ہو گئی۔ جب ایرانی ہندوستان آئے تو اپنی ایرانی زبان کے ساتھ لغات عربی بھی لائے۔ ہندوستان میں اس وقت تک خالص ہندو آباد تھے۔ برہمن، راجپوت، ٹھاکر وغیرہ قوموں کی آبادی تھی۔ ایرانی ہندی یا بھاشا سمجھنے سے عاجز تھے۔ ہندی، ایرانی زبان بولنے سے قطعاً قاصر تھے۔ تمدنی مجبوریاں حائل ہوئیں۔ ایک نے دوسرے کی زبان بولنے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ (اُردو) ہندی فارسی، عربی زبانوں کے مجموعہ سے معرض وجود میں آگئی۔ اسی کا نام اُردو زبان قرار پایا۔ جب اُردو زبان تیار ہوئی اور فارسی و عربی کے سہل المخرج الفاظ و محاورات زبان زد ہو گئے کچھ تو کثرت استعمال نے تغیر کیا یعنے نوعیت بدل دی مثلاً (لا ابالی) جس کے معنے (میں پرواہ نہیں کرتا)۔ اب لاُ اُبالی، اُس شخص کے لیے بولنے لگے جو کسی بات کا خیال نہیں کرتا۔ بعض الفاظ کے حرکات میں تغیر ہو گیا۔ مثلاً (گرِفتار) بکسر را، کو (گرَفتار) بفتح را بولنے لگے۔ (ضِرغام) بکسر ضاد کو (ضَرغام) بفتح ضاد بولنے لگے۔ (گلِعذار) کو (گلعُذار) یعنے بکسر عین کو بضم عین بولنے لگے۔ جب زبان پر قابو حاصل ہو گیا۔ اور سہولت سے عربی و فارسی لغات زبان پر جاری ہونے لگے تو اجتہاد شروع ہوا۔ (مزاج) سے (امتزاج) بنالیا۔ (نقد) سے (تنقید) بنالیا۔ اسی طرح (ذہن) عربی لغت ہے۔ (اذہان) جمع ہے۔ اُس سے (ذہنیت) بنالیا۔ اس خلاف قیاس ایجاد کو کیونکر صحیح کہا جا سکتا ہے لہذا آیندہ نہ بولیے گا۔ احتیاط بہت ضروری شے ہے۔ (عاجز ہو کے) غزل دے دیجیے کسی وقت دیکھ لوں گا آگے لے جائیے گا۔

شاگرد۔ بہت خوب۔ (غزل جیب سے نکال کے پیش کی)۔

اُستاد نے غزل لے کے قلمدان میں رکھ لی۔

شاگرد کھڑے ہو کے سلام کر کے رخصت ہو گئے ۔

اُستاد زنان خانے میں تشریف لے گئے، خاصہ نوش فرمایا، بعد غذا معجون نوش فرمائی، حقّہ پیا، پھر دیوان خانے میں تشریف لائے اور خاص کمرے میں آرام کرنے کی غرض سے تشریف لے گئے۔ تین بجے دن کو بیدار ہوئے، منہ ہاتھ دھویا، ملازم نے حقّہ سامنے لگا دیا۔ طبیعت درست ہو چلی تھی حسب عادت معمول سب کام انجام دیتے رہے۔ چوتھے روز خیال آیا کہ وہی شاگرد جو زبوں غلط پر غلط الفاظ بول رہے تھے اُن کی غزل دیکھ دوں۔ قلمدان سے غزل نکالی اور بنانی شروع کی ۔

غزل شاگرد

مطلع نمبر ۱

جب سے پر کاٹے گئے آئے ہیں ہم گلزار سے — ~~مٹ~~ (اُڑ) گئی ہے نیند چشمِ نرگسِ بیمار سے

کاٹنے کے لفظ سے کترے زیادہ فصیح ہے ۔ اُڑ گئی کا لفظ بہت مناسب اسلیے ہے کہ پر کترنے کا ذکر ہے ۔ اور نیند اُڑنا خاص اُردو زبان کا محاورہ بھی ہے ۔ حضرت آتش کا شعر ہے

سیل گریہ سے مری نیند اُڑی مردم کی — فکرِ بام و درد دیوار نے سونے نہ دیا

خواجہ وزیر کہتے ہیں ؎

یادِ چشمِ سرمگیں میں شب کو گر آتی ہے نیند — صورتِ مرغِ نگہ آنکھوں سے اُڑ جاتی ہے نیند

مٹ گئی کے لفظ سے ایک تو فائدہ نہیں دوسرے اہلِ زبان نہیں بولتے ۔

مطلع نمبر ۲

کچھ اشاروں میں وہ باتیں کر گئے بیمار سے — ~~مارا ہے حسام~~ (نزع میں) (آپ کے) ~~ابروئے خمدار سے~~ تیغِ ابروئے خمدار سے

غزل کے لیے لفظ حسام سے بہتر تیغ ہے ۔ (نزع میں) کے ٹکڑے سے تکمیل شعر ہو گئی ۔

مطلع نمبر ۳

~~کہاں ہیں کچھ کچھ کہتے ہیں وہ جب ہم اغیار سے — یا الٰہی خیر ہو غافل ہیں وہ خمار سے~~ (تم رہے)

'کان میں پھونکنا' یہاں پر صرف صحیح نہیں بلکہ نامناسب ہے۔ گو، دوسرا مصرع باعتبار
زمانہ گذشتہ یعنے آج سے تیس سال قبل درست ہے لیکن موجودہ دور کے اعتبار سے ایسے مصرع
غزل میں نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ رنگ شاعری بدل چکا لہٰذا مطلع بنانے کے بعد نظری کر دیا۔ مزید
یہ کہ پہلے مصرع کی ردیف بھی بدل گئی۔

شعر نمبر ۴

~~آئیے گلشن میں لیکن ڈال کر نہ پر نقاب ۳ رنگ پھولوں کا نہ کٹ جائے کہیں رخسار سے~~
ڈال کے

اگر قافیہ خنجر، دلبر ہو تو قباحت نہیں ورنہ درمیان شعر میں ہمیشہ بجائے (کر) کے (کے)
نظم بھی کیا کیجیے اور بولا بھی کیجیے (کر) سے (کے) فصیح ہے۔ شعر پست تھا کوئی خاص بات
نہ تھی اسلیے نظری کر دیا۔

شعر نمبر ۵

ہوگیا گھر (دل) میں چراغاں آگئی فرقت کی رات ۔ داغ روشن ہوگئے یادِ قمر رخسار سے

شعر میں سخت ضرورت لفظ دل کی تھی کیونکہ گھر میں چراغاں تو ہو سکتا ہے۔ لیکن داغ
روشن ہونا بغیر دل ناممکن لہٰذا لفظ دل بڑھا دیا۔ شعر واقعاً ایک لفظ کے تغیر سے بن جاتا ہے۔

شعر نمبر ۶

آئے وہ بہرِ عیادت ~~آنکھ جب بند ہوگئی~~ ۔ وائے قسمت اٹھ گئے محروم ہم دیدار سے
ہوگئی جب آنکھ بند

یا، بند کی (دال) گر گئی یا ہوگئی کی (ہا) گر گئی۔ بہرطور دو میں سے ایک حرف گر گیا۔
مصرع ناموزوں ہے لہٰذا تقدیم و تاخیرِ الفاظ سے مصرع بن گیا۔ تقطیع کر کے دیکھ لیجیے گا
ذرا سمجھ کے شعر کہا کیجیے۔

شعر نمبر ۷

ہر مہینے ~~آسماں پر دیکھنے آتا ہے چاند~~ ۔ اس قدر الفت ہے اُنکے ابروئے خمدار سے
دیکھنے آتا ہے گردوں پر ہلال

لفظ ہلال کی سخت ضرورت تھی کیونکہ رویت کے دن جہاں چاند ہوگیا کہتے ہیں۔
عورتیں (اوپر والا) ہوگیا کہتی ہیں۔ وہاں نظم کی شان رکھتے ہوئے ہلال کا لفظ بہت زیادہ
مناسبت رکھتا ہے کیونکہ ہلال تیسری تاریخ تک رہتا ہے۔ جب بڑھنے لگتا ہے تو
چاند کہتے ہیں۔

شعر نمبر ۸

جان لے لو دے کے جنبش ابروئے خمدار کو　　قتل میرا ہے اگر مدِ نظر تلوار سے

کوئی عیب نہیں تھا اس لیے رہنے دیا۔

شعر نمبر ۹

بے نقاب آئیگا گلشن میں جو وہ رشکِ چمن　　پھیکے پڑ جائیں گے گل عکسِ گلِ رخسار سے

یہ شعر بھی غنیمت تھا رہنے دیا۔

مقطع نمبر ۱۰

اے نظر اب تو نشیمن کا خیال آتا نہیں　　اس قدر مدت ہوئی چھوٹے ہوئے گلزار سے

اصلاح دینے کے بعد اپنے ضروری کاموں میں مصروف ہو گئے۔ انھیں لیل و نہار میں وہ دن بھی آ گیا کہ نواب ہفتہ کے صبح کو اپنی غزل بنوانے آ گئے۔ آج پھر اُستاد نے غزل لے کے رکھ لی اور فرمایا کہ ابھی مزاج ناساز ہے۔ اور اصلاح شدہ غزل دے دی۔ نواب رخصت ہوئے۔ بقول خدائے سخن میر تقی میر ؎

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے　　عمر یونہی تمام ہوتی ہے

دوسرا دن آ گیا اور مولانا اپنی غزل بنوانے آ گئے۔ آج بھی اُستاد نے غزل لے کے رکھ لی اور اصلاح دی ہوئی غزل دے کے فرمایا کہ اب جو اصلاح لینے آئیے گا۔ یہ غزل دیدوں گا۔ مولانا بھی سلام کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔ آج کے چوتھے روز صبح کا وقت ہے۔ سیاہ گھٹا آسمان پر پانی برسنے والا رنگ دکھلا رہی ہے۔ اُستاد کا مزاج صحیح ہو چکا ہے چھجے میں بیٹھے ہیں، ترشح ہو رہا ہے۔ مولانا کی غزل نکالی اور اصلاح دینی شروع کر دی۔

اصلاح نمبر ۱۴

غزل مولانا ۔ مطلع

ترس کھایا نہ کچھ تم نے مرے ~~اس قلب سوزاں پر~~　　سمجھتے تھے کہ ~~شب بھاری~~ ہے یہ بیمار ہجراں پر

حال پریشاں پر　　بھاری رات

مصرع اول میں زوائد ہیں "حال پریشاں" زیادہ فصیح اور نرم ہے مصرع صاف بھی ہو گیا دوسرے مصرع میں "شب بھاری" ہونا اساتذہ نے ضرور کیا ہے لیکن میرے نزدیک فصیح ترین (رات بھاری) کا محاورہ ہے جیسا کہ

اسیر لکھنوی

مرض عشق سے امید نہیں بچنے کی ‏ ‏ ‏ ‏ کل سے بھاری ہے مجھے اے دل زار آج کی رات

آتش لکھنوی

شرم ہے وہ شرمگیں آنکھیں جھکی جاتی نہیں ‏ ‏ ‏ ‏ رات بھاری ہو گئی ہے مردمِ بیمار کی

شب بھاری ہونا بھی اساتذہ نے نظم کیا ہے ۔

خواجہ وزیر

راحتِ جاں کہتے ہیں عشاق زلفِ یار کو ‏ ‏ ‏ ‏ ہے یہ وہ شب جو نہیں بھاری کسی بیمار کو

آتش لکھنوی

کیا کہیے کٹی کیونکر اے بُت شبِ تنہائی ‏ ‏ ‏ ‏ اللہ و غنی گاہے گہہ نعرۂ یارب تھا

میں نے شب بھاری کی جگہ صرف اس لیے رات بھاری بنایا کہ میرے نزدیک زیادہ فصیح ہے ۔

مطلع نمبر ۲

~~پڑھایا نام میں قاتل نے فہرست شہیداں پر ‏ ‏ لہو سے میرے تعزیے میں لکھا شمشیر عریاں پر~~

مطلع نظری کر دیا۔ ایک تو معنویت نہیں، دوسرے مقصد کما حقہٗ واضح نہیں ہوا، تیسرے (تعزیے میں لکھنے) کے بجائے (تعزیے لکھا) ہونا چاہیئے۔ (میں) زائد ہے۔ بہرطور مطلع میرے نزدیک درست نہ تھا کاٹ دیا۔

شعر نمبر ۳

فلک کو زلزلہ ہے اور تڑپ عالم کے ذرّوں میں ‏ ‏ ‏ ‏ رواں ہے خون میرا سر نہیں کوچۂ جاناں پر

تزلزل سے فلک کو ‏ ‏ ‏ ‏ دل میرا اذیت

(فلک کو زلزلہ) سے لفظ (زلزل) بلند ہے۔ (میرا خون) رواں ہونے سے (خونِ دل) زیادہ وضاحت کر رہا ہے۔ شعر محتاجِ لفظِ دل تھا۔

شعر نمبر ۴

کبھی تضحیک کر گیہ کبھی جینا کبھی مرنا شب غم شکلیں کیا کیا پڑیں قلب پُر ارماں پر
ہنسنا کبھی رونا

تضحیک کی جگہ اگر ضحک ہوتا تو بھی غنیمت تھا۔ بہرطور دونوں ثقیل۔ میں نے جو بنایا ہے اس سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ مصرع کتنا صاف اور نرم ہو گیا۔ بڑے الفاظ سے غزل کو بچانا چاہیئے۔

شعر نمبر ۵

نہیں سامان وحشت فصلِ گل سُننے میں کی ہے بھروسہ ہے مگر دستِ جنوں اپنے گریباں پر
آمدِ فصلِ بہاری ہے فقط

مصرع اولیٰ کا نظری ٹکڑا نامناسب تھا۔ بظاہر تو کوئی عیب نہیں لیکن سست و بیکار حصہ تھا۔ اس لیے (آمدِ فصلِ بہاری) بنا دیا کہ زور پیدا ہو جائے۔ مصرع ثانی میں (مگر) بالکل زائد تھا۔ اگر (مگر) کا لفظ باقی رہے تو دونوں مصرعوں کا تعلق باقی نہیں رہتا۔ لہذا لفظ (فقط) بنا دیا۔

شعر نمبر ۶

~~گیا ملکِ عدم تک اس طرح کرتا ہوا نالے مصیبت آگئی ہر ساکنِ شہر خموشاں پر~~

(گیا ملکِ عدم تک) میں (تک) کا لفظ زائد سا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ بھی نہیں پتہ چلتا کہ ملکِ عدم تک کیوں نالے کرتا ہوا گیا۔ آخر کیا مصیبت آگئی۔ چونکہ وجہ نہیں تھی اس لیے شعر کاٹ دیا۔

شعر نمبر ۷

عجب انداز سے صحرا میں مجکو موت آئی ہے ہے دل پر ہاتھ اک ہاتھ رکھا ہے گریباں پر
مجھ وحشی کو موت آئی

چونکہ شعر میں کیفیت جنون کا واضح کرنا مقصود ہے لہذا بغیر لفظ (جنون، وحشت) وغیرہ کے تکمیل شعر نہیں ہوتی تھی۔ وحشی کا لفظ بنا دیا۔ اب شعر بالکل مکمل ہو گیا۔ ان چیزوں کا خیال شاعر کے لیے بہت ضروری ہے۔

شعر نمبر ۸

نحیف ہو گئی تھی اس قدر طولِ اسیری سے میں چھٹ کے قید سے بیٹھا رہا ہوں بابِ زنداں پر
رہا ہو کے بھی میں تا ... بیٹھا

آپ کا مفہوم الفاظ شعر ادا نہ کر سکے خیال بہت نفیس لیکن ادا نہ ہو سکا۔ (تا دیر) کا ٹکڑا محبت (طولِ اسیری) کی کافی وضاحت کر رہا ہے۔ دیگر یہ کہ صاف بھی ہو گیا۔ اب مجموعی حیثیت سے شعر بہت اچھا ہو گیا۔

شعر نمبر ۹

~~نکلی~~ لاش مجھ ~~قیدی~~ کی آخر کس طرح کھلتا (نکلتی، وحشی، کیونکر) لگی تھیں زنگ کی مُہریں دہانِ قفلِ زنداں پر

(وحشی) کا لفظ ضروری تھا۔ (آخر) بے فائدہ تھا لہذا (کیونکر) کا لفظ جو نہایت ضروری تھا لکھ دیا۔ شعر مکمل ہو گیا۔

شعر نمبر ۱۰

~~نکلے یہ قفس میں اُڑنے کی حسرت رہی باقی~~ یہ سب روز تو موقوف تھا سیرِ گلستاں پر

قفس میں پھر نہ پر نکلے نہ کلیاں ہی کبھی پھوٹیں

مصرع اولیٰ صاف نہیں۔ (اُڑنے کی حسرت) یہ ٹکڑا بالکل زائد ہے۔ یہ مصرع جس طرح بدلا ہے یوں ہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ (پھر) کا لفظ اور (پر) اور (کلیوں کا نہ نکلنا) اِن چیزوں نے مطلب شعر کو کافی وضاحت دے دی۔ مکمل ہو گیا۔

مقطع

~~شعلہ اب دیکھتا ہے میری مایوسی کو اک عالم سے نگاہیں پھر رہی ہیں ساتھ خنجر کے رگِ جاں پر~~

مقطع بالکل نامکمل۔ مصرع پر مصرع نہیں لگا۔ لہذا نظری کر دیا۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۴

غزل دیکھنے کے بعد۔ چونکہ ابھی ضعف باقی تھا۔ راحت لینے کے لیے گاؤ پر لیٹ رہے۔ متفرق مسائل پر غور فرماتے رہے کہ وہی سعید الدین خاں الہ آبادی جن کا خط آیا تھا۔ اور دس سوالوں کا جواب مانگا تھا جس کا جواب دیا جا چکا تھا پھر ایک خط اُنھیں کا ڈاکیہ لے کے آ گیا اور سلام کر کے دے دیا۔ لفافہ لے کے چاک کیا۔ مضمون حسب ذیل تھا:۔

شاعرِ نازک خیال، ادیب بے مثال دام اللہ افضالکم

پس از تسلیمات فدویانہ معروض آنکہ فدوی کے عریضہ کا جواب حضور نے مرحمت فرمایا۔

بڑی عزت افزائی و بندہ نوازی فرمائی۔ کہاں تک شکریہ ادا کروں۔ خدا حضور کو زندہ سلامت رکھے۔ خدا سے امید ہے کہ جناب والا بخیریت ہوں گے۔ حضور نے اتنی جرأت دلائی کہ پھر عریضہ حاضر خدمت کر رہا ہوں۔ یہاں جتنے اختلافات تھے حضور کے جواب سے دُور ہو گئے اب کسی کو جائے دَم زدن نہیں اسلیے کہ مع مثال حضور نے جواب مرحمت فرمائے لیکن چند شکوک باقی ہیں جن کا رفع کرنا بہت ضروری ہے اور وہ حسب ذیل ہیں جوابات سے سرفراز فرما کے شکر گزاری کا موقع عنایت فرمائیے۔ معافی کا خواستگار ہوں۔ اتنا اور عرض کردوں کہ یہ شکوک و اختلافات چند ادبی ذوق رکھنے والوں میں ہیں جو واقعاً اُردو ادب کے خادم ہیں گویا ایک انجمن ہے جس کا سکریٹری میں ہوں:۔

(۱) 'بھرمار' کے کیا معنی ہیں اور یہ مفرد ہے یا مرکب؟ بالتوضیح جواب مرحمت ہو۔
(۲) 'شرابور' کے کیا معنے ہیں۔ فصیح ہے یا نہیں؟ (۳) 'رجواڑہ' کس زبان کا لغت ہے فصیح ہے یا نہیں؟ وضاحت سے جواب مرحمت ہو۔ (۴) لفظ 'رسم' لکھنؤ میں مذکر ہے یا مؤنث؟ اہل دہلی کا مسلک بھی اگر تحریر فرمادیں تو کمال احسان ہوگا۔ (۵) 'بری' کا لفظ کن کن معنے میں استعمال ہوتا ہے؟ بالوضاحت جواب مرحمت ہو۔

صرف پانچ سوال حاضر خدمت ہیں۔ جناب کی زحمت کے خیال سے اتنے سوالات پر اکتفا کی گئی ورنہ یوں تو شکوک بکثرت ہیں۔ اگر حضور کا حکم ہوگا تو آیندہ جرأت کروں گا۔ ٹکٹ اسلیے لفافہ میں نہیں رکھا کہ جناب نے منع فرمادیا تھا۔ منتظر جواب

سعیدالدین خاں اتھرا لہ آبادی

چونکہ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، پانی برس رہا تھا، خیال ہوا کہ جلدی جواب لکھ کے روانہ کردوں۔ حق بھی یہ ہے کہ ادیب کا دل نہیں مانتا۔ کاغذ نکالا، قلمدان کھولا، جواب لکھنا شروع کیا

مہربان و کرم فرمائے بندہ زاد لطفکم

محبت نامہ موصول ہوا، خدا کے فضل سے اب قریب بتندرستی پہونچ چلا ہوں، ادبی

ذوق نے مجبور کیا کہ بغیر تاخیر جواب دوں لہٰذا خط ملتے ہی جواب تحریر کیا۔ آپ آیندہ بھی سوالات فرما سکتے ہیں۔ جواب بالترتیب حسب ذیل ہیں :۔

(۱) 'بھرمار' کے معنے ہماری زبان میں زیادتی اور کثرت کے ہیں۔ عوام و خواص برابر بولتے ہیں۔ فصیح ہے۔ مشترک لکھنؤ و دہلی بھی ہے یعنے لکھنؤ والے اور دہلی والے دونوں بولتے ہیں۔ عورت و مرد میں مشترک ہے یعنے عورتیں اور مرد سب بولتے ہیں کسی صنف کی خصوصیت نہیں۔ 'بھرمار' مؤنث استعمال ہوتا ہے جیسا کہ آیندہ مثال سے واضح ہو جائیگا۔ اگر کوئی شخص غصہ میں کسی کو متواتر گالیاں دینے لگے تو جس کو گالیاں دی گئی ہیں اُسے کہنے کا حق حاصل ہے کہ تم نے گالیوں کی 'بھرمار' کردی یعنے بہت زیادہ گالیاں دیں۔

تحقیق

'بھرمار' کیوں اور کس لیے وضع ہوا ؟

"پرانے زمانے میں قلعوں پر جب حملہ ہوتا تھا تو اہل قلعہ دروازہ بند کر لیتے تھے۔ غنیم انتہائی کوشش کرتا تھا کہ فتح کرلوں۔ چنانچہ سرنگیں کھود کر باروت سے اُڑانے کی کوشش کی جاتی تھی، جب کوئی حصہ اُڑ جاتا تھا تو غنیم اندر داخل ہو جاتا تھا، قلعہ کی فوج زبردست حملہ کرتی تھی کہ دشمن آنے نہ پائے، سرداران لشکر برابر فوج اور سپاہیوں کو حکم دیتے تھے 'بھرمار' 'بھرمار'، بندوقچی خاص پیترے اور کینڈے کے ساتھ جلد سے جلد بندوق بھر لیتا تھا اور بغیر نشانہ تاکے بندوق مار دیتا تھا۔ بہت جلد جلد ان بندوقوں سے حملہ کیا جاتا تھا۔" دوسری چیز یہ ہے کہ

"حیدر آباد دکن میں جو عرب ترک وطن کر کے متوطن ہو گئے ہیں اُنکے شکار کھیلنے والی بندوق کو بھرمار کہتے ہیں۔ بالکل پُرانے طریقے کی بندوق ہے۔ پٹاس کے گولے جن میں کنکریاں ہوتی ہیں وہ نال میں بھرتے ہیں اور سلاخ سے کس کے چھڑاتے ہیں اور شکار کھیلتے ہیں۔

مثال بھرمار کے لفظ کی ہے

داغ

بھرے بیٹھے تھے کیا محفل میں یہ بھرمار کیسی ہے — مجھے تم دیکھتے ہی گالیوں پر کیوں اُتر آئے

اختر واجد علی شاہ بہادر، شاہ اودھ جنت مکاں کے پلٹنوں سے ایک پلٹن کا نام ہی بھرمار ہے۔ اُس پلٹن کو 'بھرمار پلٹن' کہتے ہیں۔ انھیں مرحوم کا شعر ہے ؎

کہ بھرمار پلٹن کے سالار ہیں — وہ آگے سے اب تک نمکوار ہیں

لہذا ثابت ہوا کہ 'بھرمار' مفرد بھی ہے، مرکب بھی ہے۔ غالباً وضاحت مطلب ہوگئی ہوگی۔

(۲) 'شرابور' کے معنے بالکل بھیگ جانے کے ہیں۔ 'تربتر' فصیح۔ رائج الوقت ہے۔ عام و خاص سب بولتے ہیں۔ عورت، مرد لکھنؤ کے برابر بولتے ہیں۔ اُردو لغت ہے 'شرابور' خاص لکھنؤ کا لغت ہے چنانچہ حضرت ناسخ کہتے ہیں ؎

خم سے برسات میں اسدجہ ہوا جوش شراب — ہوگئی بادۂ گلگوں سے شرابور گھٹا

یہ امر مسلم ہے کہ 'شرابور' خاص لکھنؤ کی زبان ہے۔ دہلی میں بجائے 'شرابور' کے اسی محل پر (شور بور) بولتے ہیں۔ دہلی میں (شور بور) فصیح ہے۔ عام و خاص سب بولتے ہیں۔ عورت، مرد سب (شور بور) کہتے ہیں۔ چنانچہ داغ دہلوی کہتے ہیں۔

ہولی کھیلی ہے تم نے کس سے آج — رنگ میں شور بور آئے ہو

(۳) 'رجواڑہ' سنسکرت کی زبان کا لغت ہے جس کے معنے 'ہندو راجاؤں کا ملک' راجہ کی عملداری۔ اب اُردو بھی ہے کیونکہ بکثرت زبانوں پر جاری ہے۔ لکھنؤ میں 'رجواڑہ' کہتے ہیں۔ دہلی میں 'رجواڑہ' کہتے ہیں۔ چنانچہ میر تقی میر کا شعر ہے ؎

لب ناخنوں سے چہرہ انچے اس صفا سے ہوں — رجواڑ تم نہیں ہو جو دیکھو ہنر کے تئیں

(۴) لفظ 'رتھ' لکھنؤ، دہلی میں کبھی بصورت تذکیر بولا گیا کبھی بصورت تانیث۔ دہلی میں غالباً ہمیشہ مؤنث ہی بولا گیا۔ چنانچہ مثالوں سے ذیل کی ظاہر ہو جائے گا:۔

آتش

دنیا سے رسم و راہ محبت کی اُٹھ گئی — سُنتے ہیں اب تو عاشق و معشوق ڈاب ہیں

داغ

آئے بن ٹھن کے مرے ماتم میں وہ — جبکہ رسم سوگواری اُٹھ گئی

پھر داغ کہتے ہیں ؎ — داغ

تم سے کیا شکوہ ہے گِلا اُس سے — جس نے رسمِ وفا نکالی ہے

امیر مینائی

پوچھو نہ اس زمانے میں الفت کا حال کچھ — اک رسم تھی قدیم سو موقوف ہو گئی

شوق

ادا اُس سے سب رسمِ الفت کیا — بہت رو کے ملکہ نے رخصت کیا

عروج الفت مثنوی

رسم پہنانے کا رچا لوں گی — اُسے اپنے ہی گھر بُلا لوں گی

صبا لکھنوی

راہِ عدم میں رسم نہیں پا تراب کی — ممکن نہیں رُکوں دمِ رحلت کسی طرح

مثالوں سے واضح ہوگیا ہوگا کہ کس کس اُستاد نے مذکر۔ اور کس کس نے مؤنث نظم کیا ہے۔

قولِ فیصل۔ موجودہ دَور میں رسم کو مؤنث بولتے ہیں۔ یہی صحیح بھی ہے۔

(۵) بَری، تین معنے میں اہلِ لکھنؤ بولتے ہیں ۔ (۱) 'بَری' (بَری سفیدی) یعنے چونا جو دیواروں کو سفید کرنے کے لیے پُوتا جاتا ہے۔ اس کی مثال اس وقت یاد نہیں ورنہ لکھ دیتا۔ چونکہ میں لکھنوی ہوں اور میرے دَور میں یہی بولتے بھی ہیں لہٰذا میرا لکھنا صحیح ماننے نہ لکھنے کی غالباً کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ (۲) 'بَری' کے معنے آزاد ہونے کے ہیں جیسے قید سے بَری ہوگئے یعنے آزاد ہوگئے۔ (۳) 'بَری' کے معنے علیحدہ ہونا، الگ ہونا۔ چونکہ میرا دماغ

تھک چکا ہے اس لیے کسی مستند استاد کا شعر یاد نہیں آتا۔ ایک زمانہ ہوا جب
مثنوی ہشت گلزار از اوّل تا آخر دیکھی تھی اُس کا ایک شعر یاد ہے ؎

تھا ہر اک عیب سے غرض عبری کہنی در کار د ہٹ نہ چھ نہ بری

۵) بُری :۔ ہندی لفظ۔ اسم۔ واحد۔ وَزن۔ ہَری۔ معنے۔ دیہاتی لوگوں میں سانچن کی
رسم کو بَری کہتے ہیں۔ یہ لغت فصاحت کے مرتبے پر فائض نہیں۔ عورتیں زیادہ بولتی ہیں
بالخصوص عوام۔

تشریح

شادی کے موقع پر یہ رسم یوں ادا کی جاتی ہے کہ عقد کتخدائی کے قبل بَری کی رسم ہوتی ہے
جس طرح اہلِ شہر سانچن کی رسم کرتے ہیں۔ "بَری" لڑکے والوں کی طرف سے جاتی ہے۔
دولتمند حضرات حسب ذیل صورت سے بھیجتے ہیں :۔
کپڑے کے جوڑے ۱۵ عدد۔ چوڑیاں لاکھ کی ۱۵ جوڑ۔ شکر ۱۵ سیر۔ لوٹے چونے
سے پُتے ہوئے مٹی کے ۱۵ عدد۔ ناریل پنّی منڈھے ہوئے ۱۵ عدد۔ میوہ ۱۵ سیر۔ بانس
کے ڈولوں میں، جو پھیلے ہوئے ٹوکروں کی طرح ہوتے ہیں اُن میں میوہ جاتا ہے۔ پازیب ایک جوڑ
ٹیکہ طلائی ایک عدد۔ سَن سر طلائی ٹکیاں جو دوپٹے کے کنارے پر ٹکی ہوتی ہیں۔ تھان سوا ۵ عدد
تھان آل ایک عدد۔ دوپٹہ کرکری ایک عدد۔ پائجامہ تافتہ کا ایک عدد۔ چکہ برائے پشواز
بقدر ضرورت :۔ مٹکی نقرئی دہی بھرا ہوا ایک عدد۔ مٹکی گلی دہی بھرا ہوا زندہ گڑھی مچھلیاں
بندھی ہوئی ایک عدد۔ کنگن میراثن کے ایک جوڑ۔ کنگن نائن کے ایک جوڑ۔ جوڑا مالن ایک عدد
کنگن چوڑی والی ایک جوڑ۔ افشاں بقدر ضرورت :۔ مِسّی۔ چُونا۔ عطر۔ گلاب۔ کیوڑا۔
پھولوں کا گہنا۔ سہرا۔ کلاوہ ۱۱ تار۔ چاندٹیکی وغیرہ کاغذ کی ایک عدد۔
بہ لحاظ طول اختصار کیا ورنہ لکھتا کہ عزبا کے یہاں کیا کیا جاتا ہے۔ ہوتا سب کچھ ہے

مگر مختصر بسبب ضعف اختصار پر نظر کرکے عریضہ حاضر کر رہا ہوں۔ فقط

غیر معروف

خط لفافہ میں رکھ کے ملازم کو دیا کہ ڈاک خانہ میں ڈال آئے۔ اُٹھ کھڑے ہوئے، زنان خانہ میں تشریف لے گئے، خاصہ نوش فرما کے آرام فرمایا۔ چار بجے برآمد ہوئے، چمن میں کرسی پر بیٹھ گئے اور چمن کو ملاحظہ فرمانے لگے۔ شام تک باہر رہے، گیارہ بجے رات کو زنان خانہ میں تشریف لے گئے۔ صبح کو برآمد ہوئے، بیٹھکے میں فروکش ہوئے۔ نواب کی غزل یاد آگئی نکال کے بنانا شروع کی۔

اصلاح نمبر ۱۵

غزل نواب

مطلع نمبر ۱

~~میں نے~~ محشر میں جو سوئے رُخ قاتل دیکھا ~~قتل کرنے پہ ستمگار کو مائل دیکھا~~
ہنس کے ‏ ‏ ‏ بھی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ اے مرے پاس ادب تو نے مرا دل

چونکہ مطلع میں الف تاسیس کی قید ہے یعنے قاتل، مائل اور غزل میں مشکل، دل وغیرہ قوافی ہیں۔ لہذا مطلع میں قید تاسیس درست نہیں۔ مطلع میں ایک قافیہ الف تاسیس کا اور دوسرا قافیہ بغیر تاسیس جیسے دل، منزل، وغیرہ کا ہونا چاہیئے یا پوری غزل حاصل، جاہل وغیرہ قید تاسیس کرکے کہنا چاہیئے لہذا مطلع میں ترمیم کردی۔

شعر نمبر ۲

آج ~~مُردے پہ مرے روتے~~ ہو ہنستے تھے کبھی ~~دے گئے~~ داد وفا صبر کا حاصل دیکھا
روتے جو مری لاش پہ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ مل گئی

مُردے پر رونے سے زیادہ فصیح لاش پر رونا ہے۔ بعض محل ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں مُردے کا لفظ فصیح ہوتا ہے۔ یہاں غیر فصیح (دے گئے) سے (مل گئی) کا لفظ صاف ہے۔

شعر نمبر ۳

~~آپ کا نور نگاہوں میں بھرا تھا اتنا~~ ~~ڈال دنیا پہ نظر ہم نے بشکل دیکھا~~

آپ کے جلوے بھرے تھے اتنے ہم نے دیکھا بھی تو دنیا کو

(نور بھرنا) بے معنے ہے اسلیے جلوہ بنایا۔ دوسرے مصرع میں (تو) کی ضرورت تھی جس کے بغیر مطلب نا تمام تھا۔ غزل میں زیادہ شعر کہا کیجیے تاکہ مشق بڑھ جائے۔

شعر نمبر ۴

خوف بجھنے کا جو تھا رات مصیبت میں کٹی ~~جو~~ چراغ شب ہجراں تو کبھی دل دیکھا

دوسرا مصرع (گہہ) کا محتاج تھا کیونکہ مصرع کے دو حصے تھے۔ دوسرے مصرع میں کبھی کا لفظ تھا لہذا (گہہ) یا (گاہ) یا (کبھی) پہلے ٹکڑے میں ہونا لازمی تھا لہذا بنا دیا۔

شعر نمبر ۵

ہم وہ رہرو ہیں کہ ~~اک دن بنایا سرپا~~ ~~ہم نے اک دن~~ نہ چراغ سر منزل دیکھا

شرمندہ احسان ہوئے بھول کے بھی

پہلے مصرع میں (اک دن) کا لفظ دوسرے مصرع میں پھر (اک دن) یہ تکرار غیر مفید کیا بلکہ بعید از فصاحت۔ ایسے زوائد سے شعر مبرا ہونا چاہیئے۔

شعر نمبر ۶

جو نہیں کو یہ سمجھتا ہو کہ ہاں کہتے ہیں اُس کو دُنیا میں نہ ہوتے ہوئے قائل دیکھا

شعر غنیمت ہے۔ رہنے دیا۔

شعر نمبر ۷

~~کبھی تخئیل پہ ہوتا ہے نتیجے کا حصول جس کو آسان نہیں سمجھا اُسے مشکل دیکھا~~

شعر بے معنے ہے کاٹ دیا۔

شعر نمبر ۸

حشر تک ~~سب کے~~ ~~یہ اک خوف رہے گا طاری~~ ~~غیر سے کہہ کے~~ ~~نے~~ کیوں دیدۂ بسمل دیکھا

یاد رہے گی نگہ عالم یاس آپ نے غور سے

پہلا مصرع ظرافت کے رنگ کا تھا۔ غزل سے کوئی ربط نہ تھا اس لیے بنا دیا۔

دوسرے مصرع میں ترتیب و نشست الفاظ درست کر دی ۔

مقطع نمبر ۹

نقص امید ہے دنیا میں ہر اک چیز کا جزو ~~جھوٹ ہے جو کہے ہم نے سب کامل دیکھا~~ کون کہتا ہے کہ

غزل کے شعر بہت کم ہیں آیندہ کوشش کیجیے کہ شعر زائد ہوا کریں ورنہ عمر بھر مشق شعر و سخن سے نا امید رہنا چاہیے ۔ میں نے غزل بنا تو دی لیکن اگر بارہ شعروں سے اکی غزل کم ہوگی تو اصلاح میں دشواری ہوگی ۔ خیال رکھیے گا ۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۵

اصلاح دے کے غزل قلمدان میں رکھ دی اور کتاب مطول اٹھا کے بغرض مطالعہ ورق گردانی شروع فرمائی تھی کہ ایک شاعر مزاج کو دیکھا یہ تھا کہ مجھ سے بہتر شعر کہنے والا روئے زمین پر کوئی نہیں تشریف لے آئے ۔ آتے ہی سلام علیکم کہا اور پاس بیٹھ گئے ۔

اُستاد ۔ علیکم السلام کہہ کے) تشریف لائیے ۔ اور بسم اللہ کہنا چاہتے تھے کہ وہ پہلے ہی بیٹھ چکے تھے ۔ استاد کو ان کی ہیئت کذائی پر سخت حیرت تھی ۔ سفید بال یعنی بے تحاشا نوں تک بڑھے ہوئے ۔ ریش چہرے پر جس پر برابر پان کی پیک کے دھبے ، رال بہتی ہوئی ، گریبان کھلا ہوا ۔

مہمان ۔ (گھبراتے ہوئے لہجے میں) جناب ، کا وقت تو میرے آنے سے خراب نہیں ہوا ؟

اُستاد ۔ جی نہیں ۔ آپ نے کلبۂ خانہ کو رونق بخشی جو باعث مسرت ہے ۔ تشریف رکھیے ۔

مہمان ۔ میں نے سنا ہے کہ جناب سے بہتر اب لکھنؤ میں کوئی ادب داں شاعر نہیں ہے ؟

اُستاد ۔ استغفراللہ ۔ مجھے صحیح غلط کی بالکل امتیاز نہیں ۔ مکمل شعر عرض کرنا نہیں جانتا ۔ دوسرے یہ کہ بسبب پیرانہ سالی کے جو کچھ یاد تھا وہ بھی بھول گیا ۔

مہمان ۔ جناب کی تعریف میں نے ملکوں ملکوں ، شہروں شہروں میں اساتذہ فن سے سنی ہے ۔

مگر جناب میں اپنے متعلق یہ عرض کرتا ہوں کہ فدوی کے تقریباً چار سو شاگرد ہیں، کل اصناف نظم پہ اصلاح دیتا ہوں ۔ (غزل ۔ قصیدہ ۔ رباعی ۔ قطعہ ۔ قطعہ تاریخ ۔ مرثیہ ۔ نظم) سب پہ قادر ہوں ۔ سیکڑوں کو استاد بنا دیا ۔ بڑی محنت و ریاضت کے بعد آج اتنی تعلّی کر رہا ہوں ۔ دس سال کا بل گھر سے نہیں نکلا، نظم کر کر کے پھاڑ کے پھینکا ہے ۔ بوروں میں ردّی دریا بُرد کرائی ہے ۔ مجھ سے بڑے بڑے اُستاد بات کرتے گھبراتے ہیں ۔ علم عروض نوک زبان کئی لاکھ اُردو اساتذہ کے شعر یاد ہیں ۔ تین دن میں مرثیہ کہتا ہوں ۔ بات کہتے غزل و قصیدہ تیار کرتا ہوں ۔ لکھنؤ کے عورت، مرد سب کے محاورات پر قادر ہوں ۔ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ محاورہ کیونکر بنا، کون بولتا ہے؟ ایک ایک لفظ کے متعلق صحیح و غلط کی تحقیق کی ہے ۔ میں جہاں بھی جاتا ہوں، سوائے تحقیق زبان کے دوسرا کام نہیں ۔

اُستاد ۔ بجا ہے ۔ واقعاً جناب با اوصاف بزرگ ہیں ۔ اُستاد ہیں ۔

مہمان ۔ جناب اپنا کچھ کلام سنائیں؟

اُستاد ۔ میرا کلام اس قابل نہیں جو کسی اُستاد کے سامنے پیش کیا جائے ۔

مہمان ۔ جناب یہ ناممکن کہ میں بغیر سُنے چلا جاؤں ۔

اُستاد ۔ آپ اپنا کلام سُنائیں نہایت شوق سے سُننے کو تیار ہوں ۔

مہمان ۔ میری ضد ہے، سُنائیے اور ضرور سُنائیے ۔

اُستاد ۔ آپ مجبور فرماتے ہیں ۔ چند شعر ایک غزل کے عرض کیے دیتا ہوں ۔

مطلع

عرض کیا ہے ؎

دزدیدہ اک نظر مرے پہ سے پہ ڈال کے ۔۔۔ آنکھوں کی راہ لے گئے دل کو نکال کے

مہمان ۔ بخدا بُرا نے ڈھنگ کا کیا شعر سُنایا ہے ۔

اُستاد ۔ مطلع سُنایا ہے ۔

مہمان - جی ہاں - مطلع، ایک ایک حرف نگینہ ہے۔ (دزدیدہ) لفظ لاجواب کس قدر حفظ مراتب ہے۔ واقعاً جناب بزرگوں کی یادگار ہیں۔ اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ ایک بات عرض کروں؟

اُستاد - ضرور۔

مہمان - دوسرے مصرع میں (دل کو) کا ٹکڑا ہے۔ اس میں (کو) زائد معلوم ہوتا ہے؟

اُستاد - ضرور زائد ہے۔ مگر جناب والا اگر ایسے زوائد سے احتیاط کی جائے گی تو اُردو میں شعر کہنا دشوار ہو جائے گا۔ یہ زائد نہیں ہے بلکہ تخصیص ہے۔ یعنے (جگر، پھیپھڑا) نہیں لے گئے بلکہ دل کو نکال کے لے گئے، اگر جناب یہ (کو) زائد ہے تو آتش کے یہاں بھی زائد ہے۔

آتش

جو چاہے سو مانگ آتش درگاہ الٰہی سے   محروم کبھی پھرتے دیکھا نہیں سائل کو

بس اس قدر کافی تھا کہ سائل محروم پھرتے کبھی نہیں دیکھا۔ اگر اس مثال سے جناب کی خاطر جمعی نہ ہوئی ہو اور آپ یہ فرمائیں کہ (کو) زائد نہیں معلوم ہوتا تو دوسری مثال ملاحظہ ہو۔

آتش

تماشا دیکھتا ہوں گھر میں بیٹھے ہفت کشور کا   بنایا ہے مرا دل توڑ کر جام جہاں بیں کو

ملاحظہ ہو (کو) بالکل زائد ہے یا نہیں؟ دوسری بات اور ملاحظہ ہو وہ یہ کہ آپ نے میرے یہاں مطلع میں حرف (کو) کو زائد فرمایا تھا۔ جناب عالی (گھر میں بیٹھے) کا ٹکڑا بھی ملاحظہ کیا؟ محاورہ ہے (گھر بیٹھے) اور صرف کیا ہے (گھر میں بیٹھے) (میں) زائد ہے یا نہیں؟

مہمان - واقعاً جناب میرا اعتراض غلط تھا۔ آپ صحیح فرماتے ہیں۔

اُستاد - شعر عرض کیا ہے ؎

صیاد نے رہا نہ کیا چل بسی بہار   پچھتائے ہم قفس میں سنئے پر نکال کے

مہمان - واہ واہ، واہ واہ، ماشاء اللہ، کیا شعر فرمایا ہے۔ (سنئے پر) کے ٹکڑے نے جان ڈال دی

خدا کی قسم روح تازہ ہو گئی۔ میرے ہوش اُڑ گئے۔
اُستاد۔ اسی جملے پر پہنے (ہوش اُڑ گئے) بجنے لگے۔
مہمان۔ ایک بات پھر عرض کرنا ہے؟
اُستاد۔ ارشاد ہو۔ (غور سے مہمان کو دیکھ کے)
مہمان۔ (چل بسی) کی جگہ اگر (چل بھی دی بہار) ہو تو کیا قباحت ہے؟
اُستاد۔ (چل دینا) بولتے ضرور ہیں مگر بہت کم۔ میں احتیاط کرتا ہوں، بازاری صرف ہے چل کا صرف مختلف طریقوں سے زبان میں ہے۔ جیسے چل نکلنا۔ داغ

کٹ گئے لاکھوں گلے اس تیزیِ رفتار سے — اب تو چل نکلے زیادہ اپنے ہی خنجر سے آپ

یا چل بیٹھنا امیر

ہو جو مسجد میں دل گرفتہ امیر — کسی بھٹی پہ کیوں نہ چل بیٹھو

یا چل کھڑا ہونا جلال

کوئی دو گام ہی ساتھ آؤ نہ جانا تا قبر — چل کھڑا ہو کہیں گھر سے تو جنازہ میرا

اسی طرح چل بسنا، لکھنؤ کا بہترین فصیح محاورہ ہے۔ چنانچہ آتش کا شعر یاد آ گیا۔ آتش

نظر آتا ہے مجھے اپنا سفر آج کی رات — نبض چل بسنے کی دیتی ہے خبر آج کی رات

مہمان۔ جناب آپ کو جیسا سُنا تھا ویسا ہی پایا۔ میں تو قوتِ حافظہ کی پھر تعریف کروں گا بات کہی اور شعر موجود۔ میں تو جناب کی ادبیت کا قائل ہو گیا۔ اور شعر ارشاد ہو؟
اُستاد۔ بس، اب آپ ارشاد فرمائیں۔
مہمان۔ یہ نہیں ہوگا۔ میں اور سنوں گا۔
اُستاد۔ آپ مجبور فرماتے ہیں۔ ایک شعر اور سُنا دوں۔ بس۔ عرض کیا ہے

دو چار ہم غریبوں کے بس آشیاں جلائے — گلشن میں بجلیاں بھی گریں دیکھ بھال کے

مہمان۔ قرآن کی قسم بے نظیر شعر کہا ہے۔ 'دیکھ بھال' کا قافیہ اس قدر عمدگی سے نظم کرنا آپ ہی کا

کام ہے۔ روح تازہ فرمادی۔ معافی چاہتا ہوں ایک بات اور دریافت کروں گا۔ میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔

اُستاد۔ ضرور ارشاد ہو۔

مہمان۔ جناب کے پہلے مصرع میں 'غریبوں' کا لفظ جناب نے صرف کیا۔ واؤ، نون گرگیا۔ یہ کہاں تک جائز ہے؟ مصرع یوں صحیح ہے ع

دو چار ہم غریب کے بس آشیاں جلائے

اُستاد۔ بالکل صحیح عرض کیا ہے۔ اور اس طرح کی گر پڑ جائز ہے۔ واقعاً تقطیع میں ایسا ہی رہتا ہے۔ جیسا آپ فرماتے ہیں لیکن یہ ملحوظ رہے کہ اُردو کی جمع ہے۔ دوسرے 'غریبوں' کا نون، نون غنہ ہے جس کا گرنا تقطیع میں جائز ہے۔ رہا واؤ تو اُردو قاعدے سے جمع بنائی گئی ہے لہذا واؤ اُردو کا ہوا، جب اُردو ہوا تو اُردو کے حرف کا گرنا بالکل جائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ میر تقی میر

حیرت ہے کھولیں چشم تماشا کہاں کہاں　　　حسن و جمال ویسا ہی اس کا خرام کیا

(کھولیں) کا (ی ن) میر صاحب نے گرادیا مصرع بحیثیت وزن یوں رہا جاتا ہے ع

حیرت ہے کھول چشم تماشا کہاں کہاں

مَیں نے خدائے سخن کے شعر کی مثال اپنی تائید میں پیش کردی۔ شاید جناب پر مطلب واضح ہو گیا ہوگا۔ (ی ن) میر صاحب نے گرا دیے۔ نون، نون غنہ۔ (ی) اُردو کی لہذا تقطیع میں دونوں کا گرنا جائز۔

مہمان۔ واہ، کیا خوب سمجھایا ہے۔ ذہن نشین کرادیا۔ میں نے ہندوستان میں ایسا حاضر جواب اُستاد نہیں دیکھا۔ خدا آپ کو زندہ رکھے، آپ لکھنؤ کی ناک ہیں۔ آپ سے لکھنؤ لکھنؤ ہے۔ آپکا جواب دینے والا روئے زمین پر نہیں۔ مگر جناب میرا کلام بھی ایسا ہے جس میں ایک حرف عیب کا نکلنا دشوار ہے۔ مَیں جناب کو قسم دیتا ہوں، اگر کوئی اعتراض اتفاق سے سمجھ میں آئے تو

دریافت ضرور فرمائیے گا ۔

اُستاد ۔ میری حیثیت علمی اس قدر نہیں کہ میں اعتراض کر سکوں ۔ جناب اپنا کلام بلاغت نظام سنائیں۔

مہمان ۔ ابھی جناب اپنا کلام سنائیں، میری سیری نہیں ہوئی ۔

اُستاد ۔ صرف آپ کی خوشی تھی جو تین شعر پڑھے ورنہ اس ناقدر زمانے میں کسی کو ایک شعر بھی سنانے کو دل نہیں چاہتا ۔ بس آپ ہی کلام سنائیں، مَیں اب نہیں پڑھوں گا ۔

مہمان ۔ ملاحظہ ہو ۔ ایک غزل کے چند شعر سناتا ہوں جو بڑی محنت سے عرض کی ہے ۔ شاید عیوب سے پاک ہوں ۔

اُستاد ۔ بسم اللہ ۔

مہمان ۔ غزل ۔ مطلع

رگوں سے خون ہو کے دل اگر تا چشم تر جاتا　　مسافر اپنی رَہ میں حدِ منزل سے گزر جاتا

اُستاد ۔ نہایت سمجھ کے جناب نے مطلع ارشاد فرمایا ہے ۔ سبحان اللہ، پھر ارشاد ہو ۔

مہمان ۔ بہت خوب کہہ کے مطلع پھر پڑھا اور اُستاد نے پھر تعریف کی ۔ مہمان نے دوسرا مطلع پڑھا

مطلع

سحر تک مرنے والے انتظارِ یار کر جاتا　　شبِ ہجراں کٹ جاتی جو مرنا تھا تو مر جاتا

اُستاد ۔ نایاب مطلع جناب نے ارشاد فرمایا ہے ۔ لیکن (یہ کہہ کے اُستاد چُپ ہوئے)

مہمان ۔ کیوں، کیوں ؟ آپ کو میرے سر کی قسم ارشاد تو ہو کیا عیب ہے ؟

اُستاد ۔ آپ مہمان ہیں ۔ خاطر شکنی اخلاقی جُرم ہے لیکن جناب قسمیں بھی دے چکے ہیں ۔

مہمان ۔ مَیں ناراض نہ ہوں گا ۔ آپ فرمائیں تو ۔

اُستاد ۔ شب ہجراں، کا ٹکڑا سمجھ میں نہ آیا ۔

مہمان ۔ کیا اضافت غلط ہے ؟

اُستاد ۔ جی نہیں ۔ اضافت صحیح ۔ اعلان غلط ۔

مہمان - کیا آپ مع العطف اضافت اعلان نون کے قائل نہیں ؟
اُستاد - میں کیا ، جتنے محتاط لکھنؤ میں گزرے سب نے احتیاط کی -
مہمان - میری سمجھ میں نہ آیا کہ جناب محتاط اساتذہ سے کون کون سے اساتذہ مراد لیتے ہیں -
اُستاد - جیسے حضرت ناسخ - کہیں جناب کو کلام بھر میں اعلان نون نہ ملے گا -
مہمان - دہلی اور لکھنؤ کے مسلم الثبوت اُستاد جن کو خدائے سخن کہا جاتا ہے اُن کی مثالیں اگر جناب فرمائیں تو پیش کروں -
اُستاد - دو ایک مثالیں تو ضرور ارشاد فرمائیے -
مہمان - جناب والا ، خدائے سخن حضرت میر تقی میر دہلوی کا شعر موجود ہے - جن کے ستند ہونے میں کلام نہیں ، واقعاہی شاعر ایسا باکمال گزرا ہے جس کی تقلید پر دنیا مجبور ہے جس کے سامنے دوسرے شاعر کا چراغ نہ جل سکا ، آج تک دلوں پر سکہ بیٹھا ہوا ہے -

آج آوارہ ہوائے بال اسیران قفس   بے گل و باغ و خیابان نہ ہوویں گے گل

دیکھیے (خیابان) کے نون کا اعلان کر دیا - اسی طرح آپ کے لکھنؤ کے اساتذہ نے خوب خوب اعلان کیا -
اُستاد - میں یہ کب کہتا ہوں کہ اعلان نون اُستادان لکھنؤ کے یہاں نہیں موجود ہے - لیکن جناب کیا اگر کسی عیب کو لوگ نظم کرنے لگیں تو کیا عیب نہیں رہے گا ؟ بھلا کسی ایرانی ادیب مسلم الثبوت کے یہاں تو جناب اعلان نون دکھا دیں ؟
مہمان - واقعاً جناب درست فرماتے ہیں نہیں ملے گا - پھر اساتذہ لکھنؤ اور دہلی نے یہ غلطی کیوں کی ؟
اُستاد - اور تو کیا کہوں - بات یہ تھی کہ دنیا اُن کی طرف کھنچ رہی تھی - جو بھی کہہ دیتے تھے واہ واہ کے سوا کبھی اعتراض کی آواز کانوں تک نہیں پہونچی - اُن کی مثال اُن رؤسا و سلاطین کی تھی جن کو کسی کو دو کسی کو چار خون معاف تھے - اُسی طرح یہ سب اُستاد تھے کسی کو دو غلطیاں کسی کو چار غلطیاں معاف تھیں - باقی غلط غلط ہی ہے -

شعر

بچایا میرے دل نے روک کے مخلوقِ عالم کو　　بپا ہوتی قیامت جس طرف تیرِ نظر جاتا

اُستاد - بہت نایاب شعر فرمایا ہے - پھر ارشاد ہو -

مہمان نے پھر پڑھا - اور جھک جھک کے تسلیمیں کیں -

شعر

سوا مرنے کے اے چارہ گر و تدبیر ہی کیا تھی　　مرے دل میں چمک اُٹھتی اگر دردِ جگر جاتا

اُستاد - بہت صاف و پاکیزہ کلام جناب کا ہے - واہ واہ، کیا کہنا -

شعر

یہ مانا غیظ انھیں آتا نہ واپس خط مرا لاتا　　بلا سے چاک ہوجاتا ترا کیا نامہ بر جاتا

شعر

پنہا کے بیڑیاں گردش کرتے تم نہ وحشی کو　　تو اپنی رَو میں صحرائے قیامت سے گزر جاتا

اُستاد - کیا کیا مرصع شعر جناب پڑھ رہے ہیں - تعریف سے زبان قاصر ہے - نگینے جڑ دیے -

مہمان - آداب بجا لاتا ہوں -

شعر

تمھاری شوق کی نظروں نے رکھا قلب کو زخمی　　وگرنہ زخم تیغ و تیر کیا دو دن میں بھر جاتا

اُستاد - یہ شعر بھی لاجواب فرمایا پھر ارشاد ہو -

مہمان - تسلیمات بجا لاتا ہوں - جناب عزت افزائی فرماتے ہیں - پھر شعر پڑھ کے

شعر

سمجھتا منزلِ مقصود حاصل زندگانی کا　　جہاں پر راہِ اُلفت میں دلِ مضطر ٹھہر جاتا

اُستاد - یہ شعر بھی منتخب فرمایا - کیا مدح و ثنا ہو -

مہمان - تسلیم عرض کرتا ہوں - ایک مطلع اور یاد آگیا -

اُستاد - ارشاد ہو -

مطلع

یہ حسرت تھی کہ اس دُنیا میں بس دُو کام کر جاتا   تمہاری یاد میں جیتا تمہارے غم میں مرجاتا

اُستاد - کتنا لاجواب مطلع اور آپ چھوڑے جاتے تھے - کیا خوب فرمایا ہے، پھر ارشاد ہو

مہمان - (سلام کرتے ہوئے) جناب مہماں نوازی فرماتے ہیں -

مقطع

برستی اُس جگہ برسوں اُداسی رات دن ارمان   جنازہ مجھ سے وحشی کا جہاں دم بھر ٹھہر جاتا

اُستاد - مقطع بھی خوب فرمایا ہے - بلکہ پوری غزل مرصع ہے -

مہمان نے کھڑے ہو کے سلام کیا -

اُستاد - اور کچھ اپنا کلام جناب ارشاد فرمائیں ؟

مہمان - ایک غزل پر میں خود اکتفا نہ کروں گا - آپ سا قدردان کہاں ملے گا - جناب نے شعر ملاحظہ فرمائے کس قدر سمجھ کے عرض کیے ہیں -

اُستاد - میں خود یہی عرض کر رہا ہوں -

مہمان - جی، عیوب سے کس قدر پاک ہے - بڑے بڑے اساتذہ لکھنؤ کو کلام سُنایا ایک حرف پر اعتراض نہ فرما سکے - جناب نے تو ایک اعتراض فرمایا جو واقعاً درست تھا - اب انشاء اللہ تعالیٰ کوئی غلطی نہ ملے گی -

اُستاد - درست ہے - آپ کا کلام ایسا ہی ہے -

مہمان - فن کی معلومات حاصل کر کے نکلا ہوں -

اُستاد - (فن کی معلومات) کیا فرمایا؟ کیا معلومات بصورت جمع تانیث ہے اور واحد ہے؟

مہمان - بیشک تذکیر و جمع ہے - (فن کے معلومات) مجھ کو کہنا چاہیئے تھا -

اُستاد - جناب معاف فرمائیں گے، بے ادبی ہے -

مہمان - معاف فرمانے کی بات نہیں، ابھی لکھنؤ میں اتنا امتیاز رکھنے والے موجود ہیں - میں نے جان کے عرض کیا تھا - جناب معاف فرمائیں گے - امتحان مقصود تھا - ملاحظہ ہو ایک قَطعہ تاریخ عرض کیا ہے -

اُستاد نے فوراً اعتراض کر دیا - جناب قطعہ کب ہے یعنے بفتح قاف - آپ نے قطعہ فرمایا در آنحالیکہ لفظ قِطعہ ہے بکسر قاف -

مہمان کو چونکہ اپنی بات رکھنی تھی انکار کر دیا - جی نہیں، لغت میں قَطعہ ہے -

اُستاد - متاخرین نے قَطعہ استعمال کیا ہے لیکن متقدمین فصحا ایران قِطعہ بکسر قاف ہی بولتے تھے -

مہمان - ایسا نہیں - متقدمین و متاخرین سب (قَطعہ) ہی بولتے تھے آپ کے پاس لغات ہیں؟

اُستاد - جی، کُل لغت قریب قریب موجود ہیں - (یہ کہہ کے اُستاد نے بہارِ عجم الماری سے خود نکال کے مہمان کو دے دی - مہمان نے حرفِ قاف مع الطا دیکھنا شروع کیا - قطعہ نکل آیا)

مہمان - دیکھیے یہ نکل آیا - اور عبارت پڑھنا شروع کی -

(قِطعہ بکسر اول و سکون ثانی پارۂ از ہر چیز - و در اصطلاح شعرا دو بیت یا زیادہ مطلع دارد یا ندارد گویا کہ آں پارۂ از غزل یا قصیدہ بریدہ شدہ است - از مدار و کشف و بہارِ عجم و بایں معنے - بالفتح خطا است - مگر بعضے فصحا متاخرین جائز ہم داشتہ اند)

اُستاد - جناب نے عبارت ملاحظہ فرمائی ؟

مہمان - بیشک جناب درست فرماتے ہیں - میں جناب کی جامعیت کا قائل ہو گیا - یہ جناب کو یاد کیونکر رہتا ہے ؟

اُستاد - شاعر کے لیے ضرورت ہے کہ ہمہ وقت تحقیق و تدقیق میں مصروف رہے چنانچہ میں بھی دن رات کتب بینی و تحقیق الفاظ میں مصروف رہتا ہوں - جس کی وجہ سے یہ بات پیدا ہے -

مہمان - خیر، اشعار ملاحظہ ہوں :-

مطلع قطعۂ تاریخ

وفات حسرت آیات سید عمادین الدین صاحب بجنوری۔

ہم نے دیکھی نہ کبھی زیرِ فلک آبادی   گھر جو آباد ہوا چرخ نے کی بربادی

اُستاد۔ قطعہ تاریخ میں مطلع چہ معنے۔

مہمان۔ کیا قطعہ میں مطلع نہیں ہوتا؟

اُستاد۔ ابھی آپ نے پڑھا ہے۔(دو بیت یا زیادہ) جب بیتوں پر تاریخ منحصر ہے تو مطلع کیونکر لایا جا سکتا ہے۔ آج تک کسی اُستاد نے تاریخ میں عام اس سے کہ خوشی کی ہو یا غم کی یا اور کوئی ہو کبھی مطلع نہیں کہا۔ شعر سے تاریخ شروع کی جاتی ہے۔ دیکھیے جناب زورؔ لکھنوی نے نواب معین الدولہ بہادر مرحوم کی تاریخ کہی ہے لیکن مطلع نہیں ہے۔ یہ دلیل ہے کہ ایک فن کا جاننے والا اگر جائز ہوتا تو مطلع سے ضرور شروع کرتا۔ فرماتے ہیں۔

قطعہ تاریخ

ہائے حسرت گردشِ چرخِ ستم ایجاد سے (۱) ہر بھرے گھر کو تباہی کا ہوا ہے سامنا

جنگلوں میں دشمنوں میں گھر کے اکثر مر گئے (۲) خوش نصیبی ہے اگر آئے عزیزوں میں قضا

اس پریشانی، مصیبت میں نہ کوئی گھر لٹے (۳) لٹ گیا جس طرح بن میں خاندانِ مصطفےٰ

مجلسِ چہلم ہے جن مرحوم کی اے اہلِ بزم (۴) ان کے لب پر رات دن تھا نامِ شاہِ کربلا

اب مجھے شعر یاد نہیں۔ بہر طور مطلع نہ ہونا چاہیے۔

مہمان۔ مجھے اس وقت کوئی مثال ایسی یاد نہیں آتی جس کے تاریخ میں مطلع ہو۔ جناب کا ایسا حافظہ کہاں سے لاؤں۔ جناب سے ہر کس و ناکس تو بات ہی نہیں کر سکتا۔ جناب ہر فن مولا ہیں۔

اُستاد۔ میں پہلے کہہ چکا مجھے کچھ سلیقہ نہیں۔

مہمان۔ اور شعر ملاحظہ ہوں۔

گئے دنیا سے بڑے والد و شیدائے حسینؑ   دل میں داغِ غمِ شبیرؑ کی تھی آبادی

اُستاد - شعر تو بہت خوب سُنایا مگر اب ایک بات اور عرض کرتا ہے وہ یہ کہ مکرر قافیہ بھی لے آئے -

مہمان - اس میں کیا عیب ہے ؟

اُستاد - بہت بڑا عیب ہے - قطعہ میں مکرر قافیہ نہیں لاتے - یہی اساتذہ کا معمول ہے کہ کسی ایک اُستاد کا قطعہ بھی آپ پیش نہیں فرما سکتے جس میں مکرر قوافی ہوں - جناب اگر فرمائیں تو قطعات عرض کرنا شروع کروں -

مہمان - مجھے جناب کے فرمانے کا یقین ہے - واقعاً آپ استاد بلکہ استادگر ہیں - میں اپنی تعلّی کی معافی چاہتا ہوں - تو یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ مکرر قافیہ نہ ہو ؟

اُستاد - بالکل طے شدہ امر ہے -

مہمان - قطعہ تاریخ تو اب سناؤں گا نہیں کیونکہ آفتاب کو چراغ دکھاتا ہے - مگر دو ایک شکوک متعلق تاریخ باقی ہیں جناب حل فرمادیں - الف ممدودہ میں الف کا ایک عدد لینا چاہیے یا دو ؟ اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیے -

اُستاد - میری تحقیق یہ ہے کہ الف ممدودہ کے دو لینا چاہیئے - احتیاط اسی میں ہے - جیسے (آیا) کے تیرہ عدد جوڑنا چاہیئے - اگر کوئی صاحب (آیا) کے بارہ ہی عدد لیں تو قابل اعتراض نہیں ہے جو الف ممدودہ کے دو لیتے ہیں اُن کا خیال یہ ہے کہ جب اوپر مدّ دینے چھوٹا الف بناتے ہیں اور بچوں کو پڑھاتے ہیں - (الف الف زبر آ) تو دو کیوں نہ لیں - کیونکہ مکتوبی ہے - جو الف کا ایک عدد لیتے ہیں وہ الف نہیں مانتے بلکہ مدّ - اور مدّ کا کوئی عدد نہیں لہذا وہ (آیا) کے بارہ ہی عدد لیتے ہیں - جناب نے خیال فرمایا ؟

مہمان - بالکل سمجھ گیا - بہت جناب کی سمع خراشی ہوئی - صرف ایک شک اور صاف کرنا چاہتا ہوں - وہ یہ کہ (ہمزہ) اور (ی) کا مسئلہ ہے - (رگئے) میں چالیس عدد لیے جائینگے یا اکتیس ؟

اُستاد - میں آپ کا مطلب سمجھ گیا - دونوں مسلک اساتذہ کے ہیں - بعض نے (کاف) کے بیسؔ اور (ہمزہ) کو یا قرار دے کے بیسؔ عدد لیے ہیں اس طرح چالیس ہوئے - اور ان کا قول یہ ہے کہ یہ (ہمزہ) نہیں ہے بلکہ در اصل یا ہے لہذا کیا وجہ کہ دسؔ عدد نہ لیے جائیں - اور جو حضرات اکتیسؔ عدد لیتے ہیں اُن کا خیال یہ ہے کہ کاف کے بیسؔ عدد ہمزہ کا چونکہ قائم مقام الف ہے ایکؔ عدد اور یا کے دسؔ عدد - اس طرح اکتیسؔ عدد لیتے ہیں - قول صحیح میرے نزدیک یہی ہے کہ چالیسؔ عدد لیے جائیں - اور دوؔ (یا) مانی جائیں -

مہمان - سبحان اللہ، کیا جامع تقریر فرمائی ہے - میری بدنصیبی کہ لکھنؤ میں ٹھہر نہیں سکتا نہیں تو جناب کی صحبت سے فیضیاب ہوتا - خیر، اگر زندہ رہا تو چہلم سید الشہدا کے زمانے میں بغرض زیارت حاضر ہونے کا ارادہ ہے ضرور خدمتِ فیض درجت میں حاضر ہوں گا - اور چند محاورات قابلِ تحقیق ہیں جن کو جناب سے بہتر کون حل کرے گا تحقیق کروں گا -

اُستاد - انشاء اللہ تعالیٰ - ضرور تشریف لائیے گا - زندگی کا کوئی اعتبار نہیں اگر زندہ رہا تو ملوں گا -

مہمان - اللہ آپ کو زندہ رکھے - ضرور زندہ رہیے گا - اب اجازت چاہتا ہوں - (یہ کہہ کے مہمان کھڑے ہو گئے) -

اُستاد بھی کھڑے ہو گئے -

مہمان - بس تشریف رکھیے زیادہ زحمت کی ضرورت نہیں -

اُستاد - یہ لکھنؤ کی تہذیب ہے - میں پھاٹک تک ضرور پہنچانے چلوں گا - یہ کہہ کے مہمان سے باتیں کرتے ہوئے پھاٹک تک تشریف لے گئے اور نہایت پرانی تہذیب کے ساتھ معافیِ زحمت چاہتے ہوئے، خدا حافظ، فی امان اللہ، کے ساتھ رخصت کر کے - زنان خانہ میں تشریف لے گئے - اور آرام فرمایا - اسی کے چار روز بعد حسب دستور مولانا اپنی غزل لیے ہوئے صبح کے وقت آ گئے اور سلام کر کے استاد کے سامنے بیٹھ گئے - جیب سے نکال کے غزل پیش کی -

اُستاد۔ پڑھتے جائیے، اصلاح ہو جائے۔
مولانا نے سلام کر کے غزل شروع کی۔

اصلاح نمبر ۱۶

غزل مولانا

مطلع نمبر ۱

ہو گیا نشتر لہو کا منتظر فصاد ہے — چھپنے والے اب تو آ فریاد ہے فریاد ہے
(لگ چکا) (جلد آ)

اُستاد۔ (ہو گیا) سے بہتر (لگ چکا) نشتر ہے۔ اور (اب تو آ) کی جگہ (جلد آ) بنا دیجیے۔
اور پڑھیے۔ ہاں یہ تو بتائیے کہ نشتر اور فصاد کا تذکرہ آپ نے کیا سمجھ کے کیا؟

مولانا۔ اساتذہ کے کلام میں ذکر ہے اس لیے میں نے بھی عرض کیا۔

اُستاد۔ میں نے خوب پوچھ لیا۔ چاہتا ہوں کہ غزل کی بنیاد جن خیالات پر ہے بیان کرتا چلوں تا کہ جلد آپ مکمل شعر کہنے لگیں۔ کیونکہ وطن مالوف ترک کر کے لکھنؤ میں قیام کیے ہوئے ہیں۔ سنیئے۔

غزل کی بنیاد عشق و عاشقی پر ہے۔ ایک عاشق دوسرا معشوق۔

عاشق کی تعریف یہ کہ جو کبھی باوجودیکہ اُسے انتہائی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ کوئی عالم ہو انکار عشق نہ کرے۔

اسی طرح معشوق۔ انتہائی بے رحم، مغلوب الغضب، وعدہ خلاف، عالم کے حسینوں میں سب سے بہتر جس کا جواب روئے زمین پر نہ ہو، عاشق پر ترس نہ کھانے والا، غصے میں ذبح کر ڈالنے والا وغیرہ وغیرہ یہ اوصاف معشوق ہیں۔

اب یہ سوال ہے کہ عاشق کے نشتر کیوں لگتا ہے؟ وہ اس لیے کہ انتہائے عشق و تکالیف ہجر، غم و غصہ سے مادہ سوداوی جسم عاشق میں بہت زیادہ پیدا ہو جاتا ہے جو باعث جنون ہوتا ہے [illegible] جنون کے لیے اگر فصد دے دی جاتی ہے تو جنون کم ہو جاتا ہے بلکہ یوں

کہوں کہ مرض بھی جاتا رہتا ہے۔ گو عشق حکما کے نزدیک جنون کی ایک قسم ہے آپ سمجھ گئے؟
مولانا۔ میں سمجھ گیا۔

مطلع نمبر ۲

حشر میں یوں تیرا عاشق (وحشی) مائل فریاد ہے — ہاتھ روکے (پکڑے) اس طرف مجنوں اُدھر فرہاد ہے

اُستاد۔ (عاشق) کی جگہ (وحشی) بنائیے اور (روکے) کی جگہ (پکڑے) لکھیے۔
مولانا۔ بہت خوب۔ اصلاح لکھ لی۔

مطلع نمبر ۳

~~موت کا آنا نشان~~ قصۂ بیداد ہے (بے بسی کی موت شرح) — ~~اُڑ گئی~~ (مر گئی) بلبل قفس ~~سے~~ (میں) سرنگوں صیاد ہے

اُستاد۔ (نشان قصۂ بیداد) درست نہیں۔ یوں بدل دیجیے۔

بے بسی کی موت شرح قصۂ بیداد ہے

مصرع ثانی میں (اُڑ گئی بلبل قفس سے) کا ٹکڑا صحیح نہیں اسلیے کہ گو 'اُٹھ جانا' مرجانے کو کہتے ہیں۔ جیسے کہ امیر مینائی کا شعر ہے ؎

مشتاق امیر اُٹھ گئے دنیا سے ہزاروں — پردہ رُخِ محبوب سے اُٹھا نہ حیا کا

یا میر تقی میر کا شعر ہے ؎

بُھا اُس کی خاطر میں نقش وفا — نہیں تو اُٹھالے خدا یا ہمیں

میرے نزدیک اُٹھ جانے کا صرف مخصوص انسان کے لیے ہے۔ جانور کے لیے 'اُٹھ جانا' یعنی 'مرجانا' بولنا غیر فصیح ہے۔ لہذا مصرع میں (مر گئی) بنائیے۔ اور (سے) کی جگہ (میں) لکھیے۔ شعر مکمل ہو گیا۔

مولانا۔ بہت خوب کہہ کے بنا لیا۔

شعر نمبر ۴

~~ہے تلاطم میں جہاں ہلتی ہے~~ (زلزلے میں ہے) ساری کائنات — ~~تم نہ~~ (اب) ٹھکرا اُٹھ ~~کس کا~~ (کہ یہ میرا) یہ دلِ ناشاد ہے

اُستاد۔ 'کائنات کا ہلنا' یہ چاہتا ہے کہ پہلے ایسے الفاظ لائے جائیں جن سے حرکت ثابت ہوجائے

گو۔ تلاطم سے حرکت ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن تزلزل سے حرکت کا اثبات بدرجہ اولیٰ ممکن ہے لہذا (زلزلے میں ہے) بنا لیجئے۔

مصرعِ ثانیہ میں۔ چونکہ کائنات ہل رہی ہے، عالم میں تغیر ہو رہا ہے جس کے روکنے کی سخت ضرورت ہے۔ زیادہ بہتر ہے کہ اُسے روکا جائے اُس کے لیے (تم نہ ٹھکراؤ) سے (اب نہ ٹھکراؤ) بہتر ہے تاکہ زلزلہ رُک جائے، کائنات سنبھل جائے۔ مزید یہ کہ (کسی کا دل) یہ ابہام فائدہ خاص نہیں دیتا۔ زور پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا (کہ یہ میرا دلِ ناشاد) لکھ دیجیے۔ اب تکمیلِ شعر ہوئی۔

مولانا۔ واقعاً اب شعر مکمل ہو گیا۔ (یہ کہہ کے اصلاح لکھ لی)۔

شعر نمبر ۵

~~میں نے یوں دی جان~~ ٹوٹیں قفس کی تیلیاں — کیوں نہ شرمندہ ہوں جا سے شکوۂ صیاد ہے

(یوں تڑپ کے جان دی)

اُستاد۔ صرف (یوں دی جان) سے قفس کی تیلیاں ٹوٹنا ثابت نہوا۔ تاوقتیکہ ایسے الفاظ نہ لائے جائیں جو ثابت کر سکیں لہذا (یوں تڑپ کے جان دی) بنا لیجئے تاکہ تیلیوں کا ٹوٹنا ثابت ہو جائے۔

مولانا۔ بہت مناسب کہہ کے لکھ لیا۔

شعر نمبر ۶

چھپنے والے تو ہمارے سامنے ہے ~~ہر گھڑی~~ — ~~حسن دیکھا تھا ازل میں جو~~ ابھی تک یاد ہے

(رات دن) — (جو ازل میں حسن دیکھا تھا)

اُستاد۔ (ہر گھڑی) سے (رات دن) زیادہ بہتر ہے۔ مصرعِ ثانی میں قدرے تعقید ہے۔ یعنے (حسن دیکھا تھا ازل میں جو) اس ترکیب کو بدل دیجیے۔ یوں کیجیے۔ (جو ازل میں حسن دیکھا تھا)

مولانا۔ بہت خوب۔ (یہ کہہ کے بتائے ہوئے ٹکڑے لکھ لیے)۔

شعر نمبر ۷

اے عالم کی ہواؤں کا ~~ہر رخ نہیں سمجھے کو~~ — اہلِ دنیا، جس طرف خاک دلِ ناشاد ہے

(اسی جانب ہے رخ)

اُستاد ۔ آپ نے سمت بکسر سین پڑھا؟ صحیح سَمت بفتح سین ہے۔ بڑے بڑے پڑھے لکھے دعوائے ادبیت کرنے والے سمت بکسر سین بولتے ہیں (خاندانی، مرثیہ خوان، مسند نشینی کا دعوی کرنے والے) بڑے فخر کے ساتھ سمت بکسر سین بولتے ہیں ۔ تنہا سِمت، تک تو خیر غنیمت ہے، ترکیب کے ساتھ بولتے ہیں جیسے (سمت کعبہ، سمت دریا) کہتے ہیں۔ اُن سے کوئی پوچھے کہ آپ ہزاروں آدمیوں کے سامنے غلط پڑھتے ہیں اور دعوائے اُستادی کرتے ہیں، کہاں تک صحیح ہے۔ کیا آپ کے گھر میں کوئی لغت نہیں؟ کیا آپ کو لغت دیکھنا نہیں آتا؟ کیا آپ کے پاس وقت نہیں؟ یقیناً صرف تساہلی اور غرّائے شاعری و اُستادی لکھنؤ کو بدنام کرتا ہے۔ کیا بیرونجات میں تعلیم یافتہ حضرات نہیں ہیں؟ ایک سے ایک محقق بیرونجات لکھنؤ کے مجالس میں شرکت کرتا ہے۔ واللہ ہنستے ہوں گے۔ خیر آپ آیندہ سَمت بالفتح سین کہئے گا ۔ (اسی جانب سے رُخ) بنا لیجئے۔

مولانا ۔ بہت بہتر کہہ کے بنا لیا۔

شعر نمبر ۸

~~ہیں گرفتارِ بلا ہے گردش لیل و نہار~~   روئے تاباں کے قریں زلفِ ستم ایجاد ہے

رات سے محشر کی ہے دل متصل ہے صبح حشر

اُستاد ۔ آپ نے کیا پڑھا۔ گَرفتار بالفتح یا گِرفتار بالکسر؟

مولانا ۔ بالفتح پڑھا۔

اُستاد ۔ غلط، اگر تنہا گرفتار بالفتح کہتے پھر بھی غنیمت تھا۔ گو، غیر فصیح ہوتا لیکن بلا کی طرف اضافت کے بعد یعنے (گرفتارِ بلا) اس ترکیب اضافی کے بعد بالفتح پڑھنا فاش غلطی ہے۔ اصل میں یعنے لغت میں بالکسر ہے۔ اہل ایران بالفتح نہیں بولتے۔ اہل ہندوستان نے کسرہ کو فتح سے بدلا۔ جب فتح دے کے بولا گیا تو گرفتار کا لفظ اُردو ہو گیا۔ اُردو و فارسی کی ترکیب صحیح نہیں۔ لہذا (گرفتار بلا) بالفتح نہ بولنا چاہیئے۔ مصرعِ اولیٰ یوں بدل دیجیے ۔ ع

رات سے محشر کی اے دل متصل ہے صبح حشر

مولانا۔ بہت خوب کہہ کے لکھ لیا۔

شعر نمبر ۹

پوچھتا ہوں جب کہ کیوں دامن بچاتے ہیں حضور ہنس کے کہتے ہیں ہمیں یوسف کا قصہ یاد ہے

اُستاد۔ (کہ کیوں) میں تنافر ہے لہٰذا (یہ کیوں) بنا دیجیے۔

مولانا۔ بہتر (یہ کہہ کے اصلاح لکھ لی)۔

شعر نمبر ۱۰

کاٹتا ہے پر قفس میں روز اس درجہ ہی خوف اللہ اللہ کس قدر ضدی مرا صیاد ہے

اُستاد۔ مولانا، مصرع نہیں لگا۔ روز قفس میں پروں کے کاٹنے سے اور ضد سے کوئی خاص ربط نہیں۔ لہٰذا مصرع یوں بدلیے دیکھیے مصرع لگا یا نہیں۔ ؎

پھوٹیں جب کلیاں پروں کی توڑ لیں مانند گل ہمسفیرو کس قدر ضدی مرا صیاد ہے

مصرع ثانی میں 'اللہ اللہ' زائد ہے۔ 'ہمسفیرو' میں مناسبت خاص ہے۔ ایک قیدِ قفس والا پرند ہمیشہ اپنے ہمجنس سے خطاب کرے گا۔

مولانا۔ بالکل درست۔ اب لاجواب شعر ہو گیا۔ (یہ کہہ کے اصلاح لکھ لی)۔

اُستاد۔ یہ بتایئے کہ غزل میں صیاد، بلبل، چمن، قفس کا ذکر کیوں کرتے ہیں؟

مولانا۔ یہ جناب ارشاد فرمائیں۔ چونکہ اساتذہ نے نظم کیا ہے لہٰذا میں نے بھی نظم کیا۔

اُستاد۔ سُنیے اور غور سے سُنیے۔ غزل کی بنیاد صرف عشق پر ہے۔ مختلف مضامین اپنی جدتِ طبع سے اساتذہ نے داخل غزل کر دیئے۔ یہ مشہور ہے کہ فصل بہار میں پرند جانور باغوں میں درختوں پر اپنا آشیانہ بناتے ہیں۔ وہ زمانہ انتہائی مسرت و شادمانی کا ہوتا ہے۔ باغوں میں پھول، پھولوں میں کشش۔ ایسی حالت میں صیاد باغوں میں، چمن میں جاتا ہے اور اپنی حکمتِ عملی سے کسی نہ کسی طرح گرفتار کر لیتا ہے اور پر کتر کے قفس میں بند کر کے رکھتا ہے۔ وحشی جانور کی وحشت قفس میں اور بڑھ جاتی ہے۔ اپنے محبوب آشیانے دل سے زیادہ عزیز چمن کو یاد کر کے

پھڑکتا ہے۔ بالخصوص شام کے قریب یعنی جھٹپٹے وقت وحشت اور زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اپنے ہمنوا ہمسفیروں کو آشیانے کی طرف جاتے دیکھتا ہے۔ گویا اپنے محبوب چمن، محبوب آشیانے کے فراق میں بیچین رہتا ہے اور ہر عاشق کوشش کرتا ہے کہ جلد معشوق تک پہونچوں چونکہ یہ مضمون بالکل عشق وعاشقی سے متعلق ہے اس لیے اساتذہ نے اسے غزل میں جگہ دی - مزید یہ کہ جہاں تصویرِ حسن وعشق ہے وہاں مرقعِ ہجر بھی موجود ہے۔ یعنی چمن اور آشیانے سے جدائی وغیرہ - اب آپ نے غور کیا ؟

مولانا - میں خوب سمجھ گیا -

شعر نمبر ۱۱

~~اے مرے اللہ جائز ہو نہیں سکتی نماز~~ ~~رُخ ہے تیری سمت اور دل میں خدا کی یاد ہے~~

میرے مالک شرم آتی ہے پڑھوں کیونکر نماز — رُخ ہے کعبہ کی طرف دل میں صنم

اُستاد - آپ کی تخیل کے مطابق نماز کا جواز وعدم جواز کوئی خاص فائدہ شعر کو نہیں بخشتا۔ اسلیے مصرع بدل دیا۔ اور لفظ شرم خصوصیت سے لایا گیا۔ چونکہ کعبہ خدا کا گھر ہے اور خدا کے گھر میں صنم کا کیا ذکر یا کعبے سے اور صنم سے کیا ربط - نماز پڑھنے والا کہتا ہے کہ دل میں صنم کی محبت ہے یعنی معشوق کی۔ اور نماز واجب پڑھ رہا ہوں - نماز میں کعبہ کی طرف رخ ہے، دل میں یادِ صنم ہے بڑی شرم کی بات ہے نماز کیونکر پڑھوں کیونکہ نماز کو ہر خیال سے بری ہونا چاہیئے اسلیے مصرع ثانی بدل دیجیے اور پڑھیے -

مولانا نے بہت خوب کہہ کے اصلاح لکھ لی -

شعر نمبر ۱۲

آپ کیوں گورِ غریباں میں کھڑے ہیں دم بخود — سب یہ سمجھیں گے کہ ~~ہاں دل میں~~ کسی کی یاد ہے

دیکھنے والے یہ سمجھیں گے

اُستاد - (کہ ہاں دل میں) کا ٹکڑا سستیِ نظم کی علامت ہے مصرع کی صفائی ختم ہو گئی - لہذا یوں بدل دیجیے - ع دیکھنے والے یہ سمجھیں گے کسی کی یاد ہے - اور پڑھیئے -

مولانا - اصلاح لکھ لے -

مقطع

تن سے اب کوئی تعلق ہی نہیں باقی شعلہ شعر مستزاد کہہ لیے دو شعر جس نے آجکل اُستاد ہے
اُستاد ۔ غنیمت سب ہے رہنے دیجیے ۔
مولانا نے سلام کرکے غزل تہ کرکے جیب میں رکھ لی ۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں ۔
تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے اجازت چاہی اور رخصت ہوگئے ۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۶

اُستاد بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے کہ ایک بچپنے کے جاہل دوست نہایت شریف خاندان مگر مفلوک الحال تشریف لے آئے خدمت میں بے تکلف بہت تھے ۔ اُستاد کی کوئی خاص عزت اُن کی نظر میں نہ تھی ۔ سرسری طور سے آداب عرض کرکے بیٹھ گئے بلکہ آڑے ہو کے دوسرے گاؤ پر جو ایک طرف کھڑکی کے پاس لگا تھا لیٹ گئے ۔

رفیق ۔ سب خیریت ؟ جناب کا مزاج کیسا ہے ؟

اُستاد ۔ خدا کا فضل ہے ۔ آپ کے یہاں سب خیریت ہے ؟

رفیق ۔ (ٹھنڈی سانس بھر کے) ہاں ، خیریت ہی ہے ۔ بیوی سے روز روز کی ٹھائیں ٹھائیں ، نکا فضیحتی رہتی ہے ۔ میرا ناک میں دم ہوگیا ۔ جھلسا ایسی زندگی کو ، جناب سیدہ کی جھاڑو پھرے ۔

اُستاد ۔ واللہ عجب گفتگو ہے ۔ وہ رنگ نہ گیا ۔

رفیق ۔ رنگ کیا ؟ آپ نے عجب طرح کی بات کہی ۔

اُستاد ۔ سب بول چال عورتوں کی ہے ۔ کیا ہر وقت گھر ہی میں رہنے کا اتفاق ہوتا ہے ؟

رفیق ۔ آپ بڑے اُستاد ہیں ، مردوں کے محاورے بولا کرتے ہیں ۔

اُستاد ۔ (ہنس کے) ہم تو بولتے ہی ہیں ، مرد ہیں ۔

رفیق ۔ ہم بھی مردوں کے محاورات بولتے ہیں ۔ کون سا محاورہ غلط بولے ۔ بتائیے ؟

اُستاد - کچھ بازاری محاورے بولے، کچھ عورتوں کے محاورے استعمال کر گئے ۔
رفیق - فرمایئے تو - آخر وہ کون کون ہیں ؟
اُستاد - ٹھائیں ٹھائیں - ٹکا فضیحتی - یہ بالکل بازاری زبان ہے - جھلسا پڑنا ہشتری بی کی جھاڑو پھرے، خاص عورتوں کی زبان ہے ۔
رفیق - آپ کو اعتراض کرنے کی بہت عادت ہے - میں سمجھ گیا - خاص وجہ یہ ہے کہ دن رات اصلاح دینے کا مشغلہ رہتا ہے - میں 'ناک میں دَم' بولا تھا آپ نے اعتراض نہ فرمایا؟
اُستاد - وہ بھی قریب قریب عورتوں کی زبان ہے ۔
رفیق - کوئی شعر پڑھیے تو مانوں ؟
اُستاد - جان صاحب ریختی گو کا شعر ہے ؎

آ آ کے جب ستائے نگوڑا زکام روز ... اے جان کس طرح نہ مرا ناک میں ہو دَم

اچھا، آجکل بیوی سے لڑائی ہے یا میل ؟
رفیق - لڑائی ہے - مَیں کہہ چکا کہ جب تک نخرے کرنا نہ چھوڑو گی تم سے بات نہیں کروں گا ۔
اُستاد - نخرے بھی عورتوں کی بول چال ہے - شوق کہتے ہیں

نخرا تلّا ذرا نہ کریے آپ ... جیتے رہیئے کہ اس میں مریے آپ

رفیق - مرد بھی بولتے ہیں اس لیے میں بھی بولا ۔
اُستاد - آپ ہی کے ایسے مرد ہوں گے ۔
رفیق - میری داستان سُن لیجیے، بعد کو اعتراض کیا کیجیے گا - میں نے بیوی سے صاف کہہ دیا ہے کہ میں کوئی ننھا مُنا نہیں کہ تم مجھ پر دباؤ ڈالو ۔
اُستاد - یہ بھی عورتیں بولتی ہیں - مرد کبھی نہیں بولتے - رنگینؔ کا شعر ہے ؎

ننھی مُنّی سی پہنتی تھی یہ پیاری ہیکل ... جب تلک چھوٹی تھی تب تک تو بوا اتنا جان

رفیق - بات کرنے دیجیے ورنہ ذرا سی بات کہنے میں دن گزر جائے گا ۔

اُستاد۔ فرمائیے۔ ابھی بہت وقت ہے، میں شوق سے آپ کی باتیں سن رہا ہوں۔
رفیق۔ کہتی ہیں کہ جب سے تمھارے یہاں آئی ہوں کوئی سُکھ نہیں اُٹھایا۔ تم نہ کماتے ہو نہ دھماتے ہو، پڑے پڑے کھاتے ہو، نتیجہ کیا ہوگا؟ میں نے بھی صاف کہہ دیا میں نتیجہ وتیجہ کچھ نہیں جانتا، میری جوتی جانے۔
اُستاد۔ پھر بول گئے۔ واقعاً آپ کو زنانی بول چال کی عادت ہوگئی ہے۔ 'جوتی جانے' یہ بیوی کو کہنا چاہیے تھا جو میاں بول رہے ہیں۔ قلق کا شعر ہے ؎

جوتی جانے مری مجھے کیا کام جس نے بلوایا ہے اُسے دو پیام

رفیق۔ واسطہ خدا کا بات پوری سُن لیجیے اُس کے بعد میں یہیں رہنے لگوں گا۔ آپ دو چار مہینے رات دن اعتراض کیجیے گا۔
اُستاد۔ اچھا، پھر بیوی نے کیا کہا۔ ذرا بیان تو کیجیے۔
رفیق۔ کہنے لگیں۔ تم نے مصیبتیں ڈال ڈال کے مار ڈالا۔ میں نے کہا۔ تم لڑ لڑ کے میرا جی کھا گئیں۔
اُستاد۔ وہ محاورہ صحیح بولیں۔ آپ نے غلط جواب دیا۔
رفیق۔ کیا پھر کوئی بات ہے جو قابلِ اعتراض ہے؟
اُستاد۔ اگر کوئی بات نہ ہو تو آپ کا کلام ہی کیا۔ 'جی کھانا' آپ نے کہاں سُنا۔ نسوانیت کی بو آرہی ہے۔
رفیق۔ حضور، آپ بہت اعتراض کیا کرتے تھے مجھے خدائے سخن میر تقی میر کا شعر یاد آگیا۔ کہتے ہیں ؎

تو ملک پھرا لیکن پائی نہ وفا اک جا جی کھا گئی ہے میرا اس جنس کی نایابی

اب کیا اعتراض ہے؟
اُستاد۔ محاورہ پر کوئی اعتراض نہیں، صرف اعتراض یہ ہے کہ لکھنؤ کی یہ زبان نہیں۔ دہلی میں

کبھی بولا جاتا ہوگا یا اب بولتے ہوں لیکن جناب ۔ نے کسی اہل لکھنؤ کو بولتے سنا ؟ زمانہ اور مقام محاورہ کے لیے سب کچھ دیکھنا پڑتا ہے ، وہی محاورہ دہلی میں فصیح ، لکھنؤ میں غیر فصیح ۔ وہی لکھنؤ میں فصیح ، دہلی میں غیر فصیح ۔

رفیق ۔ خیر صاحب یہاں نہ بولتے ہوں گے ۔ بندہ بات پوری سُن لیجیے ۔ کہتی ہیں کہ تم اَللے تللے بہت کرتے ہو جس کی وجہ سے یہ مصیبت خرچ کی رہتی ہے ۔" میں کہتا ہوں کہ "جب سے تم سبز قدم آئی ہو ، گھر میں اُلّو بولنے لگا ۔ کیا میں اوّل سے نہیں سمجھاتا آیا کہ پیسہ روک کے اُٹھاؤ جو کچھ تھا سب بیچ کے کھا گئیں ۔ میری بات جب نہ سُنی ۔ کیا کان پھوٹ گئے تھے ۔" تو چُپ ہو رہتی ہیں ۔

اُستاد ۔ (ہنس کے) اُنھوں نے جو کچھ کہا سچ کہا ۔ جو محاورہ بولیں صحیح بولیں ۔ اُن کے بولنے کا تھا ۔ جیسے ' اَللے تللے ' کیونکہ یہ خاص لکھنؤ کی عورتوں کی زبان ہے ۔ داغ کہتے ہیں ؎

وہ فیاض حاتم زمانے کے ہیں   اَللے تللے خزانے کے ہیں

لیکن عالیجناب نے جو ' کان پھوٹنا ' بولا ۔ یہ اُنھیں کا محاورہ ہے جو آپ بول گئے ۔ جس طرح آپ بیوی کے محاورات صرف کرتے ہیں ۔ اُسی طرح اُن کا مال بھی آپ نے اپنا سمجھ کے صرف کر ڈالا ہوگا ۔ کیا بیجا اڑتی ہیں ۔

رفیق ۔ کیا ' کان پھوٹنا ' لکھنؤ کے مرد نہیں بولتے ؟

اُستاد ۔ جی نہیں بولتے ۔ ہاں دہلی میں بولتے ہیں ۔ داغ کا شعر ہے ؎

پھوٹیں یہ کان گر قمِ عیسیٰ کی ہو ہوس   مرتے ہیں جس پہ ہم وہ مسیحا ہی اور ہے

لیکن یہ محاورہ لکھنؤ کی عورتیں بولتی ہیں یا آپ ایسے مرد ۔

رفیق ۔ (غصے میں) تو آپ کی اُستادی آپ کی شاعری ہمیں آج بات نہیں کرنے دے گی ؟

اُستاد ۔ نہیں نہیں ، آپ بات ضرور کیجیے مگر جیسی آپ کی صورت ہے ، جیسا خدا نے آپ کو بنایا ہے ویسی ہی بات کیجیے ۔ اگر پردہ ڈال دیا جائے تو آپ کی گفتگو پر یہ دھوکا ہوگا

کہ عورت بات کر رہی ہے - اچھا بات کیجیے -

رفیق - کل سے ایک نیا جھگڑا نکالا ہے - کہتی ہیں کہ "تم نے دوسری عورت کر لی ہے - دن بھر غائب رہتے ہو، جب پوچھتی ہوں تو اناپ شناپ اُڑاتے ہو - میری نظروں میں دنیا اندھیر اگھُپ ہو رہی ہے - میں قیامت ڈھا دوں گی" - میں نے سیکڑوں قسمیں کھائیں، سمجھایا کہ میں ایسا اناڑی نہیں ہوں کہ کھانے کو ہے نہیں، دوسری عورت کر لوں - نہ کہیں سے حرام میں پیدا کر کے لاتا ہوں کیونکہ مجھے اَنُوٹ نہیں آتی -

اُستاد اس زور میں ہنسے کہ دانت نمایاں ہو گئے -

رفیق - کیوں - کیا پھر کوئی بات ہے جو اس زور سے ہنسے ؟

اُستاد - مختصر سی گفتگو میں اگر دو چار باتیں بھی قابل اعتراض نہ ہوں تو آپ کی بات ہی نہیں بیوی نے جو محاورے صرف کیے صحیح صرف کیے - کیونکہ گھر کی بیٹھنے والی فصیح وغیر فصیح، بازاری غیر بازاری زبان کا امتیاز کیا کر سکتی ہیں - مگر افسوس آپ کی حالت پر ہے - ہر وقت شعرا کی صحبت لکھنؤ کے ممتاز خاندان کی فرد، جب بات کی یا تو عورتوں کی زبان بولے یا بازاری محاورہ صرف کیا -

رفیق - جناب، بیوی کیا صحیح بولیں اور میں کیا غلط بولا ؟

اُستاد - سُنیے - اُنھوں نے ' اناپ شناپ اُڑاتے ہو' بولا - بازاری محاورہ ہے - اہل لکھنؤ کے پست طبقے کے لوگ بولتے ہیں وہ بیچاری بولیں تو کوئی قباحت نہیں -

رفیق - داغ کا شعر پڑھتا ہوں - آپ گھڑی گھڑی بازاری محاورہ بازاری محاورہ کہہ رہے ہیں ؎

کھائے جاتا ہے دل اناپ شناپ بڑھ گئی دل کی اشتہا کیسی

اُستاد - داغ نے تو بازاری محاورات کے دریا بہا دیے ہیں، آپ سند میں کیا پیش کرتے ہیں - دوسرا محاورہ ' اندھیر اگھُپ' بولیں وہ بھی اُنھیں کے بولنے کا ہے - کیونکہ فصحا نہیں بولتے

رفیق - جی، داغ کا ایک شعر اور یاد آ گیا ؎

سامنا زلفِ سیہ کا کل جو میرا ہو گیا　　　کیا مری آنکھوں کے آگے گھُپ اندھیرا ہو گیا

اُستاد - بازاری لوگ یعنے عوام بولتے ہیں - فصحا اندھیرا گھُپ، نہیں بولتے اور جناب نے اناڑی کا لفظ استعمال کیا جو قطعاً بازاری ہے -

رفیق - یہ محاورہ بھی داغ نے استعمال کیا ہے - شعر

سلیقہ چاہیئے عادت - ہے شرط اسکے لیے　　　اناڑیوں سے نہ جنت میں میکشی ہو گی

اُستاد - یہ تو بالکل بازاری محاورہ ہے - اس میں تو کوئی کلام نہیں - یہ کیا ایک اور بھی آپ بول گئے ہیں جو جناب داغ صرف کر گئے ہیں اور وہ 'اَنُوٹ' کا لفظ ہے - کہتے ہیں ؎

وہ حُسن وہ انداز وہ پھر بانکپن اس کا　　　چھَل بل ہے قیامت کی تو اَنوٹ ہے غضب کی

رفیق - میں نے جو شعر پیش کیے بازاری محاورہ، آپ نے شعر پیش کیا بازاری محاورہ - تو کیا داغ بازاری محاورے ہی نظم کیا کرتے تھے ؟

اُستاد - کثرت سے بازاری محاورات نظم کیا کرتے تھے - اُن کا یعنے داغ کا قول تھا کہ میں بازاری محاورات اسلیے زیادہ نظم کیا کرتا ہوں کہ زبان محفوظ ہو جائے - یہ خیال ایک حد تک صحیح نہ تھا - زبان مٹ گئی نہ یہ کہ محفوظ رہی - اسلیے کہ مستند شاعر کا کلام حجت ہوتا ہے - جب داغ کے یہاں نظم پاتے ہیں تو عوام بھی نظم کرنے لگتے ہیں اور بولنے لگتے ہیں - جیسا جناب بازاری محاورات کے دریا بہا رہے ہیں - یہ سب حضرت داغ کا فیض ہے -

رفیق - آپ تو بڑے بڑوں پر اعتراض کر جاتے ہیں - بڑی جسارت کرتے ہیں -

اُستاد - اسی وجہ سے سب سے بُرا ہوں، صاف کہہ دیتا ہوں - اچھا اور کچھ ہوئی کی باتیں بیان کیجیے

رفیق - مجھے معاف فرمایئے - اتنی باتیں بیان کیں تو کیا پایا - سوائے اعتراض سوائے اعتراض کے کچھ نہیں - جب سے اس کمرے میں آجاؤ اعتراض کے سوا کچھ نہیں سنائی دیتا - خیر، یہ تو مزاحاً میں نے کہا - خدا اور زیادہ کرے - آپ اُستاد ہیں - واللہ بڑی ریاضت کر کے کمال حاصل کیا -

اُستاد - زیادہ بات کیجیے گا پھر اعتراض کروں گا - آپ ناراض ہوں گے ؟

رفیق - اچھا بھائی صاحب جاتا ہوں خدا حافظ - ابھی اور بھی کام ہیں - دیر ہوگی تو بیوی سے جھگڑا ہوگا - (آداب عرض کہتے ہوئے یہ جا وہ جا)

اُستاد مطالعہ کتب کرنے لگے اور تحقیق میں مصروف ہو گئے - تھوڑی دیر کے بعد زنان خانہ میں گئے - چار بجے دن کو برآمد ہوئے - چمن میں ٹہلتے رہے - شام کو پھر زنان خانہ میں تشریف لے گئے - صبح کو برآمد ہوئے اور اصلاح دینے والے بیٹھکے میں فروکش ہوئے - انھیں لیل و نہار میں وہ دن بھی آ گیا کہ نواب اپنی غزل جو رات تک تیار کی تھی خوشخط لکھی ہوئی لے کے آ گئے با ادب سلام کیا اور بیٹھ گئے -

اُستاد نے جواب سلام دے کے پہلے والی غزل جو دیکھ رکھی تھی نکال کے دی اور کہا کہ میں نے وجہ اصلاح بھی لکھ دی ہے سمجھ لیجیے گا اور جہاں سمجھ میں نہ آئے دریافت کر لیجیے گا -

نواب نے سلام کر کے غزل لی اور کہا "بہت خوب، جو بات قابل دریافت ہوگی آئندہ دریافت کر لوں گا" نئی غزل پیش کی -

اُستاد - آپ پڑھیے میں اصلاح دیتا جاؤں (یہ کہہ کے قلمدان آگے بڑھا دیا) -

نواب نے سلام کر کے قلمدان کھول لیا اور غزل سنانے لگے -

اصلاح نمبر ۱۷

غزل نواب

مطلع نمبر ۱

دیکھیے (سوئے) مقتل میں (آج) آتے ہیں اُسی (عجب) انداز سے — قتل (ذبح) ہوں گے سیکڑوں تیغ نگاہِ ناز سے

اُستاد - (دیکھیے) کا سوال بالکل بے محل خطاب کس سے، مخاطب کون ہے؟ (اُسی انداز) کا ٹکڑا بھی بے محل - کیونکہ اُسی کا اشارہ جس طرف ہے وہ ظاہر نہیں لہذا پہلے مصرع میں یوں بدلیے

ع سوئے مقتل آج آتے ہیں عجب انداز سے

دوسرے مصرع میں (قتل) کی جگہ (ذبح) زیادہ اچھا ہے بنا دیجیے۔
نواب - بہت خوب کہہ کے لکھ لیا۔

مطلع نمبر ۲

اک اوچھا تیر دل پہ مارکے انداز سے   داد لیتا ہے صفائی کی وہ ظالم ناز سے
(پچھلا / نشانے کی ستمگر)

اُستاد - (اوچھا تیر) کا یہاں صرف صحیح نہیں (اوچھا) کی جگہ (پچھلا) لکھیے۔ دوسرے مصرع میں صفائی کا لفظ مذموم ہے، بُرے معنے پیدا ہو رہے ہیں۔ جو میرا مقصود ہے آپ سمجھ بھی گئے؟
نواب - سمجھ گیا۔ جی ہاں، بُرے معنے پیدا ہو رہے ہیں جو یقیناً درست نہیں۔
اُستاد - یوں بنا دیجیے تاکہ عیبِ ذم نکل جائے اور مصرع صاف ہو جائے۔ ع

داد لیتا ہے نشانے کی ستمگر ناز سے

نواب - بہت بہتر کہہ کے اصلاح لکھ لی۔

شعر نمبر ۳

موت کی گودی میں اب سوتا ہے بیمارِ فراق   کیوں ہوا دیتے ہو آ کے دامنِ آواز سے
(کے آغوش میں)

اُستاد - (گودی) کی جگہ (آغوش) بنائیے لکھیے۔ ع

موت کے آغوش میں سوتا ہے بیمارِ فراق

نواب - آغوش مذکر ہے؟
اُستاد - مذکر ہے۔ خدائے سخن حضرت عشقؔ مرحوم کے مرثیے کا جو جناب سکینہؑ کے حال کا ہے۔ مصرع یاد ہے۔ فرماتے ہیں - (ماں بیٹی سے کہتی ہے، یعنے جناب شہربانو قیدِ شام میں بیٹی کے مرنے کے بعد میت سے کہتی ہیں) ع

میرے آغوش میں آ خاک پہ سونے والی

اب دوسرا مصرع پڑھیے -
نواب - بہت خوب۔ اس وقت یہ مسئلہ خوب صاف ہو گیا (یہ کہہ کے نواب نے دوسرا مصرع پڑھا)

اُستاد۔ (دامنِ آواز) یہ ترکیب تو آپ نے نئی نکالی۔ اس لیے کہ اہل فرس نے کہیں دامنِ آواز صرف نہیں کیا، نہ اہل ہند میں کسی نے دامنِ آواز کہا۔ چند طریقے اُردو زبان کے مجھے یاد ہیں سُناتا ہوں اُس کے بعد اہل فرس کے چند استعمالات دامن کے متعلق بیان کروں گا۔

اُردو شعرا کے صَرف:۔

دامن کے پاٹ نچوڑنا۔ آتش

ڈراتا ہے کسے اے شیخ تو نارِ جہنم سے — سمندر موج مارے گر نچوڑوں پاٹ دامن کا

دامنگیر ہونا۔ داغ کہتے ہیں ؎

خوف ہے اُس کو نہ دامنگیر ہو یہ وقت ذبح — ہاتھ بسمل کا دبا لیتا ہے اکثر زیرِ پا

دامن میں گھیر ہونا۔ درد

اشک نے میرے بہائے کتنے ہی دریا کے پاٹ — دامنِ صحرا میں ورنہ اس قدر کب گھیر تھا

دامن جھٹکنا۔ امیر

ناز سے اُس نے جھٹک کر جو چھڑایا دامن — ہاتھ سے جاتی رہی میری طبیعت کیسی

دامن گردانا۔ اسیر

ہزاروں ہوتے ہیں ٹکڑے گریباں — جو دامن وہ کبھی گرداننے ہیں

دامن وسیع ہونا۔ میر تقی میر

فیض اے ابرِ چشمِ تر سے اُٹھا — آج دامن وسیع ہے اُس کا

خیر، یہ تو اُردو والوں کے صَرف تھے۔ میں نے صرف چند مثالیں بطور نمونہ پیش کر دیں۔ اب سوال فارسی والوں کا ہے: تو انھوں نے کہیں اپنے کلام میں (دامنِ آواز) استعمال نہیں کیا۔ بس اسی قدر جس قدر میں آپ سے دامن بتاتا ہوں استعمال کیے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی بہت بڑا اُستاد ادیب بھی صَرف کرے تو غلط سمجھیے گا۔ وہ یہ ہیں:۔

دامن آہ، دامنِ اندیشہ، دامنِ آفاق، دامنِ اُفق، دامنِ بیاباں، دامنِ ابر،

دامنِ بہار ، دامنِ باغ ، دامنِ پرہیز ، دامنِ پردہ ، دامنِ تسلیم ، دامنِ توفیق ، دامنِ جہاں ،
دامنِ جوئے ، دامنِ چشم ، دامنِ چرخ ، دامنِ حیات ، دامنِ چشمہ ، دامنِ حسرت ، دامنِ خرگاہ ،
دامنِ خاک ، دامنِ خدمت ، دامنِ خم ، دامنِ خورشید ، دامنِ دریا ، دامنِ دشت ، دامنِ دولت ،
دامنِ دل ، دامنِ روزگار ، دامنِ رضا ، دامنِ روزی ، دامنِ روز ، دامنِ روزِ حساب ، دامنِ زین ،
دامنِ زہد ، دامنِ زلف ، دامنِ زمزمہ ، دامنِ زمانہ ، دامنِ ساحل ، دامنِ سعی ، دامنِ سفرہ ،
دامنِ شہر ، دامنِ شفاعت ، دامنِ شفق ، دامنِ شب ، دامنِ صحرا ، دامنِ صبح ، دامنِ صرصر ،
دامنِ طلائی ، دامنِ عفو ، دامنِ فرصت ، دامنِ فتنہ ، دامنِ قیامت ، دامنِ کوہ ، دامنِ کہسار ،
دامنِ کعبہ ، دامنِ کشت ، دامنِ کان ، دامنِ کف ، دامنِ کفن ، دامنِ کشتی ، دامنِ گلشن ،
دامنِ گلزار ، دامنِ گل ، دامنِ لب ، دامنِ لاب ، دامنِ محمل ، دامنِ مژگاں ، دامنِ مقصود ،
دامنِ مطلب ، دامنِ مہتاب ، دامنِ محشر ، دامنِ منزل ، دامنِ نگاہ ، دامنِ ناز ، دامنِ نسیاں ،
دامنِ وصل ، دامنِ وطن ، دامنِ ہامون ، دامنِ ہمت ۔

جس قدر دامن میں نے بتائے ان کے علاوہ ترکیب کے ساتھ دامن استعمال ہی نہیں ہوسکتا۔ کچھ دامن بہارِ عجم میں اور بھی ہیں انھیں دیکھ لیجیے گا۔ لہٰذا (دامن آواز) نکال ڈالیے بلکہ شعر کاٹ دیجیے۔ کوئی خاص بات نہیں ۔

نواب ۔ بہت خوب کہہ کے شعر کاٹ دیا ۔

شعر نمبر ۴

دل بکا ہوتا تمھیں گر رنجِ فرقت کا مزا ~~پوچھتے کیوں حالِ دل پھر عاشقِ جانباز سے~~
درد — حالِ دل پھر پوچھتے کیوں

اُستاد ۔ (رنج) کی جگہ (درد) لکھیے ۔ دوسرا مصرع یوں لکھیے تاکہ صاف ہوجائے ۔ ع

حالِ دل پھر پوچھتے کیوں عاشقِ جانباز سے

نواب ۔ بہت خوب کہہ کے لکھ لیا ۔

شعر نمبر ۵

زخمِ گہرا دل کا تھا پیکان سے کیا بھر گیا کیا بچایا ہے مجھے الطافِ چارہ ساز سے
دل گہرا تھا — تمھارے — احسان

اُستاد۔ پہلا مصرع صاف نہیں الفاظ کی تقدیم و تاخیر نے مصرع کی ساخت خراب کر دی
اسے بدل دیجیے۔ ع

زخمِ دل گہرا تھا پیکاں سے تمھارے بھر گیا

دوسرے مصرع میں (الطاف) کا لفظ بے محل ہے۔ (احسان) بنا دیجیے۔ شعر بن گیا دیکھیے۔
نواب۔ بہت خوب کہہ کے مصرع بنا لیے۔

شعر نمبر ۶

میری رگ رگ توڑنے والے نکل جانے دے روح دمبدم لیتا ہے کیوں انگڑائیوں کو ناز سے
اُستاد۔ (انگڑائیوں کو) میں (کو) بالکل زائد سا ہے۔ ایسے زوائد کا خیال بہت ضروری ہے۔
لہذا یوں بدل دیجیے۔

سامنے انگڑائیاں لیتا ہے پیہم ناز سے

اور پڑھیے۔
نواب۔ حضور بجا ارشاد فرماتے ہیں (کو) واقعتاً زائد ہے۔

شعر نمبر ۷

پوچھ لیں گے کون ہے وہ کم سے کم درباں سے میں بلاتا ہوں صدا کو غیر کی آواز سے
اُستاد۔ پہلے مصرع میں سخت تعقید ہے۔ آپ تعقید سے کیا سمجھے؟
نواب۔ لفظیں ادھر کی اُدھر اُدھر کی اِدھر ہو گئیں۔
اُستاد۔ ہاں ٹھیک ہے یوں بدل دیجیے۔

کم سے کم درباں سے وہ پوچھیں گے کون ہے

اور پڑھیے۔
نواب۔ بہت مناسب۔

شعر نمبر ۸

قتل عاشق کے لیے خنجر بکف تم آئے تھے ذبح کر ڈالا یہ شمشیر نگاہِ ناز سے

اُستاد۔ (شمشیرِ نگاہ) استعمال نہیں۔ (تیر نگاہ، تیر نگہ، تیرِ نظر، تیغ نگہ، تیغ نظر) یہ استعمالات صحیح ہیں لہذا مصرع یوں بدل دیجیے۔

ذبح کر ڈالا مگر تیغ نگاہ ناز سے

نواب۔ بہت خوب کہہ کے مصرع لکھ لیا۔

شعر نمبر ۹

ایک جھلکی سی دکھائی اتنی مجھے روزِ ازل ۔۔۔ چوٹ کھائے ہے مرا دل عشق کے آغاز سے

اُستاد۔ شعر غنیمت ہے رہنے دیجیے۔ ایسے شعر کہا کیجیے تو بنانے کی زحمت نہ ہو۔

نواب۔ بہت خوب۔ انشاء اللہ تعالیٰ تعمیل ارشاد کروں گا۔

شعر نمبر ۱۰

مر کے بھی پُتلی ہماری پھر گئی اُن کی طرف ۔۔۔ اس طرح دیکھا مجھے آ کے نگاہِ ناز سے

اُستاد۔ شاید آپ کو سمجھا چکا ہوں۔ اس شعر میں شترگربہ موجود ہے۔

نواب۔ جی ہاں، آپ سمجھا چکے ہیں میں بھول گیا معافی چاہتا ہوں۔ اگر فرمایئے تو خود مصرع بدل کے شترگربہ نکال دوں۔

اُستاد۔ پہلے یہ بتایئے کہ اس شعر میں شترگربہ کیا ہے؟

نواب۔ پہلے مصرع میں (ہم) دوسرے میں (مجھ) ہے۔

اُستاد۔ ٹھیک ہے۔ ماشاء اللہ۔ اچھا بدل کے سنایئے؟

نواب۔ (تھوڑی دیر فکر کر کے) حضور عرض کیا ہے۔

بعد مُردن پھر گئی پُتلی مری اُن کی طرف ۔۔۔ اس طرح دیکھا مجھے آ کے نگاہِ ناز سے

اُستاد۔ سبحان اللہ، خوب بدلا۔ آیندہ آپ سے مصرع بدلوایا کروں گا۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ بہت خوب۔ جناب ضرور مصرعے بدلوایا کریں میری مشق بڑھے گی۔

شعر نمبر ۱۱

چارہ گر اب زخم کی بو تا جگر جانے لگی ۔۔۔ غیر بھی واقف ہوا جاتا ہے دل کے راز سے

اُستاد۔ شعر اچھا ہے رہنے دیجیے اور پڑھیے۔

مقطع
شعر نمبر ۱۲
اے اتیداب حضرتِ حجت ہے کہ سب دل کا حال مشکلیں آسان کر دیں گے تری اعجاز سے

دلچسپ معلومات نمبر ۱۷

اُستاد۔ کیا غزل ختم ہو گئی ؟ شعر بہت کم کہے ؟

نواب ۔ جی ہاں ، بارہ شعر عرض کیے ہیں۔ کچھ ضرورتیں در پیش ہو گئی تھیں جس کی وجہ سے عرض نہ کر سکا۔

اُستاد ۔ خیر کوئی قباحت نہیں ۔ یہ بتائیے کہ قاری صاحب کے یہاں علم عروض پڑھنے جانا ہوتا ہے ؟

نواب۔ جی ، سو کام چھوڑ کے جاتا ہوں ۔

اُستاد۔ کہاں پر سبق ہو رہا ہے اور کیا کیا پڑھا ؟ کچھ مختصر سا بیان کیجیے ۔

نواب ۔ تعریف شعر اور اُس کے قیود پڑھ چکا۔ شعر کے معنے صاحب شعر یعنے خداوند شعر اور جتنے اختلافات معنے شعر میں ہیں سب پڑھ چکا ۔

یہ اختلاف کہ پہلا شعر دنیا میں کس نے کہا ؟ بعض کہتے ہیں حضرت آدمؑ نے بعض کا خیال ہے کہ یعرب بن قحطان نے پہلا شعر کہا ۔ پہلا شعر فارسی کا جس نے کہا وہ بہرام گور تھا بعض کا خیال ہے کہ پہلا فارسی کا شعر ابو حفص حکیم سعدی نے کہا ۔ بعض کا خیال ہے کہ فارسی کا پہلا قصیدہ رودکی نے کہا اور بنیاد مداحی ڈالی ۔ یہ سب پڑھنے کے بعد حاجت علم عروض اور اس کا واضع کون تھا اور وجہ تسمیہ اس کی پڑھی ۔

حاجت یہ علم عروض کی یوں وضاحت کی ہے کہ چونکہ شعر کلام موزوں کا نام ہے اور موزوں کے لیے میزان کی ضرورت ہے تاکہ زیادتی و نقصان معلوم ہو جائے پس جو شخص شعر کہے اُس کو

لازم ہے کہ عروض کو حاصل کرتے۔ یہ سب پڑھنے کے بعد علم عروض کس نے ایجاد کیا بعض کا خیال ہے کہ خلیل بن احمد بصری نے استخراج علم عروض کیا اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ایک روز خلیل بن احمد ایک دھوبی کی دوکان کی طرف سے جاتے تھے، دھوبی کی لئے میں ڈوبی ہوئی آواز اور تال سے پڑتے ہوئے ہاتھ کی صدا سُن کے کہا کہ خدا کی قسم اس سے ایک شئے پیدا ہوتی ہے چنانچہ اُسی آواز سے علم عروض ایجاد کیا۔ ایجاد علم عروض کے متعلق بہت سے اقوال ہیں کس نے کس سنہ ایجاد کیا۔ حضور کی زحمت کے خیال سے سب عرض نہیں کرتا۔

اُستاد۔ نہیں اور جو جو یاد آتا جائے بیان کیجیے تاکہ میں سمجھ سکوں کہ آپ محنت سے پڑھ رہے ہیں یا نہیں ؟

نواب۔ پھر حضور ایک فصل میں موزوں ناموزوں کا تذکرہ کیا ہے۔ تقطیع کے معنے لکھے ہیں۔ کیفیت بتائی ہے۔ چنانچہ کہا ہے کہ وزن کے معنے کلام کو بحروں کی میزان پر تولنا، مگر وہی جو معین ہیں۔ اگر پورا اترے شعر موزوں ورنہ ناموزوں۔ اسی کو تقطیع کہتے ہیں۔ عروضیوں کی اصطلاح میں تقطیع بیت یہ ہے کہ الفاظ جو اس بیت میں ہیں ان کو ایک دوسرے سے جدا کریں اس طرح کہ ہر جزو اس کا برابر ہو وزن میں اجزا سے اُس بحر کے جس بحر میں بیت ہے۔ پھر معنے لغوی بتلائے ہیں کہ تقطیع لغت کی حیثیت سے پارہ پارہ کرنے کو کہتے ہیں۔ تقطیع میں عدد حروف اور حرکت و سکون معتبر ہے۔ اور خصوصیت حروف اور حرکت یعنے فتح کسرہ ضمہ اس کو کوئی دخل نہیں۔ مثال یہ دی ہے:۔ جیسے طوطی اور بلبل، وزن دونوں کا (فعلن) ہے اور وہ حرف جو تلفظ میں آئے اُس کا اعتبار تقطیع میں کیا جائے گا اگرچہ کتابت میں وہ حرف نہ ہو۔ اور جو حرف کہ تلفظ میں نہ آئے اُس کا اعتبار تقطیع میں نہ ہوگا اگرچہ کتابت میں کیوں نہ ہو اور سبب اسکا یہ بتایا ہے کہ تقطیع ملفوظ کی ہوتی ہے نہ مکتوب کی یہ جائز ہے کہ حروف ایک مصرع کے زائد ہوں بیت کے دوسرے مصرع سے درآنحالیکہ دونوں مصرعے ایک ہی وزن کے ہوں۔ اُسکی مثال یہ دی ہے ؎

نشست سرور اہل کرم بمجلس خاص　　　دو خواں سخوان و سہ خوان خواست خواں چہ خواں کہ نہ خواست

پہلے مصرع میں بائیس حرف، دوسرے مصرع میں ۲۳ حرف۔

پھر نون تنوین کو بتایا ہے کہ عروضیین بظاہر لکھتے ہیں تاکہ ملفوظ و مکتوب اوزان شعر یکساں ہو اور کوئی التباس نہ ہو سکے۔

پھر صاحب کتاب نے اُن حروف کا تذکرہ کیا ہے کہ جو ملفوظ ہیں لیکن مکتوب نہیں ہیں۔ اُن میں سے ایک الف ہے جو اشباع فتح سے یعنے زبر کے کھینچنے سے پیدا ہوتا ہے مثال میں آمد و آید کو پیش کیا ہے جو وزن پر فعولن کے ہیں اور تقطیع میں دو الف لکھے جاتے ہیں۔ پہلا متحرک دوسرا ساکن۔ پھر واؤ ہے جو واؤ کے ضمہ کے کھینچنے سے حاصل ہوتا ہے جیسے داؤد (طاؤس) کہ جس کا وزن (فعلان) ہے اور تقطیع میں دو واؤ لکھے جاتے ہیں۔ پہلا متحرک دوسرا ساکن۔ پھر یا ہے جو کسرہ کے اشباع یعنے کھینچنے سے پیدا ہوتی ہے جیسے من بیدل کے کسرے کو کھینچیں اس طرح کہ بعد نون (یا) ملفوظ ہو اور تقطیع میں یہ (یا) لکھی جاتی ہے۔ جیسے (منی بیدل، بروزن (مفاعیلن) اس (یا) کو یائے بطنی کہتے ہیں۔

اسی طرح بعض الفاظ عربی (الف، واؤ، یا) ملفوظ ہوتے ہیں مکتوب نہیں ہوتے جیسے الف (اللہ و ہذا، وذلک) اور واو (لہ) اور یائے (بہ) وغیرہ۔ اور بعض حروف مشدد جیسے خرّم و فرّخ کہ بروزن (فعلن) ہیں اور تقطیع میں دو حرف لکھے جاتے ہیں۔ پہلا ساکن، دوسرا متحرک۔

اُستاد۔ ماشا اللہ، آپ نے سمجھ کے ہی پڑھا ہے اور یاد بھی ہے۔

نواب۔ (سلام کر کے) اور عرض کروں؟ مجھے سب یاد ہے۔

اُستاد۔ وقت کم ہے اور آج کام زیادہ ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ پھر سنوں گا۔

نواب۔ بہت خوب۔ حضور سے اجازت چاہتا ہوں؟

اُستاد۔ اچھا جائیے، آج آپ نے بہت دل خوش کیا، آپ جلد مکمل شاعر ہو جائیے گا۔

نواب سلام کرتے ہوئے خوشی خوشی رخصت ہو گئے۔ اتفاق روزگار، وہی شاگرد جو اپنی

غزل اصلاح کو دے گئے تھے اور ہر بات میں ایک لفظ غلط بول گئے تھے غزل لینے آگئے۔
آتے ہی "
السلامٌ علیکم
اُستاد۔ علیکم السلام یا جامع التنوین واللام۔
شاگرد۔ (بیٹھتے بیٹھتے) حضور، میں عربی نہیں جانتا، کیا ارشاد ہوا؟
اُستاد۔ آپ کی بسم اللہ ہی غلط ہوئی، دیکھیے آیندہ کیا ہوتا ہے۔ آپ نے "السلامٌ علیکم" کہا۔ "سلامٌ علیکم" کہتے تو صحیح ہوتا۔ یا " السّلامُ علیکم " بغیر تنوین میم کہتے تو درست ہوتا۔ کیونکہ عربی قاعدے سے کسی لفظ پر اگر الف و لام لاتے ہیں تو آخر میں تنوین نہیں لاتے۔ اسی سبب سے میں نے (یا جامع التنوین واللام) کہا۔ جس کے معنے یہ ہوئے کہ تم پر سلام ہو، اے ایک جگہ الف و لام و تنوین کے جمع کرنے والے۔
شاگرد (شرمندہ ہو کے) بیشک، حضور نے درست فرمایا۔ آیندہ احتیاط کروں گا۔
اُستاد۔ یہ بتائیے کہ خیریت ہے۔ آپ کی زوجہ کا کیسا مزاج ہے؟
شاگرد۔ علالتِ زوجہ سے عاجز ہوں، سخت پریشانی میں دن گزر رہے ہیں۔
اُستاد۔ علالت کا لفظ غلط استعمال کیا۔ علالت کلامِ عرب میں نہیں ملتا لہذا اُردو، اُردو کی ترکیب ناجائز۔ لہذا آپ غلط بولے۔ خیر، بیمار کیا ہیں؟
شاگرد۔ ورمِ جگر و طحال میں مبتلا ہیں۔ دست آتے ہیں۔ دن رات تیمارداری میں مصروف رہتا ہوں۔
اُستاد۔ آج بھی کیا آپ غلط بولنے کی قسم کھائے ہوئے ہیں؟
شاگرد۔ جی نہیں، آج تو سمجھ سمجھ کے بول رہا ہوں۔ کیا غلط بولا؟
اُستاد۔ (تیماردار) کے معنے لغت میں (بیماردار) کے ہیں۔ لہذا (تیماردار) کیا معنے۔ (دار) زائد ہے۔ یا صرف (تیمار) بولیے بیماردار کے معنے میں یا صرف (بیماردار) بولیے (تیمار) کے معنے میں۔

شاگرد - بہت خوب - خود اس چیز کا سمجھنا میری بساط سے باہر تھا -
اُستاد - علاج کس کا ہے یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں -
شاگرد - حکیم کمال الدین صاحب معالج ہیں - وہ برابر مجیب دوائیں دے رہے ہیں جس سے وہ اور کمزور ہوتی جا رہی ہیں -
اُستاد - مجیب کے کیا معنے ؟ پھر غلط بولے -
شاگرد - یہ تو بڑا لفظ ہے ، بڑے بڑے بولتے ہیں -
اُستاد - بڑا لفظ کیا غلط نہیں ہوتا ؟ مجیب کے معنے دعا کا قبول کرنے والا - نہ یہ کہ عجائبات لانے والا - یہ لغت کہاں سے سُنا ؟
شاگرد - لوگ بولتے ہیں ، فلاں دوا مجیب ہے - فلاں نسخہ مجیب ہے - اسلیے میں بھی بول گیا -
اُستاد - غلط ہے - اور بیان کیجیے کہ کیا صورت ہے -
شاگرد - میں نے کئی بار ادویات کے متعلق ٹوکا مگر حکیم صاحب نہیں مانتے ، مرض بڑھتا جا رہا ہے ، خدا خیر کرے -
اُستاد - میں دیکھتا ہوں کہ غلط بولنے کی کچھ آپ کو عادت سی ہو گئی ہے ؟
شاگرد - کیا میں پھر غلط بولا ؟ آج تو بہت خیال کر کے گفتگو کر رہا ہوں -
اُستاد - جی ہاں - خود غلط اِملا غلط انشا غلط - جواب کل غلط - دوا کی جمع عربی قاعدے سے (ادویہ) ہے - اہلِ ہند نے عربی قاعدے والے الف و تا کو بڑھا کے جمع کی جمع بنائی - یہ غلط ہے - ایسے محل پر ادویہ کافی ہے -
شاگرد - بہت خوب - بڑے بڑے مسائل آج حل ہوتے جا رہے ہیں - خدا حضور کو زندہ رکھے -
اُستاد - مگر سمجھاتے سمجھاتے میرا دماغ خراب ہوا جاتا ہے -
شاگرد - جب میں نے نسخہ کے ادویہ کی کئی مرتبہ تردید کی تو حکیم صاحب نے ناراض ہو کے کہا کہ کسی اور کا علاج کیجیے -

اُستاد۔ واہ واہ، پھر غلط بول گئے۔ یہ آپ کو کیا ہوا ہے جو بات کرتے ہیں ایک نہ ایک غلطی ضرور ہوتی ہے؟

شاگرد۔ ابکی بھی غلط بولا؟ مجھ سے خدا سمجھے۔ میرے نصیب خراب ہیں۔

اُستاد۔ بالکل غلط بولے اور وہ لفظ (تردید) کا ہے جس کا غلط معنے میں استعمال ہوتا ہے۔

شاگرد۔ دُنیا کہتی ہے کہ میں نے فلاں کی تردید کی، فلاں کی تردید کی۔

اُستاد۔ دُنیا غلط بولتی ہے۔ لغت میں صرف اسی قدر معنے لکھے ہیں:-

تردید باز گردانیدن و باز آوردن و زبون و فاسد گردانیدن۔

یہ فرمائیے کہ جس محل پر آپ بولے ہیں ان معنے مذکورسے کون سے معنے نکلتے ہیں لہٰذا غلط۔

شاگرد۔ بہت خوب۔ اب نہ بولوں گا۔ زبان میں سیکڑوں الفاظ ایسے ہیں جو غلط ہیں۔

اُستاد۔ پھر کیا ہوا؟ بیان کیجیے۔ آپ کی گفتگو سے دلچسپی ہوتی ہے۔

شاگرد۔ جب دماغ اُن کا کمزور ہوگیا تو حکیم صاحب نے ایک لخلخہ کا نسخہ لکھا اور کہا کہ یہ لخلخہ سنگھائیے۔ دماغ نے اپنا کام چھوڑ دیا ہے۔ ایسے محل پر لخلخہ سنگھاتے ہیں تو دماغ معطر اپنا صحیح کام کرنے لگتا ہے۔

اُستاد۔ آپ بھی غلط بولے اور حکیم صاحب نے بھی لفظ غلط استعمال کیا۔

شاگرد۔ اتنے بڑے قابل حکیم صاحب بھی غلط بول گئے؟ وہ تو بہت مشہور حکیم ہیں؟

اُستاد۔ قابلیت سے کیا ہوتا ہے۔ حکیم صاحب اپنی طب میں، اپنی مشق میں قابل مانے جاتے ہیں۔ یہ دنیا ہی دوسری ہے، اسے ہم لوگ سمجھتے ہیں۔ یہ تحقیق الفاظ ہمارا کام ہے۔ حکیم صاحب ہر وقت (شرح اسباب، نفیسی، سدیدی، قانون شیخ) حمیات و معالجات پڑھا نا یا دیکھا جانیں۔ صحیح غلط سے اُنھیں کیا تعلق۔

شاگرد۔ غلط لفظ کون سا ہے؟ حضور جلد ارشاد فرمائیں۔ مجھے اختلاج ہو رہا ہے۔

اُستاد۔ معطّر کہ لفظ۔ اہل عرب نے کبھی معطر نہیں استعمال کیا کیونکہ عطر فارسی زبان کا لغت ہے

اہلِ ہند نے بابِ تفعیل میں لا کے عطر سے معطّر بنا لیا جس کے معنے خوشبودار کے قرار دیے۔ تنہا استعمال تو کسی حد تک درست ہو سکتا ہے لیکن مع الترکیب بالکل غلط ہے۔ اچھا پھر کیا ہوا اور بیان کیجیے۔

شاگرد۔ بخدا خوف معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ آج بھی بدقسمتی سے جو کچھ کہتا ہوں ایک نہ ایک غلطی ضرور نکل آتی ہے۔

اُستاد۔ آخر درد کہاں ہے۔ اس کی تفصیل تو آپ نے بیان نہیں کی؟

شاگرد۔ دَماغ میں درد رہتا ہے۔

اُستاد۔ پھر غلط۔ اللہ آپ پر رحم کرے آج کوئی بات صحیح نہیں بول سکتے۔

شاگرد۔ حضور صرف دو لفظ مُنہ سے نکالے اور ایک غلطی ہو گئی؟

اُستاد۔ جی ہاں، (دِماغ) بکسر الدال نہ کہ بفتح الدال بمعنے مغز۔

شاگرد۔ یہ تو پڑھے لکھے بولتے ہیں۔ میں آج تک اسی طرح سُنتا آیا۔

اُستاد۔ پڑھے لکھے۔ تو یہ کیا خدا معلوم کتنے غلط الفاظ بولتے ہیں۔ یہ بتایئے کہ بیمار کیونکر پڑیں؟

شاگرد۔ اوّل اوّل نزلہ ہوا، خوب چھینکیں آئیں، خوب بہا۔

اُستاد۔ سینے پر گرا یا نہیں یعنی کھانسی بھی ہوئی یا نہیں؟

شاگرد۔ جی نہیں، سینے پر تو نہیں گرا۔ سب بہ گیا۔

اُستاد۔ تو آپ پھر غلط بولے۔ نزلہ اُس کو کہتے ہیں جو سینے پر گرے اور زکام وہ ہے جو سینے پر نہ گرے بہ جائے۔ ہمیشہ اس کا خیال رکھیے گا۔ پھر آپ نے کیا کیا؟

شاگرد۔ میں نے دو دن تک جوشاندہ پلایا۔ صبح، دوپہر، شام برابر دوا دیتا رہا۔

اُستاد۔ جوشاندہ کیا؟ دوائیں بتایئے تاکہ معلوم ہو کہ کیا کیا پلایا؟

شاگرد۔ یہی۔ خطمی ۶ ماشہ، بنفشہ ۶ ماشہ، عناب ۵ دانے، برگ گاؤزبان ۴ ماشہ، سپستان، اذخر خاکسی ۴ ماشہ، اصل السوس ۴ ماشہ، تخم کتاں ۴ ماشہ، نبات سفید ۶ ماشہ۔

اُستاد۔ پہلے آپ جوشاندہ بولے قطعاً غلط، اصل میں جوشانیدہ کہنا چاہیے۔ یعنے جوش دی ہوئی

دوائیں - جوشاندہ کوئی لفظ ہی نہیں - اُردو سمجھتے ہوئے بغیر ترکیب خیر بولا جا سکتا ہے - پھر آپ خَطمی بفتح خا بولے - دراصل بکسر خا یعنے خِطمی ہے - لوگ خطمی خطمی غلط بولتے ہیں سب کو جانے دیجیے خود حکما ر حاذقین کو خَطمی بفتح خا بولتے سُنا ہے - اللہ حکما پر رحم کرے -

شاگرد کچھ اور بیان کرنا چاہتے تھے کہ ملازم نے کہا "حضور اندر تشریف لے جائیے بُلایا گیا ہے - شاید بیگم صاحبہ کا کچھ مزاج ناساز ہو گیا ہے -

شاگرد - (یہ سن کے) حضور سے اجازت چاہتا ہوں - غزل پھر آ کے لے لوں گا -

اُستاد - اچھا جائیے - پھر لے جائیے گا -

شاگرد رخصت ہو گئے -

اُستاد زنان خانہ میں تشریف لے گئے - تھوڑی دیر کے بعد بیگم صاحبہ کا مزاج رو بہ صلاح ہو گیا - اُستاد نے خاصہ نوش فرمایا، آرام کیا - چار بجے بیدار ہوئے - چھ سات روز تک کہیں تشریف نہیں لے گئے - حسب دستور اُستاد بیٹھکے میں بیٹھے ہوئے حقہ پی رہے تھے کہ مولانا کشنیہ کو غزل لے کے آ گئے اور سلام علیکم کہہ کے سامنے بیٹھ گئے -

اُستاد - (علیکم السلام کہہ کے) غزل پڑھیے اصلاح دے دوں -

مولانا غزل جیب سے نکال کے پڑھنے لگے -

اصلاح نمبر ۱۸

غزل مولانا

مطلع نمبر ۱

نہ پوچھو قید قفس میں نہ کیوں قرار آیا   چمن سے چھٹ گئے جب عالمِ بہار آیا

اُستاد - اب تو آپ قرینے کے شعر کہنے لگے - اگر کچھ روز اسی محنت سے کہے گئے تو ضرور کسی قابل ہو جائیے گا - اور پڑھیے -

مولانا ۔ سب حضور کا تصدق ہے، میری کیا حقیقت ہے ۔

مطلع نمبر ۲

شبِ فراق نہ دل کو مرے قرار آیا ~~کہ بارہا انھیں جا جا کے~~ میں پکار آیا
ہزار بار میں جا کے انھیں

اُستاد ۔ (بارہا) اور کاف بیانیہ سے مصرعے دو لخت ہو گئے ۔ مطلب یہ ہوا جاتا ہے کہ چونکہ بکثرت انھیں جا جا کے پکارا اسلیے شبِ فراق دل کو قرار نہ آیا ۔ آپ کا مطلب یہ نہیں ہے ۔ بلکہ آپ کا مطلب یہ ہے کہ جب فراق کی رات دل کو قرار نہ آیا تو انھیں حالتِ اضطرار میں جا جا کے پکار آیا ۔

مولانا ۔ بیشک، میرا مطلب یہی ہے ۔

اُستاد ۔ تو مصرع یوں بدل دیجیے ۔ ع

ہزار بار میں جا کے اُنھیں پکار آیا

مولانا نے بہت خوب کہہ کے مصرع لکھ لیا ۔

شعر نمبر ۳

مجھے جہان سے جانا ہے جھوٹ کیوں بولوں تمھارے وعدے کا مجکو نہ اعتبار آیا

اُستاد ۔ مصرع اولیٰ میں صَرف غلط ہے (مَیں جھوٹ کیوں بولوں جہان سے جانا ہے) یہ صَرف اہلِ زبان کا نہیں بلکہ ایسے محل پر (جہان) کی جگہ (دُنیا) بولتے ہیں ۔ (جھوٹ کیوں بولوں) کی جگہ زیادہ تر (جھوٹ کیوں کہوں) بولتے ہیں ۔ لہذا اگر مصرع یوں ہو جائے تو بہتر ہے ۔

میں جھوٹ کیوں کہوں دُنیا سے مجکو جانا ہے تمھارے وعدے کا مجکو نہ اعتبار آیا

شعر نمبر ۴

وہ یاد کر کے مرے دل کو خوب سا رو دئے اگر نظر انھیں ٹوٹا ہوا مزار آیا

اُستاد ۔ (خوب سا) کا صَرف غیر فصیح ہے ۔ (خوب) کے ساتھ (سا) زیادہ تر عورتیں یا عوام مرد بولتے ہیں، فصحاء استعمال نہیں کرتے ۔ آیندہ خیال رکھیے گا ۔ مصرع خود بدلیے ۔

مولانا نے خاموش ہو کے سر جھکا لیا۔

اُستاد ـ کیوں ؟ کیا بات ہے ؟ مصرع بدلیے ، ابھی آپ مشاق ہو گئے ہیں ۔

مولانا ـ چونکہ امتحان کا وقت ہے ، میرے حواس جاتے رہے ۔

اُستاد ـ نہیں نہیں ، گھبرائیے نہیں یہ پُرانا قاعدہ ہے ۔ مصرع شاگرد سے بدلواتے ہیں ۔ آپ کی مشق جبھی بڑھے گی جب مصرع لگائیے گا ۔ اس کے متعلق ایک بہترین واقعہ دو اُستادوں کا بیان کروں گا ۔ آپ مصرع بدلیے ۔

مولانا بہت خوب کہہ کے غوطہ میں چلے گئے (دیر کے بعد یہ جی بدل دیا)۔

دلِ شکستہ مرا جان کے بہت روئے ۔۔۔۔۔ اگر نظر اُنھیں ٹوٹا ہوا مزار آیا

اُستاد ـ مصرع تو اچھا لگایا ۔ آیندہ فوری مصرع آپ سے لگواؤں گا ۔ آپ جلد مکمل شاعر ہو جائیں گے اور مجھے کہنا پڑے گا کہ آپ کو اصلاح کی ضرورت نہیں بغیر کلام دکھائے پڑھا کیجیے جب ایسا ہی کوئی اہم مسئلہ ہو دریافت کر لیا کیجیے گا

مولانا ـ بہت خوب ـ حضور نے ایک واقعہ بیان فرمانے کو کہا تھا ؟

اُستاد ـ ہاں ، خوب یاد دلایا ۔ سُنیے ۔ خدائے سخن حضرت عشق مرحوم پانچ بھائی تھے ۔ پانچوں کے تخلص یہ تھے : تعشق ، عشق ، عاشق ، صبر ، صابر ۔ ان کے پدر بزرگوار سید محمد میرز اصاحب اُنس تھے شاگرد رشید حضرت ناسخ مرحوم تھے ، بڑے باکمال بزرگ تھے ۔ اُنھیں مرحوم کا شعر زبان زد خلائق ہے سے

تمھیں لحد میں اُتارو تمھیں پڑھو تلقیں ۔۔۔۔۔ کہیں تو صحبتِ راز و نیاز ہو جائے

دوسری غزل کا ایک شعر اور یاد آگیا سے

غبارِ قافلہ ہوں کیا مقام و کوچ مرا ۔۔۔۔۔ ہوا جدھر کی چلی اُس طرف روانہ ہوا

مولانا ـ واہ واہ ، کیا نایاب شعر حضور نے سُنائے ۔

اُستاد ـ ہاں بھائی ، بڑے بڑے خوشگو لکھنؤ میں گزرے ۔ لکھنؤ والوں نے ہمیشہ قوتِ اقتدار کی

عزت کی، کمال کی قدر نہ کی۔ آپ کیا پوچھتے ہیں، دل پر اک داغ ہے۔ کسی کا ایک شعر ان پانچوں بھائیوں کے متعلق ہے اور لکھنؤ میں بہت مشہور ہے ؎

تعشق، عشق و عاشق، صبر و صابر — یہ پانچوں تن غلام پنجتن ہیں

مولانا۔ خوب تخلص جمع کیے، سبحان اللہ، کیا کہنا۔

اُستاد۔ خیر، جناب عشق مرحوم بڑے محقق فن مرثیہ گو بزرگ گزرے ہیں، سب سے بڑے بھائی تھے، سب باپ کی جگہ سمجھتے تھے، اُن کا بڑا وقار تھا۔ انیس و دبیر کے سامنے کسی کا چراغ جل نہ سکا۔ صرف جناب عشق کی ذات تھی کہ جس نے لکھنؤ میں مرثیہ گویوں کا تیسرا خاندان منوالیا۔ عشق و تعشق کی ہستیاں کسی طرح کمال میں کم نہیں۔ حضرت عشق مرحوم تو اس قدر مستند محقق و باکمال اُستاد گزرے ہیں کہ بڑے بڑے اساتذہ بات کرتے ڈرتے تھے۔ حضرت کلام دیکھیے تو دل خوش ہو جائے تقریباً نصف زبان اُردو بولتے تھے۔ سیکڑوں متروکات عشق مشہور ہیں جو آپ سے بیان کر چکا ہوں۔

جناب عشق سے چھوٹے جناب احمد میرزا صاحب صابر تھے۔ اُن سے چھوٹے، جناب سید میرزا صاحب تعشق۔ اُن سے چھوٹے جناب اچھے صاحب صبر۔ اُن سے چھوٹے، جناب بہادر میرزا صاحب عاشق۔ یہ سب شاعر باکمال گزرے ہیں۔ جناب احمد میرزا صاحب صابر کے چار بیٹے تھے۔ جناب رشید۔ جناب حمید۔ جناب سعید۔ جناب جدید۔

لکھنؤ کے مشہور استادِ مرثیہ گو جناب رشید و حمید گزرے ہیں۔ جناب جدید بہت خوشگو تھے۔ اُنھیں کے چند شعر لکھنؤ میں بہت مشہور ہیں جو مرحوم نے فی البدیہہ کہے تھے۔ مطلع اور ایک شعر یاد ہے جو آپ کو سناتا ہوں ؎

مطلع

زخم میرے دلِ سوزاں کے سیئے جاتے ہیں — جلتے جاتے ہیں وہ ٹانکے جو دیے جاتے ہیں

مولانا۔ بخدا کیا مطلع کہا ہے۔ واہ واہ۔

اُستاد۔ شعر ہے ؎

اب خبر لیجیے لاش اُٹھتی ہے مجبور ہوں میں　　　　سب مجھے آپ کے کوچے سے لیے جاتے ہیں

مولانا - واہ واہ، کیا شعر فرمایا ہے - (مجبور ہوں میں) کا ٹکڑا کتنا زبردست ہے -

اُستاد - رشید و حمید کا نام تو آپ نے سُنا ہوگا؟

مولانا - جی ہاں، سُنا ہے - اُن کا نام ہمارے پورب میں بہت مشہور ہے - مجلسیں پڑھنے تشریف لے جاتے تھے -

اُستاد - ایک خصوصیت اس خاندان کی یہ ہے کہ خاندان غزل گو بھی ہے - ہر ہر فرد نے لاکھوں غزلیں کہیں - صرف دو مطلعے حضرت جدید مرحوم کے اور یاد آگئے سُنا دوں فرماتے ہیں -

مطلع

چارہ گر بچنے کی بس یہ آخری تدبیر ہے　　　　اب وہی دل سے نکالے آکے جس کا تیر ہے

مولانا - کیا کہنا، ایسا مطلع تو سننے میں نہیں آتا - ندرت خیال، جدتِ تخیل کا کیا کہنا -

اُستاد - دوسرا مطلع ہے -

ہے عکس آئینے میں رخِ لاجواب کا　　　　پانی میں پھول تیر رہا ہے گلاب کا

یہ خاندان دال کی منڈی، رکاب گنج میں رہتا تھا - اب بھی چند فردیں اُس خاندان کی رہتی ہیں - مثلاً جناب تسیم - جناب شدید وغیرہ

خدائے سخن جناب تعشق مرحوم اس خاندان میں ایسی فرد گزرے ہیں جنھوں نے لکھنؤ کی بات رکھ لی - یہ طے شدہ ہے کہ یا آتش خوشگوئی میں فرد تھے یا تعشق - خدا کی پناہ، نازک خیالی کی انتہا نہیں - ایک غزل کے چند شعر یاد ہیں سُناتا ہوں - جناب تعشق فرماتے ہیں -

مطلع

تھے عجب صید ربک ضعف کی تاثیر سے ہم　　　　کہ گرے چند قدم بڑھ کے ترے تیر سے ہم

مولانا - کیا بے نظیر مطلع فرمایا ہے -

استاد - پھر مطلع فرمایا ہے -

مطلع

جاہیں عقل سے نہ خالی کسی تدبیر سے ہم　　چند زخموں کے ہیں سائل تری شمشیر سے ہم

مولانا۔ یہ مطلع بھی منتخب ہے۔

اُستاد۔ کس قیامت کا شعر فرمایا ہے۔ شعر

دل جگر اُس قدر انداز کو دیتے ہیں صدا　　نہ ابھی کھینچ کے لپٹے ہیں ترے تیر سے ہم

مولانا۔ قیامت کا تغزل ہے۔ واقعاً جذباتی شعر کہنے والا اس سے بہتر شعر کیا کہے گا۔

اُستاد۔ ابھی اور سُنیئے، نزاکت خیال کی انتہا نہیں

شعر

یاد آتی ہے ستمگر تری پلکوں کی جھپک　　غش ہوئے جاتے ہیں آواز پر تیر سے ہم

مولانا۔ بیشک، نہایت نازک خیال نظم فرمایا ہے۔ سبحان اللہ۔

اُستاد۔ اور سُنیئے۔ خون دَوڑنے لگے گا، یوں مصرع لگاتے ہیں:

شعر

آئنہ بھی نہ وہ حیرت زدگاں کو سمجھا　　نہ ہوئے لائق صحبت کسی تدبیر سے ہم

مولانا۔ بیشک، لاجواب مصرع لگایا ہے۔ خدا کی پناہ، کیا کہنا۔

اُستاد۔ پُرانے رنگ کا بے نظیر شعر پڑھتا ہوں۔

شعر

رات کو الفتِ گیسو میں جو دم رُکتا ہے　　دل کو دیتے ہیں دوا نالۂ شبگیر سے ہم

مولانا۔ کمال فرماتے تھے۔ کلام کی پختگی، زبان کی نرمی کی واقعاً انتہا نہیں۔

اُستاد۔ شعر اب سُنیئے۔ حقیقتاً زبان کی نرمی، صفائے نظم اس کا نام ہے۔

شعر

دوستو، ہیں نگہِ ناز کے روزن دل میں　　ورنہ برچھی سے ہیں زخمی نہ کسی تیر سے ہم

مولانا۔ جناب نے بالکل درست فرمایا۔ کیا شستگی ہے۔

اُستاد۔ مقطع بھی یاد آگیا سُنادوں۔ خدا مغفرت فرمائے اور ضرور مغفرت فرمائے گا۔ مداحِ حسینؑ تھے۔ اٹھارہ سال جوارِ سیدالشہداءؑ میں رہے تھے یعنے عراق میں۔ اُس غم کو جو ایک حبیب کو محبوب سے چھوٹنے پر ہوتا ہے، ظاہر فرماتے ہیں۔

مقطع

ہائے افسوس تعشقؔ نہ ہوا پھر جانا ۔۔۔ ایسی ساعت سے چھٹے روضۂ شبیرؑ سے ہم

واقعاً مرحوم پھر نہ جاسکے۔ رکاب گنج، دال کی منڈی میں اپنے پدر مرحوم کے پاس مسجد کے باہر والے کمرے میں جسے تہ خانہ کہتے ہیں مرحوم دفن ہیں۔

مولانا۔ کوئی غزل اگر اور یاد ہو تو ارشاد فرمائیے۔ دل چاہتا ہے کہ مرحوم کا کلام سُنے جاؤں۔

اُستاد۔ جو بات کہنا چاہتا ہوں رہ نہ جائے۔

مولانا۔ انشاء اللہ تعالیٰ رہے گی نہیں، صرف ایک غزل کے چند شعر اور سُنا دیجیے۔

اُستاد۔ اچھا سُنیے۔ مجھے تو بہت سی غزلیں یاد تھیں۔ حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے بھول گیا۔ جناب تعشقؔ رح فرماتے ہیں۔

غزل

یادِ غم دل سے کبھی جاتی نہیں ۔۔۔ اب تو بھولے سے ہنسی آتی نہیں

مولانا۔ کیا کہنا، کیا مطلع فرمایا ہے (بھولے سے) کا ٹکڑا کیا لاجواب ہے۔

اُستاد۔ شعر سُنیے کس قدر لطیف فرمایا ہے۔

کچھ خبر ملتی نہیں دل کی سبب ۔۔۔ آج نالوں کی صدا آتی نہیں

مولانا۔ کیا تعریف ہو۔ واہ واہ۔ واقعاً یہ ہستی جانِ لکھنؤ تھی۔

اُستاد۔ اہاہا۔ کیا شعر یاد آیا، مولانا دل خوش ہو جائے گا۔

قبر میں رکھ کے مجھے کہنے لگے ۔۔۔ کیوں، طبیعت اب تو گھبراتی نہیں

مولانا۔ بیشک دل خوش ہوگیا کیا شعر ہے ۔

اُستاد۔ بھئی اب شعر یاد نہیں آتے ۔ ایک شعر اور یاد ہے سُن لیجیے ۔ شعر کہتے ہیں

لاش پر بھی آئے منہ ڈھانپے ہوئے　　　بدگمانی آپ کی جاتی نہیں

مولانا۔ یہ تو لاجواب شعر فرمایا ہے ۔ نہایت نفیس خیال ۔

اُستاد۔ وقت نہیں ہے ورنہ اور اشعار سناتا ۔ تو آپ کو قدر ہوتی ۔ ان کے بڑے بھائی جناب عشق کے دو صاحبزادے ایک صاحبزادی تھیں ۔ صاحبزادی حکیم صفدر حسین صاحب ٹوریہ گنج والے کو منسوب تھیں ۔ ایک صاحبزادے سید خورشید میرزا صاحب ۔ دوسرے سید حیدر میرزا صاحب ادب ۔ سید خورشید مرزا صاحب نے شعر گوئی میں خاص ترقی نہیں کی ۔ سید حیدر میرزا صاحب ادب مثل اپنے پدر بزرگوار کے نہایت باکمال و مستند مرثیہ گو اور شاعر گزرے ہیں اُنھیں کے صاحبزادے ماشاءاللہ جناب سید عسکری میرزا صاحب مؤدب ہیں ۔ اپنے جد بزرگوار جناب عشق کے بالکل شبیہ اور قدم بقدم ہیں ۔ واللہ اہل لکھنؤ کو قدر نہیں ۔ اب ایسی ہستی لکھنؤ میں پیدا نہ ہوگی ۔ واقعاً تحقیق میں یہ خاندان فرد ہے ۔ جناب مؤدب بڑے محقق و باوصاف بزرگ ہیں ۔ حد ہے کہ آج تک انگریزی کا لفظ نہیں بولے ۔ جو کوئی ان کے سامنے انگریزی کا لفظ بولتا ہے ناراض ہوجاتے ہیں ۔ پُرانی تہذیب ، پُرانے رکھ رکھاؤ والے بزرگ ہیں ۔ یہ وہ ہستی ہے جن سے انسان تہذیب و کمالِ شعر و سخن حاصل کرے ۔ واقعاً جناب بڑے باخدا اور وضعدار ہیں ۔ جو کہنا چاہتا تھا کہہ نہ سکا بات میں بات یاد آتی چلی گئی ۔

جناب رشید جناب عشق کے حقیقی بھتیجے اور شاگرد بھی تھے ۔ جو کچھ کمال جناب رشید میں تھا وہ سب جناب عشق کی محنت کا نتیجہ تھا ۔ چونکہ خدائے سخن حضرت انیس کی صاحبزادی جناب صابر کو منسوب ہوئی تھیں یعنے جناب عشق کی بھاوج ۔ اسلیے حضرت رشید کے خدائے سخن حضرت انیس حقیقی نانا تھے ۔ جب پہلا نیا مرثیہ کہا ہے ۔ اور چچا یعنے جناب عشق کی خدمت میں پیش کیا ہے تو انھوں نے بربنائے خلوص فرمایا تھا کہ اپنے نانا کو مرثیہ دکھاؤ یعنے جناب انیس کو موافق حکم

جناب رشید مرثیہ لے کے سیدی سندی اپنے نانا کی خدمت میں پہونچے ۔ محبت کرنے والے نانا نے پوچھا کہ میاں خیریت ہے، کہاں آئے؟

جناب رشید نے عرض کیا کہ مرثیہ کہا ہے، اصلاح لینے آیا ہوں ۔

جناب انیس ہنسے اور کہا جب خود تمھارے گھر میں اتنا بڑا محقق عشق سا استاد موجود ہے تو اتنی دور اصلاح لینے آنے کی کیا ضرورت ۔ مرثیہ دیکھا نہیں اُسے واپس کر دیا اور کہا کہ اُنھیں کو مرثیہ دکھایا کرو۔ حقیقی چچا اور تمھارے اُستاد بھی تو ہیں ۔

تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد حضرت رشید چلے آئے تھے پھر جناب عشق سے جب تک زندہ رہے جناب رشید اصلاح لیتے رہے ۔ جناب عشق کی زندگی میں کبھی ایک مصرع جناب رشید بغیر دکھائے کسی محفل میں نہیں پڑھے گو استاد ہو گئے تھے مگر پہلے زمانے میں یہ خلافِ وضع اور خلافِ تہذیب تھا۔ دیکھیے پھر بات بڑھی جاتی ہے ۔

مولانا ۔ ارشاد ہو، میں بڑی دلچسپی سے یہ واقعات سُن رہا ہوں ۔

اُستاد ۔ تاخیر ہوئی جاتی ہے، مختصر کر کے اصل واقعہ تو بیان کر دوں ۔ جناب رشید ایک نئی غزل کہہ کے جناب عشق کی خدمت میں لائے ۔ جس کا ردیف، قافیہ یہ تھا ۔ تارے رات کو، پیارے رات کو ۔ جس غزل کے دو شعر یاد آ گئے، آپ کو سُنا دوں ۔

آ گئی صبحِ قیامت اور میں سویا نہیں   پھر نہ آئی نیند تم جب سے سدھارے رات کو
پوری گردش آسماں نے شام سے کی تا سحر   آج ہم نے گِن لیے سارے ستارے رات کو

جناب عشق نے غزل سُنی ۔ ایک شعر کے متعلق فرمایا کہ مصرع نہیں لگا ۔

جناب رشید نے اُسی وقت دس یا پندرہ مصرعے لگائے ۔ سب کو کہا ابھی کوئی مصرع نہیں لگا ۔ حکم فرمایا کہ آج رات کو بہت سے مصرعے لگا کے لانا ۔ چنانچہ موافق حکم رات بھر میں ایک مصرعے پر سو مصرعے لگائے ۔ صبح کو اپنے چچا کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔

جناب عشق نے پوچھا کہ کتنے مصرعے لگائے ۔

جناب رشید نے عرض کیا کہ نئو مصرعے لگائے۔ جناب عشق نے کہا کہ پڑھو۔ جناب رشید نے سب مصرعے سُنائے۔ جناب عشق نے کہا کہ ابھی مصرع نہیں لگا۔ جناب رشید نے عرض کی کہ اب مجھ سے مصرع نہیں لگے گا۔ آپ مصرع لگا کے بتا دیجیے۔ وہ مصرع جس پر جناب رشید نے ایک سَو پندرہ مصرعے لگائے تھے یہ تھا۔

دن کو مُنہ دھویا گیا گیسو سنوارے رات کو

جناب عشق مرحوم نے مصرع لگا کے فرمایا کہ دیکھو اب مصرع لگا۔ لکھو

اُن کی آرائش بھی ہوتی ہے موافق وقت کے   دن کو مُنہ دھویا گیا گیسو سنوارے رات کو

مولانا۔ واہ واہ واہ۔ کیا مصرع لگایا ہے۔ اُستادی اسی کا نام ہے

اُستاد۔ اِس سے بہتر مصرع لگ نہیں سکتا۔ جناب عشق نے دَوران مشق میں چودہ سال ایک جگہ بیٹھے گھر میں بیٹھ کے شعر کہہ کہہ کے پھاڑ کے پھینکے ہیں۔ نہ کسی تقریب غم میں شریک ہوئے نہ خوشی میں۔ جب انیس و دبیر کے ہوتے ہوئے لوگوں کے دلوں پر اپنا سکّہ بٹھایا ہے اور تیسرا خاندان لکھنؤ میں قائم کیا۔

کُل تقریر کا میری خلاصہ یہ ہے کہ پہلے کے لوگ یوں محنت کرتے تھے اور اُستاد اس شفقت سے بتاتا تھا جیسا پدر مہربان اپنے فرزند لائق کو تعلیم کرتا ہے۔ باتوں میں بہت دیر ہو گئی شعر پڑھیے جلدی غزل بنا دوں۔

مولانا۔

شعر نمبر ۵

~~تماشا دم کے نکلنے کا کیا نہ دیکھیں گے وہ~~   اب اُٹھ کے جاتے ہیں جب قریب احتضار آیا

نہ سیر دیکھیں سکے کیا میرے دَم نکلنے کی

اُستاد۔ آپ کے پہلے مصرع میں تعقید نے سُستی نظم کر دی۔ مصرع صاف نہیں ہے۔ پڑھنے میں اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

مولانا کی ہمت بڑھ چکی تھی۔ کہنے لگے "میں بدل دوں"

اُستاد۔ بدلیے۔

مولانا۔ قدرے غور کر کے ۔

نہ سیر دیکھیں گے کیا میرے دم نکلنے کی　　　اب اُٹھ کے جاتے ہیں جب وقتِ احتضار آیا

اُستاد۔ اچھا بدلا ۔ اب آپ شاعر ہوتے جاتے ہیں ۔

مولانا۔ (مسکرا کے) حضور کا صدقہ ہے ۔

شعر نمبر ۶

شبِ فراق نے ایسا کیا مجھے مریل　　　لحد میں جا کے بھی برسوں مجھے بخار آیا

اُستاد۔ آج اتنے روز کے بعد میرے خلاف مزاج آپ نے لفظ استعمال کیا ۔

مولانا۔ حضور، کون سا لفظ ہے ؟ ارشاد ہو ۔

اُستاد۔ آپ نے (مریل) کا لفظ کیا سمجھ کے صرف کیا ؟

مولانا۔ امیر مینائی نے صرف کیا ہے ۔

اُستاد۔ آپ کیا امیر مینائی کے مقلد ہیں ؟

مولانا۔ کیا وہ اُستاد نہیں ؟

اُستاد۔ اُستاد ضرور ہیں لیکن میرے نزدیک محتاط اساتذہ میں نہیں ہیں ۔ بہت کچھ ایسی چیزیں نظم کر گئے ہیں جو بالکل غیر فصیح ۔ آپ کو شعر یاد ہے جس میں مریل کا لفظ نظم کیا ہے ؟

مولانا۔ جی شعر ہے ۔ امیر مینائی

دخترِ رز کا بھی جوبن نہ ابھارے جس کو　　　ایسی مریل کسی زاہد کی طبیعت ہو گی

اُستاد۔ ملاحظہ فرمایئے، کس قدر اخلاق سے گرا ہوا شعر ہے جس کی تشریح بسبب تہذیب نہیں کر سکتا ۔ (مریل) کا لفظ بالکل بازاری لغت ہے ۔ نظم کو ان تمام چیزوں سے پاک ہونا چاہیئے۔ نہ ایسے خیالات ہوں جیسا شعر آپ نے سُنایا بالکل مرتبہ سے گرا ہوا شعر ہے لہٰذا مصرع خود بدلیے۔

مولانا۔ (غور کر کے) حضور، مصرع بدل دیا۔

تپِ فراق نے چھوڑا نہ بعدِ مرگ بھی ساتھ　　　لحد میں جا کے بھی برسوں مجھے بخار آیا

اُستاد۔ یہ مصرع اچھا لگایا۔ اور پڑھیے۔

شعر نمبر ۷

لحد میں ہاتھ ہلا کے وہ مجھ سے کہتے ہیں   ہمارے وعدے کا اب تم کو اعتبار آیا

اُستاد۔ (ہاتھ) کی جگہ (شانہ) لکھیے۔ قبر میں ہاتھ نہیں ہلاتے شانہ ہلاتے ہیں۔ اور پڑھیے۔
مولانا نے لفظ لکھ لیا۔

شعر نمبر ۸

کبھی جو حسن کی بجلی چمکتے دیکھی تھی   نہ آج تک دلِ بیتاب کو قرار آیا

اُستاد۔ اور پڑھیے۔ شعر غنیمت ہے۔

مولانا۔

شعر نمبر ۹

نکالا تم نے مرے دل سے جتنی دیر میں تیر   بس اتنی ~~ساعتیں دل کو~~ مرے قرار آیا
(دیر مرے قلب کو)

اُستاد۔ (ساعتیں) کا لفظ مناسب نہیں لہٰذا مصرع یوں بدل دیجیے۔

بس اتنی دیر مرے قلب کو قرار آیا

مولانا۔ بہت خوب کہہ کے لکھ لیا۔

شعر نمبر ۱۰

میں بھول جاتا ہوں گننے میں دل کے ٹکڑوں کو   غضب خدا کا نہ اب تک مجھے شمار آیا

اُستاد۔ رہنے دیجیے، شعر اچھا ہے۔ اور پڑھیے۔

مولانا۔

شعر نمبر ۱۱

کسی کو صبر ملا اور کسی کو درد ملا   مرے نصیب کے حصے میں انتظار آیا

اُستاد۔ یہ شعر کاٹ دیجیے کیونکہ صبر یا درد کہاں ملا کب ملا۔ اس چیز کو آپنے ظاہر نہیں کیا۔
مولانا۔ تو بدل کے مصرع کی اصلاح فرمائیے تاکہ میں سمجھ لوں کہ کس چیز کی ضرورت ہے۔
اُستاد۔ ازل میں درد کسی کو کسی کو صبر ملا   نصیب میرے کہ حصے میں انتظار آیا

مولانا۔ درست، اب سمجھ میں آگیا۔ بیشک لفظ ازل کی ضرورت تھی۔ واقعاً حضور نے بہت فرمایا ہے۔

مقطع

نہ پوچھو صورت حد صفائے قلب شعار　　اک آئینہ ہے نہ جس میں کبھی غبار آیا

اُستاد۔ پہلے مصرع میں ایک سخت عیب نظم ہو گیا جو غالباً آج تک میں نے آپ کو نہیں سمجھایا۔ اور وہ توالی حرکات۔ آپ نے چار اضافتیں ایک مصرع میں مسلسل جمع کر دیں جو قطعاً ناجائز۔ اساتذہ نے حرام سمجھا ہے۔ تین اضافتوں تک جائز ہے لیکن چار بالکل غلط۔ لہٰذا مصرع ابھی بدلیے کیونکہ مقطع ہے۔

مولانا۔ (دیر تک غور کرنے کے بعد) حضور عرض کیا ہے ؎

نہ پوچھو دوستو حد صفائے قلب شعار　　اک آئینہ ہے نہ جس میں کبھی غبار آیا

اُستاد۔ مصرع خوب بدلا، ماشاء اللہ، محنت اسی کا نام ہے۔ اب آپ سے امید ترقی ہوتی جاتی ہے۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۸

مولانا۔ چند چیزیں دریافت کرنی تھیں اگر حکم ہو تو عرض کروں ؟

اُستاد۔ پوچھیے

مولانا۔ برادرِ نسبتی سے کیا مراد ہے ؟

اُستاد۔ زوجہ کے بھائی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ شاہِ اودھ، جنت مکان، خلد آشیاں، حضرت واجد علی شاہ بہادر اختر رح کا شعر ہے ؎

حقیقت میں کچھ سعی بیجا نہ تھی　　کہ اُن کا برادر تھا وہ نسبتی

یہ ایک مثنوی کا شعر ہے جو یاد آگیا اور میں نے آپ کے سامنے پڑھا

مولانا۔ درست ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ خواہر نسبتی، سالی کو کہتے ہیں یا نہیں ؟

اُستاد۔ سالی کو یعنے بیوی کی بہن کو خواہرِ نسبتی کہتے ہیں ۔اس کی مثال بادشاہ اودھ واجد علیشاہ بہادر کی مثنوی میں موجود ہے ؎

جو یہ والدہ ماجدہ ہیں مری　　انھیں کی وہ ہیں خواہرِ نسبتی

یعنے سالی ۔

مولانا۔ مَیں سمجھ گیا۔ مجھ سے ایک صاحب سے بحث ہوگئی تھی اس لیے دریافت کیا۔

اُستاد۔ اور کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ لیجیے ۔میرا مذاقِ طبیعت یہی ہے کہ کوئی پوچھے اور مَیں جواب دُوں۔

مولانا۔چند چیزیں اور ہیں اگر مع مثال ارشاد ہوں تو بہتر ہے کیونکہ میں تو حضور کے ارشاد کو مان لوں گا۔مگر دوسروں کو جن سے بحث چھڑی ہے تامل ہوگا۔

اُستاد۔ اگر مثالیں یاد ہوں گی تو شعر پڑھ دوں گا، آپ دریافت کیجیے۔

مولانا۔ لفظ نَشْہ بفتح وسکون شین صحیح ہے جیسا کہ لغات میں ہے یا نَشَہ بفتحتین یعنے نون کو زبر شین کو زبر۔

استاد۔صحیح درحقیقت نَشْہ بفتح نون وسکون شین ہے ۔چنانچہ طالب آملی کہتے ہیں ؎

منم کہ نشۂ زیاد شراب میگیرم　　بدست برگِ گُل از آتش آب میگیرم

اہلِ ہند نے بھی اسی طرح استعمال کیا ہے۔ آتش کہتے ہیں ؎

جب سے دکھلایا ہے آنکھوں نے ترا حُسنِ شباب　　نشۂ رہتا ہے ہمیں اک ساغرِ لبریز کا

داغ کہتے ہیں ؎

گئے تھے پیرِ خرابات کی خرابی کو　　وہاں سے نشۂ صہبا میں چور ہم آئے

امیر کہتے ہیں ؎

بڑھاپے نے ہرن سب کر دیے نشّے جوانی کے　　ترنگیں مستیوں کی ہو چکیں اب فاقہ مستی ہے

صرف ایک مثال ایسی ملتی ہے جس میں نَشَہ بفتحتین یعنے بفتح نون و شین مستعمل ہے ۔ حضرت میر تقی میر دہلوی کا شعر ہے ؎

کھینچ بغل میں میں جو اسے مست پا کے رات　　کہنے لگا کہ آپ کو بھی اب نشہ ہوا

شاعر نے اجتہاد سے کام لیا ہے ورنہ درحقیقت صحیح نہیں۔ لفظ غلط استعمال کیا ہے۔ چونکہ بنیر ترکیب ہے اس لیے ممکن ہے کہ میر صاحب کے زمانے میں عوام بولتے ہوں اور اُردو سمجھ کے استعمال کر دیا ہو۔ میرے نزدیک موجودہ دَور میں غیر فصیح کیا بلکہ غلط ہے۔ نشّہ بفتح نون و کون شین صحیح ہے۔ اس مسئلے کو آپ سے یا نواب صاحب سے بالتفصیل بیان بھی کر چکا ہوں۔

مولانا۔ درست ہے۔ یہ فرمائیے کہ مُلبّب کہاں تک صحیح ہے۔

اُستاد۔ بالکل غلط۔ لبالب سے ملبّب بنایا ہے۔ لبالب فارسی ملبّب عربی وزن صیغۂ اسم مفعول بنایا لہٰذا فصحا کو استعمال نہ کرنا چاہیے۔

مولانا۔ لبِ ساحل یا سرِ ساحل کہنا صحیح ہے یا غلط؟

اُستاد۔ لبِ ساحل قطعاً غلط۔ اس لیے کہ ساحل خود کنارے کو کہتے ہیں اب لبِ ساحل کہاں تک صحیح ہوگا۔ رہا سرِ ساحل۔ یہ بھی قابلِ احتیاط ہے۔ اس لیے کہ سرِ ساحل کے معنے لبِ ساحل کے ہیں۔ میرے نزدیک سرِ ساحل کہنا بھی درست نہیں۔ کسی مرثیہ گو کے ایک بند کا مصرع یاد ہے۔ ع

فرس اُڑا لبِ ساحل سے بل گیا جا کے

مولانا۔ ہم مشرب بمعنے ہم مذہب صحیح ہے یا غلط؟

اُستاد۔ میرے نزدیک بمعنے ہم مذہب غلط ہے اس لیے کہ لغت میں یہ معنے نہیں ملتے۔ جو لغوی معنے اس کے ہیں یعنے ایک جگہ بیٹھ کے پینے والے۔ ان معنے میں درست و صحیح ہے۔

مولانا۔ خلف کے کیا معنے ہیں؟ باپ اگر زندہ ہو تو بیٹے کو خلف الصدق کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

اُستاد۔ باپ کی زندگی میں بیٹے کو خلف کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ لغت میں دو معنے ملتے ہیں۔ ایک پیچھے چلنے والا۔ دوسرے فرزند نیک۔ لہٰذا خلف بفتحتین باپ کی زندگی میں بیٹے کو کہتے ہیں مضائقہ نہیں۔ مجازاً شاگرد کو بھی خلف کہتے ہیں۔ علی خراسانی کا شعر ہے ؎

طفل دل را از معلم رخصت ارشاد نیست　　　ہیچ شاگرد خلف را حاجت استاد نیست

مولانا۔ حضور بجا ارشاد فرماتے ہیں۔ ایک سوال اور ہے وہ یہ کہ لب مذکر ہے یا مؤنث؟

اُستاد۔ لب ہونٹ کے معنے میں مذکر ہے۔ چنانچہ جلال لکھنوی کا شعر ہے۔

مرگئے سیکڑوں، بیمار تری آنکھوں کے　　　لبِ جاں بخش کسی کے بھی نہ کچھ کام آیا

لیکن اس کے علاوہ کنارے کے معنے میں قطعاً مؤنث ہے۔ مثلاً دریا کی لب، میاں کی لب وغیرہ وغیرہ۔ حضرت مؤدب مدظلہ کے مرثیے کے ایک بند کا مصرع یاد آگیا جو تلوار کی تعریف میں ہے۔

میان کی لب سے بلا رہتا ہے پانی اس کا

مولانا۔ حضور کو بہت زحمت دی۔

اُستاد۔ کوئی زحمت نہیں، میں تو چاہتا ہوں کہ ہر وقت ادبی بحث، ادبی ذکر کیا کروں۔

مولانا۔ اجازت چاہتا ہوں۔

اُستاد۔ اچھا سدھاریئے، خدا حافظ۔

مولانا رخصت ہوئے۔ اُستاد دُنیاوی مشاغل میں مشغول ہو گئے۔ نواب شنبہ کو حسبِ معمول غزل لے کے آگئے۔

نواب۔ آداب بجا لاتا ہوں۔

اُستاد۔ تسلیم۔ آیئے۔

نواب بہ ادب سامنے بیٹھ گئے اور غزل جیب سے نکال لی۔

اُستاد۔ آپ پڑھتے جایئے میں غزل بناتا جاؤں۔

نواب۔ بہت خوب۔

اصلاح نمبر ۱۹

غزل نواب۔ مطلع نمبر ۱

مائل بہ قتل ڈال کے رُخ پر نقاب ہے　　　غم سے گہن میں آیا ہوا آفتاب ہے

اُستاد - پہلا مصرع صاف نہیں، ردیف بہت دُور پڑ رہی ہے سینے مائل بہ قتل کی خبر ہے اسلیے مصرع صاف ہونا چاہیئے - یوں بدل دیجیے -

ہوتا ہوں ذبح چہرے پہ اُن کے نقاب ہے ـــــ غم سے گہن میں آیا ہوا آفتاب ہے

نواب - بہت خوب کہہ کے لکھ لیا -

مطلع نمبر ۲

دنیا خموش ہے وہ حسیں محوِ خواب ہے ـــــ ۳ غفلت کی نیند آمدِ فصلِ شباب ہے

اُستاد - مطلع بہت عمدہ کہا ہے، نہایت صاف مطلع ہے - صاد بنا دیجیے -

نواب نے سلام کیا اور کلمات انکسار کہے

مطلع نمبر ۳

تابندہ اُن کا حالِ رخِ لاجواب ہے ـــــ ٹھہرا ہوا اُفق کے قریب آفتاب ہے

اُستاد - یہ مطلع بھی آپ نے بہت عمدہ کہا ہے، دل خوش کر دیا - اب تو آپ اچھے اچھے مطلعے نکالنے لگے -

نواب نے کھڑے ہو کے سلام کیا -

اُستاد - اور پڑھیے آج تو اشتیاق پیدا ہے -

مطلع نمبر ۴

اے دل نہ یوں تڑپ جو تجھے اضطراب ہے ـــــ ناداں وقارِ عشق کا موتی کی آب ہے

اُستاد - واللہ یہ مطلع بھی بہت خوب کہا ہے - آج تو یقیناً دریا بہا دیے -

شعر نمبر ۵

~~دُنیا کے کُل دلوں میں~~ مرا دل کیا پسند ـــــ تم ~~جوہری~~ ہو کیا نظرِ انتخاب ہے
(لاکھوں دلوں میں ایک مرا) (قدرداں)

اُستاد - شعر غنیمت ہے، محتاج اصلاح ہے - یوں بدل دیجیے -

لاکھوں دلوں میں ایک مرا دل کیا پسند

دوسرے مصرع میں (جوہری) کی جگہ (قدرداں) بنا دیجیے -
نواب نے بہت خوب کہہ کے لکھ لیا اور با ادب سلام کیا -

شعر نمبر ۶

محشر میں مجکو نامۂ اعمال جب ملا   گھبرا کے بیخودی میں یہ سمجھا جواب ہے

اُستاد - (گھبرا کے) اور (بیخودی) قریب قریب ہم معنے ہیں - تکرار بیفائدہ شئے ہے لہٰذا یوں بدل دیجیے اور پڑھیے -

سمجھا یہ بیخودی میں کہ خط کا جواب ہے

شعر نمبر ۷

~~ناصح نصیحتوں کا سبب میں سمجھ گیا   کافی خمار کے لیے ذکرِ شراب ہے~~

اُستاد - آپ نے خمار کے معنے نشئے کے قرار دیے ہیں -

نواب - جی، درست ہے - یہی معنی ہیں -

اُستاد - یہ معنے غلط ہیں - خمار کے معنے لغت میں (نشۂ اُترنے کے بعد کی کیفیت - وہ حالت جس میں شراب کی طلب ہوتی ہے) لہٰذا شعر غلط ہے کاٹ دیجیے - اسی لفظ خمار کے معنے میں بڑے بڑے اساتذہ نے دھوکا کھایا ہے - اور پڑھیے -

شعر نمبر ۸

تصویر بھی تمھاری ہے دنیا میں بے بدل   تم حُسن میں ہو فرد تمھارا جواب ہے

اُستاد - مصرع اچھا نہیں لگا - اس سے اچھا مصرع لگائیے -

نواب - کوشش کرتا ہوں - (یہ کہہ کے تھوڑی دیر خاموش ہونے کے بعد) حضور مصرع لگ گیا -

اُستاد - یہ بھی طے کر لیا کہ مصرع لگ گیا - اچھا سُنائیے تو معلوم ہو -

نواب - جی اتفاقیہ مُنہ سے نکل گیا ورنہ ایسی بے ادبی خادم نہ کرتا - مصرع یہ ہے -

تصویر بھی ہے اسلیے دنیا میں بے نظیر   تم حُسن میں ہو فرد تمھارا جواب ہے

اُستاد - ہاں غنیمت ہے، یہ مصرع لگ گیا - ماشاء اللہ، اب آپ اچھا کہنے لگے - اور پڑھیے -
نواب - (سلام کر کے)

شعر نمبر ۹

او جانے والے دیکھ لے مرنے کی ٹُڑکے پھر (دم توڑنے کی)   تیرے مریضِ ہجر کی حالت خراب ہے

اُستاد - جیسے مطلعے آپ نے سُنائے ویسے شعر نہیں سُنا رہے ہیں - یہ شعر سُست ہے یعنے بھرتی کا ہے (مرنے کی ٹُڑکے) کی جگہ (دم توڑنے کی) لکھ دیجیے - اور پڑھیے -
نواب نے بہت خوب کہہ کے لکھ لیا اور اصلاح سے خوش ہوئے -

شعر نمبر ۱۰

دونوں ازل کے روز سے صورت (فطرت) میں ایک ہیں   پارے میں میرے دل کی طرح اضطراب ہے

اُستاد - (صورت) کی جگہ (فطرت) لکھ دیجیے کیونکہ لفظِ فطرت صورت سے یہاں پر بہت بلند ہے - اور پڑھیے -
نواب نے بہت خوب کہہ کے لکھ لیا اور دست بستہ عرض کیا کہ بیشک بہت بہتر ہے -

شعر نمبر ۱۱

دنیا میں ایک رنگ سے اے دل بسر ہو خاک   دیکھو نظر اُٹھا کے جدھر انقلاب ہے

اُستاد - سُست شعر ہے، کوئی خاص بات نہیں - کاٹ دیجیے - اور پڑھیے -

شعر نمبر ۱۲

دیکھا نہ مُڑ کے دُھن (راہ) میں - پامال کر گئے   کہتا رہا مرا دلِ خانہ خراب ہے

اُستاد - (دُھن) کی جگہ (راہ) لکھ دیجیے - شعر میں قدرے شوخی ہے ورنہ اور کوئی خاص بات نہیں - اور پڑھیے -
نواب نے تعمیل حکم کرتے ہوئے بدلا ہوا لفظ یعنے (راہ) لکھ لیا -

شعر نمبر ۱۳

یہ کہہ کے اُس نے طائرِ دل کو اُڑا دیا   ہم نے سُنا ہے تیر لگانا ثواب ہے

اُستاد۔ بچوں کا شعر ہے اختیار ہے خواہ رہنے دیجیے یا نکال ڈالیے۔ خاص بات نہیں اگر مناسب وقت دیکھے گا شاعرے میں پڑھے گا یعنے اگر غزل چلے تو یہ شعر پڑھے گا رنگ دیئے جائیے گا ورنہ پڑھیے گا نہیں۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ بہت خوب۔ جیسا ارشاد ہوا ہے ویسا ہی عمل کروں گا۔

شعر نمبر ۱۴

للہ جلد زلفِ پریشاں سنواریے ۔۔۔ حسرت نصیب دل کو بہت اضطراب ہے

اُستاد۔ یہ شعر بھی جہاں تک ممکن ہو نہ پڑھیے گا اسلیے کہ بہت پامال تخیّل ہے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ بہت خوب۔ چونکہ حضور کا حکم ہے، کبھی نہیں پڑھوں گا۔

شعر نمبر ۱۵

اُمید سب سمجھتے ہیں اُستاد ہیں ہمیں ۔۔۔ کیا شاعری کی دہر میں مٹی خراب ہے

اُستاد۔ مقطع اچھا ہے لیکن آپ نے جناب عشقؔ مرحوم کی ایک بیت کا بھونڈا ترجمہ کیا ہے۔

نواب۔ وہ بیت ارشاد ہو تاکہ سمجھ سکوں۔

اُستاد۔ جناب عشقؔ نے ایک مرثیے کی بیت کہی ہے جس میں دنیا کی حالت دکھائی ہے یا بالخصوص دنیائے شاعری کے انقلاب کی تصویرکشی فرمائی ہے۔

بیت

ہر تازہ گو بھی اپنی جگہ لاجواب ہے ۔۔۔ دردا زمینِ شعر کی مٹی خراب ہے

نواب۔ کیا خوب بیت فرمائی ہے۔ واقعاً اس دَور میں شاعری کی مٹی خراب ہے۔

اُستاد۔ رہنے دیجیے، مقطع ہے وہ بھی توارُد ہے سرقہ نہیں کیونکہ آپ کو یہ بیت یاد نہیں تھی۔

نواب۔ توارد کیا؟ حضور سمجھا دیں تاکہ تعریف توارد محفوظ کرلوں۔

اُستاد۔ بحث طویل ہے مجملاً بتادوں۔ ایک مضمون کسی شاعر کا ہو اور آپ کو نہ معلوم ہو آپ بھی نظم کرجائیے تو سننے والے کہیں گے مضمون میں توارد ہوگیا یعنے جو فلاں کا مضمون ہے وہی

یہ مضمون ہے ۔ اور اگر آپ کو شاعر کا مضمون یاد ہے پھر آپ نے نظم کر لیا تو یہ سرقہ ہو جائے گا۔
نواب ۔ بخدا مجھے یہ بیت یاد نہیں تھی ورنہ کبھی اس خیال کو نظم نہ کرتا ۔
اُستاد ۔ میں خود کہہ رہا ہوں، کوئی قباحت نہیں، رہنے دیجیے اکثر ہوتا ہے ۔

دلچسپ معلومات نمبر ۱۹

نواب نے سلام کر کے غزل تہ کر کے جیب میں رکھ لی
اُستاد ۔ آپ جلدی بے عیب کہنے لگیں گے۔ اس غزل کے مطلع اور چند شعر اچھے ہیں ۔
نواب ۔ جی پندرہ شعر ہیں، اب جلدی شعر کہہ لیتا ہوں ۔
اُستاد ۔ کم سے کم پندرہ شعر کی غزل ہونا چاہیے ۔ کیسے برابر قاری یعقوب علی خاں صاحب کے یہاں جانا ہوتا ہے ۔
نواب ۔ روز پڑھنے جاتا ہوں ۔
اُستاد ۔ کچھ پوچھوں ؟
نواب ۔ جو کچھ حضور دریافت فرمائیں گے اگر یاد ہوگا تو ضرور عرض کروں گا ۔
استاد ۔ الف وصل کس کو کہتے ہیں مع مثال بتائیے ۔
نواب ۔ الف وصل وہ ہے جو درمیان مصرع میں واقع ہو اور اس کی حرکت اس سے پہلے والے حرف کو دیدیں اور خود الف ملفوظ نہو تاکہ اس سے پہلے والا حرف اُسکے بعد والے حرف سے مل سکے مثال ۔ ع

روز سیفی سیہ از کاکل مشکین تو شد

اُستاد ۔ اس میں الف وصل کون سا ہے ؟
نواب ۔ (از) کا الف اس نے خود گر کے (ہ) کو (ز) سے ملا دیا اسی وجہ سے اسے الف وصل کہتے ہیں ۔

اُستاد۔ تعریف بہت اچھی کی، ماشاءاللہ۔

نواب نے سلام کیا اور سر جھکا کے عرض کیا کہ سب حضور کا تصدق ہے۔

اُستاد۔ ہاں، بتائیے وہ ارکان کہ جن سے بحور مرکب ہیں یعنے بنے ہیں کے ہیں اور کون کون ہیں۔

نواب۔ ارکان آٹھ ہیں۔ فعولن۔ فاعلن۔ مفاعیلن۔ مستفعلن۔ مفاعلتن۔ متفاعلن۔ فاعلاتن۔ مفعولات۔

اُستاد۔ صدر و عروض و ابتدا و ضرب کی تعریف کیجیے۔ مثال دیجیے اور درمیانی حصے کو کیا کہتے ہیں؟

نواب۔ پہلے مصرع کے پہلے رکن کو (صدر) کہتے ہیں۔ اور پہلے مصرع کے آخری رکن کو (عروض) کہتے ہیں۔ دوسرے مصرع کے پہلے رکن کو (ابتدا) اور آخری رکن کو (ضرب) کہتے ہیں۔ درمیانی رکنوں کو (حشو) سے تعبیر کرتے ہیں۔ خواجہ وزیر کا مطلع ہے ؎

کیا خبر تھی انقلابِ آسماں ہو جائے گا ۔۔۔ یار کا ملنا نصیبِ دشمناں ہو جائے گا

کیا خبر تھی (صدر) جائے گا (عروض) یار کا مل (ابتدا) جائیگا (ضرب) باقی درمیان کے حصے کو (حشو) کہیں گے۔

اُستاد۔ زحاف کسے کہتے ہیں۔ معنے کیا ہیں؟

نواب۔ رکن میں تغیر ہو جانے کو زحاف کہتے ہیں۔ خواہ کمی ہو یا زیادتی ہو جیسے مفاعیلن میں الف زیادہ کریں مفاعیلان ہو جائے گا۔ اسے (تسبیغ) کہتے ہیں۔ یا کمی کر دیں جیسے مفاعیلن کے نون کو اور حرکت لام کو گرا دیں اسے (قصر) کہتے ہیں۔

زحف کے لغوی معنے اصل سے دور ہونا۔ اور اصطلاح عروضیین میں تغیر رکن کو (زحاف) کہتے ہیں۔

استاد۔ زحاف جمع ہے یا واحد؟

نواب۔ زحاف جمع زحف ہے بفتح زا، و سکون حا۔

اُستاد۔ پھر جمع کے ساتھ کیوں بولتے ہیں۔ تغیر رکن کو زحاف کیوں نہیں کہتے ؟
نواب ۔ اعتراض حضور کا درست ہے لیکن اصطلاح عروضیین صحت کی علامت ہے عروضیین ہمیشہ تغیر رکن کو بجائے زحاف کے زحافات ہی کہتے ہیں ۔
اُستاد۔ ماشاء اللہ آپ کو خوب یاد ہے۔ اسی محنت سے پڑھے جایئے جلد عروضی ہو جایئے گا۔
نواب نے سلام کیا اور دست بستہ عرض کیا کہ سب جناب کی بدولت ہے ۔
اُستاد۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔ آج دل خوش کر دیا ۔
نواب سلام کر کے رخصت ہو گئے ۔

استاد اپنے کاموں میں مصروف رہے ، اتفاقاً پھر الہ آباد سے ایک خط آگیا۔ اُستاد نے لفافہ کھولا ، القاب و آداب کے بعد جو پڑھنا شروع کیا تو چند سوالات تحریر تھے۔ آخر میں لکھا تھا کہ جلد جواب سے سرفراز فرمایئے گا۔ حضور کا شکریہ کہاں تک ادا کروں کہ دو مرتبہ زحمت دے چکا ہوں ، یہ تیسری مرتبہ پھر زحمت کی جرأت کی اور یہ حضور کے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے جرأت ہوئی کہ مزید زحمت دوں۔ حضور سا اُستادِ فن آج لکھنؤ میں کون ہے جسے اجتہاد کا حق حاصل ہو۔ بڑی بندہ نوازی ہوگی اگر حضور جلد جواب سے سرفراز فرمائیں گے ۔ فقط

سعید الدین خاں

اُستاد نے لفافہ قالین کے نیچے رکھ لیا اور خیال کیا کہ وقت فرصت میں کسی دن جواب دیدوں گا کہ یکایک ایک پرانے ملنے والے جو کبھی ہم محلہ تھے اور روز کی نشست تھی ، آ گئے ۔
(آتے ہی) آداب عرض کرتا ہوں ۔
(اُستاد نے سر اُٹھا کے تسلیمات جناب میر صاحب آپ کی زیارت تو عرصہ کے بعد ہوئی!
تشریف لایئے ، کہاں تھے ؟
میر صاحب قریب بیٹھ گئے ۔
اُستاد۔ کہئے سب خیریت ہے ، بہت عرصے کے بعد تشریف لائے ؟

میر صاحب ۔ سرکاری ملازمت نے ترکِ وطن پر مجبور کیا۔ آج کل گونڈہ میں سرکاری ملازم ہوں۔
پنشن کا زمانہ قریب ہے، انشاء اللہ تعالیٰ پھر اسی محلّے میں حاضر ہونگا اور فیضِ صحبت اُٹھاؤں گا
اُستاد ۔ کیسے شاعری ہوتی ہے ؟
میر صاحب ۔ آج کل اس قدر (بزی) رہتا ہوں کہ کیا بیان کروں ۔ شاعری کا شوق
لکھنؤ تک محدود تھا ۔
اُستاد ۔ (بزی) میں نہیں سمجھا۔ کیا گونڈے کا خاص لغت ہے ؟
میر صاحب ۔ انگریزی لفظ ہے ۔
اُستاد ۔ میں انگریزی نہیں جانتا، آپ میرے سامنے انگریزی لفظ کیوں بولے ؟
میر صاحب ۔ واقعًا مجھے آپ کے سامنے انگریزی لفظ نہ بولنا چاہیے تھا اس لیے کہ میں
خوب جانتا ہوں جناب کو انگریزی الفاظ سے نفرت ہے۔ آپ کی زبان سے کبھی انگریزی لفظ سنا ہی نہیں
اُستاد ۔ کوئی غزل کہی ہو تو سنائیے ۔
میر صاحب ۔ ایک مصرع بھی نہیں کہا۔ کیا کہوں ٹائم ہی نہیں ملتا ۔
اُستاد ۔ پھر آپ انگریزی لفظ بولے ۔
میر صاحب ۔ کیا بتاؤں، پھر زبان سے نکل گیا۔ مجھے وقت نہیں ملتا ۔
اُستاد ۔ معاف فرمائیے گا، اُسی بے تکلفی کی بنا پر عرض کر دیتا ہوں ورنہ جناب مہمان ہیں میرا
ٹوکنا خلافِ تہذیب ہے ۔
میر صاحب ۔ جناب کا ٹوکنا مجھ کو قطعًا بُرا نہیں لگتا اس لیے کہ اُردو زبان تو خود (مکسچر)
ہے، انگریزی سے (مکسچر) ہونے کے بعد تو تباہ ہی ہو جائے گی ۔
اُستاد ۔ آپ کیا بولے ؟
میر صاحب ۔ (شرما کے) پھر بھول گیا۔ جی، (مکسچر) عرض کیا یعنے مرکّب ۔
اُستاد ۔ آپ کو غالبًا عادت پڑ گئی ہے ؟

میر صاحب۔ ہر وقت انگریزی دانوں کا سامنا ہے، واقعاً بولتے بولتے عادت سی ہو گئی ہے۔
اُستاد۔ خیر، جناب کی تنخواہ اب کیا ہے ؟
میر صاحب۔ ڈیڑھ سو سے سوا دو سو تک کے گریڈ میں ہوں۔
اُستاد۔ میں پھر کچھ نہ سمجھا۔ (گریڈ) کیا چڑیا ہے ؟
میر صاحب۔ (گریڈ) کے معنی (درجے) کے ہیں۔
اُستاد۔ خیر، اب سمجھا۔ برائے خدا میرے سامنے نہ بولیے۔
میر صاحب۔ (شرما کے) ہائے ری کمبخت عادت، لاکھ کوشش کرتا ہوں مگر منہ سے لفظ نکل ہی جاتا ہے۔
اُستاد۔ تعطیل ہے یا آپ چھٹی لے کر تشریف لائے ہیں ؟
میر صاحب۔ چھٹی لی ہے۔ حاف تنخواہ ملے گی۔ کیونکہ میں چھٹی لے چکا ہوں۔
اُستاد۔ (حاف) کے معنے واللہ سمجھ میں نہیں آئے۔
میر صاحب۔ (نصف) دیکھیے پھر جلدی میں لفظ منہ سے نکل ہی گیا۔
اُستاد۔ جو انگریزی سے بالکل بے بہرہ ہو تو جناب سے بات کرنے میں اُس کو بڑی دقت پڑے کیونکہ گھڑی گھڑی پوچھنا پڑے کہ اسکے کیا معنے، اُسکے کیا معنے۔ آپ بتاتے بتاتے تھک جائیں۔
میر صاحب۔ یہ سب سوسائٹی کا اثر ہے اور کچھ نہیں۔
اُستاد۔ کیا فرمایا؟ پھر ارشاد ہو۔
میر صاحب۔ بدنصیبی سے پھر انگریزی لفظ منہ سے نکل گیا۔ یہ سب صحبت کا اثر ہے۔
اُستاد۔ اب سمجھا۔ خیر، اہل و عیال تو جناب کے ہمراہ وہیں رہتے ہوں گے ؟
میر صاحب۔ اہل کہاں، عیال ہیں۔ جب سے وائف کی ڈیتھ ہو گئی سخت تکلیف کا سامنا ہے۔
اُستاد۔ کس کی کیا ہو گئی ؟ پھر کہیئے ؟

میر صاحب ۔ زوجہ کا انتقال ہو گیا، سخت پریشان ہوں۔
اُستاد ۔ (ہنس کے) آپ مجبور ہیں، واقعی عادت ہو گئی ۔
میر صاحب ۔ (شرما کے) کیا عرض کروں، چاہتا ہوں نہ بولوں مگر بول جاتا ہوں ۔
اُستاد ۔ اگر انسان کوشش کرے اور عادت نہ ڈالے تو کبھی انگریزی لفظ یا غیر فصیح لغت نہ بولے گا ۔
میر صاحب ۔ یہ بالکل درست فرمایا ۔ عادت بڑی ظالم چیز ہے ۔
اُستاد ۔ تو مرحومہ کے انتقال سے آپ کو سخت تکلیف ہو گئی ہو گی ؟
میر صاحب ۔ کیا عرض کروں ۔ بچوں کو کنٹرول کرنا عورت ہی کا کام ہے ۔
اُستاد ۔ کیا چیز ؟
میر صاحب ۔ مجھ بدنصیب کے مُنہ سے (کنٹرول) کا لفظ پھر نکل گیا یعنی (قابو پانا) ۔
اُستاد ۔ یہ کہیئے ۔ اب سمجھانے سے سمجھ میں آیا ۔
میر صاحب ۔ پھر ڈیوٹی کی دشواریاں ۔
اُستاد ۔ اس لفظ کے معنے تو خیر سُنتے سُنتے میں بھی سمجھ گیا ہوں ۔
میر صاحب ۔ (سر جھکا کے) واللہ کوشش کروں گا کہ یہ عادت نہ رہے ۔
اُستاد ۔ اب مشکل ہے ۔ جناب عشق رہ کا شعر ہے ؎

اب اگر تخفیف ہوتی ہے تو گھبراتا ہوں میں　　درد دل اتنے دنوں سے ہے کہ عادت ہو گئی

میر صاحب ۔ بیشک یہی بات ہے ۔ انتہائی کوشش کرتا ہوں اور تقریر کو شارٹ کرتا ہوں کہ انگریزی لفظ مُنہ سے نہ نکلے مگر بول جاتا ہوں ۔
اُستاد ۔ خالباً ایک لفظ اور بولے اور وہ (شارٹ) اس کے کیا معنے ہیں ؟
میر صاحب ۔ (مختصر) کیا کروں حضور، مجبور ہوں ۔
اُستاد ۔ اب اُردو زبان کا اپنی حالت پر باقی رہنا دشوار معلوم ہوتا ہے ۔ جناب، لکھنؤ کے

عربی تعلیم یافتہ، عربی لباس والے برابر انگریزی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کیا کروں خون کے گھونٹ پی کے رہ جاتا ہوں۔ آپ تو خیر انگریزی پڑھے ہوئے ہیں، اے صاحب وہ لوگ جن کو یہ نہیں معلوم کہ انگریزی کی دُم کدھر ہے وہ آپ کی طرح گفتگو کرتے ہیں۔ میں تو اُس وقت تک زندہ نہ رہوں گا، جو جیے گا وہ دیکھے گا کہ کچھ عرصے کے بعد اُردو کا لفظ ملنا دُشوار ہو جائے گا کیونکہ جب انگریزی لغات سے کان آشنا ہو جائیں گے اور اپنے لغات زیر استعمال نہ رہیں گے تو اجنبیت سی ہو جائے گی۔ نتیجے میں اُردو کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سُنا ہے کہ لوگ بہت کوشش کر رہے ہیں کہ اُردو زبان بٹنے نہ پائے۔ اس کا خیال کوئی نہیں کرتا کہ ان چیزوں کی اصلاح کرے۔ سب سے بڑے اُردو کے دشمن تو وہی ہیں جو اُردو کے لغات و محاورات ترک کر کے انگریزی بولتے ہیں۔

اے جناب اب حد یہ پہونچی ہے کہ منبر رسولؐ پر ذاکرین و واعظین انگریزی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جناب سلمان کو علیؑ نے مدائن کا (گورنر) کر کے بھیجا تھا۔ افسوس صد ہزار افسوس۔

میر صاحب۔ جو کچھ جناب فرما رہے ہیں سب بجا ہے، درست ہے۔ میں تو جناب قسم کھاتا ہوں کہ انتہائی کوشش سے اس عادت قبیح کو ضرور ترک کروں گا۔

استاد۔ جناب اگر کوشش کریں گے تو یہ عادت ضرور چھوٹ جائے گی۔ مجھے دیکھیے تقریباً ستر سال کی عمر ہے۔ آج تک قسم کھانے کو انگریزی لفظ زبان پر نہیں لایا۔ جہاں دوسرا لفظ ہی نہیں وہاں بمجبوری و بکراہت بول جاتا ہوں جیسے ٹکٹ، اسٹیشن وغیرہ کیا کروں۔

میر صاحب۔ بجا ہے، درست ہے۔ آپ کے دم سے زبان کی بقا ہے۔

اُستاد نے خاصدان آگے بڑھایا، میر صاحب نے پان کھا کے اجازت طلب کی۔ استاد نے معافی چاہی۔

میر صاحب۔ جناب کیا باتیں کرتے ہیں۔ معافی کیسی۔ آپ نے سبق دیا ہے۔ پھر انشاءاللہ تعالیٰ حاضر ہونگا۔ (یہ کہہ کے کھڑے ہو گئے)۔

اُستاد نے کھڑے ہو کے رخصت کیا کہ مولانا عزل بے کے آ گئے۔ سلام علیکم۔

اُستاد۔ علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مولانا سامنے باادب دوزانو بیٹھ گئے۔

اُستاد۔ کہیے غزل کہی؟ میں تو منتظر تھا کہ آپ آتے ہوں گے۔

مولانا۔ جی ہاں، عرض کی ہے۔ آجکل سوائے غزل کے کوئی فکر نہیں (یہ کہہ کے غزل نکال کے نہایت تہذیب کے ساتھ پیش کی۔

اُستاد نے غزل پر ایک نظر ڈالنے کے بعد واپس کر دی۔ اور کہا کہ آپ پڑھتے جائیے میں سُنتا جاؤں۔

مولانا نے غزل کھولی اور مطلع پڑھا۔

اصلاح نمبر ۲۰

غزل مولانا

مطلع

آپ کی شرطِ جفا کب ہمیں منظور نہیں ۔۔۔ جو ٹھہر جائے (آہ کھینچے تو) ہمارا دل رنجور نہیں

اُستاد۔ مطلع غنیمت ہے۔ (جو ٹھہر جائے) کا ٹکڑا بیکار ہے۔ لہذا (آہ کھینچے تو) بنا لیجیے۔

مولانا نے بہت خوب کہہ کے لکھ لیا۔

شعر نمبر ۲

مجھ کو خاموش کیا شمع صفت یہ کہہ کے ۔۔۔ بات کرنے کا یہاں (مری) بزم میں دستور نہیں

اُستاد۔ بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ پُرانے رنگ کے شعر کہتے ہیں۔ نئے رنگ کی ہوا آپ کو نہیں لگی۔ (یہاں) کی جگہ (مری) بنا دیجیے۔

مولانا۔ سب حضور کا فیض ہے۔ (یہ کہہ کے لفظ لکھ لیا)۔

شعر نمبر ۳

مر گیا منزلِ الفت کا مسافر تھک کے ۔۔۔ دل پہ افراطِ (بیتابی) یہ کہتا رہا اب دُور نہیں

اُستاد۔ تعلیمی اثر ابھی باقی ہے۔ (بہ افراط) کا ٹکڑا ثقیل ہے زبان نرم کیجیے۔ (دل بہ افراط یہ کتا رہا) کے بجائے (دل برابر یہی کہتا رہا) لکھ دیجیے۔

مولانا نے بہت خوب کہہ کے مصرع کاٹ کے نیچے لکھ لیا۔

شعر نمبر ۴

باغ میں برق کا رہ رہ کے کسی سمت ہے رُخ آگ لگ جائے نشیمن میں تو کچھ دور نہیں

اُستاد۔ رہنے دیجیے۔

مولانا۔ شعر نمبر ۵

قصۂ ہجر سنو تم تو سنائے انھیں کون بات کرنے کے بھی قابل دلِ رنجور نہیں

اُستاد۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ صرف (تم) کو کاٹ کے (اب) لکھ دیجیے۔

مولانا نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ لکھ لیا۔

شعر نمبر ۶

تم سے امید نہیں اُن سے ہے امیدِ وصال تم سے بہتر کوئی جنت میں مگر حور نہیں

اُستاد۔ یہ شعر بھی رنگِ قدیم کو لیے ہوئے ہے۔ ماشاء اللہ اب آپ اچھا کہنے لگے چند روز میں اصلاح کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اور پڑھیے۔

مولانا نے بہت ادب سے سلام کیا اور کلمات انکسار کہے۔

شعر نمبر ۷

زخمِ دل تم نے ~~دریغ افسوس ہے~~ نظر بھر کے دیکھا اب تک خون روتا ہے یہ رستا ہوا ناسور نہیں

اُستاد۔ (نہ افسوس ہے) کی جگہ (نظر بھر کے نہ) بنا لیجیے۔

مولانا نے بہت خوب کہہ کے لکھ لیا۔

شعر نمبر ۸

اب جدھر ہی ہے نے تاب جو پرسش منظور دیکھنے والے یہ سمجھیں گے کہ مجنوں نہیں

اُستاد۔ کتنا اچھا صَرف مخمور کے لفظ کا آپ نے کیا ہے ۔ اپنے صحیح معنے اور محل و موقع کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے ۔ جس چیز کو بڑے بڑے غلط کہہ گئے آپ نے صحیح کہا ۔

مولانا۔ حضور نے سمجھایا تھا سب جناب کا فیض ہے ۔ میں پہلے نشۂ کے معنے سمجھتا تھا۔ دراصل یہ واقعیً لغت میں نشۂ اُتر جانے کے بعد کی کیفیت کا نام ہے ۔

اُستاد۔ شعر اچھا اور بہت اچھا ہے اور پڑھیے ۔

مولانا نے پھر سلام ادب کیا ۔

شعر نمبر ۹

اوج پر بختِ سیہ کا ہے ستارہ شبِ غم زلف کے قید یہ نجم شبِ دیجور نہیں

اُستاد۔ اچھا کہا ۔ پرانی ترکیب، پُرانا خیال ۔ واہ واہ، دل خوش کر دیا، کیا کہنا۔ اور پڑھیے ۔

مولانا نے جُھک کے سلام کیا ۔

شعر نمبر ۱۰

مَیں گدائی کو نکلتا پئے نصرت لیکن آج افسوس (ہیہات) کہ جامِ سر مغفور نہیں

اُستاد۔ یہ بھی خوب کہا ۔ سبحان اللہ، مگر (افسوس) کا لفظ میری خوشی سے نکال ڈالیے۔ گو کوئی ہرج نہیں ہے ۔ (ہیہات) لکھ لیجیے ۔ آپ نے غور کیا کہ میں نے لفظ کیوں بدلا ؟

مولانا نے قدرے سکوت اختیار کیا ۔

اُستاد۔ سُنیے ۔ افسوس کا صَرف بھی بیجا نہ تھا میں نے ہیہات کا ٹکڑا صرف اسلیے بڑھا دیا کہ قدیم زمانے کے شعرا رعایات کا بہت خیال رکھتے تھے چونکہ میں قدیم رنگ کا دلدادہ ہوں اسلیے ہمیشہ لفظی رعایت کی پابندی کرتا ہوں ۔ چونکہ گدائی کرنے والے کوئی نہ کوئی ظرف لے کے نکلتے ہیں اور ظرف ہاتھ میں رہتا ہے ۔ ہیہات کے معنے افسوس کے بھی ہیں اور ہاتھ کا لفظ بھی آ گیا اسی کو رعایت کہتے ہیں ۔

مولانا۔ جناب نے خوب لفظ رکھا ۔ بیشک زور پیدا ہو گیا ۔

اُستاد - اور پڑھیے - آج آپ کو تاخیر بھی ہوگئی ہے -

مولانا -

شعر نمبر ۱۱

انھیں دو صورتوں میں کوئی بے صورت شبِ غم ہو   یا مری آنکھ میں یا چاندنی میں نور نہیں

اُستاد - اچھے اچھے شعر آج آپ سُنا رہے ہیں - عنقریب آپ کو اصلاح کی ضرورت نہیں رہے گی -

شعر نمبر ۱۲

حُسنِ محبوب کا جلوہ ہے یہ موسیٰ بخدا   آپ کس خواب میں ہیں برق سرِ طور نہیں

اُستاد - یہ بھی شعر خوب ہے اور بہت صاف ہے -

مولانا نے سلام کر کے -

شعر نمبر ۱۲

لاش اُٹھ جائے مگر روح رہے زنداں میں   کب خوشی آپ کے پابند کو منظور نہیں

استاد - پہلا مصرع سُست ہے - دوسرا مصرع زیادہ اچھا ہے، رہنے دیجیے -

شعر نمبر ۱۳

وہ لگا تیر کہ دونوں پہ اثر پڑ جائے   قدر انداز جہاں دل سے جگر دُور نہیں

اُستاد - پہلا مصرع اچھا نہیں - بلکہ لگا نہیں - یوں بدل دیجیے تو زور پیدا ہو جائے ؎

ایک ہی تیر سے دونوں کو اُڑا دے بند   قدر انداز جہاں دل سے جگر دُور نہیں

مولانا - سبحان اللہ، کیا بات ہے - اب شعر شعر ہوگیا - بہت خوب کہ کے مصرع لکھ دیا -

شعر نمبر ۱۴

دیکھنے آتے ہیں وہ مشقِ ستم اپنی روز   چارہ گر زخم کا بھرنا مجھے منظور نہیں

اُستاد - خیال تو بہت گہرا اور پاکیزہ آپ نے نظم کیا مگر جس طرح چاہیے تھا نظم نہ ہو سکا مصرع اولیٰ میں (مشقِ ستم اپنی روز) کا ٹکڑا بیکار سا ہے - یوں بدلیے ؎

دیکھنے آتے ہیں ہاتھوں کی صفائی کو وہ روز   چارہ گر زخم کا بھرنا مجھے منظور نہیں

مولانا۔ بہت خوب اصلاح فرمائی، بیشک زور پیدا ہوگیا۔

شعر نمبر ۱۶

عاشقو ہے ہوسِ دید تمہیں اُسے تو یہ   سامنے آئے شہِ حُسن یہ دستور نہیں

اُستاد۔ یہ تو قدیم تخیل کے ماتحت آپ نے شعر کہا ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ آپ نے حفظِ مراتب کا بہت خیال رکھا ہے۔ بیشک حق بات کہی۔

مولانا۔ آداب بجا لاتا ہوں، حضور کا فیضِ صحبت ہے۔

شعر نمبر ۱۷

یہ بھی اک دُھن ہے جو ہے عشق کی دُنیا میں قیام   ورنہ کیا جان کے دینے کا بھی مقدور نہیں

اُستاد۔ مصرع مناسب نہیں لگا۔ (دُھن) کا لفظ بیکار۔ میرے سامنے مصرع بدلیے۔

مولانا۔ (دیر تک غور کرکے)۔ حضور عرض کیا ہے۔

وضعداری ہے جو ہے عشق کی دنیا میں قیام

اُستاد۔ اب مصرع لگا۔ دوسرا مصرع لفظ وضع کا محتاج تھا۔ میں خود بھی سوچ رہا تھا۔ ماشاءاللہ مصرع خوب لگایا۔

مولانا۔ (سلام کرکے) حضور کی اصلاح کی بدولت۔

شعر نمبر ۱۸

جب گناہوں پہ ہو مالک مجھے قدرت ممکن   کیا تجھ ایسے کو عمل کرنے کا مقدور نہیں

اُستاد۔ (ممکن) کی جگہ (حاصل) بنا لیجے۔ شعر رہنے دیجیے غنیمت ہے۔

شعر نمبر ۱۹

~~کہ کی آندھی اٹھے اور رہے دل باقی ہے جو نہ اُڑ جائے ہمارا کہا تھی کافر نہیں~~

اُستاد۔ شعر کاٹ دیجیے خاص بات نہیں۔ آج کتنے شعر کی غزل لائے ہیں؟

مولانا۔ اکیس شعروں کی غزل عرض کی ہے۔

اُستاد - ایک بیت شعر کہہ ہے - زیادہ شعر کہنے سے مشق بڑھتی ہے - اور پڑھیے -
مولانا - جناب بجا فرماتے ہیں، بالکل درست ہے -

شعر نمبر ۲۰

کہہ کے یہ اُٹھ گیا دنیا سے مریضِ شبِ ہجر — ہم بھی جاتے ہیں جو آنا تمھیں منظور نہیں

اُستاد - شعر اچھا ہے رہنے دیجیے -

شعر نمبر ۲۱ مقطع

کہتی ہے بیت کے شعار آج زبانِ اُردو — ابتو اقلیم سخن میں کوئی دستور نہیں

اُستاد - مجھے غزل بھر میں یا ایک شعر پسند آیا تھا - یا یہ مقطع سچ کہا ہے - یہی بات ہے -

دلچسپ معلومات نمبر ۲۰

مولانا نے جھک کے اصلاح کا سلام کیا، غزل تہ کرکے جیب میں رکھی - اِدھر اُدھر کی دو چار باتوں کے بعد اجازت لے کے رخصت ہو گئے - اُستاد نے الٰہ آباد کا آیا ہوا خط نکالا - دوبارہ اسلیے پڑھا کہ سوالات یاد نہیں رہے تھے - از اوّل تا آخر نظر ڈالی -

سوالات

۱ - شادی بیاہ کے موقع پر یا کسی تقریب خوشی کے محل پر دھوم کا لفظ بولا جاتا ہے - جیسے دھوم سے برات نکلی - کیا تقریب غم میں بھی دھوم کا لفظ استعمال ہوتا ہے - جیسے جنازہ یا ماتم کے ساتھ دھوم بولا جاتا ہو - اور دھوم کس زبان کا لفظ ہے ؟

۲ - بالزادی کی وجہ تسمیہ کیا ہے - فصیح ہے یا نہیں کسے کہتے ہیں ؟ بالتشریح جواب مرحمت ہو -

۳ - مِثّی بکسرِ میم فصیح ہے یا مَثّی بفتح میم - یا ماٹی فصیح ہے ؟ مع مثال جواب مرحمت ہو -

۴ - محراب سنانا - یہ محاورہ کہاں تک صحیح ہے ؟ اس کے معنے کیا ہیں ؟ مع شواہد جواب عنایت ہو -

۵۔ تلائی فصیح ہے یا بالائی ؟
۶۔ ڈانٹ۔ مذکر ہے یا مؤنث ؟
۷۔ کیا یہ صحیح ہے کہ اگر لفظ ایک رہے اور معنے بدلتے جائیں تو قافیہ صحیح ہوگا ؟ مع مثال جواب مرحمت ہو۔
۸۔ کشتی کھینا۔ یہ محاورہ رائج ہے یا نہیں ؟
بعد القاب و آداب، جواب بالتشریح لکھنا شروع کیا۔

جوابات

۱۔ دھوم کا لفظ عام ہے۔ تقریب خوشی اور تقریب غم دونوں میں بولا جاتا ہے۔

خوشی کے موقع کی مثال

جنت مکان، شاہ اودھ حضرت واجد علی شاہ بہادر مرحوم کا شعر ہے ؎

گل تازہ آتا ہے گلزار میں   اٹھی دھوم یوسفؑ کی بازار میں

تقریب غم کے محل کی مثال

امیر مینائی کا شعر ؎

اٹھوائیے نہ میرے جنازے کو دھوم سے   مرنے کے بعد کیا حشم و جاہ سے غرض

لفظ ماتم کے ساتھ دھوم کا صرف۔

داغ کا شعر ہے ؎

بعد میرے رونے گا سارا زمانہ دیکھنا   دھوم سے ہوگا مرا ماتم تمھارے سامنے

دونوں مذکورۃ الصدر طریقوں سے استعمال صحیح ہے۔ کوئی کلام نہیں۔

اب یہ کہ دھوم کس زبان کا لفظ ہے ؟ دھوم درحقیقت ہندی زبان کا لفظ ہے جس کے معنے دھوئیں کے ہیں۔ مثال ایک ہندی والے کا مقولہ

دھوموسیتے سیج کر دائی   اگر پرسند سگند پسائی

معنے یہ ہیں کہ دھواں تج دیتا ہے بہل سے اپنی کڑواہٹ کو اگر خوشبودار شے سے مل جاتا ہے۔
اہلِ ہند نے مختلف طریقوں سے اس لغت کا استعمال کیا ہے:۔

دھوم ہونا۔ داغ

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

دھوم مچانا۔ داغ

نالے رہی ہیں فلک عاشقوں کی فریادیں یہ تو نے دھوم مچائی ہے دلستاں کیسی

دھوم ڈالنا۔ اسیر لکھنوی

دھوم ڈالی ہے عجب نالۂ سوزاں نے مرے گھر جلے، آگ لگی ہے یہ پکار آج کی رات

دھوم پڑنا۔ میر حسن

ہوا گم وہ یوسف پڑی یہ جو دھوم کیا خادمانِ محل نے ہجوم

دھوم اٹھنا۔ حضرت واجد علی شاہ بادشاہ اودھ اختر

گلِ تازہ آتا ہے گلزار میں اٹھی دھوم یوسف کی بازار میں

ازیں قبیل اور استعمالات ہیں۔ چونکہ موضوع سے یہ بحث خارج ہے اس لیے بنظر اختصار ترک کرتا ہوں۔

دھوم کا لفظ سامان وشہرت کے معنے میں اردو بھی ہے۔ بہت قدیم لغت ہے۔ اس کی عمر ڈھائی سو سال سے کم نہیں۔ سب سے پہلا شعر جس میں دھوم کا لفظ صرف کیا گیا وہ فطرت نوسوی ایرانی کا ہے۔ یہ عہدِ اورنگ زیب میں تھے۔ ایرانی شاعر اردو میں شعر کہتا ہے:

از زلفِ سیاہ تو بدل دوم پڑی ہے در خانۂ آئینہ گتا جوم پڑی ہے

دھوم کو اپنے تلفظ کی مجبوریوں سے (دوم)۔ گھٹا کو (گتا)۔ جھوم کو (جوم) صرف کیا ہے۔

۲۔ مالزادی۔ فاحشہ، بدکار عورت کو کہتے ہیں۔ چونکہ بازاری عورت کی نظر ہمیشہ دولت پہ رہتی ہے اسلیے مالزادی کہا۔ دوسری بات یہ کہ اس کی ماں بھی چونکہ فاحشہ تھی ادھر کسی ناکس سے

ماں کی خواہاں رہتی تھی اسلیے یہ لڑکی مالزادی ہوئی یعنے مال کے ذریعے سے جنی ہوئی - چنانچہ شوق لکھنوی کا شعر ہے ؎

مالزادی یہاں نہیں کوئی — جو کرے تم سے گرمیاں کوئی

لفظ غیر فصیح - فصحا لکھنؤ گالی سمجھتے ہیں - جس کو کہا جاتا ہے وہ گالی سمجھتی ہے -

۳ - مِٹّی بکسر میم فصیح - فصحا لکھنؤ یہی بولتے ہیں - مَٹّی بفتح میم بازاری، دیہاتی لوگ بولتے ہیں - یہ غیر فصیح ہے - یاد نہیں، کسی کا شعر ہے ؎

تو بھی کمبخت ہے بڑا ہٹّی — مفت اپنی خراب کی مَٹّی

قافیہ بتاتا ہے کہ مَٹّی بفتح میم نظم ہوا ہے مگر فصاحت اسی میں ہے کہ مِٹّی بکسر میم بولا جائے آج سے ڈیڑھ سَو سال قبل ماٹی بھی فصیح تھا - مگر اب صرف دیہاتی بولتے ہیں جو موجودہ دور کے لحاظ سے بالکل غیر فصیح -

سَودا

ماٹی کی مورت بناوے ہے کمہار — کوئی بد صورت کوئی ہے تاجدار

۴ - محراب سنانا - حضرات اہلسنت کی خاص اصطلاح ہے - چنانچہ جو شخص اس قدر کلام پاک یاد کرے کہ (تراویح) میں امام جماعت بن کے قرآن مجید زبانی پڑھے تو کہتے ہیں کہ فلاں قاری محراب سُنانے لگا یعنے اس قابل ہوگیا کہ تراویح میں روانی کے ساتھ پڑھ سکے - یہ محاورہ ایک کتاب میں میری نظر سے گزرا جس کا نام (تذکرہ علما فرنگی محل) تھا جس کے مؤلف مولوی عنایت اللہ صاحب انصاری فرنگی محلی افسر مدرس مدرسہ نظامیہ - انھوں نے کتاب کے صفحہ ۱۰۶ پر تذکرہ مولوی غلام محی الدین بن غلام مرتضیٰ صاحب کیا ہے - اُسی تذکرے میں یہ محاورہ صرف کیا ہے - عبارت بجنسہٖ خط میں نقل کرتا ہوں -

عبارت کتاب

اور حیدر آباد میں وکالت شروع کی - ہزاروں کیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ لاکھوں روپیہ پیدا کیا فیاض اس قدر تھے کہ کسی سائل کو کبھی خالی واپس نہیں کیا - اسی وجہ سے کبھی معمولی سرمایہ بھی

آپ جمع نہ کر سکے۔ آخر عمر میں قرآن شریف بھی حفظ کر لیا تھا، متعدد مرتبہ (محراب بھی سنائی) آخر میں وکالت ترک کر کے لکھنؤ میں سکونت اختیار کی۔ رجب ۱۳۲۵ھ میں بمرض فالج انتقال کیا۔
یہ محاورہ صرف حضرات اہلسنت تک محدود ہے۔ عمومیت حاصل نہیں۔ عوام و خواص لکھنؤ اکثر و بیشتر ناواقف ہیں۔

۵۔ ملائی۔ آج سے پچاس سال قبل بہت کثرت سے فصحا وغیر فصحا بولتے تھے اور ابتک پرانے وقت کے لوگ بجائے بالائی کے ملائی بولتے ہیں۔ چنانچہ رنگین کا شعر ہے ؎

کھانا کھایا تھا میں نے اُسکے کہاں اور منگوائی تھی ملائی کب

لیکن موجودہ دور میں بالائی زیادہ بولتے ہیں ملائی بہت کم۔ زمانے کے لحاظ سے اب بالائی فصیح ہے۔

۶۔ ڈانٹ۔ مؤنث ہے۔ صرف چند آدمیوں کو میں نے اپنی عمر میں مذکر بولتے سُنا۔ میرے نزدیک مؤنث فصیح ہے۔

امیر مینائی

میں وہ بدمست وحشی ہوں جو میرا دست رس چلتا بنا تا بوتلوں کی ڈانٹ واعظ کے گریباں کو

اس سے بھی پتہ چلا کہ مؤنث ہے۔

۷۔ بیشک اگر لفظ ایک رہے اور معانی بدلتے جائیں تو قافیہ درست ہو گا۔ کیونکہ مدارِ قافیہ زیادہ تر معانی پر ہے۔ کسی کا قطعہ ہے

الٰہی عاصیم استغفر اللہ توئی فریاد رس الحمد للہ
ندارم ہیچ گو نہ توشۂ راہ بجز لا تقنطو من رحمۃ اللہ

دیکھیے تینوں مصرعوں میں اللہ ہی اللہ قافیہ ہے مگر بحیثیت مجموعی ہر جگہ معانی بدلتے گئے اسی لیے جائز قرار دیا گیا۔

جناب رشید لکھنوی مرثیہ گو کا ایک بند ہے جس کے اوپر کے چاروں مصرعوں میں ایک قافیہ بدلی ہے۔ مگر ہر جگہ معانی بدلتے گئے لہذا جائز۔ ہر شخص ایسا ہی کر سکتا ہے۔

۸۔ کُشتی کھیلنا۔ یہ محاورہ رائج الوقت لکھنؤ نہیں۔ پٹا کھیلنا، جوا کھیلنا وغیرہ وغیرہ تو صرف ہے لیکن کُشتی کھیلنا صرف نہیں۔ کُشتی لڑنا۔ کشتی مارنا۔ کشتی نکالنا۔ کشتی جیتنا۔ کشتی ہارنا۔ کشتی کھلانا۔ کُشتی پکلنا۔ کشتی بدنا۔ کشتی ہونا۔ کشتی سیکھنا۔ کُشتی کھانا وغیرہ سب صحیح صرفت ہیں اور ان کا صرف موجود ہے لیکن کشتی کھیلنا غیر فصیح۔ غالباً کسی زمانے میں یہ محاورہ بولا جاتا تھا جیسا کہ حضرت سودا کے شعر سے پتا چلتا ہے۔

مرزا جی میں بھی کشتی کھیلوں گا　　　اس اکھاڑے میں ڈنڈ پیلوں گا

جملہ جوابات حاضر خدمت ہیں۔ خدا سے امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ خدا کا فضل ہے کہ اب بخیریت ہوں آیندہ اگر ضرورت ہو یا شکوک پیدا ہوں تو آپ دریافت فرما سکتے ہیں۔ فقط

الراقم　غیر معروف

خط لفافے میں رکھ کے پتہ لکھ کے ملازم کو دے کے روانہ کیا۔ سات روز تک برابر شغل تحقیق جاری رہا کہ صبح کو نواب صاحب اپنی غزل لے کے آ گئے اور سلام ادب کیا۔

اُستاد۔ تسلیم۔ آئیے۔ میں خیال کر رہا تھا کہ آج تاخیر کیوں ہوئی۔

نواب سلام کر کے بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ حضور ایک صاحب تشریف لے آئے تھے۔

اُستاد۔ کوئی ہرج نہیں، غزل پڑھیے اصلاح دیدوں۔

نواب۔ بہت خوب (یہ کہہ کے غزل جیب سے نکالی اور مطلع پڑھا)۔

اصلاح نمبر ۲

غزل نواب

مطلع نمبر ۱

~~آپ کا تیرِ نظر معلوم ہے~~ کیا ہو گیا　　　~~تکتے ہے بیکار وہ~~ دل کی تمنا ہو گیا
ہم بتاؤیں آپ کا تیرِ نظر　　　ڈھونڈتا بیکار ہے

اُستاد۔ پہلے مصرع میں (معلوم ہے) کے ساتھ استفہام خاص فائدہ نہیں دیتا۔ وہ شوخی جو

مصرع میں ہونا چاہیے، نہیں ہے - اسی طرح دوسرے مصرع میں فکر کا لفظ بیکار ہے۔ آپ اور تو سب قرینے سے کہنے لگے - ابھی آپ کو الفاظ نہیں ملتے - خیر، یوں لکھیے ؎

ہم بتا دیں آپ کا تیرِ نظر کیا ہو گیا ڈھونڈنا بیکار ہے دل کی تمنا ہو گیا

نواب - واللہ مطلع خوب ہو گیا - بیشک سُستیِ نظم تھی -

مطلع نمبر ۲

تم نے مارا تیر جینے کا سہارا ہو گیا پہلے سے زخمِ جگر کچھ اور پیارا ہو گیا
(اچھا)

اُستاد - اب آپ کے بیان پر معمولی عیوب نہ ہونا چاہیے - پہلا مطلع بے قید، دوسرا مطلع قید میں، اسکے کیا معنے ؟

نواب - (دانتوں کے نیچے زبان دبا کے) بیشک حضور مسئلہ یاد تھا مگر بمقتضائے بشریت غلطی ہو گئی -

اُستاد - اسی سے جناب رشید لکھنوی کا مقولہ ہے کہ عمر بھر شاعر کو ایک سنبھالنے والے کی ضرورت ہے - یہ بھی فرماتے تھے کہ میرے چچا حضرت عشق رح کا انتقال ہو گیا، مجبور ہوں، مرثیہ یا غزل کس کو دکھاؤں - اگر زندہ رہتے تو عمر بھر کلام دکھاتا - واللہ منبر پر پڑھتے ڈرتا ہوں - اے جناب پہلے مطلع میں (کیا) اور (تمنا) - دوسرے مطلع میں (سہارا) اور (پیارا) قافیے ہیں - پہلا مطلع اسلیے صحیح ہے کہ آپ کی غزل بغیر قید (را) ہے - جب غزل بے قید ہے تو قید کے ساتھ مطلع ہونا چاہیے - میں آپ کو شاید سمجھا بھی چکا ہوں -

نواب - میں سمجھے ہوئے ہوں لیکن افسوس یہ ہے کہ دھوکا کھا گیا - آیندہ ضرور احتیاط کروں گا -

اُستاد - دوسرے مصرع میں (پیارا) کی جگہ (اچھا) کر دیجیے - اب قید نکل جائیگی - اور پڑھیے -

نواب نے لکھ لیا اور دیر تک سکوت کے عالم میں لطفِ اصلاح لیتے رہے -

مطلع نمبر ۳

آنے والے جی اُٹھے ارمان یہ کیا ہو گیا بس ٹھہر جا قبر میں اک حشر برپا ہو گیا

اُستاد - رہنے دیجیے، غنیمت ہے - اور پڑھیے -

شعر نمبر ۴

آ کے مُردے پر مرے کہتے ہیں وہ کس یاس سے ~~زندگی سے مر کے بیمار~~ اچھا ہوگیا
بالیں　　　مر کے بیمارِ محبت آج

اُستاد۔ پہلے مصرع میں (مُردے) کی جگہ (بالیں) بنائیے۔ دوسرا مصرع یوں کیجیے اور پڑھیے

مر کے بیمارِ محبت آج اچھا ہوگیا

نواب نے موافق حکم لکھ لیا۔ اور شعر بلند ہو جانے سے خوش ہوئے۔

شعر نمبر ۵۔

اس قدر صحرا نوردی نے کیا مجھ پر اثر ~~پھول میرے واسطے جنگل میں~~ کانٹا ہوگیا
گل جو ہاتھ آیا بھی قسمت سے تو

اُستاد۔ دوسرا مصرع یوں کیجیے۔

گل جو ہاتھ آیا بھی قسمت سے تو کانٹا ہوگیا

دیکھیے اب زور پیدا ہوا یا نہیں۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ جی، بہت زور ہوگیا۔ کیا کہنا۔

شعر نمبر ۶

نیند کا دھوکا ہوا تن سے چلی میری جو روح　　　چارہ گر سمجھے مریضِ ہجر اچھا ہوگیا

اُستاد۔ (تن سے چلی میری جو روح) کے معنے یہ پیدا ہوتے ہیں کہ جب میرا دَم نکلنے لگا تو چارہ گر سمجھے کہ اچھا ہوگیا۔ یہ آپ کا مطلب نہ ہونا چاہیے بلکہ مقصود مرنے پر دھوکا ہوا۔ اب آپ میری تقریر کے بعد مصرع خود درست کیجیے۔

نواب۔ (سکوت کے بعد) حضور مصرع بدل دیا۔

نیند کا دھوکا ہوا نکلی جو تن سے میری روح　　　چارہ گر سمجھے مریضِ ہجر اچھا ہوگیا

اُستاد۔ خوب بدلا۔ اور پڑھیے۔

نواب نے سلام کیا اور کلماتِ انکسار کہے۔ شعر نمبر ۷

~~حالتِ~~ اشک و غمِ فرقت کروں کس سے بیاں　　　آنکھ سے ٹپکا گر اک آنسو تو دریا ہوگیا
دست

اُستاد۔ شعر اچھا ہے، صرف ایک لفظ کی ضرورت ہے جس کے بغیر شعر نامکمل ہے۔ (حالت) کا لفظ مطلب ادا نہیں کرتا اسی وجہ سے مصرع نہیں لگا۔ یہاں (وسعت) کا لفظ بنائیے۔ اب دیکھیے کہ مصرع لگا یا نہیں۔ (آنسو کا دریا ہونا) بغیر لفظ (وسعت) کے ناممکن۔ ان چیزوں کو ضرور غور کرتے رہا کیجیے۔ تحصیل علم عروض اور تحقیق لغات آپ اپنی جگہ سب کچھ کرسکتے ہیں۔ لیکن اس کا بتانے والا سوائے میرے دوسرا نہ ملے گا۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ بیشک حضور بجا فرماتے ہیں۔ خدا حضور کو زندہ رکھے۔

شعر نمبر ۸

دیکھنے آتے ہیں مجھ کو روز اب وہ شوق سے   بڑھ کے زخم دل مرا کچھ اور اچھا ہوگیا

اُستاد۔ رہنے دیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔

شعر نمبر ۹

تھک گیا میں تو مگر اللہ رے شوق وصال   چھوڑ کے مجکو سوئے منزل روانہ ہوگیا
تھک کے میں بیٹھا مگر بیٹھا نہ دل

اُستاد۔ خبر غائب۔ کون چھوڑ کے روانہ ہوگیا، یہ پتہ نہ چلا۔ مجھ کے کہتے کہتے بے سمجھے کہنے لگے؟

نواب۔ دل۔

اُستاد۔ (المعنی فی بطن الشاعر) کا مصداق یہ شعر ہے۔ یوں بنائیے۔ اور آئندہ بہت غور کرکے اپنے کلام پر خود اصلاح دے کے لایا کیجیے ؎

تھک کے میں بیٹھا مگر بیٹھا نہ دل اللہ رے شوق   چھوڑ کے مجکو سوئے منزل روانہ ہوگیا

اب شعر شعر ہوا۔ آپ نے پہیلی بجھائی تھی۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ (شرمندہ ہو کے) درست ہے۔

شعر نمبر ۱۰

میں وہ مجنوں ہوں اثر دیوانگی کا ساتھ ہے   جب قدم رکھا سر گلزار صحرا ہوگیا

اُستاد۔ شعر اچھا ہے، صاد بنا لیجیے۔ اور پڑھیے۔

نواب۔ شعر نمبر ۱۱

تیر چٹکی سے چھٹا جس وقت اُن کی یاد ہے　　پھر سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ دل کیا ہو گیا

اُستاد۔ پہلا مصرع بہت سست ہے، تھوڑی تعقید بھی ہے۔ خود مصرع صاف کیجیے۔

نواب۔ (تھوڑی دیر کے بعد) عرض کروں؟

اُستاد۔ پڑھیے اور ضرور پڑھیے۔

نواب۔

تیر کا چٹکی سے اُن کی چھوٹنا تو یاد ہے　　پھر سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ دل کیا ہو گیا

اُستاد۔ ہاں، یہ مصرع خوب بدلا۔ بہت اچھا شعر ہو گیا۔ ماشاءاللہ۔ اور پڑھیے۔

نواب نے کھڑے ہو کے سلام کیا۔

مقطع
شعر نمبر ۱۲

دیکھتے ہیں وہ محبت کی نظر سے اے امید　　تم بھی اب خوش ہو کہ مرنے کا سہارا ہو گیا

دلچسپ معلومات نمبر ۲۱

اُستاد۔ شعر غنیمت کہے۔ ذرا غزل کہنے کے بعد خود بھی اصلاح دے لیا کیجیے۔ اب آپ کہنے لگے۔ اور اچھا کہنے لگے۔ آج مجھے معلوم ہوا کہ میری محنت کا ثمرہ اچھا ہوگا۔ عنقریب آپ کو اصلاح کی ضرورت نہ رہے گی۔

نواب۔ خدا حضور کو زندہ رکھے اور ہم لوگ ہمیشہ آپ کو غزل دکھاتے رہیں۔ سب تصدق سرکار ہی کا ہے ورنہ ہم لوگوں کی کیا حقیقت ہے۔ مولانا شعار صاحب تشریف لاتے ہیں؟

اُستاد۔ برابر آٹھویں روز نئی غزل لاتے ہیں، اب وہ بھی اچھا کہنے لگے اور معلومات میں نمایاں اضافہ ہو گیا، اچھے شاعر نکلیں گے۔ آج کے دن آپ اصلاح لینے کے لیے آتے ہیں یعنے ہفتہ کو۔ کل کے دن یعنے اتوار کو مولانا اصلاح لینے آتے ہیں۔ کیا آپ کے اُن سے راہ و رسم نہیں ہے؟

نواب - صرف صاحب سلامت ہے -
استاد - (صاحب سلامت) نہ کہا کیجیے - اب غیر فصیح ہے - بلکہ سلام علیک کہا کیجیے -
نواب - بہت خوب - احتیاط کروں گا -
اُستاد - کسی دن آپ دونوں کو جمع کرکے تعارف خاص کرادوں گا تاکہ شاید میرا عراق جانا ہو جائے تو آپ لوگ آپس میں مشورہ کرلیا کریں گے -
نواب - جب حضور کا حکم ہو گا حاضر ہو جاؤں گا -
استاد - انشاءاللہ تعالیٰ وہ وقت قریب آگیا ہے - ہاں یہ تو بتائیے کچھ اور پڑھا ؟
نواب - جی ہاں پڑھا ہے - یاد بھی ہے -
اُستاد - یہ بات تو ضرور ہے کہ آپ جو کچھ پڑھتے ہیں یاد کرلیتے ہیں - اچھا چند سوال کرتا ہوں بتائیے -
نواب - ارشاد ہوں - اگر یاد ہوں گے تو عرض کروں گا -
اُستاد - بتائیے، بحر کے کیا معنے ہیں، اور بحر کو بحر کیوں کہتے ہیں - اختلافات کو وضاحت سے بیان کیجیے -
نواب - بحر کے لغوی معنے دریا کے ہیں - اور اصطلاح عروضیین میں ہر طائفہ و پارۂ کلام موزوں کو جو مشتمل ہو چند انواع شعریہ - یہ مناسبت صرف اسلیے ہے کہ جس طرح دریا مشتمل ہوتا ہے مختلف چیزوں پر مثلاً مرجان، نباتات، حیوانات وغیرہ پر اسی طرح بحر، بحور، عروض اس سے بھی مشتمل ہوتی ہے چند نوع شعریہ - بعض کا خیال یہ ہے کہ وجہ مشابہت صرف یہ ہے کہ جسطرح انسان دریا میں حیران و پریشان ہوتا ہے اُسی طرح شعر کہنے والا بحروں میں گھر کے تغیرات ارکان وغیرہ سے متحیر و عاجز ہو جاتا ہے - کہ یہ تغیر کیسا ہے، یہ وزن کیا ہے -
اُستاد - ماشاءاللہ آپ کو بالترتیب یاد ہے - بتائیے کہ کل زحافات کتنے ہیں اور کون کون ہیں -
نواب - کل زحافات ۳۵ ہیں - اور وہ یہ ہیں :- اضمار[۱] - عصب[۲] - وقص[۳] - خبن[۴] -

طے - کف - قبض - تشعیث - قصر - قطع - وقص - عقل - نقص - کشف - شکل - حذف -
اخذ - صلم - قطف - تسبیغ - ازالہ - ترفیل - جدع - جب - خرم - اثلم - اثرم - عصب -
اقصم - اجم - اخرم - اشتر - اخرب - ابتر - معاقبہ - مراقبہ -

اُستاد - ماشاء اللہ، سب کی تعریفیں بھی یاد ہیں -

نواب - رات رات بھر یاد کر کے حفظ کی ہیں -

اُستاد - برابر یاد کرتے رہیے گا ورنہ زحافات و بحور دو چار دن نہ دیکھنے پر انسان اکثر و بیشتر بھول جاتا ہے دس دن کے بعد اگر آپ سے پوچھوں اور آپ دس دن تک یاد نہ کیے ہوئے ہوں تو ۳۵ کے ۱۵ زحاف مشکل سے بتائیے گا -

نواب - خوب حضور نے بتا دیا، اب روزانہ ایک نظر ڈال لیا کروں گا -

اُستاد - عروضی یہی کرتے ہیں ورنہ بھول جائیں - اچھا بتلائیے بحریں کتنی اور کون کون سی ہیں - یعنی شعرائے عجم نے کتنی بحروں کو متروک کر دیا ہے اور کتنی بحریں استعمال کی ہیں -

نواب - کل سولہ بحریں ہیں جن میں سے پانچ بحریں تو شعرائے عجم نے بالکل متروک کر دیں - کوئی شعر کہا ہی نہیں - وہ یہ ہیں:-

طویل - مدید - بسیط - وافر - مقتضب - اور گیارہ بحروں کو ہمیشہ استعمال کیا یعنے انھیں بحروں میں شعر کہتے رہے وہ یہ ہیں:-

ہزج - رجز - رمل - سریع - خفیف - مجتث - مضارع - منسرح - متدارک - متقارب - کامل - لیکن بحر کامل کو سوائے کامل کے مزاحف استعمال نہیں کیا -

اُستاد - خوب یاد کیا - اب آپ عروضی ہو گئے، سب بحروں کے اوزان یاد ہیں -

نواب - سب نوک زبان ہیں -

اُستاد - میری ایک ہدایت یاد رکھیے گا - عروض سیفی کے بعد حدائق البلاغۃ پر ایک نظر ضرور ڈال لیجیے گا جہاں کہیں شک ہو جناب قاری صاحب سے رفع کر لیجیے گا - بس پھر آپ کو کوئی

ضرورت نہ رہے گی۔ نہ آپ کسی محل پر کسی شاعر سے دبیں گے۔ بس میں پوچھ چکا۔ آپ نے دل خوش کر دیا۔ ہر ایک کو اس طرح شاید ہی یاد ہو۔

نواب نے سلام کیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اجازت لے کے رخصت ہو گئے۔

حسب معمول دوسرے روز مولانا نئی غزل لے کے آ گئے (آتے ہی) سلام علیکم۔

اُستاد۔ علیکم السلام۔ میں انتظار ہی کر رہا تھا۔ پہلے اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں آخر میں اُستاد نے کہا کہ اب تو آپ کی غزل کم بنتی ہے بلکہ گویا نہیں بنتی۔ سنائیے۔

مولانا۔ بہت خوب کہہ کے جیب سے غزل نکالی۔

اصلاح نمبر ۲۲

غزل مولانا

مطلع نمبر ۱

ہو گئے وحشی نہ کبھی بے سر و ساماں ہم سے   لے لیے دشت نے دامان و گریباں ہم سے

اُستاد۔ آپ پڑھے جائیے۔ جہاں کوئی بات ہوگی ٹوک دوں گا۔

مولانا۔ بہت خوب۔

مطلع نمبر ۲

دست وحشت یہ ہوا کار نمایاں ہم سے   ہو گئے ایک جو دامان و گریباں ہم سے

شعر نمبر ۳

چاہتے ہیں کہ خلش بھی نہ کبھی یاد آئے   دل کے ہمراہ لیے جاتے ہیں پیکاں ہم سے

اُستاد۔ بہت خوب شعر کہا، حاصل طرح ہے۔

مولانا۔ سلام کر کے۔

شعر نمبر ۴

کون ہے ہجر میں تیرے جو نہیں دیوانہ   صبح محشر نے بھی بدلا ہے گریباں ہم سے

شعر نمبر ۵

کہہ کے یہ جان دی بیمارِ محبت نے ترے — اب تو کاٹے نہیں کٹتی شبِ ہجراں ہم سے

شعر نمبر ۶

چشمِ تر کہتی ہے بڑھتا ہے جو غم کا دریا — کیا تعجب ہے جو اُٹھنے لگیں طوفاں ہم سے

شعر نمبر ۷

انتہا ہوگئی سوزِ جگری کی اے دل — یار نے پھینک دیا لیتے ہی پیکاں ہم سے

اُستاد - اب یار کا لفظ متروک ہو چلا ہے، پچاس برس قبل اساتذہ لکھنؤ صرف کرتے تھے۔

چنانچہ جناب تعشق کا بے نظیر مطلع ہے

سوئے دریا خندہ زن وہ یار جانی پھر گیا — موتیوں کی آبرو پر آج پانی پھر گیا

لہٰذا خود بدلیے -

مولانا - (یار) کی جگہ (شوخ) کا لفظ لکھدوں ؟

اُستاد - بیشک، میرے ذہن میں بھی یہی لفظ تھا - اور پڑھیے -

مولانا - لفظ لکھ کے -

شعر نمبر ۸

بجھ گیا داغِ جگر آہ جو کھینچی شبِ غم — گُل ہوا ہائے چراغِ تہِ داماں ہم سے

شعر نمبر ۹

جس کو آئینہ سمجھتے ہو یہ کس کا دل ہے — اب چھپاؤ تو بھلا زلفِ پریشاں ہم سے

شعر نمبر ۱۰

صبح تک شام سے روشن رہے داغوں کے چراغ — ہوگئی روشنیٔ گورِ غریباں ہم سے

شعر نمبر ۱۱

مدتیں ہوگئیں صیاد چمن کو چھوڑے — ہائے اب پوچھتا ہے حالِ گلستاں ہم سے

شعر نمبر ۱۲

روح نکلی نہ گیا زورِ جنوں ہاتھوں سے　　سب چھڑایا کیے چھوٹا نہ گریباں ہم سے

اُستاد۔ (مارے خوشی کے آبدیدہ ہو کے) بخدا کیا شعر ہے شعار صاحب۔ بہت خوب شعر آپ نے کہا، اس کا جواب نہیں۔

مولانا نے کھڑے ہو کے سلام کیا۔

مقطع نمبر ۱۳

اے شعار اب جگر و دل ہی نہیں اپنے پاس　　عشق میں ہوں گے کہاں بے سرو ساماں ہم سے

دلچسپ معلومات نمبر ۲۲

اُستاد۔ آپ نے بہت اچھی غزل کہی۔

مولانا نے پھر سلام کیا۔ اور غزل جیب میں رکھ لی۔

اُستاد۔ وطن کب تک جانے کا ارادہ ہے؟

مولانا۔ ابھی تو حضور کوئی خاص ارادہ نہیں۔ شوقِ شاعری مانع ہے۔

اُستاد۔ (مسکرا کے) شوق اسی کو کہتے ہیں۔

مولانا۔ (تھوڑی دیر کے بعد) اجازت ہے؟

اُستاد۔ خدا حافظ۔

مولانا سلام کرتے ہوئے رخصت ہوئے اور وہی شاگرد جو اپنی غزل لینے آئے تھے اور اتفاق سے اُستاد سے غزل لے نہ سکے تھے اور ہر بات میں ایک غلطی ضرور ہوتی تھی، آ گئے سلام کر کے بیٹھ گئے۔

اُستاد۔ (طعن سے) آپ آ گئے؟ بجائے اس کے کہ پوچھتے، مزاج کیسا ہے۔ چونکہ شاگرد غلط الفاظ بہت بولتے تھے۔ پوچھا "آپ کی زوجہ صحیح ہیں؟"

شاگرد سمجھ گئے (شرما کے) حضور آج تو دونوں صحیح ہیں یعنی مَیں اور بیوی -

اُستاد - مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں آپ غلط نہ کہہ رہے ہوں ؟

شاگرد - جی نہیں، خدا کے فضل سے صحت ہے -

اُستاد - بیوی کو جو نسخہ پلاتے تھے، لائیے میں بھی دیکھوں -

شاگرد - (جیبوں میں ہاتھ ڈال کے) حضور، لا پتہ ہوگیا -

اُستاد - (ہنس کے) دیکھا، میں نہیں کہتا تھا غلط بول گئے -

شاگرد - حضور، اس میں کیا غلط بولا ؟

اُستاد - (لا پتہ) کون سی ترکیب سے (لا) لائے نفی عربی کا - (پتہ) فارسی لغت - ترکیب عربی کیونکر صحیح ہوگی ؟

شاگرد - (سر جھکا کے) درست ہے - سخت دھوکا کھایا -

اُستاد - آپ کو اپنی بیوی کی صحت برقرار رکھنے کی کوئی خاص پرواہ نہیں -

شاگرد - حضور درست فرماتے ہیں، میں بڑا لا پرواہ انسان ہوں -

اُستاد - (بہت زور سے ہنس کے) پھر غلط -

شاگرد - (گھبرا کے) جناب، اب کیا ؟

اُستاد - (لا پرواہ) بھی ویسا ہی غلط ہے جیسے (لا پتہ) - ابھی بتایا تھا مگر آپ کو یاد نہیں رہا -

شاگرد - کیا عرض کروں، میری خطا نہیں، میرے دوست درحقیقت مخرب ہیں - یہ صحبت میں بیٹھا نہ غلط بولتا -

اُستاد - ہائے کیا غضب ہے، پھر غلط بولے -

شاگرد کی اب حیرت کی انتہا نہ تھی - دل میں کہتے تھے کہ کمبخت طے کر کے آیا تھا کہ آج سمجھ کے صحت کے ساتھ بولوں گا اور اُستاد کو ٹوکنے کا موقع نہ دوں گا - دو باتیں کیں اور تیسری غلطی پکڑی گئی

شاگرد - حضور، اب کیا ہے ؟

اُستاد۔ آپ مخرب بولے بسکون خا در آنحالیکہ بضم میم و فتح خا و بہ تشدید را ہے یعنے (مُخَرِّب)

شاگرد۔ پڑھے لکھے جو بولتے ہیں ؟

اُستاد۔ کیا پڑھے لکھوں کا بولنا دلیلِ صحت ہے ؟ اگر بولتے ہیں تو غلط بولتے ہیں۔ یہ صیغہ اسم فاعل باب تفعیل سے آیا ہے۔ اس کا مصدر خراب و تخریب ہے ۔

شاگرد۔ اب آیندہ خیال رکھوں گا ۔

اُستاد۔ ہر وقت خیال رکھا کیجیے۔ آپ کو بہت زیادہ غلط بولنے کی عادت ہے۔ آپ کی زوجہ کن کی صاحبزادی ہیں ؟

شاگرد۔ سید نورالدین صاحب کی صاحبزادی خاص ایرانی ہیں۔ اُنکے پاس سیادت کا شجرہ موجود ہے ۔

اُستاد۔ کہاں تک بتاؤں۔ لفظ شَجرہ بسکون جیم نہیں بلکہ بفتح جیم صحیح ہے۔ لوگ غلط بولتے اور نظم بھی کر جاتے ہیں۔ اسی طرح ثمرہ بولتے ہیں یہ بھی غلط۔ صحیح لفظ اصل میں ثَمَرہ ہے بفتح میم۔

شاگرد۔ درست ہے ۔

اُستاد۔ آپ تو شاعر ہیں، آپ کی بیوی بھی شعر کہتی ہیں ؟

شاگرد۔ کبھی کبھی نوحہ، سلام کہتی ہیں ۔

اُستاد۔ اصلاح کس سے لیتی ہیں ؟

شاگرد۔ میں نے کہا کہ اپنے اُستاد یعنے جناب سے بنوا لا دوں تو کہتی ہیں مجھے شرم آتی ہے۔ تم کلام دیکھ لیا کرو ۔

اُستاد۔ پھر آپ نے کبھی اصلاح بھی دی ؟

شاگرد۔ جی ہاں، ایک سلام پر اصلاح دی تھی ۔

اُستاد۔ کوئی شعر یاد ہے ؟

شاگرد۔ جی ہاں، مطلع یاد ہے ۔

کیا جہاد جو خیبر میں حق کی جانب سے　　علیؑ کو حیدرِ کرّار کا خطاب ملا

اُستاد۔ (طنز سے) اصلاحی ہے؟
شاگرد۔ جی ہاں، میرا دیکھا ہوا ہے۔
اُستاد۔ ایک بات بتائیے۔ کیا علیؓ سے پہلے کوئی بزرگ حیدرِ کرار گزرے ہیں؟
شاگرد۔ جی نہیں، کوئی نہیں گزرا۔
اُستاد۔ پھر آپ نے "حیدرِ کرار کا خطاب ملا" کیوں رہنے دیا؟ (کا) یہ بتاتا ہے کہ خود حیدرِ کرار نہیں تھے، حیدرِ کرار کوئی دوسرے شخص تھے اُن کا خطاب علیؓ کو دیا گیا۔ اس میں (کا) زائد ہے یا نہیں؟
شاگرد۔ بیشک زائد ہے۔ مگر بڑے بڑوں کے کلام میں، جو اپنے کو اُستاد کہتے ہیں یہی صورت پائی جاتی ہے۔
اُستاد۔ اسے رہنے دیجیے، خون کھولتا ہے۔ بس "حیدرِ کرار خطاب ملا" اتنا کافی ہے اور یہی ہونا چاہیے۔
شاگرد۔ بیشک درست ہے۔
اُستاد۔ پھر خود کیوں رہنے دیا؟
شاگرد۔ مجھ کمبخت کی سمجھ میں پہلے نہیں آتا، جب کوئی ٹوکے تو سمجھ جاتا ہوں۔
اُستاد۔ یہ تو ہر غلط بولنے والا کہہ سکتا ہے، آپ کی کیا خصوصیت ہے۔

اُستاد کو کسی کام سے کہیں تشریف لے جانا تھا وعدہ تھا۔ قطع کلام کرتے ہوئے غزل اصلاحی دے دی اور کہا کہ مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے، کبھی کبھی چلے آیا کیجیے دل بہل جاتا ہے۔
شاگرد۔ بڑا فائدہ ہو جاتا ہے۔ میرے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ غزل لے کے اجازت چاہی اور سلام کرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

آج کے ساتویں روز صبح کو اُستاد، نواب کا انتظار کر رہے ہیں کہ ٹھیک اپنے وقت پر آٹھ بجے نواب نئی غزل لیے ہوئے آ گئے۔ آتے ہی۔ آداب عرض کرتا ہوں۔

اُستاد۔ تسلیم۔ آیئے۔

نواب سلام کرکے بیٹھ گئے اور خوشی میں بغیر اُستاد کے پوچھے غزل جیب سے نکالی۔

اُستاد۔ کیوں؟ آج جلدی ہے؟

نواب۔ جلدی کچھ نہیں آج ایک نئی طرح میں غزل کہی ہے اُس کے شوق نے مجبور کیا جو خلاف قاعدہ غزل جیب سے نکال لی۔

اُستاد۔ اچھا اچھا سُنایئے۔

نواب غزل سُنانے لگے۔

اصلاح نمبر۲۳

غزل نواب

مطلع نمبر۱

سنان عشق کی دل میں گڑنے لگی — ارے چوٹ پر چوٹ پڑنے لگی

اُستاد۔ یہ کیسے "بگڑنے لگی" "پڑنے لگی" میں غزل کہی ہے۔

نواب۔ جی، مجھے یہ طرح بہت اچھی معلوم ہوئی۔

اُستاد۔ آپ بھی اب سمجھ کے کہنے لگے۔ اس قدر اصلاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آپ پڑھیے مَیں سُن رہا ہوں، جہاں ضرورتِ اصلاح ہوگی بتا دوں گا۔

نواب۔

مطلع نمبر۲

نظر اُن سے جس وقت لڑنے لگی — مرے دل کی حالت بگڑنے لگی

شعر نمبر۳

محبت نے بڑھ کے اُٹھایا حجاب — نظر سے نظر صاف لڑنے لگی

شعر نمبر۴

جو آہوں نے دل کو پریشاں کیا — تو زُلف اُن کی نوأ بگڑنے لگی

شعر نمبر ۵

وہ پہلو سے اُٹھ کے چلے صبحدم   مرے دل کی بستی اُجڑنے لگی

شعر نمبر ۶

بجھایا جو بادِ سحر نے چراغ   مری قبر پر اوس پڑنے لگی

اُستاد ۔ شعر اچھا کہا ہے ۔ واہ واہ ۔

نواب سلام کرکے ۔

شعر نمبر ۷

وہ مژگاں کو جُنبش ہوئی دل بچاؤ   وہ تیروں کی بوچھار پڑنے لگی

اُستاد ۔ اُس سے اچھا یہ شعر ہے اور بہت اچھا ہے ۔

نواب نے کھڑے ہو کے سلام کیا ۔

شعر نمبر ۸

اشارے سے بیمارِ غم نے کہا   اب آ ئیے کہ جب سانس اُکھڑنے لگی

اُستاد ۔ یہ سب شعروں میں بہتر شعر کہا ہے ، بہت نرم زبان ہے ۔ اب آپ پر مجھ کو بھروسا ہوگیا ۔ عنقریب آپ بغیر اصلاحی کلام محفل میں پڑھ سکیں گے ۔

نواب ۔ سب حضور کا صدقہ ہے ۔

اُستاد ۔ نہیں ، آپ کی محنت بھی ہے ۔ خوب شعر کہا ۔

نواب سلام کرکے ۔

شعر نمبر ۹

اُمید اب خدا ہی بچائے گا جاں   کہ تم پر بھی آنکھ اُن کی پڑنے لگی

دلچسپ معلومات نمبر ۲۳

اُستاد ۔ یہ کتنے شعر کہے ؟

نواب۔ صرف نو شعر عرض کیے۔ قوافی کی مجبوری سے زیادہ عرض نہ کر سکا۔
اُستاد۔ طرح بھی تو آپ نے ایسی نکالی جس میں قافیے بہت کم ہیں۔ امتحان کی غرض سے پوچھتا ہوں، بتائیے یہ غزل آپ نے کس بحر میں کہی ہے اور کونسا زحاف ہے؟
نواب۔ (فوراً) حضور بحرِ متقارب میں عرض کی ہے۔ مثمن محذوف ہے۔
اُستاد۔ ٹھیک ہے۔ آپ عروضی ہو گئے۔
نواب۔ جی نہیں، حضور کی دعا ہوگی تو عروضی ہو جاؤں گا۔
اُستاد۔ محنت کیے جائیے۔ وہ وقت بھی آجائے گا کہ اجازت دیدوں گا اور بغیر اصلاح مشاعرے میں غزل پڑھوا دوں گا۔
نواب۔ یہ تو دلی حسرت ہے کہ خدا اس قابل کر دے۔
اُستاد۔ اگر انسان محنت کرے تو ہر کام آسکتا ہے۔ دنیا میں محنت عجیب چیز ہے۔
نواب۔ حضور بجا ارشاد فرماتے ہیں۔ کچھ باتیں قابل دریافت ہیں اگر اجازت ہو تو دریافت کرلوں؟
اُستاد۔ ضرور پوچھیے۔ مَیں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ کوئی دریافت کرے اور میں بتاؤں۔
نواب۔ مَیں (بات کھلنا) بولا تھا ایک شاعر جو میرے دوست بھی ہیں انھوں نے اعتراض کیا کہ (بات کھلنا) محاورہ نہیں۔ کیا اعتراض صحیح ہے؟
اُستاد۔ غلط ایراد کیا۔ بہت قدیم صرف ہے، دُنیا بولتی ہے۔ حضرت داغ کا شعر ہے ؎

کھُل گئی بات جب اُنکی تو وہ یہ پوچھتے ہیں　　منہ سے نکلی ہوئی ہوتی ہے پرائی کیونکر

نواب۔ (بگٹٹ) کے کیا معنے ہیں اور فصیح ہے یا نہیں؟
اُستاد۔ (بگٹٹ) کے معنے (بہت تیزی) کے ہیں۔ بالکل غیر فصیح ہے۔ عوام بولتے ہیں، خواص کبھی نہیں بولتے۔ صرف جناب داغ نے نظم فرمایا ہے ؎

بگٹٹ مرے مزار پہ آیا وہ شہسوار　　توسن کو اتنی دیر میں سَو بار اڑدی

نواب۔ لفظ (تقیہ) بفتح قاف ہے یا بکسر قاف؟

اُستاد - بفتح تائے معجمہ و بکسر قاف صحیح ہے یعنے (تقیہ) لیکن اکثر حضرات شعراء غیر شعراء اہل الجاہل (تقیہ) بفتح قاف استعمال کرتے ہیں جو قطعاً غلط ہے - اُردو فرض کرتے ہوئے بھی یعنے بفتح قاف بغیر ترکیب استعمال کرنے میں میرے نزدیک قباحت ہے - مع الترکیب تو کسی طرح بفتح قاف صحیح ہو ہی نہیں سکتا -

نواب - مَیں سمجھ گیا - حضور بجا ارشاد فرماتے ہیں اب یاد آ گیا لغت میں بھی اسی طرح ہے -

نواب - (چوٹ) کس زبان کا لفظ ہے اور کس کس طریقے سے اس لفظ کا صرف ہے ؟

اُستاد - سوال ذرا ٹیڑھا ہے اسلیے کہ جتنے طریقے استعمال کے ہیں سب بہ یک وقت کہاں یاد آ سکتے ہیں - غالباً آپ مثال بھی چاہتے ہوں گے ؟

نواب - حضور مثال ضرور ارشاد ہو -

اُستاد - آپ میرا امتحان تو نہیں لے رہے ہیں ؟

نواب - اے معاذ اللہ، میں اور سرکار کا امتحان لوں گا - چونکہ زبان کی تحقیق کی ہمہ وقت فکر رہتی ہے اس لیے دریافت کرتا رہتا ہوں -

اُستاد - اچھا، پھر آپ لکھتے جائیے اور میں بتاتا جاؤں اسلیے کہ یوں آپ کو یاد نہ رہیں گے - (یہ کہہ کے قلمدان آگے بڑھا دیا) -

نواب نے سلام کر کے قلمدان کھول لیا -

اُستاد - لکھیے - (چوٹ) ہندی زبان کا لغت ہے، اب اُردو بھی ہے - مختلف طریقوں سے اس لفظ کا صَرف زبان میں موجود ہے -

چوٹ کھانا یعنے ضرب کھانا - فصیح محاورہ ہے - عام، خاص سب بولتے ہیں - اس کی عمر کم سے کم ڈیڑھ سو برس سے زائد کی ہے - چنانچہ آتش مرحوم کا شعر ہے ؎

شکستوں پہ شکستیں چوٹ پر کھائی ہے چوٹ اُس نے کھلونا ہے ہمارا دل تری طفلی کے عالم کا

چوٹ بچانا - پڑنے والی ضرب کا خالی دینا - یہ محاورہ بھی فصیح ہے - عام، خاص سب بولتے ہیں

یہ محاورہ بھی قدیم ہے چنانچہ آتش مرحوم کا شعر ہے ؎

مشتاقِ دردِ عشق جگر بھی ہے دل بھی ہے ۔۔۔ کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ

چوٹ پیدا کرنا۔ یہاں چوٹ کے معنے (مثل) کے ہیں یعنے مثل پیدا کرنا۔ چنانچہ آتش مرحوم کہتے ہیں ؎

اے آسماں دکھائیں گے آیا جو بام پر ۔۔۔ پیدا کیا ہے ہم نے بھی شمس و قمر کی چوٹ

چوٹ لگانا۔ ضرب لگانا۔ فصیح صرف ہے سب بولتے ہیں، قدیم محاورہ ہے۔ چنانچہ داغ دہلوی کہتے ہیں ؎

نگاہِ یار نے اس شوق سے لگائی چوٹ ۔۔۔ کہ جس طرح سے دل آتا ہے دل پر آئی چوٹ

چوٹ ابھرنا۔ جہاں چوٹ آچکی ہو اور درد نہ رہا ہو۔ کسی وجہ سے درد پیدا ہو جانے کو چوٹ ابھرنا کہتے ہیں۔ چنانچہ داغ کہتے ہیں ؎

کہاں بتوں نے یہ سینے پہ اپنے کھائی چوٹ ۔۔۔ اُبھر اُبھر کے جو کرتی ہے خود نمائی چوٹ

چوٹ سہنا۔ ضرب برداشت کرنا۔ بہت عام صرف ہے، سب بولتے ہیں۔ چنانچہ امیر مینائی کا شعر ہے ؎

چین اب کسی پہلو کسی کروٹ نہیں آتا ۔۔۔ دل تھا یہ ہمارا ہی کہ ہم نے یہ سہی چوٹ

چوٹ چھچلتی لگنا۔ وار چھچلتا لگنا۔ بھرپور کا عکس۔ محاورہ فصیح ہے، رائج الوقت ہے۔ قدیم صرف ہے۔ چنانچہ شاد لکھنوی کا شعر ہے ؎

ہر چند اُس بھکیت سے دل بچ گیا اچھت ۔۔۔ لیکن جگر پہ چوٹ چھچلتی پڑی سہی

آپ سب مثالیں برابر لکھ رہے ہیں ؟

نواب ۔ جی، حضور جو کچھ فرماتے جاتے ہیں سب لکھتا جاتا ہوں ۔

اُستاد ۔ بھئی شعر اور محاورات یاد تو آتے چلے جا رہے ہیں مگر بیان کرتے کرتے تھکا جاتا ہوں ۔

نواب ۔ پھر کسی وقت ارشاد فرما دیجیے گا، کیوں زحمت فرمائیے ۔

استاد - زحمت کچھ نہیں دل چاہتا ہے کہ جس قدر صَرف (چوٹ) کے متعلق ہیں سب اسی وقت بیان کردوں -

نواب - حضور اب زحمت نہ فرمائیں میں آیندہ یاد دلا کے دریافت کرلوں گا -

اُستاد - بہت اچھا، انشاءاللہ تعالیٰ آیندہ سب بتادوں گا -

تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد نواب اجازت لے کے رخصت ہوئے - ابھی شاید دس قدم بھی راستہ نہ طے کیا ہوگا کہ ایک جلیل القدر رئیس اپنے کلام پر اصلاح لینے کے لیے اُستاد کی خدمت میں آگئے ، بعد سلام علیک اُستاد نے بڑے عزت و احترام سے صدر میں بٹھایا -

یہ رئیس عرصے سے اصلاح لیتے ہیں اور کبھی کبھی غزل کہہ کے تشریف لے آتے ہیں، اُستاد اصلاح دیدیتے ہیں -

رئیس - جناب کا مزاج گرامی ؟ عرصے کے بعد نیاز حاصل ہوا -

اُستاد - الحمدللہ مع الخیر ہوں - حضور کا مزاج مبارک کیسا ہے ؟ واقعاً کوئی دو سال کے بعد زیارت سے مشرف ہوا ہوں -

رئیس - زحمت دینے کے لیے حاضر ہوا ہوں -

اُستاد - غالباً جناب نے غزل ارشاد فرمائی ہے -

رئیس - جی ہاں - ایک غزل کے چند شعر سنانا چاہتا ہوں اصلاح سے مزین فرمادیجیے -

اُستاد - جناب ارشاد فرمائیں -

رئیس - مطلع عرض کیا ہے ؎

جہاں میں دیکھیے جس وقت بھی حسینوں کو　　　غرورِ حسن میں اُلٹے ہیں آستینوں کو

اُستاد - خیر غنیمت ہے - کوئی خاص بات نہیں - اور ارشاد ہو -

رئیس - شعر ملاحظہ ہو ؎

ہمیشہ بحرِ جہاں میں یہ شور ہے برپا　　　فلک نے غرق کیا سیکڑوں سفینوں کو

اُستاد۔ جس چیز سے ڈر رہا تھا وہی ہوا۔
رئیس۔ جناب ارشاد فرمائیں، کیا بات ہے؟
اُستاد۔ ایک خاص عیب جو بڑے بڑے اساتذہ کے کلام میں موجود ہے اُن کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، جناب غور سے سماعت فرمائیں۔ پھر عرض کرتا ہوں کہ بہت نازک مسئلہ ہے۔ وہ یہ کہ جب (حسینوں - آستینوں - زمینوں) کسی غزل یا قصیدے میں نظم فرمایئے تو (سفینوں - سینوں - کمینوں) نہیں لا سکتے۔ اور وضاحت کر دوں - جمع کے ساتھ جب قوافی لائے جائیں مثلاً (حسینوں - آستینوں) تو (سفینوں) اسلیئے ناجائز ہوگا کہ (سفینہ) کے آخر میں (ہا) ہے۔ جناب غور فرمائیں جمع بنانے میں آخر (ہا) کہاں غائب ہو جائے گی۔
رئیس۔ بیشک بڑی لطیف بات جناب نے تعلیم فرمائی، بخدا جناب کا جواب نہیں۔
اُستاد۔ مَیں ایک مرد نااہل ہوں، مجھے کیا سلیقہ۔ سب بزرگوں کا فیض صحبت ہے حضور مجھ سے دنیا خفا رہتی ہے وجہ یہ ہے کہ عیوب ظاہر کر دیتا ہوں۔
رئیس۔ احسان ماننا چاہیے کہ عیب سے مُطلع فرما دیتے ہیں، اُلٹے ناراض ہوتے ہیں؟
اُستاد۔ جی ہاں، یہی زمانہ ہے۔ خیر، کوئی بگڑے یا خوش ہو ٹوکوں گا ضرور۔ شاعر و اُستاد بنتے ہیں تو تحقیق بھی کیا کریں۔
رئیس۔ پھر اس کے معنے یہ ہوئے کہ (کمالوں کی - بالوں کی - نہالوں کی) ان قوافی کے ساتھ (رسالوں کی - قبالوں کی) نظم نہیں کر سکتے۔ یا (بیماروں میں - گلزاروں میں - زرداروں میں) انکے ساتھ (نقاروں میں - نظاروں میں) نظم نہیں کر سکتے۔ یا (نمازوں سے - کارسازوں سے) انکے ساتھ (جنازوں سے) نظم نہیں کر سکتے؟
اُستاد۔ مثالیں جناب نے خوب پیش کیں۔ بالکل آپ کے نظم کردہ قوافی کے مطابق ہیں۔ بیشک وہی عیب جو آپ کے شعروں میں پیدا ہے ان میں بھی ہو جائے گا میں مدح نہیں کر سکتا جتنی عمدہ مثالیں پیش فرمائی ہیں۔ واقعاً جس طرح آپ کے اشعار میں ایک قافیہ ایسا ہے

جس کے آخر میں (ہ) ہے اُسی طرح آپ کی سب مثالوں میں آخر میں (ہ) ہے یعنے (بالوں کی۔ نمالوں کی) کے ساتھ (رسالوں کی) اسلیے ناجائز ہے کہ (رسالہ) کے آخر میں (ہ) ہے۔اسی طرح (بیاروں میں۔ گلزاروں میں) انکے ساتھ (نقاروں میں) اسلیے ناجائز ہے کہ (نقارہ) کے آخر میں (ہ) ہے بعینہ یہی صورت (نمازوں سے۔کارسازوں سے۔جنازوں سے) کی ہے (جنازہ) کے آخر میں (ہ) ہے۔

رئیس۔جی ہاں، اسی وجہ سے میں نے یہ مثالیں پیش کیں۔

اُستاد۔سبحان اللہ، بہت خوب، لیکن ایک خاص بات اور بتادوں، خوف یہ ہے کہ کہیں ذہن سے نکل نہ جائے وہ یہ کہ غزل یا قصیدہ وغیرہ میں قوافی کے ساتھ صرف ایک قافیہ ایسا کہ جس قافیہ کے آخر میں (ہ) ہو، لایا جاسکتا ہے۔بالکل شائگاں کی سی صورت ہے کہ شائگاں میں صرف ایک قافیہ کی اجازت ہے۔

رئیس۔بجا ہے، درست ہے۔اب بالکل مطلب واضح ہوگیا۔

اُستاد۔اور شعر ارشاد ہوں ؟

رئیس۔مجھے ایک ضروری کام سے جاتا ہے غزل حاضر ہے جناب اصلاح فرمادیں گے آدمی لے جائے گا۔(یہ کہہ کے ملازم کی طرف دیکھ کے) جب ہمارے قبلہ فرمائیں لے جانا۔

ملازم۔بہت خوب سرکار۔(یہ کہہ کے استاد کی طرف دیکھنے لگا)۔

اُستاد۔کل کسی وقت غزل لے جانا۔

ملازم۔بہت خوب حضور۔

رئیس۔اب اجازت مرحمت ہو، دل نہیں چاہتا۔

اُستاد۔کیا روکوں، جناب کو کار ضروری درپیش ہے، بہت خوب۔

رئیس کھڑے ہوگئے، اُستاد بھی کھڑے ہوگئے، پھاٹک تک پہونچا کے رخصت کیا۔اور کارہائے ضروری میں مشغول ہوگئے۔

ایک عرصے تک یہی سلسلۂ اصلاح جاری رہا اور اُستاد نہایت شفقت و محنت سے تعلیم دیتے رہے۔ مولانا اور نواب برابر ہفتہ میں ایک غزل لاتے رہے۔ لکھنؤ میں شہرت ہو گئی کہ شعار صاحب اور امید صاحب اچھا کہتے ہیں، مشاعرے لوٹ لیتے ہیں۔ حسب معمول مولانا جو اصلاح لینے کے لیے آئے تو اُستاد نے کہا کہ اب فضول زحمت سے کیا حاصل، آپ اس قابل ہو گئے ہیں کہ بغیر اصلاح غزل پڑھ سکیں اور صرف غزل پر اصلاح دے سکیں لہذا ۱۰ ذی الحجہ کو آپ آئیے نواب صاحب کو بھی بلوالوں گا۔ دونوں صاحب میرے سامنے میری دی ہوئی طرح میں غزل کہیں اور میں اجازت دیدوں۔ جب کبھی کوئی ایسی ضرورت ہوگی تو دریافت کر لیجیے گا جو غزل کہہ کے لاتے ہیں وہ لیتے آئیے گا۔

مولانا۔ بہت خوب! صبح غزل حاضر ہوں گا اور وقتی غزل حضور کے سامنے عرض کروں گا۔ ایک بات قابل دریافت ہے۔

اُستاد۔ کیا؟

مولانا۔ حضور نے درمیان گفتگو میں فرمایا تھا کہ صرف غزل پر اصلاح کی صلاحیت ہو گئی ہے۔ لفظ (صرف) کا مطلب سمجھنا چاہتا ہوں۔

اُستاد۔ آپ نے غزل پر اصلاح لی؟

مولانا۔ جی ہاں۔

استاد۔ مرثیہ، سلام، رباعی، قطعہ تاریخ، قصیدہ وغیرہ پر تو اصلاح لی نہیں۔ پھر اصلاح کیونکر دیجیے گا؟

مولانا۔ کیا غزل گو مرثیہ، قصیدہ، رباعی وغیرہ پر اصلاح نہیں دے سکتا؟

اُستاد۔ کبھی نہیں۔ صرف غزل کا کہنے والا قیامت تک دوسرے اصناف نظم پر قلم نہیں اٹھا سکتا۔ ہر ایک کی حدیں علیحدہ، قواعد الگ، ترکیبیں جدا۔ غزل گو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہم اچھی غزل کہہ لیتے ہیں اس لیے ہر چیز کہہ سکتے ہیں یا بنا سکتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ عنقریب

کربلائے معلّٰی بغرض زیارت جانے والا ہوں واپسی پر اگر آپ کو شوق ہوگا تو سلام و رباعی و مرثیہ و قصیدہ وغیرہ کہلوا کے جو رموز و نکات ہیں بتا دوں گا۔ اب محل نہیں۔

مولانا۔ خدا مجھ کو بھی روضۂ حسینؑ مظلوم پر پہونچائے۔

اُستاد۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ کیا غزل کہہ کے لائے ہیں؟ پڑھیے۔

مولانا۔ جی ہاں لایا ہوں۔ (جیب سے غزل نکال کے پڑھنے لگے)۔

اصلاح نمبر ۲۴

غزل مولانا

مطلع نمبر ۱

مطلب دل مٹ گیا رونے لگا تقدیر پر ——— لکھتے لکھتے چند آنسو گر پڑے تحریر پر

شعر نمبر ۲

اللہ اللہ مرنے والے کا یہ زورِ انتظار ——— لاکھ دم اُکھڑا نظر ٹھہری رہی تصویر پر

شعر نمبر ۳

باغ کی باتیں نہ کر گلشن کی تصویریں نہ کھینچ ——— اے دلِ ناداں قفس میں ہوں اسی تقصیر پر

شعر نمبر ۴

ہائے یہ طولِ اسیری کھل گئے کڑیوں کے منہ ——— قید بے مدت مری زنگ آ گیا زنجیر پر

شعر نمبر ۵

سیماؔ ہر ہر لفظ اک شرحِ کتابِ عشق ہے ——— گوش بر آواز ہے دنیا مری تقریر پر

شعر نمبر ۶

قید میں دیتا ہے وحشی موسمِ گُل کی خبر ——— ایک در پر ہاتھ ہے اک ہاتھ ہے زنجیر پر

اُستاد۔ بہت عمدہ غزل کہی۔ (موسم) کے سین کو فتح دے کے نہ پڑھیے اسلیے کہ گُل کی طرف

اضافت ہے اور موسم بفتح سین اُردو ہے ۔ موسِم بکسر سین عربی ہے ۔

مولانا نے بہت خوب کہہ کے کھڑے ہو کے سلام کیا ۔ اور مقطع پڑھا ۔

مقطع

خلق میں تدبیر لاحاصل عبث ہے اے شعار　　چھوڑ دو سب کام اپنے مالکِ تقدیر پر

دلچسپ معلومات نمبر ۲۴

مولانا نے جھک کے سلام کیا ۔

اُستاد - آیندہ تیار ہو کے آیئے گا ، امتحان ہے ۔

مولانا - انشاء اللہ تعالیٰ ۔ ۱۰ ر ذی الحجہ کو حضور نے فرمایا ہے ؟

اُستاد - جی ہاں - دو چار دوستوں کو اور شاگردوں کو بلاؤں گا ، چار بجیں پہنچیے گا ۔

مولانا بہت خوب کہہ کے اجازت لے کے غزل جیب میں رکھ کے رخصت ہو گئے ۔ چند دن کے بعد حسب معمول نواب اپنی غزل لے کے آپہونچے اور سلام کر کے بیٹھ گئے ۔

اُستاد - آج آپ کو قدرے تاخیر ہو گئی ؟

نواب - حضور بجا فرماتے ہیں فی الواقعی دیر تو ضرور ہو گئی ، لڑکی کا مزاج ناساز ہے حکیم صاحب کے تشریف لانے کی وجہ سے تاخیر ہو گئی ۔

اُستاد - شافی مطلق شفا عنایت فرمائے ۔ ایک لفظ آپ بول گئے جو قابلِ غور ہے ۔

نواب - سرکار وہ کیا ؟

اُستاد - (فی الواقعی) واقع عربی لفظ ، جس پر الف و لام عربی کا داخل کیا گیا (فی حرف جار جو عربی کا حرف ہے ۔ اب یائے زیادہ لگانے سے کیا خاص فائدہ اٹھانا مقصود ہے ۔ ہاں اگر حرف جار (فی) اگر نہ ہوتا اور الف و لام داخل نہ ہوتا تو (یا) کا اضافہ صحیح ہوتا ۔ لہٰذا یہ ترکیب غلط ہے ۔ یا (واقعی) کہیے یا (فی الواقع) بولیے ۔ جب صحیح ہوگا ۔

نواب - بہت خوب۔ یہ ذرہ نوازی ہے کہ مجھ حقیر کو ٹوک ٹوک کے عیوب پر تنبیہ فرماتے ہیں کہاں تک ممنون و مشکور ہوں ۔

اُستاد - ایک لفظ آپ پھر غلط بولے ۔ ممنون تک تو غنیمت کیا بلکہ صحیح ۔ مشکور ممنون کے محل پر بولنا بالکل غلط ۔ اسکے معنے یہ ہوئے کہ آپ میرے شکر گزار ہیں ۔ مشکور اُسے کہتے ہیں جس کا شکر ادا کیا جائے ۔ شکر ادا کرنے والے کے معنے نہیں ہیں (مشکور) صیغہ اسم مفعول ہے ۔ یعنے شکر ادا کیا ہوا اس کے محل پر متشکر بولنا چاہیے اور یوں کہنا چاہیے کہ میں آپکا ممنون و متشکر ہوں ۔

نواب - بہت خوب - اب ایسی غلطی نہ ہوگی ۔ حضور سے ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ لفظ (حور) کے متعلق لغت میں لکھا ہے کہ جمع ہے درانحالیکہ اس لفظ کا واحد میں استعمال ہے ۔ اس کی جمع حوران بولتے ہیں مثلاً (حوران بہشتی) وغیرہ ۔

اُستاد - لغت میں صحیح لکھا ہے (حوراء) واحد ۔ (حور) درحقیقت جمع ہے ۔ لیکن خدا بھلا کرے اہل ایران کا کہ جمع یعنے (حور) کو واحد قرار دے لیا اور الف و نون بڑھا کے جمع بھی بنالی ۔ حد ہے کہ اساتذہ و محققین ایران نے استعمال کیا ۔ اب سوال یہ ہے کہ غلط ہے یا صحیح تو ہمارے لیے (یعنے اہل ہند کے لیے) بالکل صحیح ہے اسلیے کہ ہم صحت و غلطی دونوں میں اُن کے مقلد ہیں ۔ اُن کا غلط تصرف ہمارے لیے صحیح ۔ یہ جو کچھ میں نے کہا ایک طے شدہ مسئلہ ہے ۔ اب اپنا مسلک بتاتا ہوں کہ میں صحت میں اُن کی تقلید کرتا ہوں غلطی میں اُن کا یعنے ایرانیین کا مقلد نہیں ۔ حد ہے کہ طیور طائر کی جمع ہے ایرانی شعرا غیر شعرا نے اس عربی جمع کی بھی جمع بنالی اور طیوران استعمال کر گئے ۔

نواب - بجا ہے ، درست ہے ۔ عالیجاہ آج کل کے شعرا جو بے گرے اور خود رو ہیں کسی قاعدے کی پابندی نہیں کرتے جو اچھا معلوم ہوتا ہے اُسی کو قاعدہ قرار دے لیتے ہیں ۔

اُستاد - اس ذکر سے تکلیف ہوتی ہے ۔ جس چمن اُردو اور باغ شاعری کو محققین و ادیب باغبانوں نے آب منفعت دریافت و تحقیق و تدقیق سے سینچ کے ، خار اغلاط سے پاک کر کے تیار کیا تھا ۔

اُسی چمنِ زارادب کو باغیانِ زبان اُردو کی مخالفت آمیز بادِ خزاں نے تباہ و برباد کر کے آئینۂ فاعتبروا یا اولی الابصار بنادیا - بہرطور ہم تو نہ ہوں گے مگر آپ تھوڑے ہی زمانے کے بعد دیکھیں گے کہ کیا انقلاب ہوگیا- نہ یہ اُردو زبان باقی رہے گی نہ محاورات کے تصرف پر قابو ہوگا نہ قواعد شاعری کی پابندی نہ صحیح و غلط کا امتیاز- ہر شخص فرعون بے سامان نظر آئے گا-
خیر، آپ ایک صرف غلط بول گئے جس کی امید آپ سے نہ تھی -

نواب - حضور، کیا (خودرَو) غلط ہے ؟

اُستاد - جی ہاں (خودرَو) یعنے رے کو زبر یہ غلط ہے بلکہ رے کو پیش دے کے بولنا چاہیے. وہ بھی بصورت مجہول نہ یہ کہ معروف جیسے (خوب رُو) وغیرہ- مزید یہ سمجھادوں کہ (رَ د) یعنے رے کو زبر کی صورت میں رفتن سے ہے- رَو قرار پائے گا جس کے معنے چلنے والے کے ہوں گے یعنے بغیر کسی کے چلائے خود چلنے والا- اور (رُو) رے کو پیش دے کے بصورت مجہول روئیدن سے قرار پائے گا جس کے معنے بغیر بوئے اُگنے والا- اسی مناسبت سے درخت کو خود رُو کہنے لگے اُس کے بعد اہلِ زبان اور تمام چیزوں کو محل و موقع پر خود رُو کہنے لگے درحقیقت یہ صرف بول ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا -

نواب - بہت خوب- انشاءاللہ اب کبھی نہیں بولوں گا- ایک چیز قابلِ تحقیق ہے اور وہ یہ کہ (عِصمت) یعنے عین کو زبر دے کے صحیح ہے یا عین کو زیر دے کے صحیح ہے ؟

اُستاد - عین کو زیر دے کے بولنا چاہیے بالخصوص جب ترکیب کے ساتھ بولا جائے جیسے عِصمت بیبیؔ وغیرہ میرے نزدیک تعلیم یافتہ فصحا کے لیے عین کو زبر دے کے بولنا بالکل غلط ہوگا - اچھا غزل پڑھیے -

نواب نے غزل نکالی اور پڑھنا شروع کی -

اصلاح نمبر ۲۵

غزل نواب

مطلع نمبر ۱

کیا نکلنا سہل ہے دم وصل کی تدبیر میں	وقتِ آخر جان اٹکی تھی تری تصویر میں

مطلع نمبر ۲

زہر خاموشی میں جادو کا اثر تقریر میں	ہے یہی فرق آپ میں اور آپ کی تصویر میں

شعر نمبر ۳

التجا میری طرف سے آپ کی جانب سے ناز	یہ مری قسمت میں ہے وہ آپ کی تقدیر میں

اُستاد۔ شعر اچھا کہا، مطلع بھی صاف ہیں۔ اب آپ بہت اچھا کہنے لگے۔

نواب نے کھڑے ہو کے سلام کیا۔

شعر نمبر ۴

دل نشانہ تھا جگر خود بڑھ کے دل سے مل گیا	اے قدر انداز عالم کیا کشش تھی تیر میں

اُستاد۔ یہ شعر بھی بہت اچھا کہا ہے۔

نواب نے سلام کر کے

شعر نمبر ۵

چھوڑ دو جُنبش سے تم جلدی نشانہ ہو درست	دل مرا ٹھہرا ہوا ہے انتظارِ تیر میں

شعر نمبر ۶

بعدِ آزادی بھی ہے طولِ اسیری کا اثر	میں سمجھتا ہوں کہ میرا پاؤں ہے زنجیر میں

اُستاد۔ ایسا شعر آپ نے بہت عرصے کے بعد سنایا کہ جو حاصل طرح کہنے کے قابل ہو۔

نواب۔ بہت ادب سے سلام کر کے

شعر نمبر ۷

سامنے نکلے ترا دم اور میں دیکھا کروں	اے دلِ اب بد لکھا تھا یہی تقدیر میں

اُستاد۔ کیا شعار صاحب سے بل کے آئے ہیں ؟

نواب۔ کیوں حضور ؟

استاد۔ مولانا بھی ساٹھ شعروں کی غزل کہہ کے لائے تھے، آج آپ بھی ساٹھ شعروں کی غزل لائے۔

نواب۔ جی نہیں، اتفاق سے کہہ نہ سکا حسب عادت وقاعدہ آج حاضر ہونا ضروری تھا۔

اُستاد۔ ۸ ذی الحجہ کو صبح کو چائے یہیں پیجیے گا اور جس طرح غزل لاتے ہیں کہہ کے لایئے گا۔ وقتی طرح آپ کو اور مولانا کو دوں گا سامنے غزل کہیے گا۔ اور چند احباب کو جمع کروں گا سب کو سُنایئے گا۔ اگر کوئی مسئلہ پوچھوں تو جواب دینا ہوگا اُس کے بعد آپ کو اجازت دے دوں گا کہ بغیر اصلاح جہاں چاہیں آپ پڑھ سکتے ہیں۔

نواب۔ ضرور حاضر ہوں گا (یہ کہہ کے اجازت لے کے رخصت ہو گئے)۔

اُستاد نے چند روز کے بعد ملازم کو آواز دی اور دوستوں کے نام بتائے چند شاگردوں کے نام اور پتے بتائے۔ فرمایا کہ سب سے کہہ آؤ کہ پرسوں صبح کو چائے یہیں پئیں مختصر سی بزم مشاعرہ ہے۔

ملازم سب کو اطلاع دے آیا، ۸ ذی الحجہ ہفتہ کے دن صبح کو علی الصباح احباب تشریف لے آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد تین شاگرد آ گئے۔ چند لمحوں کے بعد مولانا اور نواب ساتھ ساتھ باتیں کرتے ہوئے آپہونچے، دیکھا کہ آج اُستاد کا بیٹھکا سجا ہوا ہے، سماور گرم ہے، پرانی وضع کے بزرگ، اُستاد کے دوست، شاعر قدامت پسند بیٹھے ہیں۔ اور اُستاد کسی مسئلے کو بیاں فرماتے ہیں، ہنسی کی گفتگو ہو رہی ہے۔ آتے ہی آداب عرض تسلیمات کرکے دونوں سامنے ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔

استاد۔ کیسے غزل کہی ہے ؟

مولانا اور نواب۔ حضور غزلیں کہہ کے لائے ہیں۔

اُستاد۔ پہلے اپنی غزلیں حاضرینِ بزم کو بے اصلاحی سنا دیجیے اُس کے بعد چانوشی ہوگی بعدہٗ طرح دوں گا اور آدھ گھنٹے کے اندر غزل کہنا ہوگی۔ نواب صاحب پہلے آپ پڑھیے۔

نواب نے موافق حکم غزل نکالی اور سُنانا شروع کی۔

غزل نواب

مطلع نمبر ا

دل با وفا ہے راز کرے کیوں بیاں کہیں　　　دانتوں میں دب کے بول سکی ہے زباں کہیں

حضار۔ واہ واہ، کیا مطلع کہا ہے، پھر ارشاد ہو، ماشاءاللہ۔

نواب جھک جھک کے ایک ایک کو سلام کر رہے ہیں، جب اُستاد تعریف کرتے ہیں تو گھٹنے ٹیک کے تھوڑا سا بلند ہو جاتے ہیں اور سلام کرتے ہیں۔

شعر نمبر ۲

میں اُن کو دیکھتا ہوں وہ دَم توڑنے کی سیر　　　اللہ پھر نہ جائیں مری پتلیاں کہیں

حضار۔ واللہ کیا شعر کہا ہے (اُستاد کی طرف دیکھ کے) بڑے نازک خیال آپ کے یہ شاگرد ہیں۔

ایک بزرگ۔ میاں سلامت رہو، کیا سلاست وصفاء بندش ہے۔

نواب۔ سب کو سلام کرکے۔

شعر نمبر ۳

دونوں نے دل کے بیس دیا مجکو خلق میں　　　ظاہر میں ہے زمین کہیں آسماں کہیں

استاد اور حضار۔ واہ نواب صاحب، بھئی خوب کہا۔

نواب سب کو سلام کیے جاتے ہیں۔

شعر نمبر ۴

تکمیل عشق چاہتی ہے حسرتوں کا خوں　　　بدلی ہیں اس مزاج کی نیرنگیاں کہیں

حضار۔ خدا کی قسم کیا کیا شعر سُنا رہے ہیں، دل خوش کر دیا۔

نواب ۔ سب کو سلام کرکے ۔

شعر نمبر ۵

تارے فلک پہ ڈوب گئے بجھ گیا چراغ　　ہم شامِ غم کے ساتھ ہیں جائے کہاں کہیں

حضار ۔ کوئی شعر نئی بات سے خالی نہیں ۔ کہاں تک تعریف کریں ۔ اُمید صاحب اب ہم تھک گئے ۔

نواب ۔ سلام کرکے ۔

شعر نمبر ۶

دنیا سے ہم چلے گئے یہ پوچھتے ہوئے　　ہے بیٹھنے کا کوئی ٹھکانا یہاں کہیں

یہ شعر سن کے اُستاد بھی جھومنے لگے ۔

حضار ۔ لاجواب ، بے نظیر ، بے ثباتیٔ دُنیا کا مرقع کھینچ دیا ۔ واہ واہ واہ ۔

نواب ۔ سب کو سلام ادب کرکے ۔

شعر نمبر ۷

ماتم میں سرو باغ ہیں مصروف رات دن　　اجڑا ہوا پڑا ہے مرا آشیاں کہیں

حضار ۔ (اُستاد کی طرف دیکھ کے) یہ آپ کے کمال کی دلیل ہے ۔ کیا تیار کیا ہے ۔

اُستاد ۔ یہ نواب صاحب کی محنت کا نتیجہ ہے ۔ اچھا خوب شعر کہا ہے ۔

نواب ۔ سب کو سلام کرکے ۔

شعر نمبر ۸

ہم آؤ نقش اُبھریں گے بن کے طلسمِ عشق　　مٹتا ہے باوفا کی لحد کا نشاں کہیں

حضار ۔ تعریف ہو ہی نہیں سکتی ، قلم توڑ دیا ۔ پھر پڑھیے ۔ جناب پھر ارشاد ہو ۔

نواب نے پھر پڑھا ، سب کو جھک جھک کے سلام کیا ۔

استاد ۔ بہت سمجھ کے شعر کہا ۔ الفاظ مناسب ، ادائے خیال نہایت سلیس ۔

نواب نے اُستاد کو امتیازی حیثیت کے ساتھ سلام کیا ۔

شعر نمبر ۹

شہ رگ تو کٹ چکی ہے مگر چل رہی ہے تیغ   اے خونِ بادفا ہو رگوں سے رواں کہیں

حضار۔ اہا ہا ہا، یہ شعر بھی خوب کہا ہے۔ (با وفا) کی قید نے جان ڈال دی۔

نواب۔ سلام کر کے۔

شعر نمبر ۱۰

آنکھوں میں آ کے پھیل گیا خونِ دل مرا   بدلے گا اب نگاہ میں رنگِ جہاں کہیں

حضار۔ بہت لطیف خیال، نازک مضمون، بلند پردازی کی انتہا نہیں۔

نواب۔ سلام کر کے۔

شعر نمبر ۱۱

دل میں تڑپ تڑپ میں ہیں بجلی کی تیزیاں   کیا کہہ رہا ہے راز مرا رازداں کہیں

حضار۔ ماشاءاللہ، پرانے کو کیا نیا جامہ پہنایا ہے۔ رنگ بھر دیا۔ واہ واہ۔

نواب نے سلام کیا۔

مقطع نمبر ۱۲

امید دم کے ساتھ ہے اردو جہان میں   بدلے گی جد لحد نہ ہماری زباں کہیں

حضار۔ کیا مقطع کہا ہے، واللہ خوب کہا۔ بیشک یہی بات ہے ہماری زبان سوائے قبر کے بدل ہی نہیں سکتی۔

(ایک دوسرے صاحب) بالکل الگ خیال، واقعاً بس اگر بدلے گی تو زبان عربی ہو جائے گی کیونکہ قبر میں سوال و جواب زبان عربی میں ہوں گے اور یہ ہمارا ایمان ہے۔ یہاں ہماری زبان کون بدل سکتا ہے۔ واہ واہ نواب صاحب کیا مقطع فرمایا ہے۔

اُستاد۔ (سب کی طرف دیکھ کے) جناب، دس سال برابر اصلاح لی ہے۔ علم عروض حاصل کیا ہے۔ نہایت التزام سے غزلیں کہہ کہہ کے لاتے رہے۔ اب ماشاءاللہ بہت خوب کہنے لگے، مجھے اتنی امید نہ تھی

اُمید کے لفظ پر سب ہنسنے لگے -

حضار - آپ سا اُستاد جسے ملے وہ کیوں نہ شاعرِ بے بدل ہو جائے -

اُستاد - میں کسی قابل نہیں، مجھے صحیح مصرع کہنا نہیں آتا۔ آپ حضرات کا حُسنِ ظن ہے۔ یہ سب نواب صاحب کی محنت کا نتیجہ ہے -

نواب نے لکھنؤ کی پُرانی تہذیب کے مطابق کھڑے ہو کے ختمِ غزل کا سلام کیا اور دست بستہ استاد کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ سب ہمارے حضور کا تصدق ہے، عزت دیتے ہیں۔ غزل تہ کر کے جیب میں رکھ لی، بیٹھ گئے - مولانا بھی برابر خوش ہو ہو کے تعریف کرتے رہے تھے۔ ابھی نواب کی تعریف اچھی طرح ختم نہیں ہوئی تھی کہ اُستاد نے مولانا کی طرف اشارہ کیا کہ غزل سُنائیے -

مولانا - دست بستہ بہت خوب کہہ کے غزل جیب سے نکالی۔ (اُستاد کی طرف ہاتھ جوڑ کے) عرض کروں؟

اُستاد - پڑھیے - (حضار کی طرف دیکھ کے) یہ غزل بھی سُنیے گا، بہت عمدہ طبیعت پائی ہے۔ ماشاءاللہ فارغ التحصیل ہیں۔ آپ کا وطن پورب میں ہے۔ چھپرہ ضلع سارن کے رہنے والے ہیں۔ آپ نہایت قابل شاعر ہیں۔ صرف شاعری کے شوق کی وجہ سے وطن مالوف ترک کر کے لکھنؤ میں قیام پذیر رہے برابر اصلاح لیتے رہے، تحقیق کا نہایت درجہ شوق ہے -

حضار - درست ہے -

اُستاد - اچھا غزل سنائیے خود سب کو معلوم ہو جائے گا -

غزل مولانا

مطلع نمبر ا

اے خونِ دل ٹھہر کہ یہ وقت سفر نہیں — دریا چڑھا ہوا ہے مری چشم تر نہیں

حضار - یہ مطلع سنایا ہے واہ مولانا صاحب کیا کہنا - دریا چڑھا ہوا ہے کے ٹکڑے نے جان ڈال دی کمال کیا ہے -

مولانا نے فرداً فرداً سب کو سلام کیا -

مطلع نمبر۲

حد ہے کہ تم کہو مجھے تاب نظر نہیں　　　کیا آفتابِ حشر ہے داغِ جگر نہیں

حضار۔ یہ مطلع بھی اچھا ہے۔ خوب کہا ہے۔

مولانا۔

شعر نمبر۳

حدِ کمالِ عشق ہے احساس کی فنا　　　وہ دل سے تیر لے گئے مجھکو خبر نہیں

حضار۔ یہ شعر سُن کے اُچھل پڑے۔ واہ مولانا صاحب (حدِ کمالِ عشق) اور (احساس کی فنا) کیا ٹکڑے ہیں۔ پھر ارشاد ہو۔ پھر فرمایئے۔

مولانا نے سلام کرتے ہوئے پھر پڑھا۔

حضار۔ سیری نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ پھر پڑھیے۔

مولانا نے خوش ہوتے ہوئے پھر پڑھا۔ اور سب کو جُھک کے سلام کیا۔

شعر نمبر۴

یہ کہہ کے شمع ختم ہوئی اے مریضِ غم　　　وہ رات کیا کٹے گی کہ جس کی سحر نہیں

حضار۔ یہ بھی خوب، سبحان اللہ، کیا کہنا۔

مولانا۔ سلام کر کے۔

شعر نمبر۵

چھٹ کے قفس سے جاؤں نشیمن میں کس طرح　　　اللہ ری خوشی مرے قابو میں پر نہیں

حضار۔ بہت عمدہ خیال ہے، خوب کہا ہے۔

مولانا۔ سلام کر کے۔

شعر نمبر۶

آکے کہاں پہ ختم ہو حدِ جستجو　　　محشر میں کُل جہاں ہے مرا نامہ بر نہیں

حضار۔ یہ بھی خوب کہا، بھئی کیا کیا شعر مولانا سنا رہے ہیں۔

مولانا۔ سلام کرکے۔

شعر نمبر ۷

چٹکی سے اُن کی تیر کا چُھٹنا تو یاد ہے　　پھر دل کہاں گیا ہمیں اس کی خبر نہیں

حضار۔ کیا کلام کی شوخی ہے۔ واہ ری جدّت۔ پھر پڑھیے۔

مولانا نے پھر پڑھا۔ پھر سب نے تعریف کی۔ مولانا نے سب کو سلام کرکے۔

شعر نمبر ۸

رخ سے نقاب اُلٹ کے وہ بیہوش ہو گئے　　میں نے بہت کہا مجھے تابِ نظر نہیں

حضار۔ (بیچین ہو کے) واہ مولانا صاحب، اس شعر کی شوخی کی انتہا نہیں دل خوش کر دیا۔

مکرر ارشاد ہو۔ تعریف میں زبان قاصر ہے۔

مولانا نے پھر پڑھا۔

حضار۔ دل چاہتا ہے پڑھے جائیے۔

اُستاد۔ ان کی طبیعت بہت شوخ ہے آپ حضرات شعر سُن رہے ہیں؟

حضار۔ جی ہاں، بہت شوخ۔

ایک بزرگ۔ میاں کیا کہنا، کچھ ہو کے رہو گے۔

مولانا نے سب کو با دب سلام کیا اور انکسار کے جملے کہے۔

شعر نمبر ۹

اوپر کی سانس لیتا ہے جو جو مریضِ غم　　دم توڑتا ہے دل کہ ہوا کا گزر نہیں

حضار۔ نہایت لطیف خیال، پاکیزہ بندش، خوب فرمایا۔

مولانا۔ سلام کرکے۔

شعر نمبر ۱۰

بیمارِ غم سے کہہ کے گئے چارہ گر تمام　　باقی بہت ہے رات اُمیدِ سحر نہیں

حضار۔ انتخاب شعر کیا ہے ۔

مولانا۔ سلام کر کے   شعر نمبر ۱

یوں آتے آتے قبر پہ میری پلٹ گئے   جیسے کوئی پکار کے کہہ دے اِدھر نہیں

حضار۔ (بیساختہ پن کے ساتھ) حاصل طرح شعر ہے۔ 'اِدھر نہیں' کا جواب نہیں ۔

مولانا نے سب کو سلام کیا ۔   مقطع نمبر ۱۲

اُردو کے دشمنوں سے شعارؔ اب کہو صاف   ۔ زندہ ہیں ہم ابھی تمھیں اِسکی خبر نہیں

حضار۔ بیشک آپ اس کے اہل ہیں ۔ لاجواب مقطع کہا ہے ۔ واقعاً اُردو کے دشمن بہت پیدا ہو گئے ۔ چاہتے یہ ہیں کہ کوئی اُردو نہ بولے ۔

اُستاد۔ مقطع مجھے پسند ہے صرف اس لیے کہ آپ کے دل میں خدمت و بقائے اُردو کا جذبہ تو ہے ۔

مولانا نے ختم غزل کا اہلِ بزم کو سلام کیا ۔

اُستاد نے حاضرین کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ ہمارے مولانا بہت بڑے قابل و لائق ہیں ۔ دس سال کامل اصلاح لی ہے ۔ نواب صاحب بھی پُرگو اور نازک خیال ہیں ۔ شوخی طبع تو آپ حضرات نے ملاحظہ فرمائی، زبان کس قدر صاف و شستہ ہے ۔

ایک بزرگ ۔ ہم تو آپ کے خلوص کی تعریف کریں گے ۔ گو مولانا لکھنوی نہیں ہیں مگر آپ نے فن میں طاق کر دیا ۔

اُستاد ۔ جناب نے یہ کیا فرمایا کہ گو آپ لکھنوی نہیں ہیں ۔ بخدا میرے دل میں کبھی اس کا خیال بھی نہیں آیا ۔ میں متعصب انسان نہیں ۔ دشمنِ اخلاق و مروّت ہیں وہ ہستیاں جو ملکی و غیر ملکی، مقامی و غیر مقامی کا خیال علم و فن میں کرتی ہیں ۔ بحمداللہ میں ان تمام چیزوں سے بری ہوں ۔

بزرگ ۔ میں نے ان معنے سے عرض نہیں کیا ۔ معافی چاہتا ہوں ۔

اُستاد ۔ (ہنس کے) معافی کیسی، میں پھر عرض کرتا ہوں کہ انسانیت سے بعید ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ فلاں پوربی ہیں، فُلاں دکھنی ہیں، فلاں ہندوستانی ہیں، فُلاں لکھنوی ہیں اور دل میں بغض و عناد بھرا ہوا ہے ۔ خدا اُن کی ہدایت کرے ۔ کہیں کا صاحبِ کمال ہو، عزت کرنا ہمارا فرضِ منصبی ہے (حضار کی طرف

رُخ کرکے) آپ حضرات نے غزلیں سُنیں؟
حضار۔ کیا کہنا، خوب سُنیں، تعریف ناممکن۔ ہم تو آپ کی محنت کی تعریف کریں گے۔
اُستاد۔ آپ حضرات کے سامنے یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ حضرات اب دوسروں کو اپنا شاگرد بنا سکتے ہیں، انھیں اصلاح کی ضرورت نہیں۔ یہ طریقہ صرف اسلیے اختیار کیا کہ آج کل بے گُرے، خود رُو شاعر بہت نکل آئے ہیں جنھیں کہنا کجا شعر سمجھنے کا ذوق نہیں۔ اُستاد کے سامنے کبھی زانوئے ادب طے نہیں کیا لہٰذا آپ حضرات گواہ رہیں کہ میں انھیں اجازہ اصلاح سخن دیتا ہوں۔ اساتذہ پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ سب نہیں بتاتے، تلامذہ سے چھپاتے ہیں۔ بخدا میرا یہ مسلک نہیں۔ (نواب اور مولانا کی طرف دیکھ کے) اس طرح میں سات سات شعر کہیے اور اہل بزم کو سُنا دیجیے:۔

یہی رونا ہے کہ دُنیا میں مروّت نہ رہی

مولانا اور نواب غزل کہنے لگے (آدھ گھنٹے کے بعد) حضور، غزل تیار ہے۔
استاد۔ (حضار کی طرف دیکھ کے) جب دونوں صاحب غزلیں پڑھ لیں تو آپ حضرات تعریف کریں (یہ کہہ کے مولانا سے کہا غزل سنائیے، آپ کے بعد نواب صاحب پڑھیں گے)۔
مولانا بہت خوب کہہ کے غزل سُنانے لگے۔

کب غم ہجر سے دل میں مرے ہمت نہ رہی (۱) رہ گیا صبح کو میں اور شب فرقت نہ رہی
آپ کیوں روک رہے ہیں مری خودداری کو (۲) حشر تک یہ نہ کہوں گا کہ محبت نہ رہی
ضعف طاقت سے نہ بدلے تو کچھ ہر دو عشق (۳) یا مجنت نہ رہی یا تری ہمت نہ رہی
داستاں ہجر کی کہتا ہوں مگر رُک رُک کے (۴) بندہ پرور وہ مری شانِ طبیعت نہ رہی
ہجر کو مشقِ تصور سے سمجھتا ہوں وصال (۵) آئی لیکن شبِ فرقت شبِ فرقت نہ رہی
اے حدِ ضعف کوئی موت کی تدبیر بتا (۶) جان دینے کی بھی بیمار میں طاقت نہ رہی
کس لیے رنگ غزل آپنے بدلا ہے شعار (۷) آپ یا وہ نہ رہے یا وہ طبیعت نہ رہی

مولانا کی غزل ختم ہونے پہ نواب صاحب پڑھنے لگے۔

مرضِ عشق سے نالوں کی وہ صورت نہ رہی (۱) شکر اس بات کا کرتا ہوں کہ طاقت نہ رہی
میں بڑی بات سمجھتا ہوں ہمیشہ چھوٹی (۲) درد کو درد نہ سمجھا تو وہ شدت نہ رہی
تم مرے نام کے دو پھول کہیں رکھ دیتے (۳) کیوں یہ ہر ایک سے کہتے ہو کہ تربت نہ رہی
ایک کروٹ میں اُلٹ دے گا زمانے کا ورق (۴) کون کہتا ہے کہ بیمار میں طاقت نہ رہی
درحقیقت ہے خیالات کی تابع تکلیف (۵) جس کو برداشت کیا پھر وہ مصیبت نہ رہی
نالے کرتا تھا کبھی لب پہ ہے اب مُہرِ سکوت (۶) دل ذہی ہجر وہی پر وہ طبیعت نہ رہی
کب سے اُمید پکارا کیا بیمارِ فراق (۷) آئے اُس وقت کہ جب بات کی طاقت نہ رہی

اُستاد۔ (حضار کی طرف دیکھ کے) آپ نے غزلیں ملاحظہ فرمائیں؟ میرے نزدیک اب کوئی کمی نہیں رہی۔

حضار۔ کوئی کمی نہیں، اُستاد بنا دیا۔ ایسے ہی شاگردوں سے آپ کا نام روشن ہوگا۔

اُستاد۔ میری کوئی اولاد نہیں، میں نے دونوں کو اپنے بعد اپنا جانشین کیا۔

نواب اور مولانا نے کھڑے ہوکے اُستاد اور مجمع کو سلام کیا۔ بزم شعر و شاعری ختم ہوئی۔ حضار ایک ایک دو دو کرکے رخصت ہوگئے۔ آخر میں مولانا اور نواب نے اجازت چاہی۔ اُستاد نے خدا حافظ فی امان اللہ کہہ کے دونوں کو گلے لگا کے رخصت کیا۔ مولانا وطن چلے گئے۔ چونکہ اُستاد طے کر چکے تھے، شوقِ زیارت تھا بغیر اطلاع احباب و اعزا سامان سفر تیار کرکے زوجہ اور ملازم کو ہمراہ لے کے جانب عراق بغرض زیارت جناب سید الشہدا ۱۳ رجب المرجب کو ۵ بجکے ۵۴ منٹ پر چارباغ اسٹیشن سے روانہ ہوگئے۔ شاگرد شاعری کرتے رہے۔ اُستاد نے جوارِ سید الشہدا ر بسایا۔ اور مستقل بود و باش اختیار کی۔

حصہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انقلاب

ہمیں جس وقت یاد آتی ہے ایام گزشتہ کی
کہانی ہم کہا کرتے ہیں دل سے عمر رفتہ کی

لکھنؤ ایک ایسا مقام تھا۔ جہاں صاحب کمالوں کی قدر و منزلت ہوتی تھی۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ عہد آصف الدولہ بہادر سے جنت مکان حضرت واجد علی شاہ بہادر کے دور تک فن کار و اہل کمال حضرات کی بڑی دلجوئی اور عزت کی گئی۔ لکھنؤ ایک ایسا پر بہار چمن تیار ہو گیا تھا کہ جس میں ہر ہر رنگ کے نازک و خوش نما گل سدا بہار موجود تھے چونکہ باغبان (شاہان اودھ) انتہائی خوش سلیقہ اور نازک دماغ تھے اس لیے گلزار کا ہر پھول منتخب و دلکش تھا کہ ہر اہل نظر کی نظر پڑتی تھی۔ اس بہار کا ایک عرصے تک سلسلہ جاری رہا۔ اور رنگا رنگ پھول آتے رہے اور اپنی خوشبو سے اہل چمن کے دماغ کو معطر کرتے رہے۔ خیال کیا بلکہ یقین تھا کہ یہ بہار ہمیشہ رہے گی۔ لیکن قدرت کے کھیل انوکھے ہوتے ہیں۔ خزاں آکے رہی اور ایسی آئی کہ آتی چلی گئی۔

ہر فن کا ایک استاد نہیں بلکہ ایک وقت میں بہت سے استاد گوشے گوشے میں پائے جاتے تھے۔ اور ان کے کمالات ترقی کی ان منزلوں کو طے کر چکے تھے جس کے بعد کوئی منزل نظر نہیں آتی تھی یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ جب صاحبان ذوق اپنی قدردانی کے جذبے کو اتنی وسعت دے دیتے ہیں کہ ہر اہل کمال اپنے کمالات کے نمونے پیش کرے اور وہ اس قدر کی نگاہ سے دیکھیں جس کو صاحبان کمال کی نظریں فطری طور پر تلاش کیا کرتی ہیں تو سلسلہ فنون و کمالات جاری

رہتا ہو لکھنؤ کیوں تباہ ہوا؟ اس کی صرف ایک وجہ ہو کہ قدردان باقی نہ رہی اور اگر باقی رہی تو گردش زمانہ نے اس جذبہ کو عملی جامہ پہنانے سے ہمیشہ ہمیشہ کو روک دیا۔ مایۂ ناز اور طرۂ امتیاز فن شعر و سخن تھا۔ جس کے ذیل میں زبان و ادب کے جملہ کمالات آجاتے ہیں جس طرح یہ فن بام ترقی کی آخری منزل پر پہونچ گیا تھا اسی طرح تدریجی انحطاط نے تنزل کی آخری منزل بھی دکھادی۔

ایک دور تھا کہ جب آتش و ناسخ و صبا و رند و سحر و تجر و امیر و عشق و اسیر و تبیر رشک موجود تھے۔ اس دور کو نہ پوچھیے کہ کیا تھا ایک گلزار تھا اور بہار اپنی زبان بے زبانی سے بے ساختہ کہہ اٹھتی تھی۔

ہر گُل را رنگ و بوئے دیگر است

اسی طرح مرثیہ گو شعرا دبیر و تعشق و انیس و عشق اور دیگر مرثیہ گو ایسے ممتاز و لاجواب اس سرزمین پر موجود تھے جن کے نقشِ قدم پر چلنے والے خود ایک وقت میں خضر طریقت ہو گئے۔

خاندان انیس میں اُنس۔ مونس۔ رئیس۔ سلیس۔ نفیس و عارف و جلیس و عروج و فائز و فائق گزرے جو یقیناً۔ نازک خیال و پرخلوص مداح تھے ان کی مثال بھی آنے والے زمانے میں نہ مل سکے گی۔

اسی طرح خاندان عشق و تعشق میں رشید و حمید و سعید و حامد و مجید و شدید ادب مودب اپنے بزرگوں کے کمال کا نمونہ ہونے کی حیثیت سے اچھے کارنامے آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑ گئے اور جو باقی ہیں وہ چھوڑ جائیں گے۔ اسی طرح خاندان حضرت دبیر میں اوج و رفیع ایسے قادر الکلام اور مستند اُستاد گزرے کہ آنے والا

زمانہ جن کو یاد کرکے کہے گا کہ افسوس اب ایسی ہستیاں دنیا میں موجود نہیں۔ یہ حضرات اپنی مثال آپ تھے۔ عہد انیس تعشق و عشق و دبیر سے اس وقت تک جتنے مرثیہ گو باکمال گزرے سب اپنے اپنے رنگ میں طاق و شہرۂ آفاق تھے۔

بہ حیثیت خاندان لکھنؤ میں صرف تین خاندان دنیا نے تسلیم کیے (۱) دبیر (۲) انیس (۳) عشق و تعشق۔ ہر خاندان ایک خاص خصوصیت کا مالک تھا اور خاص رنگ کا موجد۔ ان خاندانی مرثیہ گویوں کے علاوہ دوسرے خاندان کے افراد بھی مرثیہ گو گزرے ہیں لکھنؤ کی سرزمین نے پیداوار میں کوئی کمی نہیں کی۔ مثلاً خاندان اجتہاد اس خاندان میں شاعری کا عنصر ہمیشہ غالب رہا بڑے بڑے خوش گو اور نازک خیال صاحب کمال غزل گو اور مرثیہ گو پیدا کیے۔ حضرت فاخر مرحوم حضرت ذاکر مرحوم حضرت ماہر رح جناب مولوی کاظم صاحب خورشید۔ جناب بندے کاظم صاحب جاوید مرحوم فخر المحدثین مولانا سید سبط حسن صاحب فاظر۔ جناب چھنگا صاحب حسین جو بالکل بے پڑھے لکھے تھے۔ لیکن ایسے خوش گو تھے کہ پڑھے لکھوں کے دانت کھٹے کردیے۔ یا مجن صاحب تمنا ان کے علاوہ بھی مرثیہ گو گزرے ہیں۔ بہ سبب طوالت مضمون نام ترک کیے جاتے ہیں جن کا انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بالتفصیل تذکرہ کیا جائے گا۔

جتنے اساتذۂ فن کا تذکرہ کیا گیا ان سب کے کثیر تعداد میں شاگرد بھی تھے شاگردوں کا اصول یہ تھا کہ جس کے شاگرد ہوتے تھے پھر عمر بھر دوسرے سے اصلاح لینا معیوب سمجھتے تھے۔ اُستاد کو مثل پدر شفیق کے عزیز رکھتے تھے اس کی عزت کرتے تھے اس کی کوشش و کد رہتی تھی کہ اولاد بھی اس سے اصلاح لے جس سے خود اصلاح لیتا ہوں۔ اسی وجہ سے یہ سلسلہ اب تک نسلوں میں باقی ہے۔

اُستاد بھی مثل اولاد کے سمجھتا تھا حتی الامکان کوشش کرتا تھا کہ شاگرد کو پورا فن تعلیم کردوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بعض شاگرد بھی ایسے ہوتے تھے کہ جن کو دنیا نے صاحب فن و صاحب کمال تسلیم کر لیا۔ موجودہ دور کی بہترین مثال حضرت خبیر بالقابہ ہیں۔ آپ حضرت رفیع کے ایسے شاگرد ہیں اور اُستاد کی فیاض دلی نے اُس منزل پر پہونچا دیا کہ جس پر پہونچنے کے لیے ابتدا کے دور میں حضرت خبیر کو ارمان ہوگا اور شب و روز دعا کرتے ہوں گے۔ اتفاقاً ان کے دم سے خاندان حضرت دبیر زندہ ہے اسی طرح اور بھی ہستیاں گزری ہیں۔

اصلاح کے اُصول مقرر تھے طریقہ بتائے گئے حالتیں معین کی گئی تھیں کوئی شاگرد ایک مصرع بغیر اُستاد کو سنائے پڑھنا اور طبع کرانا معیوب بلکہ گناہ سمجھتا تھا۔ موجودہ دور میں صرف ایک ہستی ایسی ہے جس نے کسی سے اصلاح نہیں لی نہ شاعری سے کوئی خاندانی لگاؤ۔ لیکن کلام کا زور۔ مضامین کی پیداوار۔ مصرعوں کی براقی زور تخیل اس حد پر ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری زندگی مشق شعر و سخن کی ہے اور عمر بھر کسی مستند اُستاد سے اصلاح لی ہے۔ وہ کون؟ جناب حکیم سید محمد قاسم صاحب عرف صاحب عالم صاحب مالک دواخانہ معدن الادویہ آپ قصائد زیادہ نظم فرماتے ہیں ان کے علاوہ جس ایسے شاعر کو دیکھا جو اصلاح لینا معیوب سمجھتا ہو یا کسی سے کبھی اصلاح نہ لی ہو۔ اس کو ہمیشہ بے گرا پایا اور کلام نے خود بتایا کہ معیار شاعر کیا ہے۔

آج سے تقریباً بیس سال قبل تک اصلاح لینا فرض سمجھا جاتا تھا اور اس چیز کے ظاہر کرنے میں شعرا فخر محسوس کرتے تھے کہ فلاں سے اصلاح لیتا ہوں اور اتنے عرصہ سے اصلاح

لیتا ہوں اُستاد ایک ایک مصرع پر سیکڑوں مصرع لگوا تا تھا لفظ بدل کے ترقی کے درجات دکھاتا تھا۔ صحیح اور غلط الفاظ کی بحث چھڑا کرتی تھی۔ علم عروض کا شب و روز تذکرہ رہتا تھا باوجود ان تمام باتوں کے بہ مقتضائے بشریت اُستادوں اور شاگردوں سے غلطی کا امکان تھا اور غلطیاں کلام میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن بہت کمی کے ساتھ۔ خدا معلوم اب کون سا منحوس زمانہ آیا ہے۔ جس دور میں اصلاح لینے کو جرائم کی صف میں شمار کر لیا گیا ہے۔ جسے دیکھیے بجائے خود اُستاد ہے۔ اگر اتفاق سے یہ مشہور ہو گیا کہ فلاں شاعر فلاں اُستاد کا شاگرد ہے تو شاگرد صاحب اس چیز کے اعلان میں احساس پستی محسوس فرماتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ مجھے شاعر مادر زاد سمجھو۔ برخلاف اس کے دوسروں کو شاگرد بنانے کا شوق بے انتہا پیدا ہو گیا ہے اگر اتفاق سے یا دوڑ دھوپ سے کچھ جاہل شاگرد ہو گئے تو اس کا شب و روز اعلان کیا جاتا ہے۔ بات بات میں دوسروں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ میرا فلاں شاگرد خوب کہتا ہے فلاں شاگرد جدید شاعری کا بادشاہ ہے۔ لیکن اگر استاد کو یا اُسی کے کلام کو دیکھیے تو خدا حافظ ہے۔ آں کس کہ خود گم است کرا رہبری کند

صفحات کی کمی محسوس کرتے ہوئے اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مالک دماغوں سے فرعونیت نکال دے۔ اور یہ نیک توفیق مرحمت فرما کہ جو حضرات خود فن سے ناواقف ہیں۔ وہ کسی کو شاگرد نہ بنائیں اور خود کسی نہ کسی سے اصلاح لیا کریں۔ اور اگر شاگرد بنا چکے ہوں تو تیری راہ میں اُن کو آزاد کر دیں۔ اور خود یہ دعا کرتا ہوں کہ اے علام الغیوب تیس سال بدر شفیق حضرت مؤدب رحمۃ اللہ سے اصلاح لینے کے بعد بالکل جاہل فن ہوں صحیح و غلط کا امتیاز نہیں مجھے توفیق مرحمت فرما اور عیوب سے محفوظ رکھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب

دورِ شاعری

(حصۂ دوم)

وہی اُستاد مُستندِ لکھنوی جو عرصے سے عراق عرب کو اپنا وطن بنائے ہوئے تھے جنگ جرمن و جاپان ختم ہوتے ہی بہ سبب گرانی اجناس و اشیار ضروری حکم حکومت عراق ترک سکونت پہ مجبور ہو کے لکھنؤ تشریف لے آئے۔

لکھنؤ کے گلی کوچوں میں تذکرے ہونے لگے۔ رؤسائے امرائے شرفا شعرائے لکھنؤ بغرض زیارت تشریف لانے لگے۔ اُستاد اسی کمرے میں جس میں نواب و مولانا کو کتاب (دورِ شاعری) حصۂ اوّل میں اصلاح دیتے تھے فروکش ہیں ملازم حُقّے بھر بھر کے لگا رہا ہے۔ اندر سے خاصدان پر خاصدان بھر کے آ رہے ہیں۔ اُستاد ہر کس و ناکس سے بغلگیر ہو رہے ہیں۔ بہ نسبت پہلے کے

اُستاد کی صحت بہتر ہے۔

چہرے کی سُرخی۔ رنگ کی چمک۔ جلد کا کھچاؤ طبیعت کی بحالی تندرستی کی ضامن آب و ہوا کی آئینہ دار بنی ہوئی ہے۔ کچھ عرصہ تک احباب و تلامذہ کے یہاں دعوتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اُستاد نے علی حسب خلوص و مراتب حصّۂ تبرکات فرداً فرداً بھیجا۔

چونکہ ایک زمانے کے بعد اُستاد واپس ہوئے تھے مکان مرمّت طلب تھا معماروں کو بلوا کے مدد لگوا دی۔ زنان خانہ کی مرمت اور رنگ و روغن کے بعد دیوان خانے کی مرمّت ہوئی کمرہ اُسی طرح سج گیا جس طرح پہلے پُرانے طریقے پر سجا ہوا تھا۔

لکھنؤ کا رنگ بدل چکا ہے۔ وضع تبدیل ہو چکی ہے مکانات کی ساخت بدل گئی۔ نئی نئی سڑکیں نکل آئیں۔ سادگی نے کٹائے کا جامہ پہن کے لکھنؤ کی عمارتوں کو امریکہ کے مکانات کا نمونہ بنا دیا۔

زبان نیا جامہ پہن چکی۔ تخیلات نے انوکھے عنوان اختیار کر لیے۔ شاعری نے دوسرا جنم[*] لے لیا۔ ترکیبیں محتاج تشریح استعارات حد فہم تک پہونچنے سے مستغنی تشبیہات غریبہ ترکیبات جدیدہ پیدا ہو چکے۔ بڑے بڑے نامور شعراسے ہندوستان کی دنیا آباد ہو چکی کوئی سینما کی بدولت منزل ارتقا کی آخری حد پہ نظر آ رہا ہے۔ کوئی سیاسیات کو اپنا مرکز بنا کے شاعری کی بدولت کسی ایک قوم کا منتخب شاعر بن چکا ہے۔ کسی نے اپنے گلے سے فائدہ اٹھا کے فن موسیقی کے جوہر دکھا کے سند کمال حاصل کر لی۔ کسی نے اپنا نام مطبع کے حوالے کر کے اس قدر چھپوایا کہ دن کو دن کہنے میں کلام ہو سکتا ہے لیکن اُستاد

---

[*] جنم کی جگہ لبس کا لفظ بہتر ہے۔ شاعری نے دوسرا لبس بدل لیا ۱۲۔

کی استادی میں کلام ناممکن۔

یہ وہ دور ہے کہ لکھنؤ میں گنتی کے چند پرانے خیال کے وضعدار باقی رہ گئے ہیں جو اس قدر عاجز ہیں کہ ہمہ وقت یہی کہتے گزرتی ہے کہ خدا جلد اٹھا لے۔ ہائے ہم یہ زمانہ دیکھنے کے لیے رہ گئے۔

منجملہ ان کے استاد بھی ہیں جو لکھنؤ کی بدلی ہوئی آب و ہوا سے مجسمۂ تعجب کے جاننے کے قابل ہیں۔

سات بجے صبح کو کمرے میں برآمد ہو کے تشریف رکھتے ہیں گیارہ بجے محل میں تشریف لے جاتے ہیں۔ سہ پہر کو برآمد ہو کے دنٹل اور گیارہ بجے رات تک فروکش رہتے ہیں۔ احباب و شاگرد جمع ہوتے ہیں۔

(استاد کے ایک بچپنے کے دوست جو خاص قابلیت کے مالک ہیں اور بہت بے تکلف دوست ہیں۔ مزاح بھی ہوتا ہے۔ روزانہ دو وقتہ تشریف لاتے ہیں۔ استاد بہت عزّت کرتے ہیں اور وہ استاد کو بہت عزیز رکھتے ہیں)

ایک روز فنائے دنیا کا تذکرہ ہوتے ہوتے استاد نے مرزا محمّد ہادی صاحب عزیز لکھنوی کے انتقال پر انتہائی افسوس فرمایا۔ اور اس چیز پر بہت زور دیا کہ اتنی جامع ہستی کا ش ممکن نہیں بلکہ محال ہو۔

دوست اگر ہر ہر فرد کا اس قدر غم کیجیے گا تو ضعیفی کی گھٹتی ہوئی روح متحق نہ ہو سکے گی۔ آپ کی تندرستی پر خاص اثر پڑے گا۔ اے جناب اتنے عرصہ میں بہت سے مر گئے جن کا جواب دنیا اب نہ پیش کر سکے گی۔

استاد فرمائیے کس کس صاحب کمال نے دنیا کو غیرباد کر کے ملک عدم کو بسایا۔

دوست کل فہرست لکھ کے لاؤں گا۔ یوں بہت سے نام رہ جائیں گے۔

اُستاد آپ کو خدا کی قسم کچھ تو بتائیے۔ مجھے اختلاج ہونے لگا۔

دوست۔ بغیر سُنے اختلاج ہونے لگا جب سب کے نام سُنیئے گا تو کیا ہوگا۔

اُستاد۔ فرمائیے کہ ہمارے نواب تپن صاحب رتبیغ تو اچھے ہیں خدا معلوم کیا بات ہے کہ تشریف نہ لائے۔ کل میں خود اُن کے دولت کدہ پر جاؤں گا۔

دوست۔ بہت اچھے ہیں۔ اس سے بڑھ کے کیا اچھائی ہوگی کہ نواز گنج کی اُجڑی بستی چھوڑ کے گلشن جنّت کی سیر فرما رہے ہیں۔

اُستاد۔ ہے ہے کب انتقال ہوا۔ خدا جنت نصیب کرے کیا وضعدار و خوش گو بزرگ تھے۔ بہت نازک خیال و زود گو شاعر تھے۔ مرحوم مرثیہ بھی کہتے تھے اور اچھا کہتے تھے۔

دوست۔ اگر سُننے کا شوق ہے تو سُنیئے جو رہ جائیں گے ان کو کل بتا دوں گا۔ حکیم فدا احمد صاحب دانش ساکن میدان ایلچ خاں بھی کوچ فرما گئے۔

اُستاد۔ ہے ہے ان کا بھی انتقال ہوگیا نہایت قابل حکیم و شاعر قادر الکلام صاحب فن بزرگ تھے۔ ان کے دو دیوان میں نے خود دیکھے ہیں۔ جو غیر مطبوعہ ہیں خدا معلوم کیا ہوئے۔ دنیا نے قدر نہیں کی نہ کرے۔ صاحبان علم خوب واقف ہیں۔

دوست۔ سُنتے جائیے۔ نواب تپن صاحب ثروت۔

اُستاد۔ انا للہ۔ بڑی وضعدار غیور ہستی تھی۔ اُن کی آن بان اُن کی قدامت پرستی یادگار زمانہ تھی۔ پروردگار اعلیٰ علیئین میں جگہ کرامت فرمائے۔

دوست۔ ہمارے محمد صاحب بہار سکریٹری انجمن معین الادب۔ مقبول حسین صاحب

ظریف ۔ نواب مجن صاحب جویا ۔ چھنگا صاحب حسین ۔

اُستاد ۔ ہے ہے یہ آپ کیا فرما رہے ہیں ۔

دوست ۔ میں عرض کر چکا ہوں ۔ بس سُنے جائیے ۔ حضرت ذاخر ۔ نواب نبن صاحب راز ۔ مرزا محمد ہادی صاحب رسوا ۔ نظم طباطبائی ۔

اُستاد آئیں ۔ لکھنؤ خالی ہو گیا ۔ ہائے خاک اُڑ گئی ۔

دوست ۔ گھبرائیے نہیں سُنے جائیے ۔ دولھا صاحب عروج ۔ بابو صاحب فائق ۔ لڈن صاحب بہار ۔ مجن صاحب تمنا ۔ کُنے صاحب نوکی ۔ لڈن صاحب فائز ذاکر حسین صاحب ذاکر ۔ روح و جان خاندان دبیر حشم و چراغ حضرت رفیع خوب یاد آیا حکیم منے آغا صاحب آفتاب ۔

اُستاد ۔ آپ یہ کیا فرما رہے ہیں ۔ کیسا غضب ہوا ۔ خیر آفتاب صاحب کا تو علم ہی ہے عراق ہی میں تھا ۔ جب مرحوم نے انتقال فرمایا ۔ میں بھی شریک ہوا تھا ۔ بڑی خوش نصیب اور فن میں محتاط ہستی تھی ۔

دوست جب حکم خدا ہوتا ہے ایسا ہی ہوتا ہے کوئی نئی بات نہیں ۔

اُستاد جناب رفیع پر تو فلک ٹوٹ پڑا ۔

دوست فلک ٹوٹے یا ساتوں آسمان پھٹ پڑیں ۔ جو ہونے والا ہوتا ہے ہو کے رہتا ہے ۔ یہاں کسی کا زور نہیں ۔

اُستاد ۔ افسوس صد افسوس اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیهِ رَاجِعُونَ اور بتائیے ۔

دوست ۔ میرے یہاں کوئی فوتی پیدائش کا رجسٹر تو تھا نہیں یوں تو سیکڑوں بلکہ ہزار اہل لکھنؤ اتنے عرصہ میں مر گئے ۔ صرف شعرا کا ذکر کیا ۔ ایک شاعر کا نام اور

بتاتا ہوں اور بس وہ شفیق مرحوم

اُستاد کیا شفیق بھی مر گئے۔ ایسا بے پڑھا اور پرگو شاعر شاید لکھنؤ کی سرزمین اب نہ پیدا کرے۔

دومت ایک اور رہ گئے، تھے سُن لیجئے۔ وصی مرزا صاحب دہمی مرحوم جو مسدس گو بھی تھے اور فن تاریخ گوئی میں بھی خاص ملکہ تھا۔

اُستاد۔ افسوس واقعاً بہت عمدہ شاعر

فرماتے تھے۔ (اب اُستاد کے تعجب وحیرت کی کوئی انتہا باقی نہ رہی تھی اِنَّا للّٰہ کہتے کہتے تھک چکے تھے کئی بار آبدیدہ ہو چکے تھے۔ متعدد بار یہ مصرع پڑھ چکے تھے کہ افسوس۔

اکثر ہمارے ساتھ کے احباب مر گئے

کہ یکایک نواب کمرے کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے اور فوراً آداب بجا لاتا ہوں کہتے کہتے بوٹ اُتار کے اُستاد کی طرف بغلگیر ہونے کو بڑھے۔

اُستاد تسلیم آیئے میں آپ کو یاد کر رہا تھا۔ یہ کہہ کے کھڑے ہونے لگے۔

نواب تسلیم کرتے کرتے وہ بھی اُستاد اچھی طرح کھڑے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ لپٹ گئے۔

دیر تک بغلگیر ہونے کے بعد دست بوسی کی آنکھوں میں ہاتھ لگائے دست بستہ با ادب سامنے بیٹھ گئے۔

(نواب یہ وہی شاگرد رشید ہیں جن کو مشق اور لادہ اصلاح دے کے دور شاعری حصہ اول میں کمتی شاعر بنا کے سند اُستادی دی تھی۔ اتفاقاً بیماری کی وجہ سے۔

کہ خبر آمدشن کے بیتاب تھے۔ حاضر نہ ہو سکے تھے۔ رقعہ پر اکتفا کی تھی۔ استاد خود بغرض عیادت جانے والے تھے کہ آگئے)

استاد۔ بیٹھتے بیٹھتے کہئے مزاج کیسا ہے میں خالباً آج ہی آتا کہ آپ آگئے

نواب۔ کیا عرض کروں ایک مشاعرے میں جاگنے سے اس قدر تیز نزلہ ہوا اور اتنی شدید تپ آئی کہ اٹھنے بیٹھنے کو معذور کر دیا۔ بخدا زیارت کو دل تڑپ رہا تھا ایک زمانے کے بعد خدا نے وہ دن دکھایا کہ جس کے راتوں کو خواب دیکھا کرتا تھا حضور کا مزاج مبارک۔

استاد الحمدللہ بخیریت ہوں اب پیرانہ سالی کے مرض نے زیادہ توڑ دیا ہے روز بروز ضعف بڑھتا جاتا ہے۔

دوست۔ خدا کی ناشکری نہ فرمائیے۔ خدا کرے یہ ضعف آپ کا ہمیں مل جائے ماشاءاللہ کس قدر سرخ و سفید ہو کے تو آئے ہیں۔ عراق کی آب و ہوا اپنا نظیر نہیں رکھتی۔

استاد زیر لب مسکرانے لگے۔

نواب۔ خدا حضور کو صحت و عافیت کے ساتھ زندہ رکھے آمین ثم آمین

استاد اتنے عرصہ میں لکھنؤ لکھنؤ نہیں رہا۔ تمام اہل فن خاک کا پیوند ہو گئے جس کو پوچھو معلوم ہوا راہی ملک بقا ہو گیا خصوصاً سنا ہے کہ شاعری میں عجب انقلاب ہو گیا۔

دوست۔ ابھی جناب نے کیا دیکھا اور کیا سنا دس بیس روز میں جب تمام حالات ہندوستان کے معلوم ہوں گے تو قدر ہو گی۔

اُستاد تعجب کے ساتھ واللہ کیا ایسا انقلاب عظیم ہو گیا؟

نواب (سر جھکا کر) حضور کیا عرض کروں کئی سال کے بعد مشاعرے میں گیا تھا طے کر لیا ہے کہ اب زندگی میں نہ جاؤں گا وہ طوفان بد تمیزی کہ معاذ اللہ میں نے غزل نہیں پڑھی۔

اُستاد اچھا کیا جہاں صاحبان تہذیب نہ ہوں وہاں غزل نہیں پڑھنی چاہیئے

نواب۔ حضور بے معنی اشعار۔ خلاف تہذیب و اخلاق نظمیں پڑھی جاتی ہیں۔

دوست نواب صاحب کچھ یاد ہوں تو ہمارے جناب کو سُنائیے تاکہ آپ کو قدر ہو۔

نواب بہت خوب (اُستاد سے اجازت لے کے) یہ ایک بزرگ نے مختصر سی نظم پڑھی تھی جس کی سرخی۔

(ماتما اور محبّت)

راہ میں اک غریب عورت کے	عشق نے بڑھ کے تیر مار دیا
ایک رہرو نے اُس کے سینے میں	جذبۂ دلبری اُبھار دیا
قلب نازک کو آنِ واحد میں	شوق نے مژدہ بہار دیا
عشق نے حُسن کی نگاہوں کو	جلوۂ تیغِ آب دار دیا

اور عورت نے ایک لوچ کے ساتھ

طفل کو گود سے اُتار دیا

اُستاد۔ معاذ اللہ یہ تو بالکل فحش ہے۔ کیا مشاعرے میں پڑھی تھی۔

نواب۔ جی اس قدر پڑھوائی گئی کہ مجھے یاد ہو گئی۔

دوست بھائی صاحب رنگ دیکھا اور بالخصوص یہ ٹکڑا کہ طفل کو گود سے اتار دیا

اس کے بعد کا حال خدا جانتا ہے۔ بالکل سنیما کے اشتہار کی سی صورت ہے
منیجر لکھتا ہے کہ تماشے میں یہ ہوگا۔ پھر یہ ہوگا۔ پھر یہ ہوگا۔ باقی پردے
پر ملاحظہ فرمایئے۔ وہی شان ان اشعار کی ہے۔ یہاں تک شاعر نے کہا باقی اگر
عقل ہو تو سمجھ جایئے۔ یہی کس قدر تہذیب ہے کہ بیان نہیں کیا،
عنقریب اس حد پر آجائیں گے۔

اُستاد۔ بے شک یہی ہونے والا ہے۔ استغفر اللہ میں لکھنؤ کیوں واپس آیا۔ ایران چلا جاتا
تو بہتر تھا۔ میں جناب عنقریب عراق چلا جاؤں گا اور اب نہ آؤں گا۔

نواب۔ حضور چند مصرعے اور یاد آگئے۔

مُڑی ہوئی پتّی

اک فتنہ زمانہ بصد ناز بے پناہ — موج رواں کی شان سے طے کر رہی ہے راہ
ہر ایک پیچ و خم پہ مجھے دیکھتی ہوئی — مڑ مڑ کے ہر قدم پہ مجھے دیکھتی ہوئی
چہرے پہ ایک گرد سی گویا اُڑی ہوئی
پتّی ہوائے تند کی رو پر مُڑی ہوئی

اُستاد۔ (سبحان اللہ) واہ ری بندش واہ ری ترکیب اور یہ تو بالکل نیا صرف ہے
کہ چہرے پر گرد سی اُڑی ہوئی۔ ہوائیاں اُڑنا سنا تھا۔ گرد سی اُڑنا آج سنا
بڑے پہونچے ہوئے اُستاد ہیں۔

دوست۔ جی ہاں محاورات بنانے کا کارخانہ کھولا ہے۔ شاعری میں انقلاب پیدا کر رہے
ہیں کوئی معمولی بات ہے۔

نواب۔ حضور ایک رباعی اور یاد آگئی۔ عرض کرتا ہوں۔

اللہ رے بدست جوانی کا نکھار　　ہر نقش قدم پہ سجدہ کرتی ہے بہار

اس طرح وہ گامزن ہیں فرش گل پر　　پڑتی ہے ہری دوب پہ جس طرح پھوار

اُستاد۔ بس اب نہ پڑھیئے گا واللہ مجھے خوف ہے کہ کہیں دق شیخوخت میں نہ مبتلا ہو جاؤں (دوست کی طرف دیکھ کے) آپ نے رباعی سُنی (اللہ ری) کی جگہ (اللہ رے) جوانی مؤنث ہے (رے) کے بجائے (ری) کہنا چاہیئے تھا اگر اللہ رے کا ٹکڑا نکھار سے متعلق کیا جائے تو تعقید لفظی ہو جائے گی۔ دوسری بات یہ کہ بدست جوانی زبردستی کی ترکیب ہے سب سے بڑی بات یہ کہ معشوق کے فرش گل پر چلنے کی جو تشبیہ دی گئی ہے۔ بالکل نئی۔ ہری دُوب پر پھُوار واہ واہ۔

دوست۔ یہ سب انگریزی خیالات کا اثر ہے۔ یہ مصرع تو آپ کے خیالات کی ترجمانی کر رہا ہے بندہ نواز میں انگریزی داں بھی ہوں۔ اخبار و رسائل لاہور و دہلی وغیرہ دیکھتا رہتا ہوں، اطمینان سے کلام سُناؤں گا اور بتاؤں گا کہ کیا رنگ بدلا ہے۔

اُستاد۔ ضرور بتایئے گا۔ اب تو ایک قسم کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔

(ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ڈاکیہ نے ملازم کو خط دیا ملازم نے اُستاد کے سامنے پیش کیا۔ اُستاد نے باتیں کرتے کرتے لفافہ چاک کیا۔ پرچہ نکال کے پڑھنا شروع کیا (مسکرا کے) پرسوں آپ کے دوست مولانا بھی لکھنؤ پہونچ جائیں گے)

نواب۔ مسکرا کے خوب۔ انسان کیا ہیں فرشتہ ہیں۔

اُستاد۔ پھر شنبہ کی رات کو مختصر سی صحبت شعر و سخن منعقد ہو جائے اور نان جویں یہیں نوش کیجئے۔

نواب۔ میں تو حضور سے عرض کرنے والا تھا کہ غریب خانہ کو رونق بخشیے اور حضر
تناول فرما کے تشکر فرمائیے۔
اُستاد۔ جمعہ کے بعد کوئی دن معین کیجیے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی خوشی کروں گا۔
نواب۔ بہت خوب جو جناب کا حکم ہو۔
استاد۔ (دوست کی طرف دیکھ کے دست بستہ) جناب سے بھی عرض ہو۔
دوست۔ بجا ہو یوں تو روز حاضر ہوتا ہوں۔ جناب کی مصاحبت کرتا ہوں جس دن
دعوت ہوگی کیا غائب ہوجاؤں گا۔ واللہ اگر آپ نہ بھی فرماتے جب بھی حاضر ہوتا
اُستاد۔ مسکرا کے آپ کا گھر ہو۔ میں آپ کا۔ سب کچھ آپ کا۔
(نواب یہ گفتگو سُن کے مسکراتے رہے)
صحبت برخواست ہوگئی۔ سب رخصت ہوگئے۔ جمعہ کا دن آ کے قریب ختم ہوپنچا
اُستاد نے پرتکلف کھانے پکوائے۔ دیگر چند احباب کو بھی مدعو کیا۔ وہاں مولانا
لکھنؤ پہونچ گئے۔ مدرسۃ الواعظین میں قیام کیا بعد مغرب نماز پڑھ کے اُستاد سے
ملنے کے لیے روانہ ہوئے۔

یہاں کمرے میں کنول روشن ہیں مردنگوں میں شمعیں جل رہی ہیں قالین بچھے
ہوئے ہیں۔ احباب و شاگرد جمع ہیں حقے پے جا رہے ہیں۔
نواب صاحب اور دوست آ چکے ہیں۔ مولانا کا انتظار ہو رہا ہے اُستاد
برابر یہی کہہ رہے ہیں کہ مغرب کے بعد پہونچنے کو لکھا تھا خدا معلوم لکھنؤ پہونچے
یا نہیں۔
ابھی یہ ذکر ہو ہی رہا تھا کہ آہٹ معلوم ہوئی۔ مولانا کمرے کے سامنے آ کے

کھڑے ہو گئے۔

مولانا۔ "سلامٌ علیکم"

اُستاد۔ اور اہلِ بزم۔ علیکم السلام

اُستاد کھڑے ہوتے ہوتے آیئے جناب آپ کو تو نظریں ڈھونڈھ رہی تھیں۔

مولانا جلدی سے جوتہ اُتار کے دوڑ کے لپٹ گئے تمام اہلِ بزم کھڑے ہو گئے دیر تک بغلگیر رہنے کے بعد دست بوسی کر کے مولانا نے دست بستہ مزاج پوچھا۔

اُستاد نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مزاج پوچھتے ہوئے بیٹھ گئے۔ مولانا سامنے باادب بیٹھ کے حضور کی برکت دعا سے سب خیریت ہی۔

اُستاد کیئے قیام کے ارادے سے بھی آئے ہیں یا نہیں۔

مولانا۔ حضور بہت کچھ کہا ہی۔ اصلاح کے لیے حاضر ہوں گا اور کچھ روز قیام بھی کروں گا

(ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دوست بول اُٹھے۔ جناب بھوک کے مارے دم نکلا جاتا ہی۔ بس۔ پہر کا عادی ہوں۔ آٹھ بج چکے ہیں)

اُستاد۔ بہت خوب بُڈھے۔ کریم (ملازم)

ملازم۔ حاضر کہہ کے سامنے آگیا۔

(استاد کا پرانا ملازم مر چکا ہی۔ یہ نیا ملازم دہقانی ہی جس کے اخلاق و تہذیب عنوان گفتگو سب اُستاد کے مزاج کے خلاف۔ چونکہ قرینہ کا ملازم ملنا موجودہ دور میں دشوار ہی لہذا بہ مجبوری ملازم رکھ لیا)

اُستاد۔ دستر خوان بچھاؤ کھانا منگاؤ۔

ملازم کیا روٹی کھائی جائے گی۔

اُستاد (غیظ کے لہجے میں) کھانا کھایا جائے گا۔ تمھیں کتنا سمجھایا مگر بد تہذیبی کی بات بول اُٹھتے ہو۔

(موافق حکم دسترخوان بچھا نہایت بے تکلفی کے ساتھ سب نے اطمینان سے کھانا کھایا فراغت سے بیٹھنے کے بعد اُستاد نے مہمانوں سے خواہش کی کہ کچھ کلام سنائیے موافق حکم سب نے غزلیں سلام وغیرہ سنائے سب کی خواہش سے اُستاد نے بھی ایک مرثیہ کے چار بند سنائے۔ جن کا تعلق حضرت عباسؑ کے حال سے تھا۔)

تھا عہدہ دار فوج خدا جانِ مرتضیٰ	تھی جس کی ذات ثانی زہراؑ کا آسرا
برپا ہوا جو معرکۂ دشتِ کربلا	مرکز پہ اپنے آگئی عالم کی کل دغا

ماناکہ اذن جنگ نہ تھا خوش نہاد کو

عباسؑ نے بھلا دیا سب کے جہاد کو۔

سب تشنہ کام اُٹھ گئے پانی نہیں ملا	کہنے کو رہ گئی یہ کہانی نہیں ملا
دریا کی سامنے تھی روانی نہیں ملا	قطرہ بھی وقت تشنہ دہانی نہیں ملا

پیاسے پلٹ پڑے دم واپسیں پیا

ان کو شرف یہی کہ ملا اور نہیں پیا

عباسؑ کی وفا کا تو ممکن نہیں جواب	جرأت نے خود کیا تھا بہادر کا انتخاب
پانی اُٹھا کے ہاتھ میں دیکھا کیے جناب	دل نے کبھی سُنا بھی نہ تھا نام اضطراب

لہ۔ دہقانی لوگ کھانا کھانے کو روٹی کھانا کہتے ہیں۔

صورت کو دم بخود نگراں ہر حباب تھا
آئینۂ وفا تھا کہ جلوہ میں آب تھا

ان کا وجود مصلحت شیر کردگار — ان کا خیال خدمت شبیر نامدار
نصرت کی رو میں زیست کو سمجھے یہ مستعار — عباس کی وہ ذات تھی دنیا میں یادگار

اک تشنہ کام امام سے پیاسا نہ اٹھ سکا
اتنا وفا کا وزن تھا لاشا نہ اٹھ سکا

حضار نہایت جوش و خروش سے استاد کی تعریف کر رہے تھے۔ استاد برابر سلام کرتے رہے۔ اور کہتے رہے کہ جناب ایک فن مرثیہ گوئی باقی رہ گیا تھا اسے بھی آجکل کی انقلاب پسند طبیعتوں نے مٹا دیا۔

(اس کے بعد استاد نے دوست سے خواہش کی کہ جناب آپ بھی کچھ سنائیے گا۔)

دوست۔ اخبار و رسائل دیکھنے کا شوق ہے کچھ نظمیں یاد ہیں چیدہ چیدہ شعر محفوظ ہیں۔ حکم ہو تو سناؤں۔ بندہ شاعری کی بیاری سے محفوظ ہے۔

استاد۔ کچھ پڑھیے مطلب دلچسپی سے ہے۔

دوست۔ ملاحظہ ہو۔ ایک رسالہ ماہانہ دہلی سے نکلتا تھا خدا معلوم اب بھی نکلتا ہے یا نہیں اس کے ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء کے پرچے میں ایک نظم۔ حضرت خلیل ہیگوسرائی کی طبع ہوئی ہے جس کی سرخی (جلوۂ بہار) ہے۔ ابتدا کے بند یاد نہیں ایک بند یاد ہے سنیئے۔

مستی سے جھومتی ہے ہر اک شاخسار بھی — پھولے نہیں سماتے گل و لالہ زار بھی

کچھ کم نہیں گلوں سے لطافت میں خار بھی — کیا کیا بہار پر ہے فضائے بہار بھی

آنکھیں ہیں شاخ پر تو کبھی ہیں زمین پر

دل لوٹ پوٹ ہو گیا فطرت کے سین پر

حضار ہنسنے لگے ایک قہقہہ پڑا۔

استاد۔ (فطرت کا سین) کیا خوب کہا ہے۔ کیوں جناب یہ تو انگریزی لفظ ہے۔

دوست۔ جی ہاں انگریزی ہے۔ اس کے معنی منظر کے ہیں۔

استاد۔ کیا انگریزی الفاظ نظم میں داخل ہونے لگے۔

دوست۔ جی داخل ہونے لگے۔ نہیں بلکہ داخل ہو گئے۔

استاد۔ خدا رحم کرے اب زبان کا خاتمہ بہت جلد ہو جائے گا۔ پھر بیت کے دونوں مصرعوں میں زمانے کا فرق بھی ہے۔ جو واضح ہے۔

دوست۔ حضرت عطا کلیانوی کی ایک رباعی سُنیے اور دل خوش ہوگا۔ یہ بھی رسالہ عالمگیر دہلی کے ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء میں طبع ہوئی ہے۔

کیا جانے تو قدر مے و نغمہ کیا ہے — کیا تجھ کو خبر عشق کا چسکا کیا ہے

ترقے کی نمائش ہے ریا کا اظہار — محفل میں تری واعظا رکھا کیا ہے

استاد۔ یہ رباعی تو اس سے بھی بہتر ہے۔ وہاں صرف (سین) کا لفظ خلاف قاعدہ تھا۔ یہاں اغلاط کی بھرمار۔

دوست۔ جناب میں غلط صحیح تو جانتا نہیں سُنا دیتا ہوں فرمائیے کہ رباعی میں کیا غلطیاں ہیں۔

استاد۔ سُنیے پہلے مصرع میں مے و نغمہ نظم ہے۔ ترکیب کے ساتھ نغمہ کو نظم کیا ہے قاعدے

کی رو سے ہائے نغمہ الف نہیں ہو سکتی دوسرے مصرع میں قافیہ (چپکا) ہے یعنی الف کا قافیہ یہ صورت بالکل غلط ہے۔ جس پر تمام اساتذہ کا اجماع ہے۔

دوسری بات یہ کہ چوتھے مصرع میں (دھنظا) کا الف گرا دیا۔ مصرع بالکل ناموزوں ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قدر غلطیاں کیوں نظم کرتے ہیں۔

دوست۔ وہ وقت گیا کہ جب بغیر اصلاح پڑھنا حرام سمجھتے تھے اب لنکا میں سب نوگز کے ہیں۔ سب شاعر مادرزاد ہیں۔ شیطان نے کانوں میں پھونک دیا ہے کہ تم استاد ہو اصلاح لوگے۔ تو جلدی مر جاؤ گے۔ اسی سبب سے اصلاح لینا عیب سمجھتے ہیں جو منہ میں آیا کہہ دیا جو دماغ میں آیا لکھ دیا۔ یہ کہیے کہ مدیر رسالہ کیسے ہیں جنھیں یہ سلیقہ نہیں کہ یہ نظم رسالہ میں جگہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں شخصیت کا اثر کافی ہوتا ہے۔ یہ کہہ کے اجازت کے خواہاں ہوئے۔

(صحبت برخواست ہوئی)

اُستاد نے مولانا اور نواب سے وقت رخصت پوچھا کہ کہیے آپ کہا کرتے تھے کہ مرثیہ سلام رباعیاں کہوں گا کچھ کہا۔ مولانا اور نواب نے عرض کیا کہ حضور بہت کچھ کہا ہے۔ خدمت میں لے کے حاضر ہوں گے۔

اُستاد۔ پھر جو ہی اپنے دن معین کر لیجیے۔

(دونوں بہت خوب)

سب رخصت ہو گئے۔ اُستاد فی امان اللہ کہتے ہوئے محل میں تشریف لے گئے ہفتہ کے روز صبح کو آٹھ بجے نواب آ گئے۔ اُستاد کمرے میں بیٹھے ہوئے گاؤ تکیے لگے حقہ نوش فرما رہے تھے۔ دوست سے فن شاعری کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں۔ آداب بجا لاکے

کچھ فاصلہ سے سامنے بیٹھ گئے۔

(استاد اور دوست نے جواب سلام دیا)

استاد نے خیریت مزاج دریافت کی۔

نواب۔ حضور کی قدمبوسی کی بدولت اب بالکل تندرست ہوں۔ کچھ رباعیاں ایک سلام سُنانا چاہتا ہوں اور کچھ بند مرثیہ کے حضور اصلاح فرما دیں۔

استاد۔ آپ تو مکمل غزل گو ہیں مرثیہ وغیرہ میں اصلاح کی کیا ضرورت ہے۔

نواب۔ حضور ہی فرما چکے ہیں کہ غزل گو مرثیہ نہیں کہہ سکتا تا وقتیکہ اصلاح نہ لے مرثیہ کے حدود اور الفاظ محاورات اور مرثیہ کی دنیا ہی دوسری ہے

استاد۔ ماشاء اللہ آپ کو میرا کہا یاد ہے غالباً دیگر مسائل بھی یاد ہونگے۔ اصلاح کے بعد دریافت کروں گا۔

(اصلاحات ۱)

نواب۔ رباعی عرض کی ہے۔

(رباعی)

دنیا کا عذاب ہم نے دیکھا　　پیری کا شباب ہم نے دیکھا

طوفان میں ڈوبی دل کی کشتی　　دریا کا حباب ہم نے دیکھا

استاد۔ آپ کا خیال اچھا مصرعوں کی برش مناسب مصرعے ہر طرح غنیمت۔ لیکن وہی بات جو میں کہہ چکا ہوں کہ بغیر اصلاح اصناف نظم پر انسان قادر ہی نہیں ہو سکتا غور سے سُنیے۔ رباعی میں اس کی سخت ضرورت ہے کہ پورا مضمون چار مصرعوں

میں مکمل طریقہ سے نظم ہو جائے۔ مثلاً جناب سید حیدر میرزا صاحب ادؔب جانشین
فرزند خدائے سخن حضرت عشق رح کی رباعی یاد آگئی۔ سُناتا ہوں دیکھیے کس قدر
خوبی سے ایک مطلب چار مصرعوں میں نظم فرمادیا ہے فرماتے ہیں۔

(رُباعی)

اے چرخ تجھے سب کو ستاتے دیکھا   نام آوروں کے نشاں مٹاتے دیکھا
شاید ہے عدم میں کوئی دلچسپ مقام   جا کے دنیا سے کسے نہ آتے دیکھا

دوسری چیز یہ کہ رباعی چار رکنی ہوتی ہے یعنی ہر مصرع چار رکنوں کا ہونا چاہیے
سہ رکنی نظم کرنا قطعاً ناجائز۔ آپ کسی ایک مستند اُستاد لکھنؤی کی رباعی ایسی
نہیں سُنا سکتے۔ جس کے تین رکن ہوں۔ مثلاً خدائے سخن حضرت انیسؔ رح کی
رباعی ہے۔

(رُباعی)

آغوش لحد میں جب کہ سونا ہوگا   جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا
تنہائی میں آہ کون ہوگا انیسؔ   ہم ہوئیں گے اور قبر کا کونا ہوگا

میں پہلے مصرع کی تقطیع کئے دیتا ہوں۔ دیکھیے چار رکن ہیں۔

آغوش	لحد میں جب	کہ سونا ہو	گا
مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فع

میری تقریر غور سے سُنیئے۔

نواب۔ کیا چاروں مصرعے برابر کے ہونا ضروری ہیں۔ جو پہلے مصرع کا وزن ہے بھی
سب کا ہونا لازم ہے۔ مفصّل تقریر فرمادیجئے۔

اُستاد۔ بالتفصیل سمجھ لیجئے تاکہ آئندہ عیوب سے محفوظ رہیئے۔

(تقسریہ)

وزن رباعی کو اصطلاح عروضین میں یا اصطلاح شعراء محققین میں دوبیتی اور ترانہ بھی کہتے ہیں۔ اہل ایران نے جن کو اہل عرب عجمی یعنی گونگا متصور کرتے ہیں اپنی خداداد طباعی سے رباعی کا وزن ایجاد کیا۔ اوزان رباعی کی چوبیس قسمیں بنانے والے بھی عجمی ہیں۔ کمال صناعی یہ ہے کہ صرف دس لفظوں سے چوبیس وزن تیار کر لیے اور وہ دس لفظ یہ ہیں۔

(۱)	مفاعیلن	(۶)	فاع
(۲)	مفاعلن	(۷)	فع
(۳)	مفاعیل	(۸)	فاعلن
(۴)	مفعول	(۹)	مفعولن
(۵)	فعول	(۱۰)	فعل

علاوہ نمبر ۱ مفاعیلن کے باقی ماندہ نو الفاظ۔ مفاعیلن ہی سے بنے ہیں۔ کیونکہ یہ طے شدہ امر ہے کہ رباعی کے اوزان بحر ہزج مثمن سالم ہی سے بنے ہیں۔ صرف زحافات کی وجہ سے تغیر ہوا ہے۔ اور وہ نو ہیں۔

مقبوض ۔ مکفوف۔ اخرب ۔ اہتم و ہتم ۔ ازل و زلل ۔ ابتر و بتر۔ اشتر۔ اخرم ۔ مجبوب و جب۔

تعریفات

(۱) قبض - حرف پنجم، سبب کے گرانے کو مقبوض کہتے ہیں۔ مفاعیلن کی یا کو گرا دیا۔ مفاعلن باقی رہا۔ یہ زحاف صرف پانچ بحروں میں آتا ہے۔ مضارع متقارب۔ ہزج۔ مدید۔ طویل۔

(۲) کف حرف ہفتم سبب کے گرانے کو مکفوف کہتے ہیں۔ مفاعیلن کے (نون) کو گرا دیا مفاعیل باقی رہا۔ یہ زحاف صرف سات بحروں میں آتا ہے۔ مضارع۔ مجتث۔ طویل مدید۔ ہزج۔ رمل۔ خفیف۔

(۳) اخرب - یہ زحاف - زحاف خرم وکف کو جمع کر دینے سے ہوتا ہے۔ (۱) خرم وتد مجموع کے متحرک اوّل کے گرا دینے کو کہتے ہیں کہ جو صدر رکن میں واقع ہو۔ (۲) کف حرف ہفتم سبب کے گرانے کو کہتے ہیں۔

مفاعیلن میں زحاف خرم لائے (مفا کی میم گر گئی۔ فاعیلن رہا۔ زحاف کف لائے۔ نون گر گیا۔ فاعیل رہا بعدہٗ لام فاعیل کو منتقل کر دیا۔ مفعول ہو گیا۔ اسی کو اخرب کہتے ہیں۔

(۴) اہتم و ہتم یہ زحاف۔ زحاف حذف وقصر کے جمع کر دینے سے ہوتا ہے۔ (۱) حذف سبب خفیف کو آخر رکن سے گرا دینے کو کہتے ہیں۔ (۲) قصر سبب کے ساکن حرف کو آخر رکن سے حذف کر دیں۔ زحاف حذف لائے مفاعیلن کا۔ لن گر جانے کے بعد مفاعی رہا۔ زحاف قصر لائے مفاعی کی یا گر گئی۔ مفاع بہ سکون عین رہا اس کو فعول کی طرف منتقل کر دیا۔ مفاعیلن سے۔ فعول بن گیا۔

(۵) ازل وزلل یہ زحاف ہتم و خرم کے جمع کر دینے سے بنتا ہے (۱) ہتم کی
تعریف عکا میں بیان کی گئی ہے کہ حذف و قصر جمع ہونے سے مفاعیلن کا مفاع
رہ جاتا ہے۔ (۲) خرم وتد مجموع کے متحرک اوّل کے گرا دینے کو کہتے ہیں کہ جو صدر
رکن میں ہو۔ جب مفاع میں زحاف خرم ہوا یعنی میم مفاع کو گرا دیا۔ فاع باقی رہا
چونکہ فاع کو مفاعیلن سے بناتے ہیں اس لیے اسے ازل کہتے ہیں۔

(۶) ابتر و بتر۔ یہ زحاف جب و خرم کے جمع کر دینے سے بنتا ہے۔ (۱) جب مفاعیلن
کے سبب خفیفین کے گرانے کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد مفاعیلن سے صرف (مفا) رہ جاتا ہے
(۲) خرم وتد مجموع جو صدر رکن میں واقع ہو اس کے متحرک اوّل یعنی میم کے گرا دینے
کو کہتے ہیں۔ مفا میں زحاف خرم لانے کے بعد صرف (فا) باقی رہ جاتا ہے۔ (فا)
کو (فع) کی جانب منتقل کر دیا۔ مفاعیلن سے صرف (فع) باقی رہا۔

(۷) اشتر یہ زحاف خرم و قبض کے جمع کر دینے سے بنتا ہے (۱) خرم کی تعریف
اوپر بیان کی گئی کہ وتد مجموع جو صدر رکن میں واقع ہو جیسے مفاعیلن کا (مفا) اس
کے ساکن اوّل یعنی (میم) کے گرا دینے کو کہتے ہیں۔ مفاعیلن سے (فاعیلن) رہا۔
(۲) قبض اسقاط ساکن حرف پنجم سبب کو کہتے ہیں مفاعیلن میں سے (یا) کو گرا دیا
حرف (میم) خرم کی وجہ سے گرا تھا۔ (یا) قبض کی وجہ سے گر گئی۔ فاعلن باقی رہا

(۸) خرم۔ وتد مجموع کے جو صدر رکن میں ہے اس کے حرف متحرک اوّل
کے گرا دینے کو کہتے ہیں۔ جیسے مفاعیلن سے (میم) کو گرا دیا۔ فاعیلن رہا اس کو مفعولن
کی طرف منتقل کر دیا۔ اس کو اخرم بھی کہتے ہیں۔

(۹) مجبوب و جب۔ سببین خفیفین کو آخر مفاعیلن سے گرانے کو کہتے ہیں۔

ایسی صورت میں مفاعیلن سے صرف (مفا) باقی رہتا ہے۔ اس کو (فعل) بہ سکون لام کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ یہ زحاف سوائے بحر ہزج کے کسی دوسری بحر میں نہیں آتا۔

نواب۔ حضور اگر کوئی نقشہ بنوادیں تو جو میں اوزان یاد کرنے میں سہولت ہو۔

دوست۔ جناب نواب صاحب اس جھگڑے میں نہ پڑیئے آپ بحور و قافیہ کا جھگڑا ہی دنیا ختم کئے دیتی ہے۔ کیوں زحمت برداشت کیجئے۔

اُستاد۔ نہیں جناب یاد کرنا چاہیئے۔ دنیا مٹانے کی کوشش کرے۔ ہمارا فرض ہے کہ اگر سچے زبان وادب کے خادم ہیں ہم اصلاح سے تغافل نہ کریں۔ دنیا مٹانا ہم بنائیں آخر میں کامیاب ہو۔ ہمت نہ ہارنا چاہیئے زمانہ تمام پابندیوں کو ختم کردے ہم کسی قاعدے کے خلاف قدم نہ اٹھائیں نواب صاحب میں جو جیسی وزن لکھوائے دیتا ہوں لکھیئے۔

نواب۔ بہت خوب (جیب سے کتاب نکال کے اُستاد کے قلمدان سے قلم نکالتے ہوئے حضور اجازت ہے)

اُستاد۔ بسم اللہ لکھیئے۔

خواجہ حسن نظامی جو امام فن ایران میں گزرے ہیں اُنھوں نے ضبط اوزان کے سلسلہ میں دو شجرے تیار کیئے تھے۔ ایک کا نام شجرہ اخرب رکھا کیونکہ اس کا رکن اوّل مفعول ہے۔

دوسرے شجرے کا نام شجرۂ اخرم رکھا کیونکہ اس کا رکن اوّل مفعولن ہے۔ شجرۂ اخرب کی بھی بارہ[۱۲] صورتیں ہیں۔ اور شجرۂ اخرم کی بھی بارہ قسمیں ہیں

میں جو بیتیوں اوزان لکھوا تا ہوں۔ دیکھیے۔

اوزانِ اخرب

(۱)	مفعولُ	مفاعیلُ	مفاعیلُ	فعل
(۲)	مفعولُ	مفاعیلُ	مفاعیلُ	فعولُ
(۳)	مفعولُ	مفاعیلُ	مفاعیلُن	فاع
(۴)	مفعولُ	مفاعیلُ	مفاعیلن	فع
(۵)	مفعولُ	مفاعیلن	مفعولُ	مفعول
(۶)	مفعولُ	مفاعیلن	مفعولُ	فعل
(۷)	مفعولُ	مفاعیلن	مفعولن	فاع
(۸)	مفعولُ	مفاعیلن	مفعولن	فع
(۹)	مفعولُ	مفاعلن	مفاعیلُ	فعول
(۱۰)	مفعولُ	مفاعلن	مفاعیلُ	فعَل
(۱۱)	مفعولُ	مفاعلن	مفاعیلن	فاع
(۱۲)	مفعولُ	مفاعلن	مفاعیلن	فع

اوزان اخرب کسی ایک رباعی میں جمع ہونے سے رُباعی ناموزوں نہیں ہوتی۔ میرا مسلک یہی ہے۔

(اوزان اخرم)

(۱)	مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فاع
(۲)	مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فع
(۳)	مفعولن	مفعول	مفاعیل	فعول
(۴)	مفعولن	مفعولُ	مفاعیلُ	فعل
(۵)	مفعولن	مفعولن	مفعول	فعل
(۶)	مفعولن	مفعولن	مفعول	فعول
(۷)	مفعولن	مفعولن	مفعولن	فع
(۸)	مفعولن	مفعولن	مفعولن	فاع
(۹)	مفعولن	فاعلن	مفاعیلن	فاع
(۱۰)	مفعولن	فاعلن	مفاعیلن	فع
(۱۱)	مفعولن	فاعلن	مفاعیل	فعول
(۱۲)	مفعولن	فاعلن	مفاعیلُ	فعل

اوزان اخرم کسی رباعی میں جمع ہونے سے رباعی ناموزوں نہیں ہوتی۔
اب اختلاف اس امر میں ضرور ہے کہ اگر ایک رباعی میں دو مصرع اوزان اخرب سے ہوں اور دو مصرع اوزان اخرم کے تو رباعی موزوں رہے گی۔ یا ناموزوں۔
بعض محققین کا خیال ہے کہ قطعاً موزوں رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اصل ایک ہے یعنی کل اوزان بحر ہزج سے بنے ہیں۔

بعض محققین کا نظریہ یہ ہے کہ چونکہ مختلف زحافات ہیں لہذا اوزان اخرب و اوزان اخرم ایک رباعی میں جمع نہیں ہو سکتے میرے نزدیک اوزان اخرم و اخرب جمع ہو سکتے ہیں کیونکہ اصل واحد ہے۔

اب ایک چیز اور بتا دوں یاد رکھیئے گا۔ یہ رباعی کی ابتدا کیونکر ہوئی۔ اس کا موجد بہت بڑا شاعر ایران رودکی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کچھ بچے ایک جگہ پر جمع تھے اور گیند ڈنڈا کے گڑھے میں پھینک رہے تھے ایک شوخ بچے نے گیند پھینکا اور وہ گڑھے میں نہیں گیا بلکہ الگ گر کے گڑھے کی طرف لڑھکتا ہوا اچھلا اس وقت بچے نے کہا کہ (غلطاں غلطاں ہمیں رود تا سر گو) رودکی کو یہ موزوں قول پسند کیا اس نے اس کا وزن مفعولن فاعلن مفاعیل فعل بحر ہزج سے قائم کیا اور تین وزن اس سے ملحق کئے دیگر شعرائے بھی طبع آزمائی کی رفتہ رفتہ یہ وزن اس قدر مطبوع طبائع خاص و عام ہوا کہ سیکڑوں کم سن لڑکیاں اس کے وزن کو سن کے مست ہو کے گھروں سے نکل گئیں اسی سبب سے اس کا نام ترانہ بھی ہو گیا متقدمین شعرا رباعی کے چاروں مصرعوں میں قافیہ کا التزام کرتے تھے۔ مابعد والوں نے نقل کی وجہ سے تیسرے مصرع کو بغیر قافیہ کر دیا جس سے لطف سماعت میں اضافہ ہو گیا

اُستاد۔ آپ ماشاء اللہ ذہین ہیں مجھے امید ہے کہ آپ یاد بھی رکھیں گے اور کاربند رہیں گے

رحمت۔ لاکھ کاربند رہیں پابندیاں کریں۔ تعفور والا قدردان مر گئے اب زمانہ اور ہے اب بغیر پابندی قواعد شاعری کا نام۔ شاعری ہے۔

اُستاد۔ ہم اور ہمارے تلامذہ پر پابندی واجب ہے۔ ہمارے بعد اختیار ہے۔ ہاں نواب صاحب سُنیئے

رُباعی کبھی دو رکنی یا سہ رکنی نظم نہ کہیئے گا۔ جیسا کہ آپ نے کیا۔ سوائے

چار رکنی کے نظم کرنا حرام۔

حتی الامکان یہ لحاظ رکھیے گا کہ رباعی مردّف ضرور ہو ورنہ لطف باقی نہیں رہتا گو جائز ہو۔ مگر شان اسی میں ہو کہ مردّف رہے۔ ہمیشہ پورا مطلب چاروں مصرعوں میں رہے اور ادا ہو جانا چاہیے کچھ باقی نہ رہنا چاہیے۔ چاروں مصرعوں میں تسلسل ایسا ہو کہ سُننے والا کسی خاص نتیجہ تک پہونچ سکے۔

دوست۔ ایک رباعی سُناتا ہوں فرمائیے۔ درست ہے یا نہیں۔

اُستاد۔ ارشاد ہو۔

دوست۔ بہت بڑے شاعر کی رباعی ہے۔ جن کو دنیا شاعر مادر زاد مان رہی ہے ملاحظہ ہو۔

(رباعی)

وہ رات گئے شراب ڈھلنا ہے ہے وہ پچھلے پہر صبا کا چلنا ہے ہے
معشوقہ نوخیز کا وہ رَہ رَہ کر آنکھوں کو ہتھیلیوں سے ملنا ہے ہے

اُستاد واہ جناب کیا خوب رباعی سُنائی ہے۔ تین مصرعوں میں تو فریادی منظر ہے۔ یعنی (ہے ہے) کا شاعر صاحب نے کیا سمجھ کے صرف کیا۔ کون سی رونے کی بات ہے شراب ڈھلنے میں خوشی ہونا چاہیے۔ پھر شراب ڈھلنا کیا معنی رکھتی ہے۔ میری سمجھ میں یہ صرف نہ آیا کہ پچھلے پہر صبا کے چلنے سے دل کیوں بھر آیا اور ہے ہے کیوں کیا یہ سب تو خیر وہ معشوقۂ نوخیز کا ہتھیلیوں سے آنکھوں کو ملنا۔ یہ کون سے رونے کا مقام ہے۔

دوست۔ غالباً معشوقہ نوخیز کا ذکر ہے وہ آنکھیں ملتی اٹھی ہے اور بچے اکثر روتے ہوئے اُٹھتے ہیں اس لیے عاشق کو رونا آیا۔ اور اس نے ہے ہے کیا۔

اُستاد۔ خیر یہ تو جناب کی مزاحیہ گفتگو ہے۔ دراصل بالکل بے کار اور بے سود مصرعے ہیں ان کا نظم میں کوئی مرتبہ نہیں اہل نظر سے مطلب پوچھئے تو منہ نہیں دیں یہ شاعری بھی کوئی شاعری ہے۔ نواب کی طرف رُخ کرکے۔ جناب وقت بہت آگیا صرف آپ کی ایک رباعی نے اتنی دیر لگائی ہے آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ سلام و مرثیہ سنائے گا۔ تو اس کے رموز و نکات بتاؤں گا۔ اب تھک گیا۔

نواب بہت خوب یہ کہہ کے تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد رخصت طلب ہوئے اور چلے گئے۔

دلچسپ تحقیقاتؔ

اُستاد اپنے مخلص دوست سے بے تکلفانہ گفتگو کرنے لگے دلچسپی کی باتیں چھڑ گئیں ظریف الطبع دوست نے اُستاد کو چھیڑنے کے لیے موضوع گفتگو بدل کے موجودہ دور کے رنگ کا شعر پڑھ کر بےنظیر انتہائی تعریف شروع کی۔

دوست۔ جناب ایک لاجواب شاعر کا شعر سُناتا ہوں اور واقعاً بے نظیر شعر ہے ایسے خیالات کو انگریزی داں حضرات کی اصطلاح میں نیچرل شعر کہتے ہیں۔

اُستاد۔ اس کے کیا معنی۔ یہ لفظ تو آج ہی سُنا۔

دوست۔ یعنی فطرت کے مطابق مضمون نظم کرنا مبالغہ سے کام نہ لینا۔ اُستاد سنائیے تو میں فیصلہ کروں کہ کیسا شعر ہے۔

دوست۔ سُنیئے اور غور سے ملاحظہ ہو۔ شاعر کہتا ہے۔ جس کا مجھے نام یاد نہیں۔

یہ آنسوؤں کی جھڑی یہ سکوت محویت

ترے خیال کو جھولا جھلا رہا ہوں میں

اُستاد۔ واہ جناب یہ کسی لاجواب شاعر کا شعر ہے۔

دوست ہمہ تن لاجواب شاعر دیکھیے تو شاعر کہتا ہے کہ محویت کی خاموشی میں رہ رہا ہوں۔ اور تیرے خیال کو جو مثل اس بچّہ کے جو کم سن ہو۔ دل سے زیادہ عزیز ہے۔ لہذا جھولا جھلا رہا ہوں۔

اُستاد واللہ بالکل بے کار شعر ہے کوئی خاص بات نہیں۔ بلکہ بے معنی کہنا نا درست نہ ہوگا ایک مصرع کو دوسرے مصرع سے کوئی ربط نہیں کہاں آنسوؤں کی جھڑی۔ کہاں سکوت محویت پھر خیال کو جھولا جھولانا۔ یہ الفاظ کا گورکھ دھندا ہے۔

اب میں قریب قریب اسی طرح کا شعر ایک اُستاد کا سُناتا ہوں آپ کو موجودہ دور کی شاعری اور قدیم رنگ کا پتہ چل جائے گا۔ دیکھیے مطلب کیونکر ادا ہوتا ہے۔ جس بات کو کہتے ہیں۔ اُس کو کیونکر ثابت کرتے ہیں مدلل شعر سُناتا ہوں۔

خیال وصل کو اب آرزو جھولا جھلاتی ہے
قریب آنا دل مایوس کا پھر دور ہو جانا

دوست واہ صاحب واہ واللہ خوب کہا یہ کس کا شعر ہے۔

اُستاد یہ شعر حضرت شاد عظیم آبادی علیہ الرحمہ کا ہے۔ آپ نے غور فرمایا کہ جھولا جھلانے کو دوسرے مصرع سے کس طرح ثابت کیا ہے۔ شاعری اس کا نام ہے۔

دوست شاید یہ شعر آپ کو بالکل ناپسند ہو گو شاعر کے نزدیک مایۂ ناز ہے۔

ہونٹوں پہ دھیمے نغمے تھے یا محو تھیں حوریں قرأت میں
مکھڑے پہ لٹوں کا پرتو تھا یا آب حیواں ظلمت میں
نظیر

اُستاد علاوہ اس کے کہ دھیمے نغمے بالکل نئی شے ہے۔ حوروں کا قرأت میں محو ہونا

پہلے ہی مصرع کے دونوں ٹکڑوں میں کوئی ربط نہیں ۔ سب سے بڑی چیز یہ
ہے کہ شاعر صاحب نظم کرتے وقت یہ غور نہیں فرماتے کہ لفظ صحیح نظم کر رہا ہوں
یا غلط جناب (قرءت) کے بجائے قرارت نظم کرنا چاہیئے تھا ۔ لفظ صحیح قراءت
ہے ۔ افسوس صد افسوس ۔ اللہ اہل لکھنؤ پر رحم کرے جو ایسے شعرا پر ایمان لائے
ہوئے ہیں ۔ زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ مدح کرتا ہے ۔ آپ یہ بیت بازی
سے دل بہلائیں ۔ نواب کو اصلاح دینے میں اور رباعی کی بحث چھڑ جانے میں تھک
گیا ۔

دوست ۔ میں ہر طرح کے شعر پڑھوں گا ۔ یعنی موجودہ دور کے شعرا کا کلام بہت زیادہ یاد
ہے کبھی شعر کبھی بند پڑھوں گا ۔ قید نہ لگائیے گا ۔

استاد ۔ یا متقدمین کا شعر پڑھیے یا موجودہ دور کے مستند حضرات کا بامعنی کلام پڑھیے ۔

دوست ۔ معنی بے معنی کچھ نہیں جانتا ۔ شعر پڑھوں گا ۔ برا نہ مانیے گا ۔ آپ کن کن حضرات
کے شعر پڑھیے گا ۔

استاد ۔ میں صرف خدائے سخن حضرت تعشق علیہ الرحمہ کے اشعار پڑھوں گا ۔ جو تمام متقدمین
و متاخرین اساتذہ دہلی کے مقابل میں تن تنہا لکھنؤ کی طرف سے پیش کیے جا چکے ہیں

دوست ۔ تو اہل دہلی اسے کب مانتے ہیں اگر آپ کا مقولہ ان تک پہونچ گیا تو اعتراضات
کی بھر مار ہو جائے گی ۔

استاد ۔ استغفر اللہ یہ وہ کلام ہے جس پر خیال اعتراض بھی نہیں ہو سکتا تعشق بڑے
مستند خاندان لکھنؤ کی فرد ہیں ۔ عیب کلام کیا دنیا سبق لے ۔ اور اگر اہل دہلی
نے جیسا کہ ان کا قدیمی شعار ہے کہ اساتذہ لکھنؤ کو بالکل جاہل بہل گو غلط گو شاعر

سمجھتے ہیں اعتراضات سے رسائل بھرے پڑے ہیں۔ اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا تو یہ بتائے دیتا ہوں کہ کچھ دن اگر زندہ رہ گیا۔ تو معلوم ہو جائے گا کہ دہلی کیا ہے اور لکھنؤ کیا ہے۔ پھر اساتذۂ دہلی کا کچا چٹھا کھول دوں گا۔ دیوان کے دیوان اغلاط سے پُر ہیں۔ خدا کا غضب ہے جو نکلتا ہے۔ آتش و ناسخ و رند و صبا کو اصلاح دیتا ہے۔ تعصب کی کوئی انتہا نہیں۔

دوست۔ واللہ کیا ایسا ہی ہے۔

اُستاد۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی دن ان حضرات دہلی کا تذکرہ کروں گا جنھوں نے شعرائے مستند لکھنؤ کے خلاف زہر اُگلا ہے۔ اُن کی عبارتیں سُناؤں گا۔

دوست۔ اچھا کسی دن اطمینان سے ضرور سُنائیے گا۔ اب شعر پڑھیے۔

(بیت بازی)

اُستاد۔
قتل گہ میں اپنے اپنے کام میں تھے حُسن و عشق
اُس کی آنکھیں تیغ پر تھیں میری آنکھیں تھوڑے سے دوست (تعشق)

دوست۔ واللہ کیا نایاب شعر ہے۔ حرف (تا) کا سُناتا ہوں بہت تھوڑا توقف کر کے سُنیئے۔

تلوار کے تلے ہی گیا عہد انبساط
مر مر کے ہم نے کاٹی ہیں اپنی جوانیاں (امیر)

اُستاد۔ آپ نے لاجواب شعر سُنایا۔ اب میں سُناتا ہوں۔ ملاحظہ ہو دونوں کا شعر)

نہیں تسکین ہوتی اک جا پہ کوچہ جاناں میں
سحر سے شام تک ہم سو جگہ بستر لگاتے ہیں (تعشق)

دوست۔ بخدا کیا شعر ہی۔ ہائے رے سلاست زبان کی نرمی صفائی بندش کیا مدح ہو
مجھے بھی نون کا شعر دینا پڑا ملاحظہ ہو۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا (غالب)

استاد۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ایسے شعر پڑھیئے جن سے لطف حاصل ہو۔
دوست۔ تو آپ کو اس شعر سے کیا صدمہ پہونچا۔
استاد۔ صدمہ اور کچھ نہیں۔ صرف یہ کہ مرحوم غالب یاد آ گئے صدمہ ہوا دوسرے افسوس
اس کا کہ اتنا مبہم شعر کہا ہی کہ اس کی تشریح میں اساتذہ کو اختلاف ہی۔ نہ مرحوم
زندہ ہوں گے نہ مطلب صاف ہوگا۔ خیر لطیف و با معنی زود فہم شعر پڑھیئے۔
دوست۔ پہلے کہہ چکا ہوں ہر طرح کے پڑھوں گا۔
استاد۔ خیر آپ کو اختیار ہی۔ شعر سنیئے دل خوش ہو جائے گا۔

اب اگر تخفیف ہوتی ہی تو گھبراتا ہوں میں
درد دل اتنے دنوں سے ہی کہ عادت ہو گئی (نقش)

دوست۔ معاذ اللہ قیامت کا شعر ہی بڑے سے بڑے مضمون کو اس قدر صفائی سے نظم
کرنا انھیں کا کام تھا۔ واقعاً ان کا جواب غزل گوئی کی دنیا میں بہ حیثیت خوش گو
ناممکن۔ حرف یا کا شعر سناتا ہوں۔

یہ دل لگی بھی قیامت کی دل لگی ہو گی
خدا کے سامنے جب میری آپ کی ہو گی (داغ)

استاد۔ بھئی اگر ایسے ہی شعر پڑھیئے گا تو بیت بازی کو سلام۔

دوست۔ کیوں دہلی کے مستند شاعر کا مطلع ہے یعنی حضرت داغ ۔

استاد۔ کیا کہوں آپ خود فرمائیے کہ دوسرے مصرع کا کیا مفہوم نکلتا ہے۔ خدا کے سامنے جب میری آپ کی ہوگی۔ یا تو دونوں برہنہ ہوں گے۔ یا میری .... آپ کی ہو جائے گی۔ بالکل فحش مفہوم۔ بھلا لکھنؤ والے اس قسم کے شعر کیا کہیں گے حرف (یا) کا میں بھی سناتا ہوں۔

یقیں ہے اشکے گی جان اپنی آ کے آنکھوں میں
سنا ہے جا ہے قریب رگِ گلو تیری (آتش)

دوست۔ سبحان اللہ کیا کہنا شاید یہ شعر تو حضرت آتش کا نہیں ہے۔

استاد۔ بھولے سے پڑھ دیا یہ اُس کا شعر ہے جس نے لکھنؤ کی بات رکھ لی جس کا جواب نہ پیدا ہوا ہے نہ ہوگا۔ صرف ایک ہستی ایسی ہے جو جواب دے سکتی ہے۔ وہ حضرت آتش لکھنوی علیہ الرحمہ ہیں۔

دوست۔ واقعاً منتخب شعر سنایا۔ اب گیارہ بج گئے آپ بھی تشریف لے جائیے میں بھی جاتا ہوں۔ آج شام کو حاضر نہ ہو سکوں گا۔ کل سویرے حاضر ہوں گا یہ کہہ کے رخصت ہو گئے۔

(استاد محل میں تشریف لے گئے)

(سہ پہر کو کسی وجہ سے برآمد نہ ہوئے)

روز یکشنبہ صبح کو برآمد ہو کے کمرے میں فروکش ہوئے تھے کہ دوست آ گئے تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ مولانا تشریف لے آئے۔ بعد تحیۂ سلام کمرہ میں بیٹھ گئے۔

استاد سب خیریت ہے۔ میں منتظر تھا کہیئے اتنے عرصہ میں کیا کیا کہہ کے رکھا۔

مولانا۔ حضور کہنا تو بہت کچھ ہے۔ ایک غزل پر اصلاح لوں گا۔ اور کچھ شکوک رفع کروں گا۔

اُستاد۔ ہاں غزل پڑھیئے۔

مولانا۔ مطلع عرض کیا ہے۔

(اصلاحات ۲)

ہوں دل پہ داغ بادلِ شاداں لیے ہوئے
جاتا ہوں قبر میں مہِ تاباں لیے ہوئے

اُستاد۔ آپ کی مشق بہت کافی ہو چکی ہے۔ صاف شستہ کلام ہونے لگا۔ مگر مولانا علم و عمل میں بڑا فرق ہے۔ عمل سے میری مراد یہ ہے کہ میرے چلے جانے کے بعد سے اس وقت تک کوئی ٹوکنے والا آپ کو نہیں ملا میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے وطن میں آپ کے متعدد شاگرد ہوں گے۔ آپ اُستاد مشہور ہوں گے۔ آپ کی ریاضت قابلِ صد تحسین ہے۔ جب تک سنبھالنے والا سنبھالتا نہ رہے۔ شاعر زندگی بھر دھوکا کھاتا ہے اور کھائے گا۔ میں نے اپنی تمام عمر اسی تحقیق و تدقیق میں گزاری۔ بخدا ہنوز طفلِ مکتب ہوں اور یہی سمجھتا رہوں گا۔ بے عیب صرف ذاتِ باری یا وہ ذواتِ مقدسہ جن کو خود صانع نے بے عیب بنایا آپ کے مطلع میں عملی فرد گزاشت یہ ہے کہ آپ مطلع میں شادان و تاباں قافیے لے آئے۔ میں دورِ اوّل میں متعدد بار شائگان کے متعلق تقریر کر چکا ہوں۔

مولانا۔ حضور شاداں تو غالباً مستقل لفظ ہے۔

اُستاد یہی ہوتا تو پھر تاباں کے ساتھ جائز نہ ہوتا۔ وجہ عدم جواز تو صرف یہی ہے
کہ علامت فاعلیت دونوں میں یعنی (الف و لام) ایک طرح کا ہے۔ قافیہ مکرر
ہوگیا جب ہونا نہ چاہیئے۔ خیر یہ وہ دھوکے ہیں جو عمر بھر کام کرنے والے کی جان
نہیں چھوڑتے۔ اسی سبب سے کون دنیا کا ایسا شاعر گزرا اور ہے جو یہ دعویٰ
کرسکے کہ ہمارا کلام بالکل بے عیب ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ کہیں کم کہیں زیادہ تو ہاں
کہنا یہ چاہتا تھا کہ عملی کمی صرف یہاں ہے کہ خود کہنے کی مشق کم ہوگئی۔ مدتوں سے سنبھالنے
والا اور ٹوکنے والا سامنے نہیں رہا آپ کا علم اس کا میں قائل ہوں۔ ماشاء اللہ
آپ نے جو کچھ پڑھا سب یاد ہے۔ آپ فارغ التحصیل ہیں آپ سے قافیے کے متعلق یا
شائگاں۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔ آپ کو یہ معلوم ہے کہ قافیے کے چند
معین حرف ہیں۔ جن کو مصرع کے یا بیت کے آخر میں مختلف الفاظ میں مکرر لاتے ہیں
اور یہ حروف مثنوی۔ غزل، قصیدہ کے مطلعوں میں مصرع کے آخر میں آتے ہیں۔
قطعہ اور قصیدہ و غزل کے باقی شعروں میں ہر شعر کے آخر میں معین حروف قافیہ آتے ہیں
یہ اختلاف بھی آپ کو معلوم ہوگا کہ بعض محققین کا خیال ہے مثلاً اُن کا خیال یہ ہے کہ
سائل و حائل میں سین و حائے حائل داخل قافیہ ہے اور اخفش کا یہ خیال کہ کلمۂ آخر
بیت تمام کا تمام داخل قافیہ ہے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ صرف روی جس پر مدار قافیہ
ہوتا ہے وہی قافیہ ہے صاحب حدائق البلاغت نے اس قول کو ترجیح دیتے ہوئے
یہ کہا ہے کہ پھر بھی تسامح سے خالی نہیں۔ او فیصلہ کن بات یہ بتائی ہے کہ قافیہ حروف
وحرکات معینہ کا نام ہے کہ جو چند صورتوں سے یا لقبوں سے ملقب ہوتا ہے اور اُس سے
چند عیوب بھی لاحق ہوتے ہیں۔ وہ عیوب ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے بعض سے احتراز

واجب بعض سے سخن۔

مولانا۔ قریب قریب یہ تمام چیزیں میری دیکھی ہوئی ہیں۔

دوست۔ مولانا دیکھی ہوں گی۔ سب یاد نہ ہوں گی۔ کیونکہ یہ جزئیات سوائے جناب عباس کے شاید کسی کو یاد ہوں۔ ضعیفی اور یہ یادداشت۔

اُستاد۔ یاد کیا سب آپ کا حسن ظن ہے۔ بہت کچھ بھول گئے اور بھولتے جاتے ہیں۔

(ملازم سامنے تپائی پر بیٹھا رہتا ہے)

ملازم۔ قافیہ کبھی تنگ بھی ہو جاتا ہے۔ ہم نے سُنا ہے ہمیں یاد ہے۔

اُستاد۔ خاموش رہ تم سے ہزار بار سمجھایا کہ بات بیچ میں نہ بولا کرو تم نے ہمیں عاجز کر دیا

ملازم اس میں عاجزی کیا ہم نے خیال کیا کہ شاید یاد نہ ہو جب سے قافیہ قافیہ سُن رہے تھے۔ یہی ہمیں سُنا بتا دیا۔

(اُستاد دوست کی طرف دیکھ کے چپکے سے آپ دوسرا ملازم ڈھونڈھ دیکھئے۔ یہ بد تہذیب ہے۔ دوست بہت خوب مگر آستادکیسے ہوگا)

اُستاد مولانا کی طرف دیکھ کے ہاں جناب آپ کو اس کا بھی علم ہوگا کہ قافیہ کے کُل ۹ حرف ہیں۔

دخیل ۔ تاسیس ۔ قید ۔ روف ۔ روی ۔ نائرہ ۔ خروج ۔ مزید وصل

قافیے میں اصل الاصول روی ہے۔ اسی پہ مدار قافیہ ہوتا ہے۔ روی کے بغیر قافیہ متحقق ہی نہیں ہوتا۔ کچھ حرف روی سے قبل آتے ہیں کچھ حرف بعد روی آتے ہیں۔ یوں کہوں کہ چار قبل روی چار بعد روی آتے ہیں جو چار قبل روی آتے ہیں ان کا نام۔ دخیل۔ تاسیس۔ قید۔ روف ہے جو چار بعد روی

آتے ہیں ان کا نام وصل مزید خروج ۔ نائرہ ہی)

فارسی اور اردو والے جسے قافیہ کہتے ہیں اہل عرب بھی اس کو قافیہ کہتے ہیں
فرق اگر ہے تو اسی قدر کہ اہل عرب غیر مروف نظم کہتے ہیں۔ اس سے واضح ہو کہ عربوں
کا قافیہ آخر بیت قرار پائے گا۔ اردو فارسی والے تاسیس ودخیل کا لزوم باقی رکھنے
کا قاعدہ توڑ چکے ہیں۔ مثلاً حاصل وشامل کے ساتھ (مشکل) کا قافیہ بھی لے آتے ہیں۔
لیکن اہل عرب اس کا خیال رکھتے ہیں کہ کبھی شامل وجاہل کے ساتھ منزل کا قافیہ نہیں
لائیں گے۔

مولانا ۔جاہل کے ساتھ منزل نہیں ملاتے۔

(اُستاد ہاں کہنے ہی کو تھے کہ)

ملازم ۔یہ غلط ہے جب ہم ۱۹۱۶ء کی لڑائی میں عراق گئے ہیں ۔تو ہم ایسے جاہل
کے ساتھ عرب منزل کرتے تھے ہم لوگ ایک ہی جگہ ٹھہرتے تھے۔

اُستاد ۔دوست کی طرف دیکھ کے بدتمیزی ملاحظہ ہو۔

دوست ۔دیکھ رہا ہوں مُسکرا کے اگر کچھ دن رہ گیا تو آپ کی خدمت گزاری میں کچھ ہو کے
یہاں سے جائے گا۔

اُستاد وہ کیا اگر یہی تکلیف اور یہی کوفت باقی رہی تو میں خود دنیا سے چلا جاؤں گا۔

(دوست غصّہ کے تیوروں سے ملازم کی طرف مُڑ کے)

تم سے ہزار بار کہا گیا کہ بات میں نہ بولا کرو تمھاری سمجھ میں نہیں آتا۔

ملازم ۔بہت خوب ایک بات یاد آ گئی تھی کہہ دی۔

(دوست اُستاد کی طرف دیکھ کے آپ فرمائیے)

اُستاد غصہ کے لہجے میں ہاں مولانا صاحب غالباً حروف قافیہ کے تعریفات محفوظ ہوں گے

میں اپنے یاد رکھنے کے لیے تقریر کرتا ہوں۔

قید:۔ قید وہ حرف ہے کہ جو (واؤ الف یا) جن کا مجموعہ (وائے ہے) کے علاوہ

ہو۔ اور بالکل روی سے متصل ہو کوئی فاصلہ نہ ہو اور ساکن بھی ہو۔

مثال .... بزم .... رزم

" .... عقل .... نقل

دیکھئے بزم اور رزم کی (زا) کو قید کہیں گے کیونکہ روی یعنی میم سے متصل ہے

اور ساکن بھی ہے۔ اسی طرح عقل و نقل کا قاف بھی ہے۔ جسے قید سے تعبیر کریں گے۔

ردف:۔ واؤ۔ الف یا کا روی سے متصل ہونا۔ جب یہ حروف روی سے متصل

ہوں گے انھیں ردف کہیں گے۔

مثلاً .... فضُول ..... حصول

" .... تاویل ...... تنزیل

" .... حال .... مال

فضُول حصُول کا واؤ، تاویل تنزیل کی (یا) حال مال کا (الف) چونکہ

روی یعنی (لام) سے بالکل متصل ہے لہذا اسے ردف کہیں گے۔

تاسیس:۔ الف ساکن کو کہتے ہیں۔ جو روی سے قبل آتا ہے لیکن فاصلہ کے

ساتھ یعنی الف ساکن و روی کے درمیان کوئی حرف ضرور ہوگا۔

مثلاً سائل قائل

دیکھیے الف سائل و قائل قبل روی بھی ہے یعنی (لام) اور دونوں کے درمیان ہمزہ مکسور بھی ہے۔ چونکہ درمیانی حرف کے متحرک ہونے کی قید ہے اس لیے ہمزہ مکسور ہے۔
دخیل[۳]:۔ وہ حرف متحرک جو الف تاسیس اور روی کے درمیان آئے کسی حرف کی خصوصیت نہیں کوئی ہو جیسے سائل و حائل کا ہمزہ مکسور۔

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ یہ چار روف یعنی قید۔ روف۔ تاسیس و دخیل روی سے پہلے ہی آتے ہیں۔ لیکن وہ چار حرف جو روی کے بعد آتے ہیں۔
وصل[۱]:۔ بالکل روی سے متصل حرف کا نام وصل ہے۔

مثلاً ماتمی غمی

اگر کسی شعر میں قافیہ قرار پائیں تو میم حرف روی قرار پائے گی اور (یا) حرف وصل۔ یہ بھی یاد رکھنے کی چیز ہے کہ اکثر وہ حروف جن کو میں اب بیان کروں گا۔ یہی حرف وصل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

نونِ[۱] مصدری، جیسے دیدن، رسیدن (۲) ہائے مضمر آخر کلمہ جیسے نالہ و نالہ کی (ہ) (۳) یائے متکلم (۴) یائے مصدری (۵) یائے تنکیری (۶) یائے خطابی (۷) میم ضمیر متکلم (۸) تائے مخاطب (۹) شین ضمیر غائب
خروج[۲] ۔ ایسا حرف ہے جو حرف وصل کے بعد آتا ہے۔ اور متصل حرف وصل ہوتا ہے

جیسے دیدیم شنیدیم

حرف دال روی ۔ جو مدار قافیہ حرف یا وصل ۔ جو متصل دال ہے حرف میم بعد یا ہے اسی کو خروج کہتے ہیں۔

مزید[۳]:۔ ایسا حرف ہے جو حرف خروج کے بھی بعد آتا ہے بغیر فاصلہ۔

مثلاً بردمیش خوردمیش

اس میں حرف شین مزید کہلاتا ہے۔

نائرہ وہ حرف ہے کہ مزید کے بھی بعد آتا ہے۔

مثلاً بردستمش خوردستمش ۔

اس میں حرف نون نائرہ کہلاتا ہے۔

اگر نائرے کے بعد اتفاق سے کوئی حرف آئے جو روی کے بعد پانچواں حرف ہو تو اُسے بھی نائرہ ہی سمجھنا چاہیئے۔

مولانا پھر ردیف کا پتہ کیونکر چلے گا۔ یہ قاعدہ تو جناب نے فرمادیا۔

اُستاد ماشاء اللہ آپ کی ذہانت قابل صد تحسین ہے سُنیئے اختلافات محققین بتلائے دیتا ہوں۔

خواجہ علیہ الرحمہ یعنی جناب محقق طوسی کا خیال ہے کہ حرف وصل کے بعد جس قدر حروف آئیں گے۔ سب حکم ردیف میں سمجھے جائیں گے۔ خواہ غیر مستقل کلمہ ہو یا مستقل۔ لیکن اجماع محققین یہ ہے کہ روی کے بعد جس قدر بھی حروف ہوں اگر کلمہ مستقل کی شان رکھتے ہوں تو ردیف میں شمار کیئے جائیں گے اگر کلمہ مستقل کا عنوان نہ ہو تو مابعد روی حروف پر جن ناموں کا اطلاق کیا جاتا ہے وہ درست وصحیح مانا جائے گا۔

حرکت ماقبل روی جب کہ روی ساکن بھی ہو اور کوئی حروف حروف قافیہ سے اس سے ملحق نہ ہو اسے اصطلاح میں (توجیہ) کہتے ہیں۔ اختلاف توجیہ قافیوں میں جائز نہیں

(قاعدہ)

اگر روی بہ سبب اتصال توجیہ حرف وصل متحرک ہو جائے تو اختلاف حرکت

ماقبل ردی یعنی توجیہ صحیح ہو۔

مثال   کوثری۔ سکندری۔ مجاوری۔ عنصری

حرف (را) ردی۔ حرف (یا) وصل چونکہ حرف وصل کے الحاق سے ردی متحرک ہوگئی اس لیے قبل ردی حرکت کا بدل دینا بھی صحیح ہوگیا اور کوثری کا قافیہ مجاوری اور عنصری کے ساتھ جائز قرار پاگیا۔ اگر یائے وصل نہ ہوتی اور ردی متحرک نہ ہوگئی ہوتی تو تنہا کوثر کا قافیہ عنصر کے ساتھ یا مجاور کے ساتھ کبھی صحیح نہ ہوتا

مولانا۔ ردی کی تعریف فرمائیے تاکہ ایطا کے متعلق دریافت کرسکوں۔

اُستاد۔ ہاں بے شک سب کچھ بیان کیا۔ ردی غریب کو نہ بیان کیا درانحالیکہ قافیہ کا مدار اسی پر ہو۔ میں بیان کرتا ہوں جہاں جہاں شکوک ہوں دریافت کرتے جائیے گا۔ ایطا کی مختصر تقریر دو راول میں کرچکا ہوں آج بالتفصیل سُن لیجے اب آئندہ موقع نہ ملے گا سُنیئے۔

میرے نزدیک ردی کی تعریف یہ ہو کہ اصلی حروف کا آخر اور زوائد کے سابق حرف کو ردی کہتے ہیں۔

ردی سے پہلے اگر ایک یا دو ساکن ہوں تو جس طرح ردی کا مکرر ہونا اردو اور فارسی میں ضروری ہو ایک یا دو ساکن کا مکرر ہونا بھی لازمی ہو اور وہ حروف جو ردی کے بعد آتے ہیں ان کی تکرار بھی بہت ضروری ہو۔ اس کی وضاحت آئندہ میری تقریر سے ہو جائے گی۔

(بحث الیطاء)

حروف زائدہ کے دور کرنے کے بعد اگر قافیہ باقی رہی تو ایطا نہیں ہوتا اور اگر

قافیہ باقی نہ رہے تو اسی کو ایطار کہتے ہیں۔ مولانا میری تقریر غور سے سُنیے گا۔ یہ مسئلہ ذرا پیچیدہ ہے۔

مثال اس کی یہ ہے کہ اگر مطلع میں (فاضلات) (باقیات) قوافی لائیے گا تو حروف زوائد نکالنے کے بعد یعنی (الف و تا) صرف فاضل اور باقی باقی رہ جائے گا۔ جو قافیہ نہیں قرار پا سکتا۔ اسی کا نام ایطار جلی ہے۔ لیکن اگر شاملات حاصلات کے قوافی کسی مطلع میں لائیے گا تو ایطار یعنی شائگان نہیں باقی رہے گا۔ کیونکہ حروف زائدہ نکالنے کے بعد قافیہ شامل و حاصل صحیح رہتا ہے۔

اپنا مسلک عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ۔ اگر کسی نظم کے مطلع میں شاملات و حاصلات قافیہ قرار دیں تو پوری نظم میں یا غزل میں اس قسم کے قافیہ لانا چاہیئے۔ منزلات مشکلات قافیہ نہیں لا سکتے کیونکہ مطلع میں الف تاسیس کی قید ہوگئی ہے۔ قید کے بعد پابندی لازم ہے۔

گو بعض اساتذہ نے قید تاسیس کے بعد بھی قید نہ رکھی اُردو کے شعرائے مطلع میں حاصل سائل کہنے کے بعد بھی غزل کے باقی ماندہ اشعار میں دل منزل قافیہ نظم کر دیا ہے میری احتیاط اسی کی مقتضی ہے کہ میں نظم نہ کروں۔ دنیا کو اختیار ہے۔

اُردو کے قافیوں میں ایطار کیونکر ہوتا ہے۔ اور کس طرح ایطار نہیں ہوتا مثال دے کے سمجھانا چاہتا ہوں۔

مولانا ضرور ارشاد ہو اسی مسئلہ میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔

اُستاد سُنیئے وقتی شعر نظم کر کے سُناتا ہوں تاکہ مطلب زیادہ واضح ہو جائے۔ مثلاً

ایسا کسی نے شعر جہاں میں کہا نہیں مضمون لاجواب ابھی تک سُنا نہیں

اس شعر میں قافیہ کہا۔ سُنا ہی اور تعریف ایطا یہ ہی کہ بعد حذف زوائد
اگر روی مختلف ہو جائے تو ایطا کا حکم ہو گا۔

اس کی تعریف میں سید علی حیدر صاحب طباطبائی (حیدر یار جنگ بہادر)
نے کلام کیا ہی۔ فرماتے ہیں۔

(وہ تسامح سے خالی نہیں۔ یعنی تعریف ایطا) اس لیے کہ جن لفظوں پر قافیہ
کا احتمال تھا جب زوائد ان کے حذف ہو گئے تو ان کے ساتھ ہی حرف روی بھی حذف
ہو گیا۔ ورنہ روی کا مختلف ہو جانا کیا معنی مثلاً کہا سُنا میں الف زائد تو روی
تھا جسے حذف کر دیا اور کہہ سُن باقی رہ گیا جس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ کہا سُنا
میں تکرار روی بیک معنی واقع ہوئی جو حکم میں اعادہ قافیہ کے ہی)

جناب موصوف کی عبارت سے صاف واضح ہی کہ کہا سُنا میں ایطا ہی۔ جو
اُردو کے قافیوں کا ایطا ہی اگر یہ صورت کبھی پائی جائے گی۔ جیسے میرے کہے ہوئے شعر
میں تو یہ طریقہ اہل احتیاط کے نزدیک صحیح نہیں ہی۔ ہاں اگر کسی مطلع میں قافیہ (کہا)
(رہا) ہو جیسا کہ میرے دقیق کے ہوئے اس شعر میں ہی۔

دردِ فراق سے کبھی خالی رہا نہیں
ہم نے کسی سے حالِ دل اپنا کہا نہیں

تو وہ عیب جو کہا سُنا کے قافیہ میں تھا یہاں نہیں رہی گا۔ کیونکہ کہا سُنا میں
الف ہٹا دینے کے بعد کہ سُن باقی رہتا ہی کہہ سُن کا قافیہ صحیح نہیں اور کہا رہا
میں (کہ) (رہ) باقی رہتا ہی۔ باقی رہنے کے بعد قافیہ صحیح رہتا ہی۔ لہذا
جائز ہی۔

جن قافیوں میں ایطار ہو وہاں قافیہ ہی سمجھ میں نہیں آتا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ قافیہ کا دونوں مصرعوں میں اعادہ ہوگیا۔ یعنی مکرر ہوگئے۔ ردی کی یہ تعریف کہ (ایک حرف ہی مکرر کہ اُس پر بنائے قافیہ ہو) اس سے مکمّل وضاحت نہیں ہوتی۔

(تحقیق)

ایک مسئلہ اور کہتا چلوں کہ بوستاں و دوستاں کا قافیہ عموماً شعرا ار محققین صحیح سمجھتے ہیں۔ کیونکہ بوستان میں الف و نون اصلی ہے۔ او ردوستاں میں الف و نون زائد ہے بعض کے نزدیک روی کا حرف زائد ہونا بھی شائگاں ہے۔ لہذا ان کے نزدیک بوستان و دوستاں کا قافیہ صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ جناب محقق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شعرا اس حد تک شائگاں سے احتراز کرتے ہیں کہ وہ ایک قافیہ کہ جو جائز ہے وہ بھی نہیں نظم کرتے)

بعض الفاظ میں ایطا پایا جاتا ہے مگر اس کو شعرا صحیح سمجھتے ہیں اس کے معنی یہ ہوئے کہ ذوق سلیم پر ایطا کی شناخت موقوف ہے۔

(گیا) (کیا) کے قوافی میں حذف الف کے بعد دونوں لفظیں بے معنی رہ جاتی ہیں۔ لہذا ایطار نہیں کہا جائے گا۔

(کیا) (رہا) میں ایک یعنی (کیا) بے معنی رہ جاتا ہے بعد حذف الف اور (رہا) با معنی یعنی (رہ) اسے ایطار خفی کہنا درست ہے۔ مگر میرے نزدیک مطلع میں (کیا) اور (رہا) لاسکتے ہیں۔ بالکل جائز ہے (کہا) اور (سُنا) میں بعد حذف الف دونوں یعنی (کہہ) (سُن) دونوں بامعنی باقی بچتے ہیں۔ اس لیے اسے ایطار جلی

کہتے ہیں۔ بعض شعرا کا خیال ہے کہ شعر میں اگر ردیف ہو تو قافیوں کا ایطا برا
نہیں لگتا۔ میں اس قول کے خلاف ہوں مردف ہو یا غیر مردف ایطا اگر عیب میں
داخل ہے تو ہر صورت میں عیب ہی رہے گا۔

دوست آپ نے بڑی مبسوط تقریر کی قافیہ کی پوری بحث بیان کر گئے۔

استاد کُل کہاں بیان کرسکا۔ کسی دن انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ جو کچھ علم قافیہ میں
باقی رہ گیا ہے بیان کروں گا۔ خلاصہ بیان کیا ہے۔

مولانا حضور نے دماغ روشن کر دیا۔ میں بھی تمام بحث دیکھ چکا ہوں یاد ہے۔ مگر جو
جو چیزیں جو جو نکات حضور نے بیان فرمائے۔ بخدا ذہن میں بھی نہ تھے۔
اگر انسان اسی قدر یاد رکھے تو کبھی غلطی نہیں کرسکتا۔

استاد بے شک مگر یاد رکھنا مشکل ہے۔ میں نے طولانی تقریر کی آپ نے صرف ایک
شعر پڑھا تھا جس میں عیب قافیہ تھا تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہو گیا۔ میں
بھی تھک گیا۔ لہذا آئندہ یکشنبہ کو غزل دیکھ دوں گا۔

مولانا۔ بہت خوب (غزل تہ کر کے جیب میں رکھ لی تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد رخصت
ہو گئے۔)

دوست۔ میں بھی جاتا ہوں آپ بھی تشریف لے جائیے۔ آج شب کو حاضر نہ ہو سکوں گا
کل سویرے حاضر ہوں گا۔

استاد۔ بہت خوب جیسی خوشی۔

(دوست چلے گئے۔ استاد محل میں تشریف لے گئے۔ دوسرے
دن صبح کو برآمد ہوئے۔ دوست آئے۔)

استاد۔ تشریف لائیے میں انتظار کر رہا تھا۔

دوست۔ حاضر ہوا (یہ کہتے ہی) جناب آج ایک رسالہ لایا ہوں چیدہ چیدہ مقامات سناؤں گا۔ آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔

استاد۔ کیا کسی دہلی پرست نے لکھنؤ کے خلاف زہر اُگلا ہے۔

دوست۔ آپ تو اب مرتبۂ کشف کی منزلوں کو طے کرنے لگے یہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا

استاد۔ آپ نے رسالے کا نام لیا میں سمجھ گیا کہ سوائے لکھنؤ کی مخالفت کے دوسرا مضمون نہ ہوگا۔

(یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ شاہزادہ ذوالقدر نواب حشمت علی
خاں صاحب بہادر اور شیخ فریدالدین صاحب دہلوی تشریف
لے آئے۔ اُستاد اور دوست کھڑے ہو گئے) تسلیمات بجا لاتا ہوں)

اُستاد۔ آداب بجا لاتا ہوں۔ حضور تشریف لائیں۔ شاہزادے صاحب حاضر ہوا، کہتے ہوئے بوٹ اُتار کے لب فرش بیٹھنے لگے۔

(شاہزادے صاحب کا ملازم اُستاد کے ملازم کے پاس تپائی پر بیٹھ گیا)

اُستاد۔ جناب ادھر تشریف رکھیں۔

(لکھنؤ کی مایۂ ناز تہذیب کے مراسم ادا ہونے کے بعد شاہزادے
صاحب صدر میں بیٹھ گئے۔ شیخ صاحب ان کے پاس بیٹھ گئے)

شاہزادے صاحب۔ جناب میر صاحب (اُستاد) شوق زیارت نے مجبور کیا باوجودیکہ صحت خراب ہے مگر حاضر ہو گیا۔

اُستاد۔ حضور نے ذرہ نوازی فرمائی۔ آپ کی تعریف (یعنی شیخ صاحب)

شاہزادے صاحب - آپ دہلی کے رئیس ہیں۔ میرے قدیمی عنایت فرما ہیں۔ نبی اللہ نو پر قیام ہے۔ آپ زبردست شاعر ہیں۔ ادبی ذوق بے انتہا ہے۔ مجھ سے ملنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ میں نے آپ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں بھی بالغرض زیارت چلوں گا۔

(یہ کہہ کے شیخ صاحب کی طرف دیکھ کے اُستاد کا تعارف کرایا اُستاد اور شیخ صاحب نے کھڑے ہو کے مصافحہ کیا بیٹھتے بیٹھتے)

اُستاد آیئے بڑی عزت بخشی۔ ہیچمدان کو سرفراز کیا۔

شیخ صاحب واقعاً آپ حضرات کے دم قدم سے لکھنؤ لکھنؤ ہے۔ ورنہ جس طرح دہلی میں خاک اُڑنے لگی۔ لکھنؤ میں بھی میدان صاف ہے۔

اُستاد۔ یہ سب جناب کا حُسنِ ظن ہے۔

شاہزادے صاحب۔ (اُستاد کی طرف دیکھ کے) میں جب حاضر ہوا ہوں۔ آپ کچھ لکھنؤ دہلی کا تذکرہ فرما رہے تھے میرے آنے سے خاموش ہو گئے۔ کیا ذکر تھا۔

اُستاد دوست کی طرف دیکھ کے خاموش ہوئے۔

شاہزادے صاحب۔ مُڑ کے آداب بجا لاتا ہوں معاف فرمایئے گا۔ میں نے دیکھا نہیں تھا۔

دوست۔ تسلیمات عرض کرتا ہوں کوئی مضائقہ نہیں۔

شاہزادے صاحب۔ ایک عرصے کے بعد نیاز حاصل ہوا۔

دوست جی ہاں۔ میر صاحب عراق تشریف لے گئے تھے میں نے خانہ نشینی اختیار کرلی تھی۔ خدا خدا کر کے تشریف لائے اب گھر سے نکلا ہوں لطفِ صحبت ختم ہو گیا تھا۔

شاہزادے صاحب ۔ بیشک بجا ہے ۔ درست ہے ۔ میری بھی یہی کیفیت تھی ۔ آپ کیا گفتگو فرما رہے تھے ۔ میں بھی تو سنوں ۔

(دلچسپ تحقیقات ۲)

دوست ۔ جناب شاہزادے صاحب اہل لکھنؤ کی بے حسی اب اس حد پر پہونچ گئی ۔ جس کے بعد کوئی منزل نہیں نظر آتی ۔

شاہزادے صاحب :۔ یہ کوئی نئی بات ہے ۔ کیوں خیریت تو ہے ۔ آج تو آپ کے تیور دوسرے ہی نظر آتے ہیں ۔

دوست ۔ رات کو ایک رسالہ نظر سے گزرا جس کا نام نگار ہے جس کے اڈیٹر صاحب نیاز فتح پوری ہیں ۔ اس میں ایک مضمون دیکھا جس کی سرخی

سیّاح کی ڈائری

(صفحہ ۴۲ سے شروع اور ۴۹ پر ختم ہے)

شعرائے شاہان اودھ پر اس قدر غیر شریفانہ بے بنیاد حملے کئے ہیں جن کا جواب دنیائے خصومت میں ناممکن نہیں بلکہ محال ہے ۔

استاد ۔ وہ تو ماہانہ رسالہ ہے ۔ اس کے مدیر نے تو اہل لکھنؤ کے خلاف لکھنے کا بیڑہ اٹھا لیا ہے

شاہزادے صاحب :۔ کیا حال میں کوئی مضمون نکلا ہے ۔

دوست ۔ جی نہیں ایک ردّی کی گٹھری سے پرچہ ملا جو نومبر ۱۹۲۹ء کا ہے اس میں مضمون دیکھا

شاہزادے صاحب :۔ چیدہ چیدہ مقامات بیان فرمائیے ۔ میں بھی سنوں ۔

دوست - آپ کو تکلیف ہو گی - کیونکہ علاوہ ادبی نکتہ چینیوں کے اور اساتذہ لکھنؤ پر حملہ کو نے
کے آپ کے بزرگوں پر کھلے الفاظ میں حملے کئے ہیں -

گستاخ - ممکن ہی کہ اس کا جواب کسی لکھنوی نے دیا ہو -

دوست - رونا تو یہی ہو - کسی صاحب نے زحمت نہیں فرمائی - اس کی وجہ سُنیئے جو خالص لکھنوی
اہل قلم ہیں - اہل قلم کیوں بلکہ یوں کہوں کہ لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں - مگر تساہلی
دعویٰ استادی راحت پسندی قلم اُٹھانے کو روکتی ہو - کہیں ہاتھ میں موچ نہ آجائے
جو حضرات لکھنوی نہیں ہیں - لکھنوی بنتے ہیں - وہ اس لیے جواب نہیں دیتے
کہ اُن کے دل کی مُراد پوری ہو رہی ہو کیونکہ اُن کا ظاہر لکھنؤ کی موافقت - ان کا باطن
مخالفت -

شیخ صاحب - بندہ نواز بیان تو فرمائیے آخر کیا لکھا ہو -

دوست - ملاحظہ ہو (دو زانو بیٹھ کے) جناب اسرارالدین صدیقی صاحبان قلم کے
بادشاہ یوں فرماتے ہیں - کہ

(ظاہر ہو کہ لکھنؤ کوئی قدیم آبادی نہیں ہو بلکہ لکھنؤ کا وجود اپنی تمام لکھنویت
کے ساتھ ایک استعارہ ہو) پھر فرماتے ہیں کہ

(یہ امر شاید کسی سے مخفی نہیں کہ شاہان دہلی سے بغاوت وانحراف کا نام حکومت
اودھ ہو - نواب سعادت علی خاں بانی حکومت اودھ نے اپنی قابل ستائش
ذہنیت کا ثبوت دیا - اس لیے اگر فرمانروایان اودھ کے دلوں میں شروع ہی سے
دہلی اور دہلویت سے تنفر رہا ہو اور یہاں کی فضا میں اس جذبہ کے ماتحت لوگوں
نے پرورش پائی ہو تو جائے حیرت نہیں -

شاہزادہ صاحب - کیا خوب جملہ لکھا ہے کہ لکھنؤ اپنی تمام لکھنویت کے ساتھ ایک استعارہ ہے
بے شک پہلے ایک گاؤں تھا آبادی بڑھ گئی قصبہ ہوگیا۔ دہلی واقعی بہت قدیم
آبادی ہے۔ شاید جنت سے روانہ ہونے کے بعد حضرت آدم نے قدم رنجہ فرمایا تھا
ایسی قدیم آبادی کہاں ممکن۔

دوست - جی ہاں صوبہ دبا لینے پر اور بادشاہ بن جانے پر نمک حرام بھی لکھا ہے۔
شاہزادہ صاحب - یہ خوب لکھا ہے (شیخ صاحب کی طرف دیکھ کے) معاف فرمایئے گا۔ ایک
صوبہ دار اگر سلطنت کا جز چھین لے گو خلاف قاعدہ بات تھی تو نمک حرام کہلائے
اور اگر والد سے پوری سلطنت چھین لے وہ بھی یوں کہ اُسے قید کرے پھر باپ
اندھا ہو۔ پھر دنیا چھوڑ دے - تو وہ تو نمک حرامی ہے - یہ کون سی (حرامی)
ہوگی۔

سلطنت دست بدست آئی ہے
جام جم خاتم جمشید نہیں (غالب)

اُستاد - اور یہ کہنا کہ صوبہ چھین لینے سے صوبہ دار اور باشندگان کے دل میں جذبۂ منافرت
پیدا ہوگیا تو جناب ان کو تو بجائے نفرت کے شرم و لحاظ ہونا چاہیئے تھا منافرت
کا جذبہ تو اہل دہلی کے دلوں میں پیدا ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ان کا صوبہ چھینا تھا
یہ ایسی ہی منافرت ہوگی جیسی شاہان دہلی کی طرف سے ہندستان کے ہندوؤں
میں پیدا ہو چکی تھی۔ کیونکہ ہندستان پر بہ جبر قبضہ کیا گیا تھا۔
دوست - ابھی سُنتے جایئے - اُس کے بعد لکھتے ہیں کہ
(لیکن لکھنؤ کی شاعری نام تھا ان عفونتوں اور گندگیوں کا جو ادباشانہ

اخلاق کا جزو لازم ہیں۔ اور تمام ان رکیک و سخیف اور رذیل و دنی جذبات کا جو صرف ایک گنہ گار اور سیاہ کار دل ہی سے پیدا ہو سکتے ہیں) پھر دو سطروں کے بعد لکھتے ہیں کہ۔

(اور اس یقین تک پہونچنا لازم کہ لکھنؤ کا وہ دور جسے یہاں کا عہد زریں کہا جاتا ہو اپنے ذہنی و دماغی انحطاط اخلاقی و معاشرتی زوال مذہبی گندگی و تنگ نظری بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ اپنی حیوانیت و درندگی اور وحشت و سبعیت کے لحاظ سے ایک ایسا عبرت ناک دور حقیقی تھا کہ شاید ہی اُس کی کوئی دوسری مثال دنیا کی تاریخ میں پیش کی جا سکے)

شاہزادہ صاحب۔ استغفر اللہ دوسروں کو گندہ ذہن اوباش کہہ دینا کوئی بات ہی نہیں خود مضمون نویس صاحب کیسے گندہ ذہن ہیں یہ ان کی عبارت ہی بتا سکتی ہے۔ میری تہذیب کے خلاف ہو جو کچھ عرض کروں۔

اُستاد۔ اس کا جواب مجھ سے سُنیے (شیخ صاحب کی طرف دیکھ کے معاف فرمائیے گا)

شیخ صاحب۔ آپ جو کچھ فرمانا چاہیں فرمائیں۔ ایسے ذلیل خیال لکھنے والے کو مُنھ توڑ ہی جواب دینا چاہیئے۔

بخدا تمام شعرا دہلی کا احترام کرتا ہوں۔ مجھے کچھ کہتے اچھا نہیں معلوم ہوتا صرف اس لیے کہتا ہوں کہ جناب اس امر پر غور فرمائیں کہ جو عیوب ان کے نزدیک شعرائے لکھنؤ کے یہاں ہیں شعرائے دہلی کے یہاں بھی موجود ہیں یا نہیں۔

ملاحظہ ہو۔ ہماری شاعری پر یہ اعتراض ہو کہ اوباشانہ ہو۔ رکیک۔ رذیل و دنی جذبات کا مجموعہ ہو۔ ہمارے دل سیاہ ہیں۔

جناب داغ دہلوی فرماتے ہیں۔

غیر کا مذکور کر بیٹھے وہ کچھ یاد آ گیا
وصل میں لذت دم بوس و کنار آنے کو تھی

دوست۔ واللہ کیا شعر پڑھا ہے۔ بالکل بازاری خیال۔

استاد۔ اہل لکھنؤ کے یہاں یہی خیال ہو تو ادباشانہ بازاری کہلائے گا لیکن جناب داغ دہلوی کے یہاں تاویل کر دیجئے یہ کہیئے کہ تصوف میں ہے۔ ڈوب کے کہا ہے بے مثال شعر ہے اور سنیئے یہ تو خیر جناب داغ فرماتے ہیں۔

ہونے کو تو کیا ان سے ملاقات نہ ہوگی
جس بات کی خواہش ہے وہی بات نہ ہوگی

شاہزادہ صاحب۔ استغفر اللہ اب دیکھئے جناب کس قدر عجیب شعر ہے۔ واللہ بچوں کے سامنے پڑھنے کا شعر نہیں۔

استاد۔ یہ شعر معرفت کا ہے۔ یعنی دیدار خدا بروز محشر ہوگا مگر چونکہ گنہ گار ہیں وہ بات نہ ہوگی یعنی (بخشش) کسی لکھنوی کا شعر ہوتا تو گالی نکلتی یہ داغ دہلوی کا شعر ہے۔ مضامین علیا کے دریا بہائے ہیں۔

دوست۔ واللہ آپ کو شعر یاد خوب ہیں۔ کیوں جناب اخلاقی و معاشرتی زوال کے متعلق کوئی شعر یاد ہے۔

استاد۔ جی ہاں یاد ہے۔ داغ دہلوی کہتے ہیں۔

شرماؤ گے وہ سن کے جو گزری ہے رات کو
کہہ دوں گا میں پکار کے پردے کی بات کو

دوست۔ بے شک کیا خوب شعر پڑھا۔

استاد۔ بڑے پہلو پر نظر نہ کیجئے گا۔ شعر بہت بلند کہا ہے مقصد یہ ہے کہ میں نے شب کو حقیقت ذات باری کی تلاش شروع کی اور اُس منزل سے بھی آگے بڑھ گیا جہاں تک رسولِ خدا تشریف لے گئے تھے۔ یعنی پردے کے اُس پار وہاں شاعر کہتا ہے کہ میں نے ذات باری کو پالیا۔ اب خدا سے کہتا ہے کہ میں نے رات کو تمہیں پالیا کہ بددیانت کرلی۔ تم چاہتے ہو کہ حقیقت ذات کوئی معلوم نہ کرسکے۔ اگر عالم پر آشکار کردوں گا تو تم شرماؤ گے۔

دوست۔ آپ مزاح فرما رہے ہیں یا مطلب بیان کر رہے ہیں۔

استاد۔ لکھنوی شاعر کا شعر نہیں ہے جس میں پست خیال۔ دنائت۔ دماغی انحطاط معاشرتی زوال پایا جائے۔ صاحب یہ دہلوی شاعر کا ذکر ہے۔ بُرا پہلو نکلتا ہی نہیں۔ ناسخ۔ آتش۔ سحر۔ صبا۔ رند۔ تعشق ہوتے تو ضرور۔ دم نکالا جاتا۔

شیخ صاحب۔ نہیں جناب۔ بالکل بے کار بے معنی اشعار ہیں ان اشعار کا کوئی مرتبہ نہیں دہلی کی شاعری کے بدنام کرنے والے شعر۔

استاد۔ بندہ نواز کیا لکھنوی شعراء کے یہاں ایسے مضامین نہیں۔ ہیں اور ضرور ہیں مگر یہ نہ کہیے کہ ہمارے یہاں یعنی دہلی میں نہیں۔ مقصود صرف اتنا ہے یہ تو آخری شاعر بالکل نچوڑ کے شاعر ہیں۔ میں شاعری کے باوا آدم خدائے سخن میر تقی میر کے شعر سناؤں حیرت ہو جائے گی۔

دوست۔ دو ایک پڑھ دیجئے تو مشکور ہوں گا۔

استاد۔ سنیئے میر تقی میر دہلوی۔

ایک بوسے پہ بھی نہ صُلح ہوئی
ہم نے دیکھی بہت لڑاکی قسمت

دوست۔ ہاں ہے تو مگر ذرا ڈھیلا شعر ہے۔ ذرا دار شعر سُنائیے یہ تو حضرات شعرا کے یہاں بھی ایسے مضامین بہ کثرت ہیں۔

اُستاد۔ سُنیئے۔ میر تقی میر

کیا لڑکے دلّی کے ہیں عیار اور نٹ کھٹ
دل لیویں یوں کہ ہرگز ہوتی نہیں ہے آہٹ

دوست۔ یہ شعر پڑھا۔ اب معلوم ہوا کہ دلّی میں لڑکوں سے محبت ہوتی تھی۔ لکھنؤ والے تو عیاش مزاج۔ بازاری خیال کہلاتے تھے مگر ان کی محبت بہ ظاہر صنفِ نازک سے تعلق رکھتی تھی اس لیے کہ مضمون نویس صاحب نے آگے یہ اعتراض کیا ہے کہ لکھنؤ کی شاعری میں صرف الفاظ کی طلسم بندی۔ کنگھی۔ چوٹی۔ انگیا۔ آنچل آرسی۔ سُرمہ ہوتا ہے۔

اُستاد۔ ہوتا ہے۔ دہلی میں اس کی ضرورت ہی نہیں۔ معشوق لڑکا چوٹی۔ کنگھی۔ سُرمے آنچل سے کیا تعلق۔

دوست۔ اگر دہلوی شعرا کے یہاں سُرمہ وغیرہ کا ذکر ہو یا کنگھی۔ چوٹی کا تو کیا سمجھیے گا

اُستاد۔ معشوق کو زنانہ سمجھیں گے نہ مرد نہ عورت کیونکہ وہاں زنانوں کی کثرت بھی ہے۔ اس کی تائید میں ایک شعر میر کا اور پڑھ دوں۔

لڑکا ہی تھا نہ قاتل ناکردہ خوں ہنوز
کپڑے گلے کے سارے مرے خوں میں بھر گیا

دوست۔ بے شک اس شعر سے اور بھی آپ کے قول کی تائید ہوگئی۔

استاد۔ خدا کی قسم میرا کسی قسم کا اعتراض نہیں نہ کسی ذہ کے خیال سے اشعار پڑھ رہا ہوں
میں خدائے سخن مانتا ہوں دنیائے اُردو کا ایک شاعر لیکن صرف اس لیے پڑھ
دیئے کہ مضمون نویس صاحب یا دہ دہلوی حضرات جو لکھنؤ کو ذلیل نظر سے دیکھتے
ہیں سُن لیں۔ اور سمجھ لیں کہ لکھنؤ کی شاعری کوئی جداگانہ رنگ کی مالک نہیں ہے
دہلی اور لکھنؤ کے رنگ میں کوئی خاص تفرقہ نہیں جس قسم کا خیال جیسا مضمون
معیوب اہل لکھنؤ کے یہاں نکالا جائے گا۔ شعرائے دہلی کے یہاں بھی ضرور نکلے
گا۔ فرق اتنا ہو کہ ایک خیال کے ماتحت لکھنؤ میں زیادہ کہا گیا۔ دوسرے خیال
کے ماتحت دہلی میں بس۔ خصوصیت کسی جگہ کی نہیں ہو۔

شاہزادے صاحب:۔ ہاں صاحب اور کچھ بیان کیجیے کیا لکھا۔

دوست۔ ملاحظہ ہو۔ اس کے بعد شاہان اودھ پر حملہ کیا گیا بالخصوص جنت مکان خُلد
آشیاں جانِ عالم حضرت واجد علی شاہ بادشاہ اعلیٰ اللہ مقامہ کی توہین و تضحیک
کی ہے جس کی انتہا نہیں۔

شاہزادے صاحب:۔ خوب کیا فرمائیے۔

دوست۔ مضمون نویس صاحب لکھتے ہیں کہ بادشاہ اچھوتیوں کے ساتھ خود بھی دردِ زہ
میں مبتلا رہنے کے بعد کسی نہ کسی امام زادے کو (موی شبیہ) (چینی کی مورت) یا
(گڑیا) کی شکل میں جا کرتا تھا اور جب مبارک سلامت کے ترانے گائے جاتے تھے تو ود
ایک نو عروس کی طرح گھونگھٹ کرکے بیٹھ جاتا تھا اور جب عالم نشاط کی فراوانی
سے محفل مست ہو جاتی تو خود بھی کنچنیوں، پاتروں، کسبیوں کے ساتھ مل کر اپنی

بھدّی کر میاں لرزش رقصانہ اور عفریتی تبسم میں جنبش زنانہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ خصوصیت صرف واجد علی شاہ بہادر کے لیے نہ تھی بلکہ اودھ کا ہر بادشاہ ایسے ہی خصوصیات لے کر آیا تھا۔

شاہزادے صاحب۔ خدا جھوٹ بولنے والے حضرات سے روز قیامت بازپرس کرے گا بجدا میرے جدِ مرحوم پر بہتان عظیم ہی شیطان کے ساتھ افترا پرداز صاحب کا حشر ہوگا۔ اے معاذ اللہ یہ اور یہ بے ادبی۔ اس تذکرے سے صدیقی صاحب کو صرف ائمہ طاہرین پر حملہ مقصود تھا۔ ہاں اچھوتیاں[1] لکھنؤ میں تھیں۔ لیکن وہ اس تفریح و غرض کے لیے نہ تھیں اب تک لکھنؤ میں اچھوتیوں کی گلی ایک محلہ مشہور ہی۔

استاد۔ جی درست بالکل غلط و مہمل ہی۔ صرف شاہان اودھ کو ذلیل کرنا ہی۔ اور کچھ نہیں جھوٹ بولنے میں کچھ صرف تو ہوتا نہیں۔

دوست کی طرف رُخ کرکے ہاں جناب شاعری کے متعلق بیان کیجیے

کہ اور کیا لکھا ہی۔ بے بنیاد بات کے متعلق وقت کیوں خراب ہو

دوست۔ سُنیے۔ لکھتے ہیں اگر شاعری نام ہی جذبات کے اظہار کا اور جذبات پیدا ہوتے ہیں خود اپنے اور ماحول کے معاشرتی و اخلاقی حالات سے تو ہر شخص بہ آسانی حکم لگا سکتا ہی۔ کہ لکھنوی شاعری کو کیسا ہونا چاہیے اور اس کی حقیقت کیا ہوسکتی ہی۔ مثال

---

[1] اچھوتیاں: وہ عورتیں تھیں جن سیدانیوں نے اپنی شادی نہ کی ہو غیر مرد کا منھ نہ دیکھا ہو۔ کنواری ہوں بادشاہ ان کی پرورش کرتے تھے صرف اس خیال سے کہ جب نذر ہو یا صحنک وغیرہ تو ہم متبرک شے کے نما ... والے پاک ... ہمن اچھوتے لوگ مل سکیں اور کوئی غرض و مقصد نہ تھا۔

ناسخ کے ایک مشہور شاگرد شیخ امان علی سحر کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

استخارہ جو سحر وصل پہ واجب آیا
مسکرا کر وہیں کنٹھا مرے منھ پر مارا

استخارہ ایک مذہبی چیز ہے لیکن اس کو اخلاقی پستی کے لیے یا مذہبی زندگی کا مومکر معشوق خود (بے اختیاری شوق) کے عالم میں وصل کے لیے استخارہ کرتا ہے۔ (گویا وہ بڑا عمل خیر ہے) اور شاعر (واجب آیا) کہہ کر اُسے اور درجۂ ترقی پر پہونچا دیتا ہے شاہزادہ صاحب: مضمون نویس صاحب کا یہ کہنا کہ استخارہ ایک مذہبی عمل ہے یا یہ کہ (گویا وہ بہت بڑا عمل خیر ہے) یعنی وصل۔ بالکل بے محل ہے۔ محترم۔ استخارہ تو مذہبی عمل ہو سکتا۔ رہا وصل بڑا عمل خیر اس میں بھی کچھ کلام نہیں۔ کیونکہ عاشق و معشوق کے جائز تعلقات اسی امر سے پتہ چلتا ہے کہ استخارہ دیکھنا اور فعل بد کے لیے استخارہ دیکھنا کیا معنی اسی سے لکھنؤ کی پاک بازی مذہب پرستی بلکہ یوں کہوں کہ اس شعر سے لکھنؤ کی صداقت شرافت نفس نیکو کاری کا پتہ چلتا ہے۔ عاشق و معشوق دونوں اصول کے پابند افعال بد کے دشمن نظر آتے ہیں۔

اُستاد۔ کیا خوب جناب نے جواب دیا ہے سبحان اللہ واللہ یہی جواب ہے یوں تو لکھنؤ کی ہر بات بُری معلوم ہوتی ہے۔ اور بُری معلوم بھی ہونا چاہیے۔ کیونکہ دہلی اجڑنے کے بعد وہاں بالکل میدان صاف ہو گیا لکھنؤ میں ہر عہد میں سیکڑوں اساتذہ رہے اور اب بھی موجود ہیں۔ سب سے بڑی چیز جو باعث عداوت بن سکتی ہے وہ لکھنؤ کا ترقی لکھنؤ کا کمال۔ اسی سبب سے لکھنؤ کی ہر ادا تیر کا کام کرتی ہے۔ میری تائید غالب مرحوم کے اس خط سے ہوتی ہے۔ جس میں انھوں نے لکھنؤ کی مدح سرائی

کی ہے۔ اور دہلی کے تباہ ہونے پر افسوس کیا ہے اور یہ کہتے ہوئے کہ اب دہلی
میں کیا رکھا ہے۔ یہاں پنجابی آباد ہو گئے ہیں۔ پیشہ وروں اور تجار کا مرکز ہے
شیخ صاحب۔ بجا فرماتے ہیں۔ میں منصف مزاج ہوں دہلی اجڑنے کے بعد واقعاً خاتمہ ہو گیا
لکھنؤ یا اودھ اجڑنے کے بعد وہ صورت نہیں رہی بلکہ جس طرح شاہی میں
مرکز زبان تھا اسی طرح اس وقت تک مرکز زبان و ادب ہے۔ یہ خصوصیت
دہلی کو کہاں نصیب۔

استاد واشد۔ آپ بڑے منصف مزاج ہیں خدا آپ کو جزائے خیر دے کیا انصاف
کی بات فرمائی ہے۔

دوست الٰہی۔ اور سنیے فرماتے ہیں ذرا پھر غور کیجئے کہ اُس دور حکومت کی شاعری جو غداری
کورنمکی اور جذبہ نفرت و اکراہ پر قائم ہوئی ہو اور اسی عہد جمعیت کی
شاعری جس میں ادنیٰ اور ذلیل درجہ کے حیوانی جذبات کے سوا کسی جذبہ
عالی کی پرورش کی فضا نہ پیدا ہوئی ہو اور اس زمانہ فسق و فجور کی شاعری
جب مذہبی استخفاف اور بے حیائی و بے غیرتی اس حد تک پہونچ جائے کہ وصل
کے لیے استخارہ کا کنٹھا سنبھالنا بھی معیوب نہ رہے۔ وہ ناسخ وزیر ہی پیدا
کر سکتی تھی نہ کہ مومن و میر اس میں سحر و صبا ہی کے تخلیق کی اہلیت تھی نہ
کہ درد و قائم کے۔ لکھنؤ کی شاعری میں الفاظ کی طلسم بندیاں۔ کنگھی۔ چوٹی
انگیا۔ آنچل۔ آرسی۔ مسی۔ بے معنی صنائع و بدائع اور اسی قسم کے بہت
سی سطحی و غیر سنجیدہ خصوصیات کے پیدا ہونے کا سبب یہی تھا کہ اس وقت
کی زندگی ہی ایک جھوٹی زندگی تھی ایک غیر حقیقی ہستی تھی۔

اُستاد۔ یہ کون غیر معقول بزرگ ہیں ان کے منہ میں لگام ہی نہیں۔ ان کی تحریر بتاتی
ہے کہ ہم بازاری خیال غیر مہذب ہیں۔
شاہزادے صاحب۔ جناب تہذیب کا خاتمہ ہو گیا بدتمیزیوں کے دریا بہ رہے ہیں لنکا میں
اب سب نو گزے نظر آرہے ہیں۔ اپنے کو بہت بڑا ادیب سمجھتے ہیں۔ گو ایک سطر
بھی صحیح لکھنا نہیں آتی۔ کیا مزخرفات بکا ہے۔
دوست۔ جو کچھ بھی لکھا۔ جب کوئی صاحب لکھنؤ سے جواب کے لیے تیار نہیں تو بالکل درست
ہے۔
اُستاد۔ ان تمام باتوں کا جواب اب اگر کوئی ادارہ دے سکتا ہے تو وہ انجمن محافظ
اُردو منشور نگر لکھنؤ۔ دیکھیے گا اگر صدر انجمن وغیرہ کو معلوم ہو گیا تو کیسا
منھ توڑ جواب نکلے گا۔ جس کے بعد شاید کسی دہلوی صاحب کو ایک سطر لکھنے
کی بھی جرأت نہ ہو۔
شیخ صاحب۔ جی ہاں انجمن محافظ اُردو بڑی خدمت کر رہی ہے۔ اب لکھنؤ لکھنؤ ہو جائے گا
جواب نکلنا چاہیے سرکوبی بہت ضروری ہے۔ ورنہ آئندہ خدا معلوم کیا
کیا لکھا جائے۔
اُستاد۔ (دوست کی طرف دیکھ کے) مختصر جواب ملاحظہ ہوں۔ (کورنگی) کا جواب
دے چکا ہوں اور اہل لکھنؤ کے جذبۂ نفرت کا جواب بھی دے چکا ہوں کہ
اہل دہلی کو نفرت ہونا چاہیے۔ کیونکہ اُن کا صوبہ چھنا ہے۔ نہ اہل لکھنؤ کو۔
اس عہد حکومت کی شاعری جس میں ادنیٰ ذلیل درجہ کے حیوانی جذبات
کے سوا کسی جذبۂ عالی کی پرورش کی فضا پیدا نہ ہوئی ہو (یعنی لکھنؤ کا

وہ عہد جب شاہی تھی) تو بندہ نواز تقریباً اس عہد میں یا اس کے قبل کے عہد میں اساتذہ دہلی کے یہاں بھی ذلیل درجہ کے حیوانی جذبات والے شعر پائے جاتے ہیں کیا لکھنؤ کا اثر دہلی تک پہونچ گیا۔ شعر ملاحظہ ہو۔

دس کے دو کہتے ہیں جب لیتے ہیں بوسے ان کے
بھول ہم ڈال دیا کرتے ہیں کم گن گن کر — داغ

دیکھئے ادنیٰ درجہ کے حیوانی جذبات و تخیلات شعر میں ہیں یا نہیں۔

(سب یک زبان ہو کر بے شک بے شک)

اور سنیئے۔

خدا سے بھی نہیں ڈرتے وہ بے ایمان ایسے ہیں
فرشتوں کو پکڑ رکھیں ترے دربان ایسے ہیں — داغ

دہلی کے بے ایمان دربانوں کی نمک حلالی ملاحظہ ہو اور خدا سے نہ ڈرنے والے دربانوں کے خیالات اس سے معلوم ہو سکتے ہیں کہ اگر فرشتے بھی آگئے تو پکڑ جائیں۔ خدا کا حکم ایک طرف دربانوں کا زور ایک طرف۔

دوست داغ کا شعر تو جذبہ عالی کی پرورش کی فضا میں کھیل کود کے بڑا ہوا ہے۔ استاد مذہبی استخفاف کا تو پتہ نہیں۔ کیونکہ فرشتوں کا پکڑ جانا معیوب نہیں۔ اب ایک شعر پڑھتا ہوں۔

تھے ہم بغل عدو سے اس وقت یہ نہ سوجھی
سُن کر نئے کی ہم سے اب بغلیں جھانکتے ہو — داغ

یہ شعر فسق و فجور کی مثال نہیں ہو سکتا کیونکہ دہلی کے شاعر کا شعر ہے توضیح

کو معیوب سمجھتا ہوں ورنہ بتا تا کہ شعر میں کیا عیب ہے۔

ایک شعر اور سُنئے ۔

حلقۂ آغوش ہے یہ حلقۂ گیسو نہیں
کسما کر ہو نہ جائے گی رہائی آپ کی — داغ

دیہت واہ بالکل بازاری خیال۔

شاہزادے صاحب ۔ استغفر اللہ۔ کیا بتاؤں کیسا شعر ہے ہنسی آتی ہے۔

شیخ صاحب یہ بزرگ ایسے شعر زیادہ فرماتے تھے ۔

اُستاد۔ (شاہزادے صاحب کی طرف دیکھ کے) ہمارے شیخ صاحب کس قدر منصف مزاج ہیں۔ سبحان اللہ۔ کیوں جناب شیخ صاحب مسّی سُرمہ پہ اعتراض ہے کہ لکھنؤ والے معشوق کے مسّی سُرمہ کی تعریف کرتے ہیں۔ گویا یہ الفاظ ہی نہ لانا چاہیے ملاحظہ ہو جناب داغ فرماتے ہیں۔

سُرمہ ضرور ہے نگۂ یار کے لیے
یہ باڑھ چاہیے اسی تلوار کے لیے

دیکھیے شاعر کہتا ہے کہ سُرمہ ضرور ہے۔ اور پھر دہلوی شاعر کہتا ہے برائے خدا بتائیے کہ یہ اعتراض کہاں تک صحیح ہے۔

شیخ صاحب ۔ مُہمل اعتراض ہے اس کی طرف توجہ بھی نہ کیجیے۔ ایسے بہت سے بکا کیئے ہیں لکھنؤ لکھنؤ ہے۔ چاند پر خاک ڈالنے سے کیا ہوتا ہے

اُستاد۔ یہ جملہ کس غضب کا ہے ۔ شعرائے لکھنؤ کے تذکرے میں ہے کہ

(اس مذہبی تنگ نظری اور اسی لیے جان مدینتی میں آنکھ کھوئی ہو)

اس کا جواب یہ ہے کہ اُس بدمستی و ہیجان میں آنکھ کھولی ہے جب بدمستی کے ہیجان میں آپ کے مایۂ ناز شاعر خدائے سخن میرنے آنکھ کھولی تھی کہتے ہیں۔

کھینچا بغل میں میں جو اُسے مست پاکے رات
کہنے لگا کہ آپ کو بھی اب نشا ہوا (میر تقی میر)

ہم سے کھل جاؤ بوقت مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذر مستی ایک دن (غالب)

اس سے زیادہ کہنا مناسب نہیں سمجھتا وہ بھی جواباً کہا ورنہ معاذ اللہ میر کی شان میں یہ گستاخی نہیں ہو سکتی۔ اور یہ اعتراض کہ (لکھنؤ کی شاعری یا الفاظ کی طلسم بندی) تو جناب دہلی کی طلسم بندیاں ملاحظہ ہوں۔ صرف رعایت الفاظ سے کام لیا ہے۔ ورنہ شعر سادہ ہے۔ میر تقی میر فرماتے ہیں۔

شفق سے ہیں در و دیوار زرد شام و سحر
ہوا ہے لکھنؤ اس رہ گزر میں پیلی بھیت

صرف لفظ زرد سے فائدہ اُٹھایا ہے لکھنؤ کو پیلی بھیت کہنے سے مقصد یہی ہے۔ اس کو محض طلسم بندی الفاظ نہ کہیے گا تو اور کیا۔ لکھنؤ پر اعتراض بے کار ہے۔

دیبت۔ آپ نے وہ جوابات دیئے کہ جن کی نظیر ملنا ناممکن نہیں بلکہ محال۔ اگر مضمون نویس جناب صدیقی صاحب تک پہونچ جائیں تو خدا یاد آجائے

اُستاد۔ ابھی میں نے جوابات ہی کیا دیئے۔ بہت سے جز چھوٹے جاتے ہیں۔

مثلاً مسّی کے متعلق کہ اہل لکھنؤ مسّی سرمہ بہت نظم کرتے ہیں جناب اہل دہلی
بھی نظم کرتے ہیں۔ چنانچہ جناب داغ فرماتے ہیں۔

پٹیاں جمتی ہیں مسّی کی دھڑی جمتی ہے
آج سامان کدھر کا ہے کہاں جائیے گا

دوست ۔ یہ شعر پڑھا۔ بے شک اہل لکھنؤ کے لیے مسّی سرمہ مخصوص نہیں۔ اہل دہلی نے
بھی نظم کیا ہے۔

استاد کیا کچھ نہیں نظم کیا اسے رہنے دیجئے غائر مطالعہ کرکے اگر چیزیں نکالی جائیں تو
دنیا کو قدر روحانیت معلوم ہو۔ اہل لکھنؤ میں جواب دینے کا دم اور وقت نہیں
ورنہ کیا کسی کی ہمت تھی کہ ایک لفظ بھی منھ سے نکال سکتا۔

شاہزادے صاحب : ۔ جناب کیوں زحمت فرمائیں ایسے مزخرفات کا جواب نہ دینا بہتر ہے۔

دوست ۔ اے لیجئے یاد آگیا۔ ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے (ان کی یعنی لکھنؤ کی شاعری کا موضوع
عہد حشت کی وہ عورت تھی جب اُس سے صرف ہوس رانی کا کام لیا جاتا تھا)

اُستاد ۔ اسی سے داغ دہلوی نے یہ شعر کہا ہے۔

ہنس ہنس کے یہ کہتے ہیں شب وصل وہ مجھ سے
چھیڑوگے تو پھر مجھ سے ملاقات نہ ہوگی

خدا معلوم اس شعر میں ہوس رانی ہے یا نہیں۔

شاہزادے صاحب : ۔ ہے کیوں نہیں ۔ بکنے دیجئے۔

اُستاد ۔ ہزاروں مثالیں پیش کر سکتا ہوں ۔

دوست ۔ مجھے یقین ہے خدا نے آپ کو ایسا ہی حافظہ دیا ہے کیا کہنا اچھا اُستاد ور

سُن لیجئے میں تقریر ختم کرتا ہوں۔

اُستاد۔ فرمایئے کہ اور کیا لکھا ہے۔

دہست۔ لکھتے ہیں کہ اہل لکھنؤ کی غزل گوئی سے کوئی فائدہ نہیں پہونچا ناسخ جو شاعری کی دنیا کا ابو الآبا سمجھا جاتا ہے بہت سے محاورات دیوان میں نظم کر دیئے صحت الفاظ کا بہت خیال رکھا۔ تو نتیجہ کیا ہوا۔

اس کے بعد تجرو منیا پیکڑوں نتم کے مہمل اعتراضات کئے ہیں یہ بھی لکھا ہے کہ لکھنؤ میں ناسخ کی شاعری کے جراثیم ایک مرض متعدی کے طرح پھیلے ہوئے تھے۔ مگر امیر مینائی نے ایک الگ شاہراہ قائم کی اور وہ شعر کہہ گئے کہ ہیں ایک لکھنوی شاعر کے کلام میں نہیں مل سکتے۔ پھر لکھتے ہیں کہ ناسخ کی شاعری کو دیکھتے ہوئے امیر کا بُرے سے بُرا شعر بھی ایک درجہ رکھتا ہے۔ اگر پورا تفحص کیا جائے۔ تو ایسا معلوم ہونا چاہیئے کہ امیر کی ذہنیت یکسر دہلوی تھی لیکن ماحول سے مجبور ہو کر اُنھوں نے لکھنوی شاعری کو اختیار کیا اس کے بعد لکھتے ہیں کہ متاخرین میں مرزا لعشق کا وجود بے شک ایسا ہوا ہے جو خاندان ناسخ کی شاعری میں علٰحدہ رنگ رکھتا تھا۔ اور اُن کے مختصر دیوان میں تلاش کرنے سے بعض ایسے شعر مل سکتے ہیں جن کو شعر کہا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ خاص لکھنوی تھے اور تلمذ بھی ناسخ سے تھا اس لیے مہملات کی بھی کمی نہیں) مہملات کی مثال میں جناب تعشق کے یہ شعر پیش کیے ہیں

سوئے دریا خندہ زن وہ یار جانی پھر گیا
موتیوں کی آبرو پر آج پانی پھر گیا (تعشق)

کیا معاذ اللہ مری وحشت نے پھیلائے ہیں پاؤں

راہ برسوں کی مرا چاکِ گریباں ہو گیا

عشقِ دنداں کی رعایت مری جاں لازم ہے   آبروئے دلِ بے تاب و تواں لازم ہے

کیا کنوئیں مجھ کو جھکائے گی مری کاہیدگی

چاہ میرے واسطے ہر نقشِ پا ہو جائے گا

کیوں کبوتر کے عوض ہدہد نہ لایا خطِ شوق   اس خطا پہ مجھ سے وہ بلقیسِ ثانی پھر گیا

نمبر ۱ کا حاشیہ دے کے یعنی لفظ بلقیس پر نمبر (۱) دے کے لکھا ہے کہ (اگر تعشق کو کسی عورت سے محبت نہ تھی تو پھر بلقیس کا مرد ہونا یقینی)۔

اُستاد۔ ناسخ مرحوم کو جس قدر سخت سُست کہا ہے اور عیوب کلام بتلائے ہیں۔ یہ دیوان دیکھنے سے پتہ چلے گا۔ اتنا عیوب سے پاک کلام نہ کسی دہلوی شاعر کا ملے گا نہ کسی لکھنوی کا جن بزرگ کو دعویٰ ہو سامنے آجائیں اب رہا امیر مینائی کا سُست شعر بھی ناسخ کے کلام سے بہتر۔ اس کا فیصلہ اہلِ نظر پر ہے۔ میں ناسخ کے ساتھ امیر مینائی کا نام لانا ذہین سمجھتا ہوں کجا ناسخ کجا امیر مینائی۔ یہ وہ ہستی گزری ہے کہ دنیا کے شعرا کے کلام میں عیوبِ شعر و زبان نکلیں گے۔ مگر ناسخ ان سب سے بری نظر آئیں گے۔ یہ طے شدہ مسئلہ ہے اور اساتذہ کا اجماع ہے کہ روئے زمین پر ناسخ سا اُستادِ فن نہ گزرا ہے نہ گزرے گا۔

شاہزادے صاحب۔ ناسخ کی مذمت کی ہے۔ جناب سید صاحب تعشق کی مدح کی ہے۔

اُستاد ۔ مدح کیا ہجو ملیح کی ہے ۔ اتنا کہنا پڑا کہ ایک علیحدہ رنگ کے مالک تھے اس کے بعد یہ بھی تو کہا ہے کہ مختصر سے دیوان میں تلاش کرنے سے ایسے شعر بھی مل سکتے ہیں جن کو شعر کہا جا سکتا ہے ۔ لیکن چونکہ خالص لکھنوی تھے اور شاگرد ناسخ تھے اس لیے مہملات کی بھی کمی نہیں ۔ جناب تعشق کے وہ شعر جو انھوں نے پیش کئے ہیں آپ نے سماعت فرمائے ۔

شاہزادہ صاحب ۔ جی ہاں سُننے لاجواب اشعار کو مہمل بتایا ہے ۔

اُستاد ۔ اب مجھ سے سُنیے ۔ جب یہ طے کر لیا کہ لکھنؤ کے درخت بُرے لکھنؤ کا پانی بُرا لکھنؤ کے مکانات بُرے لکھنؤ کی وضع بُری ۔ لکھنؤ کے عالم و فاضل بُرے لکھنؤ کے حکیم بُرے لکھنؤ کے مرثیہ گو بُرے اور لکھنؤ کے شاعر بُرے خلاصہ یہ کہ پورا لکھنؤ بُرا جس کو لکھنؤ کی ہوا لگ گئی وہ بھی بُرا ہو گیا تو اس کے بعد ہر لکھنوی کے یہاں سوائے مُہملات کے اور کیا نظر آئے گا ۔

یہ کہنا کہ تلاش سے بعض اشعار تعشق ایسے نکل سکتے ہیں جو شعر کہے جا سکیں ۔ تو بندہ نواز اب کہوں گا کہ میر کے ساٹھ ہزار شعروں میں صرف بہتّر نشتر نکل سکے ۔ باقی کو آپ مُہمل کہئے ۔ میری تہذیب تو اس کو گوارا نہیں کرتی ۔ یوں سہی میر و تعشق کا مقابلہ و موازنہ کر لیجئے وہاں ساٹھ ہزار میں بہتّر نشتر ہیں ۔ یہاں ایک ہزار شعر بھی نہیں مگر دو سو نشتر نہ نکلیں تو آج سے شاعری چھوڑ دوں گا ۔ تعشق ایک ایسے رنگ کے مالک تھے جس کا جواب لکھنؤ اور دہلی دونوں میں ملنا ناممکن ۔

لفظ مُہمل صرف کر دیا خیر اب میں شعرا دہلی کے کلام کے مُہملات

اگر گنوادوں تو صحیح ہو جائے گی۔

زندہ رہا تو اس جھگڑے کا جواب دوں گا کہ تعشق کے مہمل شعر۔ اور اس شعر پر جو اعتراض کیا ہے

کیوں کبوتر کے عوض ہدہد نہ لایا خط شوق
اس خطا پر مجھ سے وہ بلقیس ثانی پھر گیا

اور یہ لکھا ہے کہ اگر تعشق کو کسی عورت سے محبت نہ تھی تو پھر بلقیس کا مرد ہونا ثابت)

تو جواب یہ ہے کہ جی ہاں عورت سے محبت تھی۔ جو فطری محبت کہنے کے قابل لیکن جناب آپ کے میر تقی میر لڑکوں سے محبت کرتے تھے وہ غیر فطری ہے۔

عقل مندان را اشارہ کافی است

مزید یہ کہ تعشق کا محبوب وہ ہے جس کو بلقیس سے تشبیہ دی جاتی ہے یعنی پاکدامن پردہ نشین۔ مجموعۂ صفات حسنہ۔ لیکن آپ کے داغ کا معشوق۔ کسی اور بازاری۔ ہرجائی دھوکا دینے والا۔

داغ کہتے ہیں ؎

دربان تو آگے دو سہ ہیں کیا اس کو بنا دیتے
پیچھا بہت بڑا ہے تمہارے مکان کا

جناب یہ دہلی کی شاعری ہے۔ جیسے خیالات ویسا شعر ملاحظہ ہو

آخر کو ٹھیک بن گئے وہ مجھ سے بگڑ کے آج
اتنے بیٹے رقیب کہ بھس کس نکل گیا
داغ

واسطہ خدا کا یہ بتائیے یہ کس قسم کا شعر ہے کیا فائدہ کیا حاصل۔ سوا اُسے
اس کے کہ ہنسی آئے۔

بھٹی شراب کی تو چڑھائی ہے مے فروش
ہلکا ہوا جو دیگ کا پیندا غضب ہوا

بتائیے جناب میر صاحب شعر میں کیا ہے کیا یہ شعر ان کی طرف منسوب کرنے کا ہے

تیاری آج رات کہیں رہنے کی سی ہے
کس خانماں خراب کے لئے مہ تو گھر چلا

بس اپنی تقریر یہ کہہ کے ختم کرتا ہوں کہ دہلی کی ہر ہر فرد لاجواب ہر ہر
شاعر انتخاب میں سب کی عزت کرتا ہوں۔ اگرچہ ادب و زبان پر شعرائے
دہلی کا احسان اسی طرح یہ بھی کہتا ہوں کہ لکھنؤ میں ایسی فردیں بھی
گزری ہیں جن کی مثال ناممکن۔ خصوصاً آتش کے بعد خوش گوئی میں
تعشق کہ جن کی نظیر قیامت تک دنیا پیش نہ کرسکے گی۔ یہ جو کچھ میں نے کہا
صرف بطور جواب مجھ سے حضرات ناراض نہ ہوں۔ رطب و یابس ہر ایک
کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ عیب سے کوئی بچ نہ سکا۔

(شاہزادے صاحب کی طرف دیکھ کے)

جناب سید صاحب تعشق کی دو غزلیں غیر مطبوعہ دستیاب ہوئی ہیں۔ ان کو
سنا کے اس موضوع پر بحث کو ختم کردوں۔

شاہزادے صاحب:۔ ضرور سنائیے مجھے تو اُن کے کلام کا اشتیاق ہے پھر غیر مطبوعہ۔
شیخ صاحب:۔ للّٰلہ سنائیے اب تاب ضبط نہیں۔

اُستاد ۔ ملاحظہ ہو ۔ یہ غزل دیوان میں یا کہیں اور ابھی تک طبع نہیں ہوئی ہے ۔

غزل

رویا بہت جو باغ میں صیاد آگیا کچھ حالِ قیدیانِ قفس یاد آگیا

(سب دیر تک مدح کرتے رہے جھومتے رہے)

کوئی نظر جو خانۂ برباد آگیا ویرانہ اپنے دل کا مجھے یاد آگیا

(کمرے سے واہ واہ کی آوازیں بلند ہوئیں ۔)

بھولی جو یادِ زلف تو رُخ یاد آگیا سایہ سے دھوپ میں دلِ ناشاد آگیا

(اس مطلع کی شیخ صاحب نے بڑی تعریف کی) (سب نے مدح کی)

جوہر نہیں اثر ہے مرے خونِ گرم کا مُنھ تیری تیغ کا ستم ایجاد آگیا

(شاہزادے صاحب نے اس شعر کی بہت تعریف کی)

ناسُور تھا جو سینے میں اُس اک نگاہ سے بڑھ کے جگر سے تا دلِ ناشاد آگیا

(شیخ صاحب بہت زیادہ محظوظ ہوئے)

باریکیاں دکھائیں جو نقشے نے یار کے تصویر کھینچتا تجھے بہزاد آگیا

(دوست اچھل پڑے دیر تک مدح کرتے رہے ۔)

اُستاد ۔ اب جو شعر سُناتا ہوں ۔ آپ حضرات بے چین ہو جائیں گے ۔

دیکھی نہ ہم نے ایک نفس بھی چمن کی سیر آنے کو تھی نسیم کہ صیاد آگیا

(اہل بزم بیتاب ہو گئے ہائے ہائے کے نعرے بلند ہونے لگے ۔ واہ جناب کیا شعر سُنایا ہے ۔

گلشن کے در پہ دفن کیا مجھ کو بعد نزع — غصّہ میں رحم بھی تجھے صیاد آ گیا

(سب نے بہت تعریف کی)

ہاتھ اس ادا سے یار نے کھینچا کھلی نہ مُٹھ — دستِ جنوں میں دامنِ فصّاد آ گیا

(شاہزادے صاحب بے چین ہو کے کہنے لگے اس کا تو تحسین کا جواب نہیں)

گھر سے بڑھا وہ سرو جو گلگشتِ باغ کو — گلشن کے در پہ صحن سے شمشاد آ گیا

(اہلِ بزم وجد میں جھومنے لگے)

تر دامنوں کے قطرۂ دل ہو گئے محیط — تیرا جو اے کریم کرم یاد آ گیا

(جوش میں آب دیدہ ہو کے سب تعریف کرنے لگے۔)

اُستاد مقطع یاد نہیں۔ غزل آپ حضرات نے ملاحظہ فرمائی۔

شیخ جی صاحب۔ ایک ایک شعر موتیوں میں تولنے کے قابل۔ اہلِ لکھنؤ کو قدر نہیں۔ اس ہستی کا جواب نہیں۔

شاہزادے صاحب۔ جناب نے دو غزلوں کا وعدہ کیا تھا ایک سنائی۔

اُستاد۔ پھر کبھی سناؤں گا۔ اب تھک گیا ہوں۔

دوست دوسری غزل جناب کو سنانی ہو گی۔ دل بیتاب ہے۔ تشنہ نہ چھوڑیئے۔

اُستاد۔ آپ کی خوشی۔ ملاحظہ ہو۔ مگر جب غزل سُنا لوں۔ تو تعریف کیجئے گا۔

غزل جناب تعشق علیہ الرحمہ

(غیر مطبوعہ)

ہمیشہ مبتلائے عشقِ چشمِ یار رہنا تھا
مری تقدیر میں صحت نہ تھی بیمار رہنا تھا

متاعِ دین و دنیا لٹ گئی اللہ ری غفلت
مجھے اس دشت آفت خیز میں ہشیار رہنا تھا

گلوں سے دور رکھا مثلِ بلبل نغمہ سنجی نے
ہمیں خاموش مانندِ زبانِ خار رہنا تھا

کیا شرمندہ مجھ کو خشک ہو کر دشتِ غربت نے
تمھیں اے آبلو رطب اللسانِ خار رہنا تھا

تری تلوار نے تن سے اتارا بارِ سر قاتل
سبکدوشی ہوئی حاصل مگر یہ بار رہنا تھا

غضب ہے وصل کی شب بھی رہے وہ شام سے آ کر
تجھے اے بختِ خفتہ ایک شب بیدار رہنا تھا

ہماری خاک سے وہ رشکِ گل دامن کشاں گزرا
دلِ پُر داغ میں یہ زخمِ دامن دار رہنا تھا

کسی نے بھی نہ پوچھا تیرے بیمارِ محبت کو
شبِ فرقت تھی وہ تنہا رات بھر بیدار رہنا تھا

پریشاں کون ہوگا کس کو ہوگا رنج بعد اپنے
برنگِ زلف اپنا آپ ماتم دار رہنا تھا

ادھر دم تن سے نکلا تو ادھر رخصت ہوا اس سے
لحد تک ساتھ اسے دردِ فراقِ یار رہنا تھا

قناعت ہم کو سنگِ کودکاں سے ہو تو کیونکر ہو
کہ سر کو زیرِ بارِ منتِ کہسار رہنا تھا!

کبھی دیکھا نہ اس کو دیکھنے کی جب کہ حسرت تھی
مری آنکھوں میں تیرا اے نظر بیکار رہنا تھا

مرے تارِ نظر کو صورتِ آئینہ حیرت ہے
ہمیشہ صرفِ خاکِ پردۂ دیدار رہنا تھا

موئے ہم آپ کو وہ جب تھی حسرت شامِ فرقت کی
ہمیں نیند آ گئی تھی آج آپ کو بیدار رہنا تھا

گلے ملنے نہ پائے اور نہ دیکھا ہم صفیروں کو
ہمیں اے باغباں اس باغ میں بیکار رہنا تھا

ہمارے دستِ وحشت کو خدا کا خوف آتا ہے
تری تقدیر میں اے زخم دامن دار رہنا تھا

قیامت ہوگئی برپا مرا پتلا بنا جس دم — مجھے دنیا میں پامال خرام یار رہنا تھا
بہت نازک ہیں دل افتادگان کے لئے — تجھے ہم سے الگ اے سایۂ دیوار رہنا تھا

بس جناب اس غزل کا بھی مقطع نہیں ہے۔

شاہزادے صاحب:- افسوس یہ غزل دیوان میں نہیں - ہائے کیا کلام ہوتا تھا۔

شیخ صاحب:- لکھنؤ کی بات رکھنے والی ہستی یہی ہے۔

دوست - جب ہی تو تمام شعرائے متقدمین و متاخرین کے مقابلہ میں تنہا جناب تعشق کی ذات لکھنؤ کی طرف سے بہ حیثیت نوحہ گوئی پیش کی جا چکی ہے۔

استاد - اس میں کلام ہی کیا ہے۔

(دیر تک نشست رہی - پُرانے تذکرے ہوتے رہے - پان حقہ کا دور چلتا رہا - تقریباً ۱۲ بجے صحبت برخواست ہوئی)

شاہزادے صاحب - (چلتے چلتے) جناب کی وہ دلکش و پُر مغز گفتگو ہوتی ہے کہ دل چاہتا ہے کہ یہاں سے نہ جائیے:

استاد - آپ کا کفش خانہ ہے تشریف رکھیے۔

شاہزادے صاحب - انشاء اللہ تعالیٰ پھر حاضر ہوں گا - (ہنس کے)

استاد - ہمارے جناب شیخ صاحب بھی تشریف لائیں گے۔

شیخ صاحب - جناب میر صاحب میں کل دہلی چلا جاؤں گا - آئندہ مہینے میں حاضر ہونے کا ارادہ ہے - ضرور شرف زیارت سے مشرف ہوں گا - خدا حافظ۔

استاد و دوست - خدا حافظ - خدا حافظ۔

شاہزادے صاحب - حوالہ امام ضامن ثامن علیہ السلام کہتے ہوئے رخصت ہوگئے - دولت

بھی رخصت طلب ہو کے تشریف لے گئے۔

حسبِ دستور روزانہ دوست تشریف لاتے رہے۔ پر لطف نشست ہوتی رہی
موافق معمول ہفتہ کے روز نواب صاحب آ گئے۔ استاد مع دوست بیٹھکے میں
تشریف فرما تھے بعد آداب و تسلیمات استاد کے سامنے بیٹھ گئے۔
استاد نے مزاج پرسی کے بعد دریافت فرمایا کہ کہیئے نواب صاحب کیا لائے۔
نواب صاحب۔ حضور مرثیہ لایا ہوں اصلاح فرما دیجئے۔
استاد۔ پہلا مرثیہ ہے؟
نواب صاحب۔ جی ہاں یہ پہلا مرثیہ ہے۔
استاد۔ سنائیے۔ غزل تو آپ خوب کہتے ہیں۔ دیکھوں مرثیہ کیسا کہا ہے۔
نواب صاحب۔ حضور مطلع عرض کیا ہے۔

اصلاحات ۳

مرثیہ (مطلع)

(در حال جناب سید الشہدا روحی لہ الفدا)

لکھتا ہوں کربلائے معلّیٰ کی داستاں ۔۔۔ ذرّہ ہے جس کی خاک کا خورشید آسماں
بیتاب جس کی دید کو ہے گلشن جہاں ۔۔۔ جس کی زمیں ہے عرش معلّیٰ ہے بے گماں
حاصل اسی سے خلق میں عزّ و کمال ہے
سوتا جو اس پہ فاطمہ زہرا کا لال ہے

اُستاد - وہ چیزیں آپ کو بتانا چاہتا ہوں جن پر اساتذہ کا اجماع ہے یعنی کوئی اختلاف ہی نہیں - مرثیہ بغیر ان حدود کے مرثیہ کہنے کے قابل نہیں ہوتا -

آپ نے مطلع کہہ کے پڑھا لیکن پہلے چار مصرع صرف مقفیٰ ہیں - مردف نہیں - مطلع کے لیے مُردف ہونا ضروری ہے - مردف ہونے سے مطلع میں شان پیدا ہو جاتی ہے حضرت تعشق علیہ الرحمہ کے ایک مرثیے کا مطلع سُناتا ہوں کہ دیکھیے مردف ہے - اور ردیف سے مصرعوں میں کس قدر جلالت پیدا ہو گئی -

(مطلع)

ہے جوش قلزمِ غضبِ ذوالجلال کو   گھیرا ہے موت نے سپہِ بدخصال کو

آیا ہے غیظ فاتحِ خیبر کے لال کو   ٹکرا رہی سطوتِ شاہی جبال کو

موجِ غضب ہر ایک شکن ہے جبین کی

پانی میں بیٹھنے کو ہے کشتی زمین کی

آپ نے مصرعوں کی بندش - الفاظ کی جلالت دیکھی - پہلے مصرع سے چھٹے مصرع تک جو تعلق ہے - وہ قابل دید ہے - پہلا مصرع (ہے جوش قلزم غضب ذوالجلال کو) اس کے بعد چھٹے مصرع میں (پانی میں بیٹھنے کو ہے کشتی زمین کی) کیا ربط و ضبط کیا سلسلۂ کلام ہے -

لہٰذا آئندہ جب مطلع کہیے گا تو مُردف ضرور ہونا چاہیے - غزل اور دیگر اصناف نظم کے لیے یہ شرط نہیں ہے - یہ شرط صرف مرثیہ کے لیے ہے - یہ بھی بتا دوں کہ خواہ وہ مطلع ہو جہاں سے مرثیہ شروع ہو یا وہ مطلع یا مطلعے جو درمیان مرثیہ میں لگائے جاتے ہیں - اُن کے لیے بھی مردف ہونا ضروری ہے -

نواب ۔ کتنے عرصہ سے غزل کہتا ہوں۔ لیکن آج تک یہ بات معلوم ہی نہ تھی۔
اُستاد ۔ غزل گو ہونے سے انسان مرثیہ گو نہیں ہو سکتا۔ بڑے جور ہیں وہ لوگ جو غزل کہتے کہتے مرثیہ کہہ لیتے ہیں۔ اور پھر اصلاح نہیں لیتے سمجھتے ہیں کہ ہم نے بے عیب کہہ لیا۔ بخدا یہ غلط خیال ہے۔ اگر ٹوکنا شروع کروں تو شاید کوئی بند نہ بچے۔ عمر بھر اصلاح لینے کے بعد بھی انسان یہ نہیں طے کر سکتا۔ کہ ہم مرثیہ بے عیب کہہ سکتے ہیں بڑا اہم کام ہے جسے دنیا نے آسان سمجھ لیا ہے۔ جس کو کچھ نہ بن پڑا مرثیہ تو تیار کر لیا اور اب تو طرز جدید نکلی ہے سُننے کے قابل بندشیں ترکیبیں ہوتی ہیں زیادہ کیا کہوں۔ آپ کا وقت خراب ہوگا۔

دوست ۔ مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی بھی گئی ۔ جہاں فاتحہ خوانی ۔ نوحہ خوانی ۔ نثر خوانی ۔ کتاب خوانی ۔ سوز خوانی کی مجلس فاتحہ خوانی ہوگئی ۔ مرثیہ خوانی بھی اب لب بام ہے۔ جہاں دس حدیث خوان پڑھتے ہیں ایک مرثیہ خوان بھی یہ سمجھ کے بلا لیا جاتا ہے کہ اہل تعصبہ یا بستی والے اعتراض نہ کریں۔ وہ بھی ایک سال کے لیے دوسرے سال غریب مرثیہ خوان بدل دیا جاتا ہے ۔ حدیث خوان ہمیشہ بلائے جاتے ہیں۔

اُستاد ۔ اس کی وجہ حقیقتاً ذوق نظم کی کمی ہے ورنہ ایسا نہ ہوتا۔

(نواب کی طرف دیکھ کے)

آپ نے بیت اچھی نہیں لگائی خصوصاً چھٹا مصرع بہت سست ہے بلکہ یوں کہوں کہ تعقید ہے ۔ دور اوّل میں مختصراً تنقید کی بحث چھیڑ چکا ہوں۔ آج بالتفصیل تقریر کرتا ہوں۔ سُنیئے ۔

(تعقید)

پہلے یہ بتا دوں کہ نثر کی ترتیب الفاظ اکثر و بیشتر شعر میں باقی نہیں رہتی وزن کی پابندی خواہ کوئی بحر ہو۔ مجبور کرتی ہے کہ ترتیب نثر باقی نہ رہے۔ اور تغیر ہو جائے شاعر کو بوقت غور و فکر اس کا مجاز قرار دیا گیا ہے کہ وہ ترتیب الفاظ اپنے موزوں شعر میں بدل دے مگر اس طرح کہ ترتیب سے کوئی دوسرے معنی سمجھ میں نہ آئیں جو مقصود شاعری کے خلاف ہوں۔ یا ترتیب اس عنوان کی ہو جسے طبع سلیم گوارا نہ کرتی ہو۔ اور مکروہ ہو شعر مہمل نہ ہو جائے۔ متفکر یعنی شاعر ہی اس بات کو خوب سمجھ سکتا ہے کہ میں نے جو ترتیب الفاظ شعر میں رکھی ہے یہ کس حد تک مطبوع یا نامطبوع ہے۔

اگر شاعر محسوس کرتا ہے کہ ترتیب سامع کے لیے نامطبوع ہو گی تو وہ اسی وقت یا بعد کو بدلنے کی ضرور کوشش کرتا ہے۔

اُستاد اپنے شاگرد کو مشق کراتا ہے کہ لفظ ترتیب شعر بدلنے کی کماحقہ عادت پڑ جائے حتی الامکان تو اسی امر کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ کہ ترتیب نثر نظم میں بالکل باقی رہے۔ مجبوراً فرق کرنا پڑتا ہے سنہ یا یہ ترا ایسا ہی ہوتا ہے کہ ترتیب بدل جاتی ہے بہت کم شعر دنیا کے ایسے ملیں گے جن میں ترتیب نظم بالکل نثر سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ جو شان نثر ہوتی ہے بالکل وہی شان نظم ہو مثلاً خدائے سخن حضرت انیس رح کا شعر۔

کہتے تھے اعدا کہ بچے بھی علیؑ کے شیر ہیں

جب بڑھ جاتے ہیں تو پھر پیچھے قدم رکھتے نہیں

یا خدائے سخن حضرت تعشق رح کی غزل کا یہ مطلع۔

شب ہجر تھی اور میں رو رہا تھا
کوئی جاگتا تھا کوئی سو رہا تھا

یا یہ شعر۔

شب ہجر تھی میں بدلتا تھا پہلو
زمانہ اِدھر کا اُدھر ہو رہا تھا

جو ترتیب نثر کی شان بعینہ ترتیب نظم کی ہے۔ یوں آپ قدرے تغیر کرسکتے ہیں لیکن ضرورت تغیر نہ ہونا مطابقت نثر و نظم کے لیے کافی ہے یا خدائے سخن حضرت عشق رح محقق لکھنوی کے مرثیہ کی ایک بیت واقعاً اس سے بہتر تو نثر بھی نہیں ہوسکتی جناب سید الشہدا فرماتے ہیں۔

عباسؑ مرگئے علی اکبرؑ جدا ہوا
ہم سے کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ کیا ہوا

یا حضرت دبیر رح کے مرثیے کے ایک بند کی بیت۔

گرا ہوا علیؑ کی مدد سے سنبھل گیا
عقرب سے چاند چاہ سے یوسف نکل گیا

نواب۔ یہ تعقید صرف اردو والوں کے یہاں پائی جاتی ہے یا ایران وعرب کے شعرا کے یہاں بھی ہے۔

اُستاد۔ ہاں یہ سوال آپ نے کیا۔ سُنیئے۔

تعقید نثر میں بھی ہوتی ہے اور نظم میں بھی ہوتی ہے۔ جہاں نثر و نظم پایئے سمجھ لیجئے

کہ تعقید پائی جاسکتی ہے۔ عرب نہ عجم کیا بلکہ آج ربع مسکوں کی جتنی زبانیں ہیں
سب کے کلام میں تعقید کا مسئلہ پیش ہو سکتا ہے۔ یہ خصوصیت ہندستان کے لیے
یا یوں کہوں کہ اردو کے لیے مخصوص نہیں ہے۔

اب ضرورت شعر کا سوال رہا کہ اتفاق مجبور کر رہا ہے کہ فلاں لفظ شعر میں ضرور
آئے۔ اور وزن پورا کیا جائے۔ لاکھ مجبوری وزن ضرورت نظم کی پابندی ہو
لیکن اگر تعقید پائی جائے گی۔ تو عیب میں شمار ضرور ہوگا۔

تعقید کے لیے بس اس قدر سمجھنا کافی ہے کہ زبان و محاورہ و طبع سلیم جس کی
اجازت دے سکتی ہو۔ اگر طبع سلیم اجازت نہ دے تو وہ تعقید معیوب ہے۔ اور
اگر طبع سلیم اجازت دے کہ نہیں یہ تعقید مستحسن ہے تو عیب نہیں۔ کہیں شاعر تعقیداً
نظم کرتا ہے۔ اور نکتہ چین اُسے تعقید کہہ کے عیب کو شاعر کے ذمہ لگا دیتے ہیں۔
کبھی تعقید نہیں ہوتی ہے اور کاتب صاحب اُلٹ پھیر کر کے نظم میں تعقید واضح
پیدا کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ خدائے سخن تعشق رح کے مختصر سے دیوان میں ایک غزل
ہے جس کا شعر یہ ہے۔ جو مسودہ میں میں نے خود پڑھا ہے اور یہ مسودہ میرے
پاس موجود ہے۔ جن صاحب کو شک ہو دیکھ سکتے ہیں۔

سر کو ٹکرا کے نہ مر جائیں اسیرانِ قفس
شور اتنا تو نہیں برگ خزاں لازم ہے

اسے کاتب صاحب نے یوں لکھ دیا۔

سر کو مر جائیں نہ ٹکرا کے اسیرانِ قفس
شور اتنا تو نہیں برگ خزاں لازم ہے

بھلا فرمائیے کہ اتنے عظیم المرتبت مشاق کے کلام میں ایسی تعقید پائی جائے گی جو مصرع اُولیٰ میں ہے۔ نہیں حقیقتاً کاتب صاحب نے اپنے اجتہاد سے کام لیا ہے۔ ہمارے جناب سید مسعود حسن صاحب ادیب معلم و مدرس ادب اُردو لکھنؤ یونی ورسٹی نے اپنی کتاب (ہماری شاعری) میں مختصر سی بحث تعقید کی ہے فرماتے ہیں (لفظوں کی ترتیب قواعد زبان اور اصول بیان کے متعلق ہو۔ یعنی اگر شعر کی نثر کریں۔ تو بھی لفظ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں محاورے اور روزمرّے کی پابندی بھی شعر میں حُسن اور اثر پیدا کر دیتی ہے اور اس سے خاص و عام سب لُطف اٹھاتے ہیں۔

دوست۔ جناب ادیب کی عبارت میں (روزمرے) ہے غالباً روزمرّہ کی جمع بنائی ہے

اُستاد۔ جمع صحیح بنائی ہے۔ بلکہ ہے۔ غالباً کاتب نے (روزمرّہ) کی جگہ (روزمرّے) لکھدیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ جناب مُصنّف (ہماری شاعری) بصورت جمع استعمال فرمائیں گے۔ کیونکہ اس کا استعمال لکھنؤ میں نہیں ہے۔

دوست۔ اگر خود سمجھ کے موصوف نے صرف کیا ہو تو آپ کیا فرمائیں گے۔

اُستاد۔ میں روزمرّہ کی جمع بھی روزمرّہ ہی استعمال کروں گا۔ جناب مصنّف کو اختیار ہے وہ استعمال کرسکتے ہیں۔ اس لیے کہ بعض حضرات نے استعمال کیا ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اہل لکھنؤ نہیں بولتے۔ اس لیے میں احتیاط کروں گا۔ اسے معاذ اللہ میرا کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ شاید اعتراض سمجھے۔

دوست۔ میں تو یہی سمجھا تھا کہ آپ ایراد کر رہے ہیں۔

اُستاد۔ بخدا ایراد نہیں۔ اپنا خیال ظاہر کرنا مقصود تھا بہت سے مسائل ایسے ہوتے

ہیں کہ علمار کو اختلاف ہوتا ہے۔ لیکن ایک دوسرے کے اختلاف کو غلط نہیں کہتا
ان کا خیال اپنی جگہ صحیح۔ میرا خیال اپنی جگہ قائم۔
جناب مصنف (ہماری شاعری نے یہ بھی لکھا ہے کہ (اگر شعر کا وزن مجبور کرے تو لفظوں
کی ترتیب میں فرق کرنا جائز ہے مگر صرف اتنا کہ معنی سمجھنے میں دقت نہ ہو اور کانوں
کو ناگوار نہ ہو بلکہ بغیر غور کئے ہوئے اس فرق کا احساس بھی نہ ہو) دوسرے
مقام پر فرماتے ہیں (لفظ اپنی جگہ سے جتنی دور ہٹ جائیں گے اتنی ہی عبارت
کانوں کو بری لگے گی۔ اور مطلب سمجھنے میں دقت اور غلطی کا احتمال بھی اتنا ہی زیادہ
ہوجائے گا) شیخ ناسخ مرحوم کا ایک شعر پیش کیا ہے۔

ذبح وہ کرتا تو ہے پر چاہیئے اے مرغ دل
دم پھڑک جائے تڑپنا دیکھ کر صیاد کا

جناب ناسخ کے اس شعر کے متعلق اپنا خیال یوں ظاہر فرمایا ہے۔ دوسرا مصرع
ذہن کو اس مفہوم کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ کہ صیاد کا تڑپنا دیکھ کر مرغ دل
کا دم پھڑک جائے مگر مطلب سعدی در گلستت۔ شاعر کو تو یہ کہنا ہے کہ مرغ دل
کا تڑپنا دیکھ کر صیاد کا دم پھڑک جائے کہنے والے نے کیا کہا اور سمجھنے والے نے کیا سمجھا
غلط فہمی کیوں ہوئی۔ صرف اس لیے کہ لفظ ادھر کے ادھر ہو گئے کلام کے اس
عیب کو تعقید لفظی کہتے ہیں۔ اس کے بعد جناب تعشق علیہ الرحمہ کا یہ شعر لکھا ہے۔

سر کو مرجائیں نہ ٹکرا کے اسیران قفس
شور اتنا نہیں اے برگ خزاں لازم ہے،

فرماتے ہیں (اس شعر کے دونوں مصرعوں میں تعقید لفظی موجود ہے دوسرے

ہیں کہ علمار کو اختلاف ہوتا ہو۔ لیکن ایک دوسرے کے اختلاف کو غلط نہیں کہتا ان کا خیال اپنی جگہ صحیح۔ میرا خیال اپنی جگہ قائم۔

جنابِ مصنف (ہماری شاعری نے یہ بھی لکھا ہو کہ اگر شعر کا وزن مجبور کرے تو لفظوں کی ترتیب میں فرق کرنا جائز ہو مگر صرف اتنا کہ معنی سمجھنے میں دقت نہ ہو اور کانوں کو ناگوار نہ ہو بلکہ بغیر غور کئے ہوئے اس فرق کا احساس بھی نہ ہو) دوسرے مقام پر فرماتے ہیں (لفظ اپنی جگہ سے جتنی دُور ہٹ جائیں گے اتنی ہی عبارت کانوں کو بُری لگے گی۔ اور مطلب سمجھنے میں دقت اور غلطی کا احتمال بھی اتنا ہی زیادہ ہو جائے گا) شیخ ناسخ مرحوم کا ایک شعر پیش کیا ہو۔

ذبح وہ کرتا تو ہو پر چاہیے لے مُرغ دل
دم پھڑک جائے تڑپنا دیکھ کر صیّاد کا

جناب ناسخ کے اس شعر کے متعلق اپنا خیال یوں ظاہر فرمایا ہو۔ دوسرا مصرع ذہن کو اس مفہوم کی طرف کھینچ لے جاتا ہو۔ کہ صیاد کا تڑپنا دیکھ کر مرغ دل کا دم پھڑک جائے مگر مطلب سعدی دیگر است۔ شاعر کو تو یہ کہنا ہو کہ مرغ دل کا تڑپنا دیکھ کر صیّاد کا دم پھڑک جائے کہنے والے نے کیا کہا اور سمجھنے والے نے کیا سمجھا ...غلط فہمی کیوں ہوئی صرف اس لیے کہ لفظ ادھر کے اُدھر ہو گئے کلام کے اس ...ب کو تعقید لفظی کہتے ہیں۔ اس کے بعد جناب تعشق علیہ الرحمہ کا یہ شعر لکھا ہو۔

سرکو مرجائیں نہ ٹکرا کے اسیرانِ قفس
شور اتنا نہیں اے برگِ خزاں لازم ہو ر

فرماتے ہیں (اس شعر کے دونوں مصرعوں میں تعقید لفظی موجود ہو دوسرے

مصرع میں تعقید کا عیب بہت نمایاں ہے لیکن پہلے مصرع میں جو تعقید ہے وہ اس
سے زیادہ قابلِ اعتراض ہے اس لیے کہ قافیہ اور ردیف کی پابندی دوسرے مصرع
کے لفظوں کو اپنی جگہ سے ہٹنے نہیں دیتی لیکن پہلے مصرع کی بعض لفظوں کی ترتیب
آسانی سے اس طرح بدلی جا سکتی تھی کہ صرف خفیف سی تعقید باقی رہ جاتی
اگر یہ مصرع یوں ہوتا اور غالباً کاتب کی اصلاح سے پہلے یوں ہی ہوگا۔

سر کو ٹکرا کے نہ مر جائیں اسیرانِ قفس

تو لفظوں کی ترتیب اگرچہ بالکل نثر کی سی نہ ہو جاتی۔ مگر تعقید کا احساس بھی نہ ہوتا

دوست۔ حضرت ادیب نے شیخ ناسخ کے یہاں تو کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ تعقیدِ لفظی موجود ہے
اور جناب تعشق کے مصرعوں میں بھی فرمایا کہ تعقید ہے بلکہ دوسرے مصرع میں تو یہ
فرمایا کہ تعقید کا عیب بہت نمایاں ہے۔

استاد۔ حضرت ادیب مدظلہ نے درست فرمایا۔ تعقیدِ لفظی موجود ہے اگر اس قدر عبارت کا
اور اضافہ فرما دیتے تو بہتر تھا کہ اس عیب تعقید سے بڑے بڑے شعرائے دہلی و لکھنؤ
محفوظ نہ رہ سکے۔ تو زیادہ بہتر ہوتا اختصارِ عبارت یہ بتاتا ہے کہ اس عیب کے نظم
کرنے والے صرف ناسخ اور تعشق ہی تھے۔

دوست۔ کیا اور شعرائے کاملین کے یہاں یہ عیب تعقید ہے۔

استاد۔ بے شک بہت واضح طور سے موجود ہے۔ بلکہ مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ کوئی استاد
ایسی تعقید سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ بس فرق یہ ہے کہ کہیں تعقید کم پائی جاتی ہے
کہیں زیادہ۔

تعقید دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک معنوی اور دوسری لفظی۔ معنوی تعقید کی

دو ایک مثالیں سُناتا ہوں۔ غالب کہتے ہیں۔

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

شاعر کہتا ہے کہ آئینہ پر جو خط پڑتا ہے وہ الف کے مثل ہوتا ہے گو آئینہ ابھی بالکل مبتدی ہے۔ الف ہی کی مشق کر رہا ہے لیکن میرا چاک گریباں کہ جو بصورت الف ہے اس کی ہزاروں صورتیں بدل گئیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آئینہ گریباں چاکی کی مشق میں مبتدی ہے اور میرا گریبان آئینہ کے مقابل میں انتہائی منزل پر ہے۔ اب دیکھنے کی یہ چیز ہے کہ غالب جس مطلب کو ادا کرنا چاہتے تھے اس میں کس قدر بھیڑ ہوگیا مفہوم شعر جلدی سمجھ میں نہیں آتا یہی تعقید معنوی ہے اسی طرح ایک شعر آتش کا بھی پڑھتا دوں تاکہ دنیا یہ نہ کہے کہ غالب دہلوی تھے۔ اعتراض کیا کسی لکھنوی کی مثال پیش نہیں کی۔ آتش کا شعر ہے۔

گُل کو قبا پہن کے تو اے کج کلاہ کاٹ
مارِ سیاہ زلف سے سنبل کی راہ کاٹ

شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے محبوب تو قبا پہن کے پھول کو شرمندہ کر دے اور اپنی زلفِ سیاہ کے سانپ دکھا کے سنبل کو شرمندہ کر دے۔ خجل کرنے کے لیے راہ کاٹنا استعمال کیا ہے یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ اسی کو معنوی تعقید کہتے ہیں غالب کے کلام میں ایسے شعر اور بھی ہیں جن کو بہ خوف طوالت چھوڑتا ہوں تعقید لفظی یہ ہے کہ تقدم و تاخر الفاظ اور وصل و فصل الفاظ میں جو ہونا چاہیے باقی نہ رہے اس کی مثال ناسخ لکھنوی کا شعر ہے۔

ذبح وہ کرتا تو ہو پر چاہیئے اے مرغِ دل
دم پھڑک جائے تڑپنا دیکھ کر صیاد کا

داغ دہلوی کا شعر ہو۔

زمیں کے حال پہ اب آسمان روتا ہو
ہر اک فراق مکیں میں مکان روتا ہو

مطلب شاعر یہ تھا کہ ہر مکین کے فراق میں مکان روتا ہو اس کو یوں ادا کیا۔

غالب دہلوی کا شعر ہو۔

لیتا نہ اگر دل تمھیں دیتا کوئی دم چین
کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغاں اور

مطلب شاعر یہ ہو کہ اگر تمھیں دل نہ دیتا تو کوئی دم اور چین لیتا اور اگر نہ مرتا تو کچھ روز اور آہ و فغاں کرتا۔ مگر ترتیب اصول شاعری سے کس قدر علٰحدہ ہو اسی کو تعقید لفظی کہتے ہیں۔ بعض کا خیال ہو کہ تعقید کو شعرائے عجم صنعت سمجھتے ہیں یہ بالکل غلط ہو عیب کو صنعت نہیں سمجھتے۔

نواب۔ حضرت ادیب مدظلہ نے جناب تعشق کے پہلے مصرع کو۔

سر کو مر جائیں نہ ٹکرا کے اسیران قفس

کے متعلق تو تحریر فرمایا ہو کہ غالباً کاتب کی اصلاح سے پہلے یوں ہو گا۔

سر کو ٹکرا کے نہ مر جائیں اسیران قفس

اور یہ ان کی منصف مزاجی ہو۔ انھوں نے غالباً کا لفظ استعمال فرمایا ہو میں کہتا ہوں کہ یقیناً مصرع یوں ہی تھا ہو۔ یعنے۔

سر کو ٹکرا کے نہ مرجائیں اسیران قفس

لیکن ایک سطر ایسی لکھ دی ہے جس سے مجھے اختلاف ہے۔

نواب۔ حضور یہ تو لفظوں کی ترتیب اگرچہ بالکل نثر کی سی نہ ہوجاتی مگر تعقید کا احساس ہی نہ ہوتا۔

اُستاد۔ جی ہاں مجھے بھی عبارت کھٹک رہی ہے۔ غور تو کیجیے جب یہ طے کرلیا کہ کاتب کی غلطی ہے۔ اور صحیح مصراع طے کرلیا پھر (تعقید کا احساس نہ ہوتا) کیا معنی اور ترتیب کا بالکل نثر کی سی نہ ہوجانا کیا معنی۔

میں کہتا ہوں کہ ترتیب بالکل نثر کی سی ہوگئی اور تعقید کا احساس کیا بلکہ تعقید کا مفہوم بھی دماغ میں نہیں آسکتا۔ صحیح پڑھنے کے بعد مصرع میں تعقید کا نام بھی نہیں ہے۔ رہا دوسرا مصرع،

شور اتنا نہیں اے برگِ خزاں لازم ہے

بے شک تعقید ہے مگر بندہ نواز وہی جواب جو دے چکا ہوں کہ یہ عیب قریب قریب تمام اساتذہ کے یہاں موجود ہے۔ لیں اسی قدر جواب کافی ہے۔ اور جناب نقش علیہ الرحمہ کے پہلے مصرع کی مثال بالکل غالب دہلوی کے اس مصرع کی سی ہے۔

منھ سے کس کرتے ہو غربت کی شکایت غالب

اگر اصل پوچھیے تو دہلی یا لکھنؤ کا بچہ بھی ایسا مصرع نہ نکالے گا صرف کاتب کی اجتہادی قوت کا نتیجہ ہے۔ ورنہ میرے خیال میں یہ مصرع یوں ہوگا۔

کرتے کس منھ سے ہو غربت کی شکایت غالب

گو جناب ادیب مدظلہ کے نظریہ کے اعتبار سے غالب کے مصرعوں میں ویسی تعقید اب
بھی پائی جاتی ہے۔ یعنی دونوں مصرع ایک طرح کے ہوگئے۔ ،، تعقید اب

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
شور آشنا نہیں اسے برگِ خزاں لازم ہے (تعشق)

اگر غالب کے مصرع صحت کے بعد صحیح مانئیے گا تو تعشق کا مصرع ثانی بھی صحیح
ماننا پڑے گا۔ ورنہ دونوں میں عیب مانئیے۔

دوست۔ واللہ مصرع تو خوب سنایا۔ غالب کے مصرع کی مثال خوب پیش کی میں تو آپ
کی ذہانت کا قائل ہوں۔

استاد۔ ذہانت وحافظہ کی بات نہیں جو کوئی زیادہ مطالعہ کرتا ہے اس میں یہی قوت پیدا
ہوسکتی ہے۔ یا کتاب دیکھا کیجئے یا دنیا کی شوق کیجئے۔ دیکھئے میں سوائے کتب بینی
کے دوسرا کوئی شوق نہیں کرتا۔

دوست۔ میں تو آپ کی کتب بینی سے عاجز ہوگیا کتب بینی سے آپ کا دل نہیں الجھتا۔

استاد۔ تفریح ہوتی ہے۔ دل خوش ہوتا ہے۔ خون بڑھتا ہے۔

(نواب کی طرف دیکھ کے)

ایک بات اور یاد آگئی کہتا چلوں۔ وہ یہ کہ جناب تعشق کے دوسرے مصرع کے
لیے میں نے جس طرح غالب کا مصرع پیش کیا۔ جو دہلوی تھے۔ ایک شعر عرب کے شاعر
کا سناتا ہوں۔ جو بہت بڑا مشہور شاعر ہے جسے فرزدق کہتے ہیں۔ جو شعر تقریباً
چھ سو برس قبل سے اسی طرح کتابت ہوتا چلا آرہا ہے۔

وما مثله فی الناس الا مملکا - ابو امه حی ابوه یقاربه

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ((اور مثل اس کا لوگوں میں نہیں ہے۔ سوا بادشاہ کے جس کا نانا کوئی انسان نہیں۔ اُس کا باپ ہے۔ جو اس مرتبہ پر فائز ہو سکے اسی شعر میں علاوہ تعقیدات کے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جس کا نانا اُس کا باپ ہے کے درمیان (حیٌّ) آگیا۔ حقیقتاً فرزدق کو یوں کہنا چاہیے تھا۔

ابو اُمہ ابوہ حیٌّ یقاربہ

(ترجمہ) جس کا نانا اُس کا باپ ہے کوئی انسان جو اس کے مرتبہ کو پہونچے بڑے بڑے مدرسین طلبہ کے سامنے۔ شعرا تلامذہ کے سامنے تعقید کی مثال میں فرزدق کا شعر پیش کرتے ہیں۔

حقیقت یہ نہیں ہے۔ یہاں کاتب کی خامہ فرسائی کا نتیجہ ہے وہ یہ کہ یہ شعر عبدالملک کے ماموں کی شان میں نظم کیا ہے بلکہ یوں کہوں کہ ایک قصیدہ بحر طویل میں فرزدق نے کہا ہے۔ جس کا یہ ایک شعر ہے۔ کاتب نے ترتیب بدل دی۔ اگر یوں پڑھا جائے جب بھی قباحت نہیں۔

ابو امہ ابوہ حی یقاربہٗ

کیونکہ فرزدق اُس زمانے کے شعرا میں ہے جب فن عروض نہ تھا مگر ایسا تھا کہ خلیل نے اُس کے کلام سے علم عروض ایجاد کیا۔ بھلا فرزدق اور اتنی بڑی تعقید جائز سمجھتا۔ میں نے جس طرح ترمیم کرکے آپ کو سُنایا ہے اس طرح بھی مصرع وزن میں ہے۔ اور صحیح ہے۔

دوست۔ جناب کاتب کی غلطی کو نہ کیسے بڑے بڑے انقلاب کر دیئے۔

اُستاد۔ جی درست فرماتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا۔

دوست - اب یہ صرف آپ تک یہ رکھ رکھاؤ مخصوص ہو - اتنی دیکھ بھال کون کرتا ہو۔

نواب - بخدا دیدۂ دل روشن ہو گئے - معلوم ہوتا ہو کہ معلومات کا دریا بہ رہا ہو -

اُستاد - زندگی گزار لایا - تھوڑے دن کا اور مہمان ہوں - میری ایک بیت ہو -

تذکرے سے مرے دل شاد کرے گی دنیا

میں نہ ہوں گا تو مجھے یاد کرے گی دُنیا

گھڑی کی طرف دیکھ کر - اُفوہ بارہ بجنے کو ہیں -

دوست - اب خاصہ نوش فرما کے آرام فرمائیے - میں بھی جاتا ہوں -

نواب - اجازت چاہتے ہوئے کھڑے ہو گئے - اور سلام کر کے رخصت ہوئے -

اُستاد - اور دوست باتیں کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے - ملازم نے کمرہ بند کر دیا۔

اُستاد کیئے سہ پہر کو تشریف لانے کا ارادہ ہو -

دوست - مجھے کام ہی کیا ہو - ضرور حاضر ہوں گا -

دوست خدا حافظ کہتے ہوئے پھاٹک سے نکل کے روانہ ہوئے -

اُستاد مکان میں تشریف لے گئے - بیگم صاحبہ دیر سے منتظر تھیں کئی بار ماما سے کہہ چکی تھیں کہ میر صاحب (اُستاد) کو بلوا لو -

میر صاحب کو آتے دیکھ کر ماما نے جلدی سے دسترخوان بچھا دیا - خاصہ نوش فرما کے مسہری پر بیٹھ گئے حُقّہ نوش فرمانے لگے تھوڑی دیر کتاب کا مطالعہ کر کے آرام کیا - تین بجے بیدار ہو کے نماز پڑھی -

---

دلچسپ تحقیقات ۳

۴ بجے سہ پہر کو اُستاد بر آمد ہوکے اپنے خاص کمرے میں فروکش ہوئے ملازم نے حقہ تیار کرکے سامنے لگا دیا۔ کتاب اُٹھاکے دیکھنے لگے تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ دوست ایک ایسے عجیب الہیئت انسان کو لے کے آ گئے کہ اُستاد دیکھ کے دنگ ہو گئے۔ سلام علیک کے بعد اُستاد نے دریافت کیا کہ آپ کی تعریف۔

دوست۔ آپ کل سے میرے مکان کے قریب ایک نواب صاحب کے یہاں مہمان ہیں اس وقت مجھ سے آپ سے ملاقات ہوئی۔ آپ شاعر بھی ہیں محقق بھی ہیں۔ میں نے آپ کا تذکرہ کیا آپ نے اشتیاق ملاقات ظاہر کیا۔ میں لے آیا۔

اُستاد۔ بہت خوب۔ محقق ہونا تو انسان کے لیے جوہر ہے۔ ورنہ شعر کہنا اور اُستادی کا دعویٰ بے کار ہے۔

نووارد۔ جناب بالکل بجا فرماتے ہیں۔ میں نے اپنا تمام عمر تحقیقات میں صرف کی۔ ہنوز مبتدی ہوں۔

اُستاد۔ بجا ہے۔ دریائے علم ناپیدا کنار ہے۔ جتنا تحقیق کیجیے کم ہے۔

(نووارد نے دوست سے اشارے سے پوچھا کہ استاد سے کچھ دریافت کروں)

دوست۔ ضرور آپ تو ہمہ وقت اسی شغل میں منہمک رہتے ہیں۔ بہت خوش ہوتے ہیں۔

نووارد۔ اُستاد سے دست بستہ کیا اجازت ہے کہ کچھ شکوک رفع کروں۔

اُستاد۔ ضرور فرمائیے۔ اگر علم ہوگا تو عرض کروں گا۔

نووارد - میرے سلام کے مطلع پر ایک معتبر کہنہ مشق بزرگ کا اعتراض ہے وہ یہ کہ ترکیب کے ساتھ عاشورہ کی (ہ) الف نہیں ہو سکتی - میں نے جواب دیا کہ قطرہ میں بھی (ہ) ہے اور عاشورہ کی (ہ) اگر الف نہ ہو تو کیا قباحت ہے اور وہ مطلع یہ ہے

تشنہ لب شبیر تھے پانی کا اک قطرہ نہ تھا
کیا مثال روز محشر روز عاشورہ نہ تھا

اُستاد - معاف فرمایئے گا - نہ ان بزرگ کا اعتراض درست نہ آپ کا جواب اس لیے کہ آپ نے الف کی قید سے غالباً سلام کہا ہے یعنے دریا صحرا وغیرہ -

نووارد - جی ہاں پورا سلام الف کی قید سے ہے -

اُستاد تو مطلع آپ کا اس جواب کے ساتھ صحیح ہے کہ تنہا قطرہ کی (ہ) الف سے بدل گئی لہذا جائز - اور روز عاشورہ میں جسے عوام (ہ) کے ساتھ لکھتے ہیں یہ غلط ہے بلکہ عاشورا الف کے ساتھ لکھنا چاہیے - جب آخر عاشورا میں (ہ) نہیں ہے تو (ہ) کے الف ہونے نہ ہونے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا - لہذا آپ کا مطلع درست ہے -

دوست جناب نے استفسار دیکھا اُستادی ملاحظہ کی -

نووارد - ماشاءاللہ کیا کہنا اب تو دل چاہتا ہے کہ لغوی تحقیقات کروں کچھ نئی مسائل دریافت کروں -

اُستاد - جو مناسب معلوم ہو دریافت فرمایئے حتی الامکان جواب دوں گا -

نووارد - جتنے الفاظ کہ عرض کروں گا - ان کا صحیح تلفظ دریافت کرنا ہے - اور وہ یہ ہیں -

(۱)	دریغ	(۸)	رضوی	(۱۵)	سرشت
(۲)	سُقم	(۹)	رفاقت	(۱۶)	تابعدار
(۳)	عجلت	(۱۰)	دیار	(۱۷)	جہل
(۴)	غلبہ	(۱۱)	دوات	(۱۸)	عجز
(۵)	قرار	(۱۲)	رہن	(۱۹)	گردہ
(۶)	دشق	(۱۳)	زفاف	(۲۰)	گود
(۷)	فولاد	(۱۴)	سجدہ	(۲۱)	سبک

اُستاد ۔ بس اسی قدر الفاظ کی تحقیق مقصود ہے ۔ یا اور بھی ہیں ۔

نووارد ۔ ابھی قابل دریافت بہت سے لغت ہیں ۔ اس وقت صرف اسی قدر دریافت کرنا ہے ۔

اُستاد ۔ جس ترتیب سے آپ نے دریافت کیا ہے ۔ اُسی ترتیب سے صحیح تلفظ بیان کرتا ہوں ۔ عوام جس طرح بولتے ہیں یہ بھی بتاتا چلوں گا ۔

(۱) دریغ ۔ عوام (دال) کو زبر (رے) کو زیر دے کے بولتے ہیں ۔ حقیقتاً صحیح (دال) کو اور (رے) کو زیر دے کے بولنا چاہیئے یعنی (دِرِیغ)

(۲) سقم جس طرح عوام و خواص بولتے ہیں یہ بھی صحیح یعنی (سین) کو پیش دے کے (سین) کو زبر (قاف) کو زبر دے کے بولنا بھی صحیح ہے (یعنی سُقَم) بہت تحقیق کے بعد یہ بھی پتہ چلا ہے کہ سین کو زبر اور قاف کو ساکن بھی بولا جا سکتا ہے ۔ میرے نزدیک نصیح (سین) کو پیش ۔ قاف کو ساکن کرکے بولنا چاہیئے یعنی (سُقْم)

(۳) تجلت۔ عوام علین کو پیش دے کے بولتے ہیں۔ یعنی (تُجلت) صحیح حقیقتاً زیر کے ساتھ ہو۔ یعنی (تِجلت) میرے نزدیک تعلیم یافتہ طبقہ کو صحیح بولنا چاہیے

(۴) غلبہ۔ عوام (غین) کو زبر (لام) کو ساکن کرکے بولتے ہیں۔ ورنہ واقعتاً غین و لام کو فتح دے کے بولنا چاہیے۔ اس کے خلاف غلط ہو۔

(۵) فرار۔ عوام (فا) کو زبر دے کے بولتے ہیں۔ خیر تنہا یعنی بغیر ترکیب صحیح ہو جائے گا۔ لیکن ترکیب کے ساتھ (فا) کو زیر دے کے بولنا چاہیے اس کے خلاف استعمال غلط۔

(۶) دمشق۔ اس لفظ میں بہت سے اختلاف ہیں بعض (دال) و (میم) کو زیر دے کے بولتے ہیں۔ یعنی (دِمِشق) بعض دال کو زیر میم کو زیر دے کے بولتے ہیں۔ یعنی (دِمَشق) بعض دال کو زبر میم کو زیر دے کے بولتے ہیں۔ یعنی (دَمِشق)

صحیح ترین صورتیں صرف یہ ہیں جو میں عرض کرتا ہوں۔ دال کو زیر اور میم کو زبر دے کے بولا جاسکتا ہو۔ یعنی (دِمَشق) دال و میم دونوں کو زیر دے کے بولا جاسکتا ہو جیسے (دِمِشق) لغت صراح میں (ایک صورت اور بھی لکھی ہو۔ دال کو زبر میم کو زیر۔ یعنی (دَمِشق) بہرطور جب لغات میں مختلف حرکات سے ثبوت مل رہا ہو تو جتنی صورتوں سے کہ لغات میں ملے جائز۔ اُن کے خلاف صحت میں کلام۔

(۷) فولاد۔ عموماً (فا) کو زبر واوٗ مجہول کے ساتھ بولتے ہیں۔ لیکن صحیح (فا) کو ضمہ واوٗ معروف ہو (فُولاد) کشف اللغات و شرح نصاب

میں اسی طرح پایا گیا ہے۔

(۸) رضوی۔ عام لوگ (رے) کو زیر (ضاد) کو ساکن بولتے ہیں۔ لیکن صحیح (را) کو زیر (ضاد) کو زبر واؤ کو زیر دے کے بولنا چاہئے۔ یعنی رِضَوی)

(۹) رفاقت۔ اکثر حضرات (را) کو زیر دے کے بولتے ہیں (رِفاقت) صحیح لفظ (رَفاقت) ہے۔ را کو زبر دے کے۔

(۱۰) دیار۔ دال کو زبر دے کے بولنا صحیح نہیں۔ یہ مختار شدہ ہے۔ صحیح دال کو زیر دے کے (دِیار) یہ دار کی جمع ہے جس کے معنی گھر کے ہیں۔ مجازاً ملک و بلاد کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔

(۱۱) دوات۔ عربی زبان کا لغت ہے اس کے معنی وہ ظرف جس میں سیاہی وغیرہ رکھی جاتی ہے۔ مشہور ہے جیسے دوات کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے دوات کو (دَاوات) مدِ الف بھی استعمال کیا ہے۔ منجملہ ان کے جناب مفتی میر محمد عباس صاحب قبلہ محقق عالم مجتہد اتنی بڑی ہستی نے داوات کو نظم فرمایا ہے۔ میری تحقیق میں (داوات) نہیں ہے۔ جناب مفتی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ نے ضرور ملاحظہ فرما لیا ہوگا۔ حضرت دبیر کا مصرع

جب کاغذ و داوات و قلم سامنے آیا

ناسخ جنھوں نے انیس و دبیر پر اعتراضات کا بیڑا اُٹھایا ہے لکھتے ہیں الف زائد ہے یعنی لفظ غلط نظم ہوا ہے۔ مشفق تطہیر الاوساخ نے اس مصرع کو بدل کے یوں صحیح کیا ہے جب سامنے قرطاس و دوات و قلم آیا۔ جناب نواب سعید

جعفر علی خاں صاحب جعفر رئیس شمس آباد نے مصنف تطہیر الاوساخ کے جواب کو صحیح نہ سمجھتے ہوئے فرمایا ہے کہ میں ایسے جوابات کو پسند نہیں کرتا یہ بہت بڑا انے مرثیہ کا مصرع ہے۔ اُس وقت داوات کہتے ہوں گے آگے بڑھ کے لفظ ترک کر دیا دوات نظم کرنے لگے۔ دبیر ایک دن میں دبیر نہیں ہوئے بارہ برس کی عمر تھی جب ضمیر کے شاگرد ہوئے تھے اُستاد کم علم تھے لہٰذا ایسی غلطی کا سرزد ہونا جائے تعجب نہیں۔

صاحب غیاث اللغات کا خیال ہے کہ بدو الف (داوات) پڑھنا خطا ہے میرے نزدیک جس کی تحقیق میں نہ ہو استعمال کرنا صحیح نہیں۔

(۱۲) رہن۔ عوام (را) کو زیر دے کے بولتے ہیں یعنی (رہن) تحقیق سے معلوم ہوا کہ لفظ (رَہن) (را) کو زبر دے کے جس کے معنی گرو گروھویں کرنا اس کی تائید بہت سے لغت کر رہے ہیں۔ مثلاً قاموس و منتخب۔ مدار کشف وغیرہ

(۱۳) زفاف۔ عوام حرف (زا) کو پیش دے کے بولتے ہیں یعنی (زُفاف) صحیح لفظ (زفاف) (زا) کو زیر دے کے۔ اس کے معنی فرستادن عورت بخانہ شوہر۔

(۱۴) سجدہ۔ بعض لغات میں حرف سین کو زیر۔ بعض میں زبر مرزا علا میں صرف زیر کے ساتھ خصوصیت ہے منتخب اللغات و صراح میں حرف سین کی زیر کے ساتھ خصوصیت ہے۔ قرآن مجید میں جس سورہ کا نام سورہ سجدہ ہے اس کو ہمیشہ بفتح سین پڑھنا چاہیئے۔

(۱۵) سرشت۔ عموماً لوگ سین کو زبر دے کے بولتے ہیں یعنی (سَرشت)

واقعاً سین کو اور (را) کو دونوں کو زیر کے ساتھ بولنا صحیح ہے یعنی (سِرِشت) جس کے معنی (طینت) (ضمیر) (آمیختگی) (خلقت) مجازاً اسی لفظ کو طبیعت کے معنی میں بھی بولتے ہیں۔ از مدارد مؤید وغیرہ۔

(۱۶) تابعدار۔ اس کی ترکیب غلط ہے۔ اس لیے کہ لفظ تابع خود اسم فاعل ہے ایسی حالت میں لفظ دار لگانے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر ایسا ہی اتفاق ہو اور ضرورت ہو تو ایسے محل پر (تبعدار) بغیر الف بولنا چاہیے یا فرماں بردار کا لفظ استعمال کرنا چاہیے۔

نوٹ۔ حضور عموماً لوگ تابعدار بولتے ہیں۔ اور اس کثرت سے جس کی انتہا نہیں اُستاد میں نے لغوی تحقیق بیان کی۔ اب میں بھی یہ کہوں گا کہ چونکہ زبان کی دست کا مسئلہ چھڑا ہوا ہے۔ کسی لفظ کا ترک گناہ سمجھا جاتا ہے۔ مجبوراً میں بھی اس پر عمل کرتے ہوئے یہ کہوں گا کہ عوام جس طرح بولتے ہیں بولنے دیجئے۔ کثرت استعمال اس لفظ کو صحیح تو کر نہیں سکتی گر جس مفہوم کو یہ لفظ ادا کرتا ہے اُس محل پر بغیر ترکیب بولنے دیجئے تعلیم یافتہ طبقہ کو احتیاط لازم۔

(۱۷) جِہل۔ حرف جیم کو زیر کے ساتھ نہ بولنا چاہیے بالکل غلط ہے۔ صحیح جیم کو زبر دے کے بولنا چاہیے۔

(۱۸) عجز۔ اس کا تلفظ زیر و زبر دونوں کے ساتھ صحیح ہے یعنی (عِجز) و (عَجز)۔

(۱۹) گِردہ۔ گاف کو زیر کے ساتھ بولنا تسامح سے خالی نہیں لغوی حیثیت سے گاف کو پیش اور (رے) کو پیش دے کے بولنا صحیح ہے۔ میرے

نزدیک ترکیب سے صحیح (گُروہ) بولنا چاہیئے۔ لیکن بغیر ترکیب یعنی تنہا وہی صحیح ہو جس طرح عوام بولتے ہیں۔ یعنی گاف کو زبر دے کے۔

(۲۰) (گوا) ۔ مخفف گواہ ہو۔ گاف گوا کو پیش دے کے بولنا چاہیئے یعنی (گُوا) نہ زبر کے ساتھ۔

(۲۱) سُبک ۔ اس کے معنی ہلکا۔ عموماً لوگ حرف سین کو پیش دے کے بولتے ہیں۔ لغوی صورت سے سین کو زیر دے کے بولنا چاہیئے۔

نووارد ۔ آپ کے معیار تحقیق کی انتہا نہیں۔ میں نے ایسا باکمال آج تک نہیں دیکھا۔

اُستاد ۔ یہ سب آپ کا حُسن ظن ہو میں کسی لائق نہیں۔

دوست ۔ آپ کی انکساری بھی دنیا میں جواب نہیں رکھتی۔ اے جناب آپ کی سی محنت کون کرسکتا ہو۔ ہمہ وقت کتب بینی ہر وقت فکر تحقیق لاحق رہتی ہو۔

اُستاد ۔ علم وفن یہ چاہتا ہو کہ مطالعہ شبانہ روز جاری ہو سوتے جاگتے یہی ذکر رہی جو لوگ اپنے علم وکمال پر غرّہ کرکے یا شہرت پر تکیہ کرکے مطالعہ سے غافل ہوجاتے ہیں وہ ہمیشہ نیچا دیکھتے ہیں۔ اور دھوکا کھاتے ہیں۔

ہمارے محترم نے جس قدر الفاظ تحقیق طلب فرمائے۔ ان کی صحت وعدم صحت کے متعلق عرض کیا۔ اگر بیان کروں کہ مروجہ الفاظ کس قدر انقلاب کے ساتھ زبان پر جاری ہیں۔ تو شاید کئی دن صرف ہوں گے۔

نووارد ۔ حضور غلط العوام فصیح کے کیا معنی۔

اُستاد ۔ فصیح کے کوئی معنی نہیں۔ یہ جملہ ہی غلط ہو۔ عوام کسی قدر بھی کثرت سے استعمال کریں۔ غلط غلط رہیگا۔ یہ ایک مبسوط بحث ہو جس کو مجملاً صاف کرتا چلوں۔

بعض لغات و محاورات و مسئلہ ایسے ہوتے ہیں ۔جن کو عوام و خواص دونوں صحت کے ساتھ بولتے ہیں ۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جنھیں خواص صحت کے ساتھ بولتے ہیں اور عوام غلط استعمال کرتے ہیں ۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جنھیں عوام و خواص دونوں غلط بولتے ہیں ۔

پہلی صورت یقیناً صحیح ۔ دوسری صورت میں تتبع خواص کیا جائے گا یعنی صحت کی تقلید کی جائے گی اور عوام کی پیروی نصیح سمجھتے ہوئے نہیں کی جائے گی اس لیے کہ جب خواص صحت کے ساتھ بول ہی رہے ہیں ۔ تو عوام کی تقلید غلط میں کیونکر کی جا سکتی ہے ۔ تیسری صورت یعنی دونوں غلط راستے پر ہیں ۔ یہ مسئلہ اہم ہے ۔ محتاط حضرات کسی کی پیروی نہ کریں گے ۔ غیر محتاط حضرات یہ کہہ کے کہ بڑے بڑے بولتے ہیں بلکہ دنیا بولتی ہے ۔ اس لیے صحیح ہے ۔ غلط ہی بولیں گے ۔

میرے نزدیک عوام و خواص کے غلط بولنے کو ترجیح دی جائے گی اور غلط کو یعنی غلط لغت یا غلط محاورہ وغیرہ کو گو اصولاً غلط ہے ۔ لیکن صحیح ماننا پڑے گا ۔ یہی اصول بہترین اصول ہے ۔ گو میں خود نہ صحیح سمجھتا ہوں نہ سمجھوں گا اور احتیاط اس میں ہے ۔ ایک واقعہ یاد آیا سُنیئے ایک روز کسی نے میر معز المتخلص بہ فطرت کے سامنے اپنا ایک شعر پڑھا جس میں ایک لفظ غلط نظم تھا ۔ میر فطرت نے ٹوکا ۔ شاعر نے جواب دیا کہ ضرورت شعر نے مجبور کیا تو نظم کر لیا ۔ میر فطرت نے فرمایا کہ (شعر گفتن چہ ضرور) واقعاً سچ کہا اگر غلط لفظ یا محاورہ نظم ہو رہا ہو تو شعر ہی کیوں نہ نظم کیجئے کوئی دوسرا شعر کہیئے جو ہر طرح صحیح ہو ۔ جتنے صاحبان احتیاط گزرے ان کا یہی طریقہ

ہو اسی سبب سے ان کا کلام بے عیب ہو۔ جن حضرات نے آزادی اختیار کی اُن کا کلام عیوب سے بھرا ہوا ہو۔ میں چند مثالوں سے اس مطلب کو واضح کیے دیتا ہوں یعنی غلط استعمال کرنے سے خواہ خواص بولیں یا عوام صحیح نہیں ہو سکتا۔ ہاں صحت کا مدار صرف یہ ہو کہ عوام کسی غلط کو اتنا استعمال کریں کہ خواص بولنے لگیں اور اتنا بولیں کہ اس پر اُردو زبان کے لفظ کا اطلاق ہونے لگے۔ ایسی صورت میں وہ لفظ ہمیشہ اُردو کا سمجھتے ہوئے بغیر ترکیب استعمال کیا جائے گا۔ اگر عربی زبان کے کسی وزن پر وہ لفظ ہو گا۔ تو صاحبان احتیاط کو اکثر و بیشتر دھوکا دے گا اگر اتفاق سے تحقیق نہ کی اور لغت نہ دیکھا تو دھوکا کھا جائیں گے بغیر ترکیب اس وقت استعمال لفظ غلط کا صحیح ہو گا۔ جب عمومی حیثیت سے لفظ زبان میں داخل کر لیا گیا ہو۔ اور اس کے خلاف اساتذۂ عہد نہ ہوں۔

چند ایسی مثالیں۔ جن میں لفظ خود ساختہ استعمال کیا گیا ہو۔ حضرت دبیر کے دو مصرع۔

جنبش نہ ہاتھوں کو تھی نہ تیغوں کے درمیاں
مشلول کے ہوں پنجے میں جیسے تھچ انگلیاں

یہاں مشلول بمعنی شل نظم ہوا ہو۔

مصنف فسانۂ عجائب نے اکثر و بیشتر ایسے الفاظ تراشیدہ استعمال کیے ہیں جیسے سترش بمعنی مرد رشتی تراشیدہ یا مزیب بمعنی زیبا یا ملب بمعنی لبالب آتش کا ایک شعر ہو۔

کلفت ایام سے پروا نہیں کچھ حُسن کو — خوبرویوں کو مزیب ملگجی پوشاک ہو

یا ظفر شاہ کا شعر ہے۔

خط نہیں روئے مترشح پہ ترے پھر نکلا
بدلا قرآں کی ہے تفسیر کا پہلا کاغذ

مرزا فاخر مکین کا قول ہے کہ زیب سے مزیب و ترتیب اور زلف سے مزلف اور روغن سے مرغن بنانا صحیح نہیں ہے۔ گو صاحب بحر الفصاحت نے اس قول کی مخالفت کی ہے اور اس بنانے کو صناعی سے تعبیر کیا ہے۔ مگر میں اس کے خلاف ہوں اور مرزا فاخر مکین کا موید ہوں۔ خلاصہ تقریر یہ ہے غلط العوام فصیح کوئی شے نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ (تغلط العوام فصیحا) عوام نے فصیح کو غلط کر دیا۔

دوست۔ آج تو آپ نے تحقیقات کے دریا بہا دیئے خدا زندہ رکھے لکھنؤ کے لیے آپ کی ذات گرامی قابل صد فخر ہے۔

استاد۔ میں کیا اور میری تحقیق کیا۔ اب حافظہ کام نہیں دیتا۔

نووارد۔ میں تمام عالم کی قریب قریب سیر کر چکا مگر حضور سا محقق نہیں پایا اتنا علم حضوری دیکھنے میں نہیں آیا۔

استاد۔ اب خاتمہ کا بند ہے۔ آئے نہ آئے دم کا بھلا اعتبار کیا۔

مغرب کا وقت آکے گزر چکا تھا۔ دوست نووارد کی طرف دیکھ کے کیوں صاحب جیسا کہتا تھا صحیح نکلا۔؟

نووارد۔ جی بالکل صحیح فرمایا تھا۔ واقعاً آپ استاد ہیں۔ بڑی زحمت دی۔ اب تشریف لے چلیے۔

دوست۔ چلیے (استاد کی طرف دیکھ کے اجازت ہے۔

اُستاد - کیونکر عرض کروں دوست اور نو وارد کھڑے ہو گئے اُستاد بھی کھڑے ہوئے دونوں رخصت ہوئے - اُستاد محل میں تشریف لے گئے نماز پڑھ کے خاصہ نوش فرما کے آرام کیا - حسب دستور صبح کو بر آمد ہوئے -

اصلاحات نمبر۴

لیلائے شب افشاں بھری زلفوں کو جھاڑتی ہوئی منزل مغرب کی طرف روانہ ہو چکی - پھیلتے ہوئے نور، چمکتی ہوئی شعاعوں نے پس پشت آنے والے مجسمۂ انوار کی خبر دی - ان ساعتوں کا دور دورہ شروع ہو گیا کہ جن گھڑیوں میں برمحل یہ شعر پڑھا جا سکتا ہی -

علی الصباح چو مردم بکار و بار روند
بلاکشانِ محبت بہ کوئے یار روند

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہی - جانور چہچہا رہے ہیں - دنیا بلکہ وقت نمونۂ جنت بنا ہوا ہی - اُستاد اپنے کمرے میں رونق افروز ہیں - تلاوت کلام پاک میں مصروف ہیں کہ یکایک دوست آ گئے - بعد مراسم تہذیب وقت اُستاد نے عرض کیا کہ اجازت ہی کہ میں سورہ ختم کرلوں -

دوست - ضرور تلاوت فرمائیے -

اُستاد - حقہ موڑتے ہوئے تو جناب جب تک نوش فرمائیں -

دوست - آداب بجالاتا ہوں (یہ کہہ کے حقہ موڑ کے پینے لگے)

اُستاد - قرآن ختم کر کے جزدان باندھ رہے تھے کہ مولانا آ گئے - سلام علیکم کہتے کہتے

بیٹھ گئے۔

دوست ۔ بسم اللہ۔ آج آپ بہت سویرے تشریف لے آئے۔

مولانا ۔ آداب بجا لاتے ہوئے ۔ جی ہاں موسم گرم ہے۔ خیال کیا کہ علی الصباح چلا چلوں اور فیض صحبت اُٹھا کے نو بجے سے پہلے جائے قیام پر پہونچ جاؤں ۔

اُستاد ۔ بہت مناسب ۔ بیشک جناب گرمی کی برداشت نہیں۔ کہیے کچھ شعر کہے ۔

مولانا ۔ جی متفرق اشعار نظم کئے ہیں۔ چاہتا ہوں کہ قدیم رنگ میں نئے رنگ کی جھلک پیدا کروں اور موجودہ طرز پر شعر کہوں۔

اُستاد ۔ یہ خیال آپ کے دل میں کیوں پیدا ہوا ۔ آپ تو قدیم رنگ کے شعر کہتے ہیں

مولانا ۔ حضور اب دنیا قدیم رنگ کے اشعار کو پسند نہیں کرتی جدید تخیل نئی نئی ترکیبیں۔ انوکھے تشبیہات و استعارات معراج ترقی پر پہونچ گئے۔ عالم پسندی کا مرتبہ حاصل ہو گیا ۔

اُستاد (تعجّب کے لہجے میں) کوئی شعر پڑھیئے تو دیکھوں کیا رنگ بدلا ہے۔

مولانا ۔ ایک نظم عرض کی ہے ۔ اس کا مطلع ملاحظہ ہو ۔

دل گھر کے مُصیبت میں ہمّت نہ کبھی ہارا

جو کام کیا ہم نے ہے معرکتہ الآرا

اُستاد ۔ آپ کہنہ مشق ہوتے ہوئے دھوکا کھا گئے ۔ پھر کہتا ہوں کہ شاعری بڑی اہم شئے ہے جسے دنیا نے تُک سمجھ لیا ہے۔ کیوں جناب آپ نے معرکتہ الآرا کیا سمجھ کے نظم کیا ہے اور اُس کے کیا معنی ہیں ۔

مولانا ۔ (دیر تک خاموش رہنے کے بعد) ایک تو عموماً دنیا بولتی ہے ۔ دوسرے بظاہر

ترکیب بھی غلط نہیں معلوم ہوتی۔

اُستاد۔ دنیا غلط بولتی ہے۔ ترکیب بھی غلط ہے۔ یہ فرمائیے کہ آرا کس زبان کا لفظ ہے جس پر الف و لام آپ نے داخل کیا ہے۔

مولانا۔ (غور کرنے کے بعد) جی ہاں عربی نہیں ہے۔

اُستاد۔ پھر کیا ہے۔

مولانا۔ جی نہیں فارسی ہے۔

اُستاد۔ کیا الف و لام فارسی الفاظ پر بھی داخل ہو سکتا ہے؟

مولانا۔ جی نہیں داخل ہو سکتا مگر پڑھے لکھے بول جاتے ہیں۔ اسی لیے میں بھی دھوکا کھا گیا۔

اُستاد۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ پڑھے لکھوں کے بولنے پر بھروسہ نہ کیجیے گا۔ اپنی تحقیق ضروری ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ترکیب بالکل غلط ہے۔ اس کے بجائے معرکہ آرا کہنا درست ہے۔

مولانا۔ جناب بجا فرماتے ہیں کس قدر فاش غلطی ہوئی۔ یہ باریکیاں اور یہ چیزیں اب کون دیکھتا ہے۔

اُستاد۔ یہ نہ کہیے دیکھنے والے اب بھی گرفت کرتے ہیں۔ بس یہ کہیے کہ اب کم رہ گئے ہیں خیر اور شعر پڑھیے۔

مولانا۔ جب اس مطلع کا قافیہ یعنی (معرکتہ الآرا) بدل لوں گا تو حضور کو پوری نظم سناؤں گا۔ ایک مطلع چار شعر دل پر عرض کیے تھے حکم ہو تو شُستادوں میں موجود دور کی کشمکش سے عاجز ہو کے اتفاقیہ یہ مطلع اور شعر کہہ لیے۔

اُستاد ۔ سنائیے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ اب بے عیب کہتے ہیں۔
مولانا ۔ سب حضور کا فیضِ صحبت ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

دنیا میں سیکڑوں غم و رہم ، ہم اُٹھاتے ہیں
لیکن یہ ہو ثباتِ قدم مُسکراتے ہیں

اُستاد ۔ آپ نے اپنے جذبات کی تصویر کشی کی ہے ۔ لیکن میں اپنی فطرت سے مجبور ہو کے ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ آپ کے مطلع میں کوئی عیب نہیں ۔ کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا لیکن غور کیجیے کہ ہندی الفاظ میں بھی حروفِ علّت کا گرنا کس قدر بُرا معلوم ہوتا ہے ۔ اگر مطلع کی تقطیع کیجیے تو (اُٹھاتے ہیں) کے بجائے (اُٹھات ہیں) اور مُسکراتے ہیں کے بجائے (مُسکرات ہیں) رہتا ہے ۔ کیا کانوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے ۔ گو کسی قاعدے سے ایسے حروف کا گرنا اُردو میں ناجائز نہیں مگر خود فرمائیے کہ پڑھنے میں کس قدر سماعت میں خراش پیدا ہوجاتی ہے ۔ بہت سی صورتیں ایسی ہیں جو جائز ہیں ۔ مگر مخلِ فصاحت و مکروہ معلوم ہونے سے اربابِ تحقیق ترک کردیتے ہیں ۔ چنانچہ خدائے سخن حضرت سید حسین میرزا صاحب عشقؔ رح کا ایک رسالہ قلمی نظر سے گزرا ہے جس میں مرحوم نے ایک مقام پر ایسی ہی مثالیں پیش فرمائی ہیں ۔ مجھے بجنسہٖ عبارت یاد ہے ۔ سنیئے ۔

عبارت حضرت عشقؔ رح

افسوس اگر ضعف و نقاہت سے مجبور اور ہر وقت دہر روزہ کے افکار تازہ و تکدرات بے اندازہ سے معذور نہ ہوتا تو گرنا حروفِ علت یعنی

(الف واؤ یا) کا الفاظ ہندی میں بھی روا نہ رکھنا۔ خداوند عالم جس کو اطمینان عطا فرمائے خاندان عالی سے ہو اور طبیعت دقت و نزاکت پسند ہو اور کچھ شوق بھی رکھتا ہو تو انھیں قیدوں کے ساتھ نظم کرے کہ جتنی باتیں مخل فصاحت ہیں اور جو لفظ صاحبان تہذیب کے نزدیک مکروہ ہیں۔ ان سب کو ترک کرے اگرچہ ذیل شعر کی جگہ پانچ ہی شعر ہوں ہزار ہا لفظ سیکڑوں ترکیبیں ہیں کیا کیا اس مختصر میں لکھا جائے۔

باہر سے آ کے گھر میں جو تشریف لاتے ہیں
کیسی پچھاڑیں حضرت شبیرؑ کھاتے ہیں

تقطیع میں (کھات ہیں) (لات ہیں) رہ جاتا ہے۔ اسی طرح (کہتا تھا) (رکھتے تھے) (چلتے تھے) (پھرتے تھے) (ڈگمگاتے ہیں) (لڑکھڑاتے ہیں) تقطیع میں (کہت تھا) (رکھت تھے) (چلت تھے) (پھرت تھے) (ڈگمگات ہیں) (لڑکھڑات ہیں) رہتا ہے۔ غلط نہ ہو مگر کتنا برا معلوم ہوتا ہے صاحبان علم و ادب غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ یہ ذکر الفاظ ہندی کا تھا جن کے حروف علت کا اسقاط یعنی تقطیع میں گرنا فقط مخل فصاحت ہوتا ہے۔ ان الفاظ عربی و فارسی کہ جن میں اسقاط انھیں حرفوں کا یعنی (الف واؤ یا) محض غلط ہے۔

غالباً دور اوّل میں اس کے متعلق مختصر سا تذکرہ کر بھی چکا ہوں آپ نے غور کیا کہ اساتذہ المحقق لکھنوی کیا کہہ گیا ہے ماشاء اللہ کیا تحقیق و احتیاط تھی واقعاً ایسی محتاط ہستی لکھنؤ کی سرزمین پہ نظر نہیں آتی۔

دوست - آپ درست فرماتے ہیں اور یہ بھی یہی کہ چاہے کلام کم ہو لیکن لطف یہ ہے
کہ بے عیب ہو اس صفت میں تو حضرت عشقؔ واقعاً منفرد تھے ۔
اُستاد - اس میں کیا کلام ہے ان کی ایسی احتیاط لکھنؤ کیا بلکہ دنیا کا ایک استاد بھی نہ کرے گا اگر
کسی کو کلام ہو تو کلام موجود ہے دیکھ لے خدا چاہے تو ایک عیب بھی نظر نہ آئے گا
میں یہ بھی نہیں کہتا کہ معصوم تھے اور کلام بالکل عیب سے بری ہے یہ تو صفت معصومیت
ہے ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ احتیاط بہت فرماتے تھے اور عیب سے بچنے کی بھی بہت
کوشش فرماتے تھے ۔
مولانا - جناب بجا فرماتے ہیں میں نے دیگر حضرات سے بھی یہی تعریف سُنی ہے ۔
اُستاد - کوئی اور شعر سُنائیے کہاں سے کہاں بات پہونچ گئی ۔
مولانا - اسی طرح میں دوسرا شعر عرض کیا ہے ۔

آفاتِ لاتُعد عنم و آلام لازوال
اک اشتغالِ بہم دوراں دکھاتے ہیں

اُستاد - یہ شعر کس زبان میں کہا ہے ۔
مولانا - جی اُردو زبان میں (یہ کہہ کے سر جھکا لیا ۔
اُستاد پہلے تو مطلب بتائیے ۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا ۔
مولانا - مقصد یہ ہے کہ بکثرت آفتیں اور ہمیشہ رہنے والے مصائب زمانے کے اشتغال
پے درپے کو دکھاتے ہیں یعنی زمانہ برابر مصائب و آلام کا شکار بناتا رہتا ہے ۔
انسان کو ایک ساعت بھی دنیا میں چین نہیں ملتا ۔
اُستاد واہ خیر مطلب تو آپ نے کسی حد تک درست بیان کیا لیکن الفاظ غیر مانوس

ایسے استعمال کئے کہ میرے روئیں کھڑے ہو گئے۔ جناب آپ نے تو بالکل نئی طرح کا شعر سنایا۔

مولانا۔ حضور آج کل کا رنگ ہی یہی ہے۔ ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں کہ سامعین سمجھ نہ سکیں اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی جہالت اور ناسمجھی کی وجہ سے بغیر سمجھے تعریف کرنے لگتے ہیں تیمتیں ارجاتی ہیں۔ آج کل کے نامور شعرا زیادہ تر اسی رنگ میں کہتے ہیں

استاد۔ تو پھر اردو زبان میں شعر کہنے کی کیا ضرورت۔

مولانا۔ یہ تو قدیمی رنگ ہے غالب نے اسی رنگ میں کہا ہے۔

جراحت تحفہ الماس ارمغاں داغ جگر ہدیہ
مبارک باد اے غمخوار جان دردمند آیا (غالب)

استاد۔ سوا آیا کے سب یا فارسی ہے یا عربی غنیمت یہ ہے کہ اس شعر میں ایسے الفاظ لائے ہیں جو غیر مانوس نہیں ہیں بعض الفاظ عوام کے بھی سمجھ لینے کے ہیں یہ غضب تو وہاں کیا ہے جہاں بڑے بڑے لغات استعمال کئے ہیں۔ معاف فرمائیے گا۔ غالب کا جواب تو واقعی پیدا نہیں ہوا۔ مگر بعض اشعار تو اردو زبان کے کہنے کے مستحق نہیں۔ آخر میر نے بھی تو ہزاروں لاکھوں اشعار کہے ہیں۔ کس قدر نرم زبان کس قدر آسان اردو میں مطلب ادا کیا ہے۔ میں ایسے اشعار کو اردو زبان میں کوئی مرتبہ دینے کو تیار نہیں۔

مولانا۔ حضور حضرت میر نے بھی غیر مانوس لغت استعمال کئے ہیں فرماتے ہیں۔

محل فواوح ممر قبائح   مآب مطاعن مقر مثالب
صد اشیروں کی ان کے تشبیہ کے آگے   صیاح زباب وضباح اکالب

ذوق نے ایک قصیدے میں یہ قافیے جمع کیے ہیں۔
حراق ۔ انزہاق ۔ محاق ۔ نزاق ۔ استبراق وغیرہ وغیرہ ۔
اُستاد ۔ بہرحال میرے نزدیک اُردو شاعر کو ایسے اشعار کہنا نہیں چاہیئے ۔ اور اگر
عادت یہی ہو تو فارسی میں شاعری کرے ۔ آپ ہمیشہ احتیاط کیجیئے گا اور مجھے اس قسم
کے شعر نہ سُنایئے گا۔

مولانا ۔ حضور دونوں شعر اسی قسم کے تھے ۔
دیمت ۔ ہمارے میر صاحب کو سُنایئے تو ۔
اُستاد ۔ نا صاحب نا ۔ میں سُننے کو تیار نہیں ۔

(ملازم جو سامنے تپائی پر بیٹھا رہتا ہے ۔ اس کی قدیمی عادت یہ ہے کہ
مالک کی بات میں دخل دیتا ہے ۔ بات کسی سے کی جا رہی ہو ۔ بول اُٹھتا ہے
اور مالک یا غیر جو مرض یا تکلیف بیان کرتا ہے خود بھی ویسی ہی ملتی جلتی
تکلیف بیان کرنے لگتا ہے عقل کی بہت کمی ہے استاد اس کی اس حرکت سے
سخت ناراض ہوتے ہیں اور دل کو تکلیف پہونچتی ہے ۔ کئی مرتبہ سخت سے
سخت ناراض ہو چکے ہیں اور دوست سے کہہ چکے ہیں کہ کوئی معقول ملازم
رکھوا دیجئے ۔ دوست کہہ چکے ہیں کہ جناب غنیمت سمجھئے آدمی نہیں ملتا ۔)

مولانا ۔ نہیں حضور نہ آئندہ ایسے شعر کہوں گا نہ سُناؤں گا ۔ واقعاً کوئی خاص لُطف
نہیں حاصل ہوتا ۔
ملازم ۔ وہی مثل ہے (نواب بولیں فارسی گنوار بھاگے جائیں ۔
اُستاد ۔ چپ رہو تم سے کیا ہماری بات میں خبردار جو کبھی دخل دیا ۔

(دوست مسکرانے لگے اور چپکے سے کہا کہی تو خوب)

ہزار مرتبہ سمجھایا مگر تمھاری ایسی کھوپری ہے کہ کچھ عقل میں نہیں آتا۔

ملازم - میں نے بات کہی ہے کوئی شعر ہے جو سمجھ ہی میں نہیں آتا۔

استاد - دخل در معقولات نہ دیا کرو ورنہ تمھاری تنپائی ہٹادی جائے گی کمبخت کیا بدنصیب انسان ہے کہ بولتا ضرور رہے۔

ملازم - آخر نواب صاحب بھی تو شعر پڑھتے ہیں۔ ہم کبھی نہیں بولے۔

اُستاد - استغفر اللہ کوئی کچھ پڑھتے ہم کچھ کریں تم خاموش بیٹھے رہا کرو۔

ملازم - ہم جہاں پہلے نوکر تھے - نواب غضنفر علی خاں صاحب کے یہاں۔ وہاں بھی برابر بولتے تھے وہ تو اتنا نہیں بگڑتے تھے۔

دوست - اسی وجہ سے بے چارے دق میں انتقال کر گئے ٹھیک کہتے ہو۔

ملازم - بخار کھانسی نے مارا کوئی ہم نے مارا۔

اُستاد - بس خاموش رہ (ملازم ڈر کے چپ ہو رہا)

دوست - جناب میر صاحب ان ملازم صاحب کے کارنامے مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ نواب مظفر حسین صاحب کی بیگم صاحبہ نے اچار منگوایا تھا۔ ملازم نے کہیں اتفاق سے کہدیا کہ تیل کا اچار نہ لانا تو ہمارے حضور نے ہر دوکان پر یہی دریافت کیا کہ گھی کا اچار ہے ہر دوکان دار نے مسکرا کے جواب دیا نہیں ہمارے یہاں نہیں ہے - فلاں دوکان پر ملے گا۔ دو گھنٹے کے بعد چار ناچار برتن اور دام ماما کو واپس کر دیئے اور کہا کہ گھی کا اچار کہیں نہیں ہے۔ ماما نے کہا کہ گھی کا اچار کب ہوتا ہے اور کس نے منگوایا تھا۔ تو آپ

نے جواب دیا۔ کہ تم ہی نے تو کہا تھا کہ تیل کا اچار نہ لانا۔

اُستاد۔ آپ سچ فرماتے ہیں یہ ایسے ہی انسان ہیں۔ ایک روز ایک تیل کی چکنی بوتل میں نے صبح کو ان کو دی اور کہا کہ اسے صاف کر کے دھو کے دینا۔ چار بجے سہ پہر کو میں نے دریافت کیا کہ بوتل صاف کی تو جواب یہ ملا کہ بوتل تو صاف نہ ہو سکی یہ کہہ کے اُسی طرح لا کے سامنے رکھدی۔ میں نے کہا کہ کیوں صاف کیوں نہ کی تو کہا کہ بوتل میں ہاتھ ہی نہیں جاتا۔ صاف کیونکر ہو۔ میں ہنس دیا میں نے کہا کہ کیا بوتل ہاتھ ڈال کے صاف ہوتی ہے تو کہا کہ پھر اور کیونکر گلے تک اُنگلی جاسکی صاف کر دی۔ ہم دن بھر کوشش کرتے رہے۔ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی۔

پھر میں نے ترکیب بتائی کہ گرم پانی ڈال لوہے کی تیلی میں کپڑا لپیٹ کے بوتل صاف کرو۔ چنانچہ جب میری ہدایت پر عمل کیا تو بوتل صاف ہو گئی تو آپ (ملازم) ہنس کے فرماتے ہیں کہ ترکیب تو بڑی عمدہ بتائی۔ یہ ان کی عقل ہے۔ بریں عقل و دانش بباید گریست

(یہ واقعہ سُن کے مولانا اور دوست بہت زور میں ہنس پڑے)

دوست۔ ان کی بہت سی داستانیں مشہور ہیں۔ ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ آپ بہت خوش ہوں گے۔ نواب غضنفر حسین صاحب مرحوم ایک دن ایک شادی میں شرکت کی غرض سے تشریف لے جانے کو تھے۔ ان سے (ملازم) پوچھا کہ کپڑے ہیں۔ اُنھوں نے (ملازم) جواب دیا کہ یہی ہیں جو پہنے ہوئے ہیں۔ وہ کپڑے اچھے نہ تھے نواب صاحب مرحوم نے اندر جا کے ایک جوڑا عمدہ صاف

دھویا ہوا انگرکھا یعنی بنیان کرتا، پائجامہ ٹوپی نقلی جامدانی کی اچکن انھوں (ملازم) نے نہا دھو کے صاف صاف کپڑے پہنے بعد مغرب جب نواب صاحب فنس پر سوار ہو کے روانہ ہوئے تو یہ سواری کے ساتھ چلے۔ راستے میں انھیں (ملازم) یہ خیال پیدا ہوا کہ پائنچوں دار پائجامہ ہی مہربان اور گوٹ خراب ہو جائے گی۔ پائجامہ اتنا اونچا گھرسا کہ گھٹنوں تک اونچا ہو گیا۔ اُسی طرح محلّہ زہبی برات میں پہونچ گئے۔ نواب صاحب مرحوم فنس سے اُتر کے محل میں تشریف لے گئے بڑی شان دار سجاوٹ تھی بہت دُھوم دھام تھی تمام روسا روشا ہزادگان مدعو تھے۔ نواب صاحب مرحوم نے ان کو چھڑی دی۔ اور مُڑ کے فرمایا کہ بوٹ لے کے فرش کے کنارے بیٹھو اب جو غور سے نواب صاحب نے دیکھا تو دیکھا کہ صرف اچکن پہنے ہوئے ہیں۔ پائجامہ ندارد ہے۔ نواب صاحب مرحوم نے چپکے سے پوچھا کہ پائجامہ کیا کیا۔ انھوں (ملازم) نے اچکن کے دامن ہٹا کے پائجامہ دکھایا تو وہ اونچا نیفے میں گھڑسا ہوا تھا۔ مرحوم نے غصّہ میں کہا کہ یہ کون طریقہ ہے اُتارو۔ یہ کہہ کے نواب صاحب مرحوم اُس طرف تشریف لے گئے۔ جہاں نشست گاہ تھی۔ یہ (ملازم) سمجھے کہ پائجامہ اُتارنے کو کہا ہے۔ انھوں (ملازم) نے پائجامہ اُتار کے کاندھے پر ڈال لیا اور ننگے ہو گئے۔

(دوست یہ واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ اُستاد اور مولانا ہنسے جا رہے ہیں)

اُستاد۔ پھر کیا ہوا یہ واقعہ تو بڑا مضحک ہے۔

درست ۔ تتمہ تو سُنیئے آپ بہت ہنسیں گے ۔ بعد فراغت دعوت نواب صاحب مرحوم
میزبان اور احباب سے رخصت ہو کے چلنے لگے تو ان کے (ملازم) قریب آئے
کہ بوٹ پہن لوں دیکھا کہ پائجامہ کاندھے پر ہے پوچھا کہ یہ پائجامہ کاندھے
پر کیوں ہے تو انھوں (ملازم) نے جواب دیا کہ آپ ہی نے تو کہا تھا کہ اتارو
ہم سمجھے کہ پائجامہ اُتارنے کو کہا ہے اب نہ پوچھیئے کہ نواب صاحب مرحوم کو
کتنا غصّہ آیا۔ چپکے سے فرمایا کہ جاؤ الگ جا کے پہنو ۔ انھوں (ملازم)
نے باہر جا کے پائجامہ پہنا اس کے بعد نواب صاحب فٹن میں سوار ہو کے
روانہ ہوئے یہ ساتھ ساتھ گھر تک آئے ۔ مرحوم گھر پر پہونچ کے برس پڑے
اور غصّے میں فرمایا کہ آدمی ہو یا جانور ۔ انھوں (ملازم) نے کوئی پرواہ
بھی نہ کی اور مسکرا کے چپ ہو رہے

(یہ واقعہ مرحوم نے کئی بار احباب سے بیان فرمایا ہے)

مولانا اور اُستاد بہت ہنسے ۔

اُستاد ۔ بے شک انھوں نے ایسا کیا ہوگا ان سے کچھ بعید نہیں ۔میں نے جب بھی پانی مانگا
انھوں (ملازم) نے یہ ضرور پوچھا کہ پیجیئے گا ؟ ایک دن میں غصّے میں کہہ بیٹھا
تو کیا کمرہ میں آبدست کے لیے مانگ رہا ہوں تو یہ (ملازم) خود بھی ہنسنے لگے

مولانا ۔ ایک دن میں حاضر ہوا حضور اتفاق سے کہیں تشریف لے گئے تھے ۔میں نے
ان سے (ملازم) سے کہا کہ اطلاع کردو ۔ انھوں (ملازم) نے پوچھا کہ کیا کہوں
میں نے کہا کہدو کہ مدرسۃ الواعظین سے جو اصلاح لینے کو حاضر ہوتا ہے ۔
حاضر ہوا ہے ۔ انھیں (ملازم) خود بھی علم نہ تھا کہ حضور تشریف نہیں رکھتے

ہیں۔ ماما کو پکار کے بہ آواز بلند کہنے لگے کہ میر صاحب سے کہدو کہ مدرسے
سے جو اصلاح لینے کو حاضر ہوتا ہے۔ حاضر ہوا ہے۔ میں اُسی دن سمجھ گیا تھا کہ کس
قسم کے انسان ہیں بلکہ ماما نے یہ کہہ کے کہ میر صاحب کہیں تشریف لے گئے ہیں
اور تمھیں تہذیب نہیں کہ کسی کو کہتے ہو کہ حاضر ہوا ہے تو یہ ماما سے لڑنے لگے
اور کہنے لگے کہ جو کہا دیا ہم نے کہدیا بڑے غصّے میں ڈیوڑھی سے نکل کے
مجھ سے کہا کہ کہیں گئے ہیں۔ ہیں نہیں پھر آئیے گا میں مُسکراتا ہوا چلا گیا۔
اُستاد۔ جی ہاں ضرور کہا ہوگا۔ یہ نہیں ملے ہیں بلکہ میرے گناہوں کا کفارہ ہے۔ دیکھئے
خدا اس بلا سے میرا کب پیچھا چھوڑتا ہے۔ آج انھیں (ملازم) کے ذکرِ خیر میں
تمام وقت صرف ہوگیا مطلب کی کوئی بات نہ ہوسکی۔
دوست۔ آج جی خوب بہلا آپ بھی بہت دنوں کے بعد اتنا ہنسے۔
اُستاد۔ یہ سب درست ہے مگر دل کو کوفت ہے۔
مولانا اجازت مانگ کے رخصت ہوئے۔

(اُستاد اور دوست میں کچھ نجی گفتگو ہوتی رہی تھوڑی دیر کے بعد
گیارہ بج چکے تھے دوست بھی رخصت ہو گئے۔ استاد زنان خانے میں
تشریف لے گئے۔ ملازم نے کمرہ بند کردیا اور اپنی کھنچی میں جا کے
لیٹ رہا)

دلچسپ تحقیقات ۴

علی الصباح چو مردم بہ کاروبار روند
بلاکشانِ محبّت بہ کوئے یار روند

دوسرے دن صبح کو زنان خانے سے برآمد ہو کے اُستاد کمرے میں تشریف لائے تھے کہ دوست آ گئے۔

دوست۔ آداب بجا لاتا ہوں۔

اُستاد۔ حسب تہذیب قدیم آداب بجا لاتے ہوئے۔ مزاج مبارک کہیے سب خیریت ہی
دوست۔ آپ کی دعا ہی۔ یہ کہہ کے جہاں بیٹھتے تھے بیٹھ گئے۔

(ملازم نے حُقّہ سامنے لگاتے ہوئے ایک چھوٹا سا پرچہ دیا)

اُستاد۔ پرچہ دیکھ کے بلاؤ۔

ملازم نے باہر نکل کے کہا آئیے بُلاتے ہیں۔

(یہ بزرگ کلکتہ سے ایک عزیز کی شادی میں شرکت کی غرض سے تشریف لائے تھے۔ کہنہ مشق شاعر ہیں عزیز الرحمان آپ کا نام ہی۔ رحمانی آپکا تخلص ہی۔ بہت لحیم شحیم بزرگ ہیں چہرے پر بہت گھنی بڑی داڑھی جس پر سُرخ خضاب بہت نفیس صاف پاکیزہ لباس پہنے ہوئے ملازم ساتھ ساتھ کمرے کے سامنے آ کے کھڑے ہو گئے اور سلامٌ علیکم کہہ کے پوچھنے لگے حاضر ہو سکتا ہوں)

اُستاد و دوست علیکم السلام کہہ کے کھڑے ہو گئے۔

اُستاد۔ تشریف لائیے (یہ کہہ کے صدر کی طرف اشارہ کیا) رحمانی صاحب صدر میں بیٹھ گئے

(ملازم رحمانی صاحب اُستاد کے ملازم کے پاس تپائی پر بیٹھ گیا)

دوست۔ جناب کا مختصر سا تعارف چاہتا ہوں۔

رحمانی صاحب۔ (دوست بستہ) فدوی کو عزیز الرحمان رحمانی کہتے ہیں میرا وطن کلکتہ مٹیا برج ہے ایک شادی میں شرکت کے لیے لکھنؤ حاضر ہوا تھا۔ اصل وطن تو لکھنؤ ہے میر والد مرحوم عبدالرحمان صاحب روحانی لکھنوی تھے۔ جنت مکان جان عالم محمد واجد علی شاہ بہادر اعلی اللہ مقامہ کے ساتھ کلکتہ چلے گئے تھے۔ میری ولادت مٹیا برج کی ہے۔ چونکہ بچپنے سے شاعری کا شوق ہے۔ یہاں پہونچ کے دریافت کیا کہ اب صاحب فن لکھنؤ میں کون ہے۔ تو بالاتفاق سب نے یہیں کا پتہ دیا۔ لہذا حاضر ہوا ہوں۔ میں بھی آپ حضرات کا تعارف چاہتا ہوں۔

دوست۔ وہ صاحب فن شاعر غرا ہمارے جناب ہی ہیں (اُستاد کی طرف اشارہ کرکے)

اُستاد۔ میں ایک مرد جاہل، فن سے نابلد ہوں۔ من آنم کہ من دانم۔ حضرات کا حُسن ظن ہے جو مجھ ہیچ مداں کو صاحب فن سمجھتے ہیں۔

آپ (دوست کی طرف اشارہ کرکے) میرے کرم فرما بہت قابل و جہاندیدہ بزرگ دوست ہیں۔

رحمانی صاحب۔ (اُستاد کی طرف دیکھ کے) آج میری برسوں کی مراد پوری ہوئی۔ جناب کی ایسی ہستی کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔

اُستاد۔ جناب نے قدم رنجہ فرمایا میرے لیے باعث صد عزت و افتخار ہوا۔

رحمانی صاحب۔ حضور کچھ چیزیں دریافت طلب ہیں حکم ہو تو عرض کروں۔

اُستاد۔ بہ شوق فرمائیے اگر علم ہوگا تو ضرور عرض کروں گا۔

رحمانی صاحب۔ حضور لفظ گوہانجی ہے۔ یا گوہانجنی اور کس زبان کا لفظ ہے۔

استاد۔ صحیح گوہانجنی ہے۔ یہ لفظ ہندی ہے۔ واؤ پڑھنے میں نہیں آتا۔ اور پہلا نون بھی ظاہر ہو کے نہیں پڑھا جاتا اُس دانے کو کہتے ہیں جو پلکوں کے نیچے نکل آتا ہے۔ یہ بھی عرض کروں کہ مؤنث ہے۔ جاّن صاحب کا ایک شعر یاد آگیا۔

نکلی نرگس کے ہے گوہانجنی کو کُلا وہ لگائے
کوئی برسوں کی پُرانی کرے دیدار تلاش

رحمانی صاحب۔ جاّن صاحب نے تو گوہانجنی نظم کیا ہے واؤ کو ظاہر کر کے۔

استاد۔ ضرورت شعریہ کے خیال سے ورنہ عموماً اہل لکھنؤ اُسی طرح بولتے ہیں جس طرح میں نے عرض کیا اور یہی فصیح بھی ہے ممکن ہے کہ جاّن صاحب کے عہد میں اس طرح بھی بولا جاتا ہو۔ گہانجی۔ گہانی۔ گہانتی یہ سب غلط ہیں۔

رحمانی صاحب۔ حضور کوڑی پھرنا۔ کس محل پر بولتے ہیں۔

استاد۔ لکھنؤ میں اس محل پر استعمال کرتے ہیں جب چند آدمی کسی ایک بات پر متفق ہوں جو ایک کہے وہ سب کہیں۔

رحمانی صاحب۔ حضور نام بڑا درشن تھوڑے صحیح و فصیح ہے یا درشن چھوٹے۔

استاد۔ گو جناب شوق قدوائی نے درشن تھوڑے نظم فرمایا ہے۔

سینک نہیں سکتے آنکھیں بھی عاشق اُن کے گالوں کے
نام بڑے درشن تھوڑے اچھی صورت والوں کے

لیکن اہل لکھنؤ نام بڑا درشن چھوٹے بولتے ہیں اور یہی صحیح بھی ہے یہ لکھنؤ کے عوام کی زبان ہے۔ عورتیں بھی بعض اوقات بولتی ہیں۔

رحمانی صاحب ۔ لکھنؤ میں ۔ گلی ڈنڈا بہ تشدید لام بولتے ہیں یا گلی ڈنڈا بہ کسر لام بولتے ہیں۔

اُستاد ۔ کبھی یہ کھیل کھیلا نہیں مگر تحقیق یہ ہے کہ گلی ڈنڈا بضم لام بولتے ہیں ۔ خزانۃ اللغات میں بہ تشدید لام لکھا ہے مگر دہلی میں بکسر کاف فارسی بولتے ہیں ۔ اگرچہ گلی ڈنڈا تشدید لام کے ساتھ صحیح ہے ۔ لیکن لکھنؤ کی نفاست پسند طبیعتوں پر تشدید کا ثقل بار ہوا اور لام کو غیر مشدد کر کے بولنے لگے ۔

(اُستاد کا ملازم جو تپائی پر بیٹھا ہوا تقریر سن رہا تھا اُسے تاب نہ رہی بول اُٹھا)

ملازم ۔ ہم نے گلی ڈنڈا بہت کھیلا ہے ۔ اس میں لال بھی ہوتے ہیں ۔

اُستاد ۔ بد تمیز خاموش رہ تم سے کیا مطلب ۔

(دوست کھل کھلا کر ہنس پڑے اُستاد کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا)

رحمانی صاحب ۔ حضور غصہ نہ فرمائیں ۔ کوئی بات نہیں ۔

یہ فرمایئے کہ (۱) کودوں دلنا (۲) کودوں دلانا (۳) کودوں دے کے پڑھنا ان کے کیا معنی ہوئے اور محل صرف ان کا کیا ہے ۔

اُستاد ۔ اگر کودوں دلنا سر کے ساتھ بولتے ہیں یعنی سر پہ کودوں دلنا تو اس کے معنی ایک قسم کا ظلم کرنا ۔ مثلاً کوئی ہمارے گھر میں رہے اور ہماری ہی برائی کرے یا ہمارے دشمن کو بلا کے گھر میں رکھے تو کہتے ہیں کہ سر پہ کودوں دل رہے ہیں کودوں دلانا کے معنی سخت کام لینا ۔ کودوں دے کے پڑھنا ۔ ناقص تعلیم حاصل کرنا ۔ حالیؔ صاحب کا شعر بھی ہے ۔

غلط بالکل پڑھاتی ہو بڑی ردّی تو فتّو کو
فضیلت کیا پڑھی ہو دے کے کوڑوں اپنی آتو کو

رحمانی صاحب۔ عالی جناب کنوّں سے کٹنا اور کنّے لینا کیا فرق اور کیا معنی ہیں۔ اور محل صرف کیا ہو۔

اُستاد۔ کنوّں سے کٹنا کنکوے بازوں کی اصطلاح ہو یعنی کنکوے کے کنّے کٹ جانا وہ ڈور جو ڈھڈّے میں باندھی جاتی ہو۔ اس کا کٹ جانا۔ کنکوے کا کنوں سے کٹنا بہت بے بسی کا کٹنا کہلاتا ہو۔ اور یہ شکست بہت بُری شکست کہلاتی ہو۔ کنّے لینا۔ جب کسی کی تادیب مقصود ہوتی ہو۔ تو کہتے ہیں کہ میں نے اس کے کنّے لیے کنّے نتھنا بھی بولتے ہیں جیسا کہ فسانۂ آزاد کی عبارت ہو۔ داؤ گھات کے پیچ پڑ گئے پہلے تو ہمارے کنّے نتھ گئے۔ ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے (لیکن یہ زبان فصحائے لکھنؤ کی نہیں ہو۔ عوام بولتے ہیں۔

(اُستاد کے ملازم کو پھر تاب نہیں رہی حسب عادت بول اُٹھا)

ملازم۔ ایک میدان[۱] لڑ رہا تھا دو روپیہ پیچ شد[۲] تھا۔ ہمارے جب کنکوّے کے کنّے نتھ گئے تھے ہمارا کنکوّا کٹ گیا تھا۔ بڑی کوفت ہوئی تھی۔

دوست کھل کھلا کے ہنس پڑے۔

اُستاد۔ آپ بدتہذیبی دیکھتے ہی پھر بول اُٹھا۔

---

[۱] میدان لڑنا۔ کچھ لڑنے والے ایک طرف کھڑے ہو کے لڑاتے ہیں کچھ ایک طرف پورے دن مسلسل کنکوا لڑانا۔ اسے میدان لڑانا کہتے ہیں۔

[۲] شد ہونا یعنی ہو جانا طے ہو جانا۔ ہاتھ پہ ہاتھ پڑ جانا۔ لکھنؤ کے عوام کی خاص اصطلاح

رحمانی صاحب۔ حضور بولنے دیجئے مجھے ناگوار نہیں ہوتا غالباً اس آدمی کی عادت ہی یہی ہے۔

ملازم۔ قسم پیدا کرنے والے کی سچ کہہ رہی ہیں۔ بُری طرح کٹ گئے تھے۔

اُستاد کا چہرہ غضب میں لال ہوگیا فرمایا دیکھو جب تو کتّے نہیں نتھے تھے آج ہم تمھارے کتّے ناتھیں گے۔

دوست بکنے دیجئے (ملازم کی طرف دیکھ کے) اماں چپکے نہیں بیٹھو گے۔

ملازم۔ دُو دُو گھنٹہ چپکے بیٹھے رہتے ہیں جب بولنے کی بات ہوتی ہو تو بول اُٹھتے ہیں

اُستاد۔ خدا تمھیں غارت کرے تم کسی بات میں نہ بولا کرو۔

(رحمانی صاحب کا ملازم بھی مُنھ پھیر پھیر کر ہنس رہا ہو اور ضبط نہیں کرتا)

اُستاد کا ملازم اماں ہنسے کیوں جاتے ہو۔ تمھیں تہذیب نہیں رحمانی صاحب کا ملازم۔ بھیی بد تہذیب کہتے ہو اور خود مالک کی بات میں بول اُٹھتے ہو۔ یہ کہہ کے اور زیادہ ہنسنے لگا)

دوست۔ جناب میر صاحب آپ بیان فرمائیے۔ میں آج انتظام کروں گا۔

اُستاد۔ خدا آپ کو زندہ رکھے واللہ میری زندگی ہوجائے گی۔ اگر آپ نے یہ بلا دُور کردی۔

(رحمانی صاحب کی طرف دیکھ کے معاف فرمائیے گا۔ ہاں اُستاد ہو اور کچھ دریافت فرمانا ہو)

رحمانی صاحب۔ بہت مختصر زحمت اور ہی قابل دریافت امر یہ ہی کہ لفظ سنترہ ہی یا نگترہ اور کیوں۔

اُستاد۔ شاہنشاہ دہلی محمد شاہ رنگیلے۔ جنھوں نے بہو بیگم صاحب کو بیٹی بنایا تھا اور
نواب شجاع الدولہ بہادر کے ساتھ شادی کی تھی۔ یہ لفظ اُن کا ساختہ و پرداختہ ہے
زیادہ نزد کولا) کہتے تھے۔ محمد شاہ رنگیلے نے سنگترہ نام رکھ دیا اتنا مقبول عوام
وخواص یہ لفظ ہوا کہ آج ساری دنیا سنگترہ کہتی ہے۔ بس اتنا ضرور ہوا کہ سنگترہ
کثرت استعمال کی وجہ سے (سنترہ) ہو گیا۔

رحمانی صاحب۔ سُبحان اللہ کیا تبحر ہے کیا یادداشت ہے۔ ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔
حضور (بالائی) فصیح ہے یا (ملائی)

اُستاد۔ گزشتہ زمانے میں بالائی کے لفظ کا وجود ہی نہ تھا۔ صرف ملائی بولتے تھے
جس کو شاہ اودھ نواب سعادت علی خاں مرحوم نے ملائی کا نام بالائی رکھ دیا
جو مقبول عام ہو گیا اور ہونا بھی چاہیے تھا۔ اس لیے کہ بہت مناسب وضع لفظ
ہے۔ اب تک بعض حضرات ملائی بھی بولتے ہیں چنانچہ میں خود بھی اکثر و بیشتر ملائی
کہتا ہوں۔ لیکن بالائی اب اتنا عام ہے کہ یہی فصیح ہو گیا۔ اور قریب قریب
میں نے بھی ملائی کہنا ترک کر دیا۔

رحمانی صاحب۔ معانی چاہ۔ خاکروب اور مہتر کو حلال خور کیوں کہتے ہیں اس کا سبب کیا ہے
اُستاد۔ گزشتہ زمانے میں غلیظ اُٹھانے والوں کو حرام خور کہا جاتا تھا۔ ایک روز شہنشاہ
اکبر بادشاہ دہلی تشریف لیے جا رہے تھے دیکھا کہ ایک مقام پر بہت سے لوگ
جمع ہیں اور کوڑا غلیظ اٹھا رہے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ
ہیں۔ وزرا نے عرض کیا حضور یہ لوگ حرام خور ہیں غلیظ اٹھا رہے ہیں آپ کو
ترس آ گیا۔ فرمایا کہ ان کا کام بہت سخت ہے۔ ناقابل برداشت ان کو حرام خور کہنا

ظاہر ہوا انھیں آج سے حلال خور کہا جائے جب سے اب تک حلال خور کہتے ہیں یہ بھی عرض کرنا چاہوں کہ مقبولیت عام لفظ کی ساخت پر موقوف ہے اگر وضع لفظ مناسب و زم ہے تو ہر زبان و ہر ساعت بخوشی قبول کر لیتی ہے اور اگر ایسا نہیں یعنی لفظ کی ساخت ساعت کو ناگوار اور زبان کے لیے دشوار ہے تو دنیا قبول نہیں کرتی خواب وضع لفظ ثقیل شرمندۂ تعبیر یعنی شہرت نہیں ہوتا جیسا کہ جہانگیر بادشاہ دہلی کی نقل مشہور ہے کہ ایک روز گھوڑے پر سوار ہو کے کہیں تشریف لے جانا چاہتے تھے سائیس نے عرض کی کہ اندھیاری اتار لوں ۔ یہ دریافت کرنا ناگوار خاطر ہوا اس لیے کہ روانگی کے وقت اندھیاری کا لفظ منحوس اور شگون کے خلاف محسوس ہوا فرمایا کہ آج سے اندھیاری نہ کہنا بلکہ اسے اُجالی کہنا سائیس نے اُس دن سے اُجالی کہنا شروع کیا۔ مگر جب وہ دور ختم ہو گیا۔ لفظ بھی ختم ہو گیا۔ مقبولیت عامّہ حاصل نہ ہو سکی اسی طرح پھولوں کے ہار کا نام پھول مالا شہنشاہ موصوف نے رکھا۔ صرف اس لیے کہ ہار کا لفظ بُرا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ شکست کے معنی ہار کے ہیں ۔ لیکن مقبولیت حاصل نہ ہو سکی کچھ دن دربار میں رائج رہا۔ دربار ختم۔ لفظ متروک۔ حقیقتاً الفاظ کی ایک عمر ہوتی ہے کوئی دس برس استعمال ہوا اور ختم ہو گیا کوئی بیس سال کوئی سو سال۔ کسی کو عمر نوح نصیب ہو گئی تو صدیوں چلا۔ مثلاً ایک لفظ بتاتا ہوں۔ میر کے عہد میں ڈھا جانا۔ بولا جاتا تھا اور فصیح ترین لفظ تھا لیکن چلتے چلتے ختم ہو گیا اور آج کالعدم ہو گیا۔ میر کا شعر ہے۔

جی ڈھا جا ہے ابھی سے یاں ۔۔۔ رات گزرے گی کس خرابی سے

رحمانی صاحب ۔ جناب کو بڑی تکلیف دی ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو برقرار رکھے ۔
استاد ۔ یہ دعا نہ دیجئے اب زمانہ رہنے کے قابل نہیں ۔ الغیاذ بات کی انتہا نہیں ۔
(یہ کہہ کے ملازم سے کہا کہ پان لاؤ حقہ کا دور پہلے سے چل رہا تھا)
دوست ۔ جناب رحمانی صاحب آپ کب تک لکھنؤ میں تشریف رکھیں گے ۔
رحمانی صاحب ۔ جناب عمر بھر کی مراد تو اب پوری ہوئی ہے یعنی لکھنؤ آیا اور پھر ایسے بزرگ (استاد) سے نیاز حاصل ہوا جس کا جواب روئے زمین پر نہیں ۔ کم سے کم ایک ماہ قیام کروں گا ۔
استاد ۔ تو کسی دن پھر غریب خانہ کو سرفراز فرمائیے اور نانِ جویں نوش فرمائیے میرے لیے باعث صد افتخار ہو ۔
دوست ۔ جناب رحمانی صاحب آپ ہی دن تاریخ مقرر فرمائیے ۔
رحمانی صاحب ۔ جناب ہی مقرر فرمائیں ۔ مجھے کیا کام ہے ۔ جو دن مقرر ہوگا ۔ حاضر ہوں گا ۔
دوست ۔ آئندہ شنبہ کو یعنی شب یکشنبہ ۔
استاد ۔ بہت مناسب دن آپ نے فرمایا ۔ چند احباب کو بھی زحمت دوں گا ۔ جناب بھی اپنے کلام سے محظوظ فرمائیں گے ؟
رحمانی صاحب ۔ بھلا حضور کے سامنے میں کیا منہ کھول سکوں گا ۔ بہ غرض اصلاح موافق حکم کچھ کلام پیش کر دوں گا ۔
(ملازم نے پان لا کے دیئے ۔ سب نے پان کھائے ۔ رحمانی صاحب اجازت لے کے رخصت ہوئے دوست اپنے گھر گئے ۔ استاد محل میں تشریف لے گئے ۔

اصلاحات ۵

دوسرے دن صبح کا وقت ہے اُستاد نماز و وظائف سے فراغت کر کے
برآمد ہوئے ہیں۔ کمرہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ یکایک دوست اور نواب جب
آنگئے اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ بعد ادائے رسم معمولی اُستاد نے نواب صاحب
سے دریافت کیا کہ کہئے آج تو مرثیہ لائے ہوں گے)

نواب۔ حضور حسب الحکم مرثیہ لایا ہوں۔

اُستاد بسم اللہ پڑھیے۔ کچھ دل بہلے۔

نواب۔ نے بہت خوب کہہ کے مرثیہ نکالا اور یہ عرض کی کہ یہ دوسرا مرثیہ ہے۔ پہلے
مرثیہ پہ پھر اصلاح لوں گا۔ آج اس مرثیہ کی اصلاح فرما دیجئے۔

اُستاد۔ کوئی قباحت نہیں پڑھیے۔

نواب۔ بہت خوب (مرثیہ پڑھنا شروع کیا)

(مطلع)

کوثر پہ داخلہ جو ہوا فوج شاہ کا | غربت میں خاتمہ ہوا ساری سپاہ کا
نعرہ زبان شاہ پہ ہے آہ آہ کا | غم سے ستون خم ہے ہر اک بارگاہ کا

لشکر نہ وہ رفیق نہ وہ نورِ عین ہیں
ڈیوڑھی اُداس ہے کہ اکیلے حسینؑ ہیں

اُستاد۔ ماشاءاللہ مطلع خوب کہا بہت صاف مصرع نکالے۔

نواب نے مسلسل بند پڑھنا شروع کئے اُستاد اور دوست تعریف کر رہے ہیں۔

عالی جناب سید الشہداء کا مرثیہ ہے)

نواب - جھک جھک کے سلام کرتے جاتے ہیں - اور کہتے جاتے ہیں کہ حضور کا تصدق ہے - یکایک درمیانی ایک بند پڑھا -

اے طبع تیز اپنی روانی دکھا دے ہاں　　عاشق کا اپنے کرتا ہے معشوق امتحاں

نے فوج نے علم ہے نہ طاقت ہے نے تواں　　شدت کی ہے جو پیاس ہیں کام میں زباں

رنگت سفید خوف سے ہے آفتاب کی

پیری دکھا رہی ہے شباہت شباب کی

اُستاد - ذرا ٹھہر جائیے - کچھ بتا دوں - آپ خود ہی لکھ لیجئے - میری اصلاح کی ضرورت نہیں آپ کے تیسرے مصرع میں (نے) کا صرف ہے (نہ) کی جگہ آپ نے (نے) استعمال کیا ہے - اب متروک ہو چکا ہے - پچاس سال قبل سے ترک کر دیا گیا ہے لہذا اسے بدل لیجئے گا - چوتھے مصرع کو یوں بنا لیجئے گا -

ہیں تشنہ کام خشک دہن خشک ہے زباں

آپ کا یہ مصرع

شدت کی ہے جو پیاس نہیں کام میں زباں

اچھا نہیں ہے - پانچواں مصرع ٹھیک ہے لیکن اس میں یہ ترمیم کر دیجئے تو ایک خوبی پیدا ہو جائے یعنی (رنگت ہے زرد فاطمہؑ کے آفتاب کی) آپ سمجھے میں نے یہ کیوں بدلا صرف اس لیے کہ بند بھر میں کہیں حسینؑ کا ذکر نہیں اب وضاحت ہو گئی -

اور پڑھیئے -

سراپا کا بند

ابرو کا تھا اشارہ یہ افسوس بر ملا　　　اب رو بہ دم میں کھینچیں گے شمشیر شقیا
کیسے ہلال ماہ محرم تو ہے بجا　　　رویت یہ کہتی تھی کہ یہ ہی چاند عید کا
تیروں کا منھ پڑا جو شہ انس وجان پر
ڈوبی لہو میں قوس قزح آسمان پر

اُستاد ۔ بڑے افسوس کی بات ہے ۔ اتنا بڑا عیب آپ نظم کر گئے ۔

نواب ۔ حضور کس مصرع میں ۔

اُستاد ۔ پانچواں مصرع پڑھیے ۔

نواب (تیروں کا منھ پڑا جو شہ انس وجان پر)

(مصرع پڑھتے ہی عیب سمجھ گئے اور دانتوں کے نیچے انگلی دبالی) اور فوراً

عرض کیا حضور واقعاً بڑی فروگذاشت ہوئی ۔ دھوکا کھا گیا ۔

اُستاد ۔ مجھے بڑا صدمہ ہوا تھا مگر خیر معلوم ہوا کہ مسئلہ آپ کو یاد ہے ۔ اتفاقیہ دھوکا کھا گئے

بقول حضرت عشق رحمہ اللہ

خطا ہو اگر عشق سے کیا تعجب
بشر ہی بشر ہے بشر ہی بشر ہے

آپ اندر ترکیب کے ساتھ اعلان نون یعنی (شہ انس وجان نظم کرتے ۔

نواب ۔ خدا گواہ بالکل خیال نہیں رہا ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اساتذہ متقدمین کا کلام

برابر دیکھتا رہتا ہوں اُن کے یہاں اعلان نون کی بھرمار ہے ۔

اُستاد۔ زیادہ تر عشق و تعشق اور ان کے خاندان کے اساتذہ کا کلام آپ دیکھا کیجئے یہ چیزیں ان کے کلام میں نہ ملیں گی بلکہ کوئی ایسی چیز جس میں اساتذہ کو کلام ہو نہ ملے گی نہایت پاک و پاکیزہ کلام ہے۔ افسوس تو اس کا ہے کہ اکثر حضرات کان رکھتے ہیں اگر آنکھیں بھی ہوتیں تو لطف تھا۔ اور پڑھیئے۔

(یہ اُس مقام کا بند ہے کہ فوج ستم حسینؑ سے کہہ رہی ہے)

نواب۔ بہت خوب (بند)

لب خشک بار بار نہ ہم کو دکھایئے شدّت کی ہو جو پیاس تو کوثر پہ جایئے
جن و ملک کی فوج کمک کو بلایئے ہو اشتہا تو خلد سے میوے منگایئے

کیوں دل سے اپنے نالۂ شبگیر کھینچ لو
وقت زوال آگیا شمشیر کھینچ لو

اُستاد۔ واہ چار مصرع ایک رنگ کے بیت ایک رنگ کی۔

نواب۔ حضور میں نہیں سمجھا۔ کیا بات ہے ارشاد ہو۔

استاد چار مصرعوں میں دکھایئے جایئے بلایئے منگایئے اور بیت میں نالۂ شبگیر کھینچ لو شمشیر کھینچ لو۔ یہ نشتر گربہ نہیں ہے۔

نواب۔ (سر جھکا کے) جی دیتو کا ہو گیا مسئلہ معلوم تھا حضور سمجھا چکے ہیں۔

اُستاد۔ اگر یہ بیت یوں ہوتی تو یہ عیب نہ پیدا ہوتا۔

دل سے نہ آہ و نالۂ شبگیر کھینچیے
وقت زوال آگیا شمشیر کھینچیے

نواب۔ بے شک حضور یہ عیب پیدا نہ ہوتا۔ معافی کا خواستگار ہوں۔

اُستاد - نہیں بشریت کا تقاضا ہی مگر خیال رکھا کیجیے - میں کب تک زندہ رہوں گا.
ابھی آپ کو بڑے بڑے مقابلے کرنا ہیں - اپنا کلام خود بہ نظر غائر دیکھ لیا کیجیے
نواب - اساتذہ متقدّمین کے یہاں شتر گربہ بہ کثرت پایا جاتا ہی -
اُستاد - میں آپ سے پہلے سمجھا چکا ہوں کہ مسلہ جانتے تھے مگر جائز قرار دے لیا تھا -
اور پڑھیے -

(نواب برابر بند پڑھ رہی ہیں اُستاد و دوست تعریف
کر رہی ہیں کہ یہ بند پڑھا)

نواب - بہت خوب کہہ کے (بند)

لاریب میں ہوں وارث پیغمبر خلیل ؑ ماں وہ مری جو باپ کی اُمت کی ہی کفیل
بابا خدا کا شیر ہی اُستاد جبرئیل ؑ مختار خلد قاسم تسنیم و سلسبیل
تنہا ہوں لاکھ پر میں خدا سے جدا نہیں
بے اپنے انبیا کی بھی مشکل کشا نہیں

اُستاد - بند سست ہی - پانچواں مصرع لگا نہیں اور چھٹا مصرع پُر از تعقید ہی یعنی
تعقید لفظی ہی - اس کی مفصّل تقریر ایک زمانے میں کر چکا ہوں - بند نکال ڈالیے
اور پڑھیے -
نواب - بہت خوب کہہ کے (بند)

اصغر تو کیا ہی جا ہوں تو لشکر جلاؤں میں اس دشت کو جو چاہوں تو جنت بناؤں میں
زیرِ قدم ابھی کوثر بہاؤں یہیں خود کیا ہوں کم جو لوگ کمک کو بلاؤں میں
تم بے خبر ہو فوج ملائکہ بھی آ چکی عرصہ ہوا کہ فوج اجنّہ بھی جا چکی

اُستاد۔ واہ خوب۔ یہ بند بھی سُست ہی نکال دیجئے۔ مصرع شاندار نکالا کیجئے قوافی چست رکھا کیجئے چھٹا مصرع بالکل بھونڈا ہی۔ اور بہت بڑا عیب ہی کہ آپ نے جن کی جمع اجنہ استعمال کی ہو۔ جن کی جمع جنّات ہی اور جنین کی جمع اجنّہ ہو جس کے معنی بہت سے بچّے۔ آپ دھوکا کھا گئے۔ لغت دیکھتے رہا کیجئے اور پڑھیے

(نواب) نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

نواب۔ بہت خوب کہہ کے۔ (تلوار کی تعریف)

(بند)

تلوار نے کرشمے نئے جنگ میں دکھائے دریا لہو کے چار طرف دشت میں بہائے

دو ہو گئے حسینؑ کے دشمن جو زد پہ آئے بھیجی ہوئی خدا کی یہ ہو کون تاب لائے

گر سر کسی شقی کا لیا گاہ دھڑ لیا

تا کا جسے بھی دوڑ کے فوراً پکڑ لیا

اُستاد۔ یہ بند میرے سامنے نظر ثانی کر دیجئے۔ معاذ اللہ کتنا بڑا ادم آپ نظم کر گئے چھٹے مصرع کو تو خیال کیجئے کیا بات ہو۔ جس کو بیان کرنا نا ممکن ہو۔

دوست۔ واقعتاً جناب کی نظر خوب پہونچی۔

اُستاد۔ شاعری کھیل نہیں ہو۔ تمام باتوں کا لحاظ کرنا پڑتا ہو۔ بڑے بڑے اُستاد دھوکا کھا گئے ہیں۔ اس طرح کا شعر کہنا بھی مذموم ہو کہ پہلے مصرع میں گردن کا ذکر اور دوسرا یہ (جو مجھ غریب کی اَسّی رہ گزار پہ مارے) معاذ اللہ کتنا بڑا ادم ہو

مولانا۔ بے شک حضور میرا چھٹا مصرع مذموم ہو۔

اُستاد۔ آپ کا دوسرا مرثیہ ہی جو مشتاق کہلوتے تھے وہ نہ بچ سکے۔ کسی بزرگ کا مصرع

ہے۔ ساقی نامہ میں ساقی سے کہتے ہیں کہ میں بڑا شرابی ہوں بڑا پینے والا ہوں۔
اگر امتحان منظور ہے تو حوض کوثر پہ لے چل حوض کوثر پی جاؤں گا۔ اس مقام پر
مصرع فرماتے ہیں۔

حوض کوثر پہ کھڑا کر کے دکھادے ساقی

ایک بزرگ کا مصرع میں نے خود سنا ہے۔

افسوس خبر میری نہیں کوئی لوا تا

صاف لوا طا سمجھ میں آتا ہے یہ بھی مذموم ہے۔

مولانا کی طرف دیکھ کے ہمیشہ ایسی چیزوں سے بچنے کی کوشش کیجیے گا اور پڑھیے

مولانا۔ بہت خوب حضور ہمیشہ احتیاط کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ وقت بہت آگیا میرا بچہ علیل ہے
حکیم صاحب تشریف لانے والے ہیں۔ اجازت چاہوں گا۔

استاد۔ اچھا باقی آئندہ سنا دیجیے گا۔ مختصر سی تقریر اور سن لیجیے اور آپ جائیے۔
مرثیہ گوئی۔ بہت بڑا فن ہے۔ یوں تو سیکڑوں بلکہ ہزاروں مرثیہ گو دنیا میں گزرے
اور موجود ہیں۔ لیکن ان چار مرثیہ گویوں نے قلم توڑ دیے ان کا جواب دینا
مشکل نہیں کرسکتی۔ تعشق انیس دبیر عشق یہ چاروں ہمعصر مرثیہ گو تھے۔ سب کی
خصوصیتیں جدا جدا تھیں۔ ہر فرد ایک خصوصیت خاصہ کی مالک تھی۔ حضرت دبیر
کا کیا کہنا اتنا کہا کہ سب خاندانوں کا کلام ایک طرف اور حضرت دبیر کا کلام ایک
طرف دنیائے مرثیہ گوئی پہ احسان کر گئے۔

حضرت انیس ان کا بھی ان کے رنگ میں جواب نہ تھا زبان شستہ مضامین عالیہ
کلام میں تسلسل واقعہ نگاری۔ مرقع کشی خاص صفت تھی۔ جو کچھ کہا بے تکلف کہا

مختصر یہ کہ اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت عشقؔ ان کی احتیاط و نقت پسندی مشہور
خاص و عام ہے بڑے محتاط اور صاحب فن بزرگ ہیں۔ انیسؔ و دبیرؔ کی موجودگی
میں تیسرا خاندان عشقؔ و تعشقؔ لکھنؤ میں منوا لیا۔ اور دنیا کو ماننا پڑا۔ یہ اس پائے کے بزرگ
الفاظ متروکات میں ہیں جن کا تذکرہ کبھی کر بھی چکا ہوں۔ بس یوں سمجھیے کہ اتنے
کامل تھے بڑے بڑے بات کرتے ڈرتے تھے ان کی تین جلدیں منشی نولکشور کے مطبع
کی مطبوعہ ہیں۔ ان کا زعفر جن والا مرثیہ بہت مشہور ہے حضرت تعشقؔ ان کی خداداد
طباعی کا یہ عالم تھا کہ غزل کے بادشاہ تھے۔ مرثیہ بھی ایسا کہا کہ دلوں پر چھا گئے
کلام میں تغزل کی کوئی انتہا نہیں ہر مرثیہ ایک شاہکار ہے ان کی دو جلدیں غیر
مطبوعہ کلام کی انجمن محافظ اردو منصور نگر نیا محل لکھنؤ کے پتہ سے مل سکتی
ہیں۔ منگا کے پڑھیے تو معلوم ہو کہ کیا خوش گو اور عدیم المثال شاعر گزرا ہے۔
میں اپنا خیال آپ سے ظاہر کرتا ہوں کہ واقعہ نگاری اور مرقع کشی کی دنیا
میں یا انیسؔ ہیں یا تعشقؔ۔ دونوں نے اس پایہ کا کہا کہ یہ طے نہیں کیا جا سکتا
کہ کس کا کلام کس سے بہتر ہے۔ ایک رنگ ایک بات کسی جگہ وہ آگے بڑھ گئے
کہیں وہ آگے بڑھ گئے۔ موقع ملا تو بہ شکل موازنہ ایک کتاب تیار کروں گا تو دنیا
کی سمجھ میں آئے گا کہ دونوں بزرگ کیسے تھے۔

دیکھیے بات کہاں سے کہاں پہونچ گئی۔ جو بیان کرنا چاہتا تھا رہا جاتا
ہے وہ یہ کہ مرثیے میں کتنی چیزیں ہوتی ہیں۔ اور مرثیہ کسے کہتے ہیں۔

مرثیے کی تعریف

پہلے مرثیے کی تعریف بیان کر دوں۔ لغت میں مرثیے کی تعریف یہ ہے کہ کسی میت پر رونا۔ یہ تعریف عام ہے۔ لیکن اب مرثیہ کا اطلاق صرف اسی نظم پر ہوتا ہے جس کا تعلق واقعات کربلا اور شہدائے کربلا یا متعلقات شہادت حسینؑ سے ہو۔ واقعات کربلا سے مراد جو کچھ دس روز میں بالخصوص روز عاشورہ حسینؑ اور ان کے اصحاب و اعزا کو مصیبت پیش آئی۔ شہدائے کربلا سے مراد وہ بہتّر نفوس جو روز عاشورہ کام آئے جس میں جناب سید الشہدا اور جناب علی اصغرؑ بھی شامل ہیں۔ متعلقات شہادت حسینؑ سے مطلب یہ ہے کہ جناب صغرا کے حال کا بھی مرثیہ کہا جائے گا گو وہ روز عاشور نہ تھیں۔ اس طرف مدینے سے روانگی۔ قید سے چھوٹ کے مدینے واپس آنا اس کے متعلق نظم کو بھی مرثیہ کہیں گے۔ اسی طرح قید جانے کا حال دربار یزید کا حال دربار ابن زیاد کا حال۔ اہلبیتؑ کا تذکرہ یا راہ کوفہ و شام میں جو کچھ اہلبیتؑ پر گزری ان کے متعلق نظم کو اصطلاح میں مرثیہ کہیں گے۔ اسی طرح تمام ائمہ طاہرینؑ کی شہادت کا حال اگر نظم کیا جائے گا تو بھی مرثیہ ہی کہیں گے۔ اس میں خصوصیت مرثیہ گویوں کی اور شعرا کی نہیں ہے بلکہ عوام و خواص سب مذکورہ چیزوں کو مرثیہ ہی کہیں گے۔

مرثیہ میں کیا کیا ہوتا ہے

مرثیہ میں سب سے پہلے چہرہ ہوتا ہے۔ چہرے میں مختلف چیزیں نظم ہوتی ہیں۔ یا کوئی مرثیہ گو ثنائے دنیا نظم کر کے مرثیہ کی طرف ربط دیتا ہے کوئی اپنی مدح و ثنا

نظم کرتا ہے۔ بڑی بڑی تعلّیوں سے کام لیا جاتا ہے۔ کوئی اپنے خاندان کا ذکر کرتا ہے۔
کوئی دنیا کی حالت نظم کرتا ہے کوئی سفر کربلا کی حالت نظم کرتا ہے۔ چہرے کے بعد اکثر و
بیشتر یا تو شب عاشور کا ذکر کیا جاتا ہے یا صبح عاشور کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد
جس شہید کے حال کا مرثیہ کہنا مقصود ہوتا ہے ربط دے کے اس کی رخصت وغیرہ
کا ذکر کیا جاتا ہے رخصت کے بعد اگر عزیز ہے تو خیمہ سے نکلنا۔ پھر باہر سب سے رخصت
ہو کے سب کو سلام کر کے گھوڑے پر سوار ہو کے میدان میں جانا نظم کیا جاتا ہے۔ گھوڑے
کی تعریف، تلوار کی تعریف، سراپا ممدوح۔ میدان کی گرمی، ممدوح کی بے پناہ
جنگ کا تذکرہ، پھر شہادت کا ذکر۔ اسی طرح مدینے سے حسینؑ کی روانگی۔ مکّے کی جانب
امام کا روانہ ہونا مکّہ میں قیام حج کو عمرہ سے بدل کے حسینؑ کی کربلا کی طرف روانگی۔
دوسری کو کربلا پہنچنا۔ خیموں کا برپا ہونا، ترائی سے خیموں کا ہٹایا جانا، جناب عباسؑ
کا بگڑنا حسینؑ کا سمجھانا۔ اسی طرح بعد شہادت سید الشہدا آل اہلبیتؑ کا اسیر ہو کے
کوفے کی طرف جانا خصوصیت سے جناب زینبؑ و ام کلثوم و جناب سید الساجدین
یعنی بیمار کربلا کا تذکرہ۔ کوفے کے واقعات۔ ابن زیاد کے مظالم پھر اہلبیتؑ کا کوفے
سے شام جانا راستے کے واقعات و حالات پھر شام پہنچ کے دربار یزید میں اہلبیتؑ
کا جانا پھر قید شام کی مصیبتیں جناب سکینہؑ کا قید سخت میں انتقال، یہ سب مرثیے
سے متعلق ہے اور نظم کیا جاتا ہے۔

جناب رشید رحمہ اللہ نے صبح عاشور کے تذکرے میں بہار کا اضافہ کیا ہے۔ اور
خوب خوب بہار نظم فرمائی ہے۔ جناب مودّب نے بھی بہ کثرت بہار نظم فرمائی۔ میرے
خیال میں دیتے چچا اور استاد حضرت رشید رحمہ سے کسی طرح کم بہار نظم نہ فرمائی ہوگی

اسی طرح جناب رشید رحمہ اللہ نے ساقی نامہ بہ کثرت نظم فرمایا ہو ان کے قبل کے بعض اساتذہ نے دو دو ایک ایک بند ساقی نامے کے مرثیے میں کہے ہیں۔

یہ بھی بتادوں کہ جناب مختار کے حالات منظوم کو بھی مرثیہ ہی کہتے ہیں۔ انیس ؔ تعشق کے قبل کے مرثیہ گو مختلف بحروں میں مرثیے کہا کرتے تھے۔ مثلاً سوداؔ اور میرؔ انہ علاوہ ان کے میر کے مرثیے کے چند بند پڑھتا ہوں دیکھیے پہلے کیا طریقہ تھا۔

دوست۔ کیا بند زبانی یاد ہیں۔

اُستاد۔ جی ہاں یاد ہیں پورا مرثیہ یاد ہی چند بند سناتا ہوں۔

مولانا۔ خدا حافظہ کو اور زیادہ کرے۔

اُستاد۔ سنیے۔

مرثیۂ میر تقی میر
کے چند بند

شاک نے ہونا اکبر کا نہ چاہا   گیا قاسم جسے سب نے سراہا
کوئی دن نشہ نے جوں توں کر نباہا   عجائب سانحہ گزرا الٰہا
فآہاً[1] ثم آہا ثم آہا!

موئے یار و برادر اُس کے پیارے   سو ہو کر تشنہ لب دریا کنارے
تماشائی تھے لوگ امت کے سارے   کہیں سو کیا کہیں ہم غم کے مارے
فآہا ثم آہا ثم آہا!

---

[1] افسوس صد افسوس (۲) ثم کے معنی پھر دوبارہ۔

کہے وہ اے کمانداراں سواراں　　پیاسے میرے مارے دوستداراں
جواب اس کا یہ تھا مُنصف ہو یاراں　　نہ دیجئے پانی کریئے تیر باراں
فن آہا تم آہا تم آہا

عزیز ایسا کہ جو مہمان ہووے　　تصدّق اُس پہ کی گر جان ہووے
نہ اُس کے سر پہ یہ طوفان ہووے　　کہ قطرہ آب کو حیران ہووے
فن آہا تم آہا تم آہا

بڑے بیے سے بیٹھا ہاتھ دھوکر　　رہا چھوٹے سے چپکے چپکے روکر
لگی چھاتی یہ غم کی زور ٹھوکر　　کہے کیا غیر ازیں دل تنگ ہوکر
فن آہا تم آہا تم آہا

(جناب سید الشہدا کی شہادت کے بعد کے وہ ایک بند سُناتا ہوں)

رہا عابد سو اُس پر یہ مُصیبت　　بدن میں زور تپ سے کچھ نہ طاقت
نگہ میں نا امیدی تنگ حالت　　لبوں پر تا ہزار افسوس و حسرت
فن آہا تم آہا تم آہا

اسیر و خستہ دل بے زور و زر تھا　　کٹا سر باپ کا پیش نظر تھا
نہ یاور تھا نہ داور تھا نہ گھر تھا　　قیامت تھی غضب تھا شور و شر تھا
فن آہا تم آہا تم آہا

(بہت سے بند ترک کر کے صرف مقطع سُنائے دیتا ہوں)

نہ لکھ بس حیر بے طوری ایّام　　سر اُس بسم سعادت کا چلا شام
گیا وہ جمع بھی ناچار و ناکام　　نظر کر کتنے تھے سو بار ہر گام

فن آ ہا تم آ ہا تم آ ہا

دبیت ۔ واللہ کیا کیا بند میر نے کہے ہیں ۔

استاد ۔ کیا کہنا میر کا جواب نہ تھا اُس زمانے کا جو رنگ تھا اور زبان تھی اُسی رنگ و زبان میں مرثیہ کہا ہے ۔ ظاہر ہے کہ آج کل والے پسند نہ کریں گے

نواب صاحب کو تاخیر ہو رہی ہے اب تقریر مختصر کرتا ہوں ۔

مولانا کو گو تاخیر ہو رہی تھی مگر ادباً عرض کیا نہیں حضور ارشاد فرمائیں ۔

استاد ۔ موجودہ دور کے شعرا یعنی انیس و دبیر و تعشق اور ان کے ہمعصر اور ان کے بعد والے اس وقت تک صرف چار بحروں میں مرثیے کہتے ہیں ۔ جناب عشق و مودب وغیرہما نے علاوہ ان چاروں بحروں کے بھی مرثیے کہے ہیں مثلاً جناب عشق نے بحر تقارب یا متقارب میں مرثیہ فرمایا ہے ۔ در حال حضرت عون و محمد ۔ جس کا مطلع یہ ہے ۔

ستاروں کی آمد ہے کالی گھٹا میں

یا بحر خفیف (جس کو عوام مثنوی کی بحر کہتے ہیں) میں مرثیہ نظم فرمایا ہے ۔ جو جناب علی اکبر کے حال کا ہے جس کا مطلع یہ ہے ۔

عشق تاجِ سرِ فصاحت ہے

دونوں مرثیے بے نظیر ہیں ۔ اس طرح جناب مودب نے بھی بحر متقارب و خفیف میں کئی مرثیے نظم فرمائے ہیں مگر خفیف والے مرثیے کے دو مصرع یاد ہیں ۔ شب عاشور کا ذکر ہے ۔ حال حضرتِ حُر میں مرثیہ فرمایا ہے ۔

اس طرف تشر ، اُدھر شہ جمہور

بیچ میں پردۂ شب عاشور

جن مخصوص بحروں میں عموماً مرثیہ گویوں نے مرثیئے نظم فرمائے ہیں وہ چار بحریں یہ ہیں (۱) بحر ہزج (۲) بحر مضارع (۳) بحر مجتث (۴) بحر رمل۔ ان بحروں کو سالم نظم نہیں فرمایا ہے۔ بلکہ مزاحف۔ بس ان کی تفصیل سُنیئے اور میں تقریر ختم کروں تھک گیا۔

(مولانا اور دوست دونوں نے کہا بیان فرمایئے دل لگا ہوا ہے)

اُستاد۔ کچھ بحریں مفرد ہیں کچھ مرکب بحر ہزج بحور مفردہ میں شمار کی جاتی ہے اس کا وزن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن دو بار اسے بحر ہزج مثمن سالم کہتے ہیں۔ لغت میں ہزج کے معنی دلکش اچھی آواز اور گانے کی آواز کو کہتے ہیں۔ اہل عرب زیادہ تر جتنے گانے گاتے ہیں وہ قریب قریب اسی وزن پر ہوتے ہیں اصل اس بحر ہزج کی مسدس ہے یعنی مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن دو بار مگر شعراء ایران نے اسے مثمن بکثرت استعمال کیا ہے۔

ترجمہ حدائق البلاغہ میں مولوی صہبائی کا یہ خیال کہ اصل میں یہ بحر ہشت رکنی ہے دو رکن مثمن سے کم کرکے استعمال کیا گیا یہ قول ضعیف ہے۔

جب بحر ہزج کو مثمن استعمال کریں گے تو سالم اور مزاحف دونوں طرح استعمال کریں گے۔ بخلاف بحر ہزج مسدس کے کہ سوائے مزاحف کے سالم استعمال نہیں کرتے۔ اس کے عروض و ضرب سالم یا مقصور یا محذوف ہوتے ہیں۔ اس بحر سے رباعی کے اوزان بھی نکلے ہیں ان کو بیان کرچکا ہوں۔ مرثیہ گویوں نے یہ بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور الآخر استعمال کی ہے۔

(مفعولُ مفاعیلُ مفاعیلُ مفاعیل)

ناسخ کا یہ شعر اسی وزن پر ہے۔

تیرے لب جاں بخش ہوئے پان سے جب سُرخ
عالم نے کہا چشمۂ حیواں میں لگی آگ!

اور بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف الآخر بھی استعمال کی ہے

مفعولُ مفاعیلُ مفاعیلُ فعولن دو بار

جیسے مرزا دبیر علیہ الرحمہ کے مرثیے کا مطلع۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

اچھا یہ یاد رکھیئے گا کہ اگر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور۔ اور ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف ایک بیت میں جمع ہو جائیں تو شعر ناموزون نہیں کہلائے گا یہ جائز ہے۔

دوست۔ بھائی صاحب یہ مفاعیلن سے مفعول اور مفاعیل اور فعولن۔ کیونکر ہوا۔

اُستاد۔ زحافات کی وجہ سے یہ تغیر ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل حدائق و معیار وغیرہ میں ہے۔ نواب صاحب دیکھ لیں گے۔ میں نے مختصر عرض کیا۔

نواب۔ انشاء اللہ تعالیٰ ضرور دیکھ لوں گا۔ بلکہ کل زحافات یاد کر لوں گا گو پہلے یاد کئے تھے بھول گیا۔

استاد۔ دوسری بحر جسے مرثیہ گویوں نے زیادہ استعمال کیا ہے وہ بحر مضارع ہے اس کا وزن سالم یہ ہے مفاعیلن۔ فاعِ لاتن۔ مفاعیلن۔ فاع لاتن۔ دو بار یہ بحر سالم استعمال نہیں ہوتی بلکہ مزاحف استعمال کی جاتی ہے۔ بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور اس کا وزن۔

مفعول فاع لات مفاعیل فاع لان دوبار۔

جناب تعشق علیہ الرحمہ کے ایک مرثیہ کا پہلا مصرع مطلع کا یہ ہے۔

آمد مہ بتول کی ہے فوج شام میں!

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف اس کا وزن یہ ہے۔

مفعول فاع لات مفاعیل فاع لن دو بار۔

حضرت انیس علیہ الرحمہ کے مرثیہ کا مطلع۔

جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے

اس بحر میں بھی یہ جائز ہے کہ ایک مصرع اخرب مکفوف مقصور ہو اور دوسرا مصرع اخرب مکفوف محذوف ہو یعنی دونوں صورتیں جمع ہوسکتی ہیں۔

دوست۔ اس بحر میں بھی زحافات ہیں۔

استاد۔ جی ہاں بھیا۔ میں اس لیے زحافات کی تشریح نہیں کرتا کہ تھک چکا ہوں۔

نواب۔ بے شک حضور تھک گئے ہوں گے۔

استاد۔ بہت خستہ ہو چکا ہوں دو بحریں اور رہ گئی ہیں۔ میں اپنے بیان کو ختم کرتا ہوں آپ کو بھی تعجیل ہے۔ تیسری بحر بحر مجتث ہے اس کا وزن سالم یہ ہے۔

مس تفع لن۔ فاعلاتن مس تفع لن فاعلاتن دو بار۔

مجتث کے لغوی معنی جڑسے اکھاڑنے کے ہیں۔

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور اس کا وزن یہ ہے۔

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان بحرکت عین۔

ظفر شاہ دہلوی کا شعر ہے۔

لگا نہ خط سے رُخِ شوخ پر عتاب کو عیب
دگر نہ لگتا گہن سے ہے آفتاب کو عیب

بحر مجتث مثمن مخبون محذوف اس کا وزن یہ ہے -
مفاعلن فعلاتن مفاعلن فَعِلن

حضرت صفی لکھنوی کا مطلع ہے -

یہی خیال رہا ہم جو زہر کھا نہ سکے
یہی کہے گا زمانہ کہ ناز اُٹھا نہ سکے

بحر مجتث مثمن مخبون محذوف مسکن - اس کا وزن یہ ہے -
مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن بہ سکون عین آخر رکن -
حضرت عشق رحمہ اللہ کے مشہور زعفر جن والے مرثیہ کا مطلع اسی وزن پر ہے
عروج اے مرے پروردگار رو سے مجھ کو

بحر مجتث مثمن مخبون مسکن مقصور - اس کا وزن یہ ہے -
مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان بہ سکون عین آخر رکن

ظفر شاہ دہلوی کا شعر ہے -

غضب ہے اپنا ہے اُس شوخ خشم گیں پر دانت
جو پیتا ہے ستم عاشقِ حزیں پر دانت

اس کا عروض و ضرب مخبون ہے جسے مشعث مقصور بھی کہتے ہیں - یہاں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ چاروں وزن جو میں نے مع مثال کے بیان کئے ہیں یہ متحد شمار کئے جاتے ہیں یعنی بند میں ایک مصرع ایک وزن کا ہو دوسرا مصرع دیگر

وزن کا دوسرا مصرع دوسرے وزن کا تیسرا مصرع تیسرے وزن کا چوتھا مصرع
چوتھے وزن کا تو اس کو جائز قرار دیا ہے کوئی عیب نہیں۔

دوست۔ میں پھر کہوں گا کہ آپ کی یادداشت کے صدقے۔

اُستاد۔ یادداشت کا سوال نہیں کبھی یاد کیا تھا بس خدا کا شکر ہے کہ اب تک یاد ہے۔
مگر اب بسبب ضعف پیری دماغ سے نکلا جاتا ہے۔

ذاب۔ اللہ آپ کے حافظہ کو برقرار رکھے۔

اُستاد۔ چوتھی بحر بھی سُن لیجئے تقریر ختم کروں۔ وہ بحر رمل ہے۔ اس کا وزن۔ فاعلاتن
فاعلاتن۔ فاعلاتن۔ فاعلاتن۔ دوبار اس کے معنی لغت میں دوڑنے اور تیز
چلنے کے ہیں چونکہ یہ بحر سہولت کے ساتھ اور جلدی پڑھی جاتی ہے اس لیے اس کو
رمل کہتے ہیں۔ رمل مثمن مخبون مشعث مقصور۔ اس کا وزن یہ ہے۔
فَعِلاتن فَعِلاتن فَعِلاتن فِعلان بہ سکون عین آخر رکن دوبار
نظیر کا شعر ہے۔

یہی دل ہے کہ ہوا تھا نہ کبھی بھی غمناک
وہی دل ہے کہ ہوا تیغ قضا سے صد چاک

دوسرے رمل مثمن مخبون مقصور اس کا وزن یہ ہے۔
فَعِلاتن۔ فَعِلاتن فَعِلاتن فَعِلان بہ کسر عین آخر رکن دوبار
غالب دہلوی کا شعر ہے۔

بخشش دل نہیں بے رابطۂ خوف عظیم
کشش دم نہیں بے ضابطۂ جر ثقیل

تیسرے رمل مثمن مخبون محذوف مسکن اس کا وزن یہ ہے۔
فَعِلاتن فَعِلاتن فَعِلاتن فَعِلن بسکون عین آخر رکن دو بار۔
حضرت مودّب رحمہ اللہ جن کا انتقال ۲۶ر جون ۵۳ء کو یوم جمعہ ہوگیا اور
خدا مغفرت فرمائے۔ روضۂ حضرت زینبؑ جس کو زینبیہ کہتے ہیں وہاں دفن ہوئے
ان کے مرثیہ کا ایک مطلع ہے جس کا پہلا مصرع اس وزن پر ہے۔

مدد اے آدم و جنت کے بنانے والے

بات میں بات نکل آتی ہے۔ یہ مودّب وہ بزرگ تھے کہ جنھوں نے نام خاندان
عشق و تعشق کو روز روشن کی طرح چمکا دیا۔ بڑے محبِّ اہلبیتؑ بڑے صاحب
فن بزرگ تھے ان کی یادداشت کی انتہا نہ تھی۔ فن میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں تو
یوں کہوں گا کہ اس آخر دور میں ان کا جواب نہ تھا وہ کیا دفن ہوئے کہ فن مرثیہ
گوئی گویا دفن ہوگیا۔ تقریباً ایک سو سے زائد مرثیے ہزارہا سلام و رباعیات
چھوڑ کے دنیا سے سدھارے۔ عمر بھر سوائے مدّاحی اہلبیتؑ کچھ نہ کیا عمر بھر نماز
شب پڑھی تمام ائمہ کی زیارات کے بھی عامل تھے۔ ہزارہا مجلسیں پڑھیں۔
بلکہ لاکھوں کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ رکن العزا نواب علی صاحب مرحوم کی ۲۴ر رجب
کی مجلس بڑی محنت سے مرحوم پڑھا کرتے تھے۔ میں بھی برابر شریک ہوا ہوں۔ اب یہ
مجلس اُن کے صاحبزادے چھبن صاحب بنا کرتے ہیں۔ حضرت مودّب رحمہ اللہ
کے صاحبزادے جناب مہذب صدر انجمن محافظ اردو ۲۴ر رجب کو نیا مرثیہ
پڑھتے ہیں۔ ہمیشہ حضرت ناصر الملت اعلی اللہ مقامہ اس مجلس میں شرکت فرماتے
رہے۔ اب ان کے جانشین مجتہد العصر مرجع خواص و عوام حضرت سعید الملت دام مجدہٗ

بالالتزام شرکت فرماتے ہیں۔ بہت مقبول بھی ہو۔ اب ماہ رجب میں صرف چار
مجلسیں ایسی ہوتی ہیں جن میں نئے مرثیے پڑھے جاتے ہیں۔ ایک مجلس حضرت شدید
پڑھتے ہیں۔ ایک حضرت خبیر ایک حضرت رفیع کے صاحبزادے۔ ایک مہذب
صاحب۔

نواب ۔ یہ خبیر صاحب حضور وہی نہ اعجاز حسین صاحب مرحوم کے صاحبزادے مرزا
اوج مرحوم کے شاگرد۔

اُستاد ۔ جی وہی خبیر صاحب آپ کو یہ بھی بتادوں کہ بڑے مشاق زود گو۔ فن سے
ماہر ہیں جس گھرانے کے شاگرد ہیں یعنی حضرت دبیر اس رنگ میں ید طولیٰ حاصل ہے
بڑے منکسر المزاج ہیں صاحب تلامذہ اور حضرت شدید حضرت رشید رحمہ کے
حقیقی نواسے اُن کے جانشین عیوب سے بچ کے کہنے والے لاجواب پڑھنے
والے فن کی نگہداشت کرنے والے اپنے نانا کے رنگ میں رنگ ملادینے والے۔
بکثرت تلامذہ بھی ہیں بڑے عابد وزاہد مرد مقدس حضرت انیس کے پڑھنے
کی مجلس ۲۵ رجب کو ناظم صاحب کے امام باڑے میں پڑھتے ہیں۔
حضرت اوج کے پوتے حضرت رفیع کے صاحبزادے ۲۵ رجب کو اپنے کسی
بزرگ کا کلام پڑھتے ہیں۔ اس طرح بزرگوں کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

نواب ۔ مہذب صاحب جو ۲۴ رجب کو نیا مرثیہ پڑھتے ہیں۔ یہ بھی کچھ پڑھے لکھے
فن کے ماہر ہیں یا نہیں۔

دوست ۔ بس رہنے دیجئے دکھانے کے دانت اور ہیں کھانے کے اور ہیں۔ آتا جاتا خاک
نہیں نام یہ کہ صاحب بڑے محقق۔ صاحب فن۔

اُستاد ۔ یہ نہ کہئے ۔ غریب نے ساری عمر خدمت دین و ادب میں گزار دی آج خاندان
عشق و تعشق کا نام انھیں کی وجہ سے روشن ہے ۔ یہ تو غور فرمائیے کہ ۲۲ کتابیں
شائع کر چکے ہیں ۔ سال بھر میں دو نئے مرثیے کہتے ہیں ۔
دوست ۔ کہتے کچھ بھی نہ ہوں گے ۔ باپ دادا کے کلام کو اپنا کہہ کے پڑھتے ہوں گے ۔
کچھ اس کے یہاں سے لیا کچھ اس کے یہاں سے لیا ۔ اس کی بیت اس کے چار مصرع
جوڑ بٹور کے نیا مرثیہ کہہ کے پڑھ دیتے ہیں ۔
اُستاد ۔ نہیں ایسا نہیں رنگ کلام بتاتا ہے کہ یہ کلام بزرگوں کا نہیں اس لیے کہ اب شاعری
کا رنگ بدلا ہوا ہے ۔ مہذب صاحب رنگ قدیم و جدید کو سمو کے کہتے ہیں ماشاء اللہ
خاص مقبولیت حاصل ہے ۔ بہت کامیاب مجلسیں بیرونجات میں پڑھتے ہیں حضرات
پسند کرتے ہیں ۔ پڑھنے میں ایک ادا اور سادگی ہے جس میں خاص دلکشی ہے ۔ بہت
بے باکی سے پڑھتے ہیں ۔
دوست ۔ خیر آپ کو پسند ہوں گے مجھے کوئی ادا پسند نہیں ۔ کلام پھیکا بدمزہ ۔ جدت نہیں
پیدا وار کی کمی ۔
اُستاد ۔ آپ تو کچھ مہذب صاحب سے ناراض معلوم ہوتے ہیں ۔
دوست ۔ ناراض کیا وہ اُستاد بہت بنتے ہیں ۔
نواب ۔ جناب ایسا تو نہیں ہے ۔ مجھ سے معمولی سی ملاقات ہے میرا تجربہ تو یہ کہتا ہے
کہ بہت منکسر المزاج ہیں برابر یہی کہتے ہیں کہ مجھے کچھ نہیں آتا مجھے ایک مصرع
بھی صحیح نکالنا نہیں آتا ۔ ہر شخص سے جھک کے ملتے ہیں کبر و غرور کا تو نام
بھی نہیں جتنی ادب و زبان کی خدمت مہذب صاحب نے کی ہے ۔ شاید دیا بدی کسی نے

کی ہو۔ فاضل وممتازالافاضل دو بیر کامل بھی ہیں۔

دوست ۔ کی ہوگی۔ ہمیں نہ پڑھنا پسند نہ کلام نہ صورت نہ سیرت ۔ اب کچھ اور باتیں کیجیے وہ فاضل ہیں تو اپنے لیے قابل ہیں تو اپنے لیے۔

اُستاد ۔ بہت خوب غضب تو یہ ہو کہ بات میں بات ذکر میں ذکر نکل آتا ہو ۔ چوتھی صورت رمل مثمن مخبون محذوف اس کا وزن یہ ہو۔

فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن بہ کسر عین آخر رکن دوبار

غالب کا شعر ہو۔

ہوسِ گُل کا تصوّر میں بھی کھٹکا نہ رہا

عجب آرام دیا بے پروبالی نے مجھے

یہ بھی بتا دوں کہ یہ چاروں صورتیں ایسی ہیں کہ جمع ہوسکتی ہیں یعنی ایک مصرع ایک وزن کا دوسرا دوسرے وزن کا جمع ہوسکتا ہو جائز ہو اساتذہ نے جمع کرکے کہا ہو۔ بس جناب یہ کہہ کے ختم کروں کہ صرف چند اساتذہ مرثیہ گو ایسے گزرے ہیں کہ جنھوں نے ان چار بحروں کے علاوہ یعنی رمل ۔ مضارع ۔ مجتث ہزج کے علاوہ بھی بحروں میں مرثیے کہے ہیں تقریر مختصر کرتے ہوئے بتادوں

(۱) جناب عشق رحمہ نے بحر متقارب و تقارب میں مرثیہ نظم فرمایا ہو ۔ اور بہت مشہور ہو ۔ "ستاروں کی آمد ہو کالی گھٹا میں"

بحر خفیف میں مرثیہ نظم فرمایا ہو ۔ جس کا مطلع یہ ہو ۔

عشق تاجِ سرِ فصاحت ہو

معرکہ آرا مرثیہ ہو ۔ عجیب آمد و زور کلام ہو۔

(۲) جناب تعشق علیہ الرحمہ نے درحال حضرت علی اصغرؑ ایک مرثیہ نظم فرمایا ہی۔ جو بحر خفیف میں ہی جس کو عوام مثنوی کی بحر بھی کہتے ہیں۔ جس کا وزن یہ ہی

۱ فاعلاتن . مفاعلن فعلن

۲ فاعلاتن مفاعلن فعلان

دونوں طرح جائز ہی۔ اس مرثیہ کا مطلع یہ ہی۔

ماں سے اصغرؑ وداع ہوتے ہیں دیکھنے والے جان کھوتے ہیں
حرم اشکوں سے منھ کو دھوتے ہیں منھ پہ منھ رکھ کے شاہ روتے ہیں

رن کو جاتے ہیں ماں بلاتی ہے
ہاتھ پھیلائے ساتھ آتی ہے

خدا گواہ یہ مرثیہ مرحوم نے ایسا بے نظیر کہا ہی کہ کیا مدح کروں۔ واقعًا اس ہستی کا جواب نہ تھا جس رنگ میں کہا جو کچھ کہا لاجواب ہی کہا یہ خصوصیت کلام ہی کہ بھرتی کا بند یا بھرتی کا کلام آپ نہ پائیں گے۔ جو کچھ کہا عمدہ سے عمدہ اسی طرح حضرت مؤدبؒ نے بھی اس بحر میں ایک مرثیہ کہا ہی جو حال حضرت حُرؑ کا ہی۔ جس کی ایک بیت مجھے یاد ہی۔

اس طرف حشر ادھر شہ جمہور
بیچ میں پردۂ شبِ عاشورؑ

ایک مرثیہ مرحوم کا بحر متقارب میں بھی ہی۔ جس کے دو مصرع یاد ہیں۔

سنیں اہل مجلس نیا مرثیہ ہے
یہ سب مرثیوں سے جدا مرثیہ ہے

بس جناب تقریر ختم کرتا ہوں۔ اب بات نہیں کی جاتی۔

دوست۔ ہفتہ کو رحمانی صاحب تشریف لانے والے ہیں۔ دعوت کی ہے نواب صاحب سے وعدہ تو لیجئے۔ استاد خوب یاد دلایا (نواب صاحب کی طرف دیکھ کے) زحمت تو ہوگی۔ نان جویں یہیں نوش فرمائیے گا۔ بڑی پُرلطف صحبت ہوگی۔

نواب۔ بہت خوب میں تو نمک خوار قدیم ہوں ضرور حاضر ہوں گا۔

دوست۔ ہم تو دن گن رہے ہیں۔ مرغ پلاؤ، مچھلی، شاہی ٹکڑے یاد آرہے ہیں۔

استاد۔ (مسکراتے ہوئے) انشاء اللہ تعالیٰ وہ وقت بھی قریب ہے۔

(نوکر جو سامنے تپائی پر مٹھائی سن رہا ہے)

نوکر۔ کسی کی ایک مرغی ایک مرغ آگیا ہے ہم نے بند کر لیا ہے اُسی کو ذبح کریں گے۔

استاد۔ خاموش رہ تلاش کر کے جس کے ہوں دے آنا۔ اس طرح کی چیز حرام کہلاتی ہے تم عجیب انسان ہو۔

نوکر۔ پچاسوں مرغ اسی طرح کھا گئے جب حلال کر لیا تو پھر حرام کیسا۔

استاد۔ (دوست کی طرف دیکھ کے) آپ ان کی گفتگو دیکھ رہے ہیں۔

دوست۔ (ہنستے ہوئے) جب تک یہ گاڑی چلے چلنے دیجئے۔

استاد۔ خبردار بات میں نہ بولا کرو ہزار مرتبہ منع کر دیا

(استاد خاموش ہوئے تھے کہ نواب نے اجازت چاہی)

استاد۔ (خدا حافظ کہتے ہوئے) نواب صاحب ایک بات اور یاد آگئی سن لیجئے۔ جن مرثیہ گویوں کا تذکرہ کیا ان کے علاوہ ایک مرثیہ گو استاد اور بھی ہیں۔ حضرت سید سلطان صاحب فریدیہ حضرت اُنس و وحید کی یادگار ہیں لکھنؤ میں مرثیہ خوانی

کسی وجہ سے ترک فرمادی ہے ۔ فن میں ڈوبی ہوئی ہستی ہے ۔ انتہائی خلیق وصاحب
وضع بزرگ ہیں عنوان خوانندگی اتنا عمدہ اور سب سے علٰحدہ ہے کہ آپ دیکھ
کے عمر بھر بھول نہ سکیں ہر مصرع کی مکمل تصویر کشی فرماتے ہیں ۔ کلام میں خداداد
زور ہے عیب سے پاک نظم فرماتے ہیں مختصر یہ ہے کہ زبان نہیں جو تعریف کرسکوں
نواب صاحب بجا ہے درست ہے ۔ کہتے ہوئے سلام کرکے رخصت ہوگئے ۔ دوست
اپنے گھر گئے ۔ اُستاد محل میں تشریف لے گئے ۔

دلچسپ تحقیقات ۔ ۵

بقول میر دہلوی

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

وہ دن آگیا جس دن رحمانی صاحب وغیرہ دعوت میں شرکت کی غرض سے
آنے والے ہیں صبح کا وقت ہے اُستاد اور دوست کمرہ میں ہیں ۔

(مصاحب گنج سے ایک سید صاحب کو جو زیادہ تر مفلوک الحال
رہتے ہیں اُستاد نے وقتی کام کاج کے لیے بلوالیا ہے ۔ مقصد یہ ہے
کہ سب کام بہ سہولت انجام پاجائیں اور سید صاحب کو فائدہ پہونچے)

کمرہ کی سجاوٹ میں اضافہ کیا جارہا ہے ۔ ڈالوں میں کنول لگ رہے ہیں قطعات
صاف کئے جارہے ہیں ۔ گرد جھاڑی جارہی ہے ۔ اچھے اچھے بیش قیمت قالین
ملازم محل سے منگوا کے لارہا ہے ۔ جو مناسب مقامات پر بچھائے جارہے ہیں ۔

مرونگیں نکل کے صاف ہو رہی ہیں ۔ گاؤ کے غلاف بدلتے بدلتے دریافت کیا سید صاحب کیا حضور باورچی بلائیں گے ۔

استاد ۔ جی ہاں غلام حسین کے پل پر جائیے الہ بندے کے لڑکے کو جس کا نام صدیق ہے بُلا لائیے ۔

سید صاحب باورچی کو بلانے گئے آج ملازم کی جان پر بنی ہوئی ہے دوڑتے دوڑتے دم نکلا جاتا ہے ۔ منگائی رہو مچھلی لے آیا گری مچھلیاں منگایا خالص گھی اٹھا لیا ڈالڈا استاد جز بز ہو رہے ہیں ۔ دوست مُسکرا رہے ہیں ۔

استاد ۔ (ملازم کی طرف دیکھ کے) کیوں بھئی یہ گریاں تم سے کس نے منگائی تھیں ۔

ملازم ۔ ایک مچھلی سے تو اچھا ہے کہ سو مچھلیاں آگئیں دو دو چار سب کے حصّے میں پڑ جائیں گی ۔

استاد ۔ ہم لوگ دسترخوان پر ایسی مچھلیاں کھاتے ہیں ؟

ملازم ۔ کھاتے تو نہیں ہیں آج کھائی جائیں گی دسترخوان پر نئی چیز ہو گی ۔

استاد ۔ (دوست کی طرف دیکھ کے) آپ گفتگو ملاحظہ فرما رہے ہیں ۔

دوست ۔ آج دن بھر ملاحظہ فرمائیں گے ۔ خدا دعوت میں آبرو رکھے ۔

استاد ۔ دیکھئے خدا کیا کرتا ہے ۔ واللہ ناک میں دم ہے ۔

(محلّے کے ایک طالب علم نوجوان کو بلا کے جو استاد کی خدمت میں انتہائی عقیدت رکھتے تھے برابر سلام کرنے کو آیا کرتے تھے ۔ استاد بھی محبت کرتے تھے حکم فرمایا کہ میرے چند احباب کو اطلاع کر آئیے منجملہ ان کے مولانا جو اصلاح لینے آتے تھے انھیں بھی کہلوا دیا)

طالب علم۔ بہت خوب حضور ابھی اطلاع کئے آتا ہوں۔ یہ کہہ کے وہ چلے گئے دن بھر
اہتمام دعوت رہا بعد نماز مغرب استاد اور دوست کمرے میں بیٹھے۔ کنول مردنگین
وغیرہ روشن کی گئیں۔ باورچی نے بڑی دلچسپی سے حکم کے مطابق کھانا تیار کیا محل میں
بیگم صاحبہ نے بنفس نفیس بالائی کے ٹکڑے تیار کئے ایک ایک دو دو کر کے تقریباً
دس احباب بھی تشریف لائے۔ جو ایک سے ایک بہتر شاعر۔ پرانی تہذیب کے نمونے
پیش ہو رہے ہیں نستعلیق گفتگو چھڑی ہوئی۔ نواب صاحب اور مولانا صاحب
بھی اتفاق سے ایک ساتھ آگئے۔ گزشتگان کا تذکرہ چھڑا ہوا ہے۔ یاد تازہ
کی جا رہی ہے کہ جناب رحمانی صاحب تشریف لے آئے۔ سب یکبارگی کھڑے ہوگئے
رحمانی صاحب کو استاد نے اپنے پاس صدر میں بٹھایا۔ آداب تسلیمات کی رسم تو
پہلے ہی ادا ہو چکی تھی۔ مزاج پرسی کرتے ہوئے استاد نے کہا کہ میں چشم براہ تھا
رحمانی صاحب۔ خدا حضور کو زندہ رکھے۔ مجھ ایسے نااہل کی یہ عزت افزائی۔
استاد۔ اگر آپ کے ایسے نااہل اس دنیا میں اور ہو جائیں تو زبان وادب و وضع کا
خاتمہ نہ ہو۔

دوست۔ جناب درست فرماتے ہیں۔ ہمارے رحمانی صاحب غیر معمولی ہستی ہیں۔
استاد دوست کی طرف دیکھ کر پہلے شاعری ہو یا دسترخوان بچھایا جائے۔
دوست۔ میرے خیال میں یہ مقولہ اپنے مقام پر بالکل درست ہے،
اَوَّلاً طعام بعدہٗ کلام
استاد۔ (سید صاحب کی طرف دیکھ کے) خود دسترخوان بچھوا دیجئے۔
سید صاحب۔ بہت خوب کہہ کے کھڑے ہو گئے۔ اور ملازم سے کہا۔ دسترخوان لاؤ۔ ملازم

بجائے اس کے کہ محل سے دسترخوان منگوائے ایک میلی چاندنی جو دھوبی کے یہاں لے جانے کے لیے اندر سے بھیجی گئی تھی اٹھالایا اور کہا لیجیے، بچھائیے۔ سید صاحب نے اب جو چاندنی کو کھولا تو انتہا کا میلی۔ سب تعجب سے دیکھنے لگے۔ اُستاد کا چہرہ غضب سے سُرخ ہوگیا۔

(ملازم کی طرف دیکھ کے۔ یہ دسترخوان ہے؟)

ملازم۔ چاندنی کل دھونے جارہی ہے۔ دسترخوان خراب ہو جائے گا۔ میں نے خیال کیا کہ یہی چاندنی بچھادوں۔

ریحانی صاحب۔ (اُستاد کی طرف دیکھ کے) حضور یہ وہی اسی دن والے ملازم ہیں۔

اُستاد۔ جی ہاں یہ وہی بلا ہے جو مجھے قبر میں پہونچانے کو آئی ہے۔

(سب خدا نخواستہ کہہ کے مسکرانے لگے)

(ملازم کی طرف دیکھ کے)

چاندنی لے جاؤ اندر سے اُجلا دسترخوان لاؤ۔

سید صاحب۔ اماں تمہارا دماغ کہاں ہے۔ کچھ پاگل سے معلوم ہوتے ہو۔ لو چاندنی لے جاؤ جلدی دسترخوان لاؤ۔ محل سے دسترخوان آیا سید صاحب نے بچھادیا۔ کھانا نکل نکل کے آنے لگا۔ سب نے تعریفیں کرکے کھانا کھانا شروع کیا۔

ملازم نے بغیر مانگے گلاس بھر بھر کے سب کے سامنے پانی حاضر کرنا شروع کردیا۔ تہذیباً لوگوں نے پینا شروع کیا۔ دوست نے ملازم سے کہا کہ پانی کسی نے مانگا نہیں تم پلانے لگے۔

ملازم۔ مانگنے پر کسی کو کچھ دیا تو کیا دیا بے مانگے دے تو سخی ہے۔

اُستاد۔ آپ تو حاتم کی نسل سے معلوم ہوتے ہیں۔ ٹھہر جاؤ۔ جب پانی سے پیٹ بھر جائے گا تو کھانا کیا کھایا جائے گا۔

ملازم ٹھہر گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اب جو حضرات نے پانی مانگا۔ تو کسی کو پانی نہیں دیا دوست نے ملازم سے کہا کہ آپ پانی مانگ رہے ہیں دیتے نہیں۔

ملازم۔ پیٹ بھر جائے گا کھانے کے بعد دوں گا۔

دوست۔ تم حرامی حلالی کا قصّہ کرتے ہو یا تو بغیر مانگے گلاس بھر بھر کے پلا رہے تھے یا مانگنے پر پانی نہیں دیتے۔

ملازم۔ سرکار نے فرمادیا ہے کہ جب پانی سے پیٹ بھر جائے گا تو کھانا کیا کھایا جائے گا

(سب اہلِ بزم ہنسنے لگے اُستاد کو انتہائی غصّہ ملازم پر آیا مگر بہ مصلحت صبر کیا)

رحمانی صاحب۔ یہ کسی اور مقام کے رہنے والے ہیں۔

دوست۔ لکھنؤ سے دس کوس کے فاصلے پر ایک گاؤں کا نام ہے حماقت نگر۔ ان کی وہیں کا پیدائش ہے۔

اُستاد۔ ہنس پڑے اور فرمایا کہ آپ کی بہت دلچسپ گفتگو ہوتی ہے۔

رحمانی صاحب۔ جی حضور آپ بہت ظریف الطبع ہستی ہیں۔

دوست۔ جی درست ہے ظریف مرحوم تو مر گئے آپ مجھے صرف (الطبع) فرض کو لیجئے۔

(سب یکبارگی کھل کھلا کے ہنس پڑے)

سب نے کھانے سے فراغت کی ہاتھ دھو کے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے حُقّے بھر بھر کے آگئے۔ پان کا دور چلنے لگا۔

اُستاد نے نواب صاحب اور مولانا صاحب سے فرمایا کہ آپ حضرات ایک ایک غزل رحمانی صاحب کو سُنائیں۔ مولانا صاحب نے دست بستہ بہت خوب کہہ کے غزل شروع کردی۔ جس کا مطلع یہ تھا۔

رَہِ الفت کے طے کرنے پہ مائل اس قدر دل تھا
مسافر مرگیا تھک کے مگر رُخ سوئے منزل تھا

اس مطلع کی خصوصیت سے رحمانی صاحب نے بہت تعریف کی اور اہلِ بزم بھی دیر تک محظوظ ہوتے رہے۔ غزل ختم ہونے کے بعد نواب صاحب نے اُستاد سے اجازت لے کے غزل پڑھی جس کا مطلع یہ تھا۔

یوں نشانہ تاک کے مارا بُتِ بے پیر نے
مجھ سے دنیا چُھٹ گئی دل کو نہ چھوڑا تیر نے

رحمانی صاحب اُچھل پڑے (اُستاد کی طرف دیکھ کے) آپ کی تعلیم کا کیا کہنا۔ مولانا صاحب کا مطلع تو لاجواب تھا ہی اس مطلع کو سُن کے خون دوڑنے لگا واہ ری زبان کیا شوخیٔ کلام ہے۔

اُستاد۔ یہ سب ان حضرات کی محنت کا نتیجہ ہے۔ مجھے خود ایک مصرع صحیح کہنا نہیں آتا۔
ان دونوں صاحبوں کے بعد اُستاد کے چھ ساتھیوں نے ایک ایک غزل سنائی۔ کمرے سے واہ واہ کی آوازیں بلند ہوتی رہیں۔ بہت کامیاب صحبت شعر و شاعری ہو رہی ہے کہ رحمانی صاحب نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور میں ایک غزل پڑھ دوں پھر حضور اپنا کلام بلاغت نظام سُنائیں۔

اُستاد۔ جی نہیں۔ میں پہلے سُنا دوں آپ سب کے بعد ارشاد فرمائیے گا۔

رحمانی صاحب۔ بخدا پھر نہ پڑھوں گا۔ میری یہ مجال کہ آپ کے کلام کے بعد پڑھوں۔

استاد۔ آپ مہمان ہیں جو خوشی ہو مجھے منظور ہے۔

رحمانی صاحب نے جیب سے کاپی نکال کے غزل کا مطلع پڑھا۔

تن سے سدھاری جانِ حزیں دل اُداس ہے

وہ کارواں لٹا ہے کہ منزل اُداس ہے

اہل محفل جھومنے لگے چھتیں اُڑنے لگیں اور کیوں نہ ہو مطلع ہی قیامت کا ہے استاد کو معلوم تھا کہ یہ مطلع کس کا ہے رحمانی صاحب اپنے نام سے پڑھ رہے ہیں۔ چونکہ لکھنؤ کی تہذیب مانع تھی اس لیے صرف تعریف ظاہری پر اکتفا کی۔ اتنا ضرور فرمایا کہ نہ ایسے حضرات پیدا ہوں گے نہ ایسے مطلعے سننے میں آئیں گے رحمانی صاحب جھک جھک کے سلام کر رہے ہیں اور برابر استاد سے بھی عرض کر رہے ہیں کہ بہ نظر اصلاح ملاحظہ ہو۔

استاد۔ برابر یہی فرمار ہے ہیں کہ میں کیا کل اساتذہ پھر زندہ ہو جائیں تو اصلاح کی گنجائش نہ نکال سکیں۔

رحمانی صاحب نے دوسرا مطلع پڑھا۔

کیونکر کہوں کہ یار کی محفل اُداس ہے

کوئی نہیں اداس مرا دل اُداس ہے

اہل بزم اُچھل پڑے واہ واہ کے نعرے بے تحاشا بلند ہوئے استاد بھی جھومنے لگے معلوم تھا کہ یہ مطلع کس کا ہے مگر کچھ ظاہر نہ فرمایا اور ظاہری تعریف فرماتے رہے۔ المختصر رحمانی صاحب نے گیارہ شعروں کی غزل اسی طرح

میں سُنائی ۔ حضّارِ محفل بہت شدّومد کے ساتھ رحمانی صاحب کا دل بڑھاتے رہے۔

(اُستاد نے اور فرمائش کی مگر رحمانی صاحب نے دوسری غزل
نہیں پڑھی بلکہ اصرار کیا کہ حضور کچھ کلام سُنائیں اہلِ محفل نے بھی
تائید کی بڑی دقت سے اُستاد مرثیے کے چند بند سُنانے پر آمادہ ہوئے)

اُستاد ۔ آپ کی فرمائش پوری کرنا فرض سمجھتا ہوں چند بند مرثیے کے پیش کرتا ہوں ۔
ملاحظہ ہوں (اہلِ بزم کی طرف دیکھ کے) آپ حضرات بھی ملاحظہ فرمائیں

معراج کے مرثیے کے بند

جلوہ گر خلد میں ہے چہرۂ تابانِ رسولؐ — شبِ معراج ہوئی جاتی ہے قربانِ رسولؐ
دو جہاں کیوں نہ ہوں وابستۂ دامانِ رسولؐ — عرش و کرسی سے دوبالا ہے کہیں شانِ رسولؐ
انجم و ماہ فلک نقشِ قدم شاہ کے ہیں
حسن کہتا ہے کہ محبوب یہ اللہ کے ہیں

(حوروں کی تعریف)

نشۂ حوروں کو مئے حسن کا مستانہ چال — ڈورے آنکھوں میں گلابی وہ بھویں رشکِ ہلال
حسن رفتار سے جنبش میں ہیں جنت کے نہال — بڑھ کے ٹکراتی ہے طوبیٰ سے صدائے خلخال
مسکراتی ہیں تو ہر دل کی کلی کھلتی ہے
اس طرح جھوم کے چلتی ہیں زمیں ہلتی ہے

محوِ نظارۂ فردوس حبیبِ داور — وہ سحابِ کرمِ خالقِ اکبر سر پر
مجمروں میں وہ سُلگتا ہوا عود و عنبر — حور و غلمانِ جناں کا وہ جلو میں لشکر

وہ درود آلِ نبیؐ اور نبیؐ پر پڑھنا
کبھی تھمنا تو کبھی جھوم کے آگے بڑھنا

آئے نزدیک جو سدرہ کے نبیؐ رحمت
بولے جبریلؑ اب آگے نہیں میری طاقت
اُڑ کے سدرہ سے گزر جاؤں کہاں طاقت
یاں سے تنہا ہوں رواں چھوڑ کے سب حضرت

چھوٹے جبریلؑ و براق آپ چلے پاؤں سے
پہونچے تا عرشِ علیٰ نور کے دریاؤں سے

آئی قدرت کی صدا ہو نہ ذرا دل میں ملول
تم تو درگاہ خدا میں ہو ازل سے مقبول
نہ ڈرو اور قریب آؤ قریب آؤ رسولؐ
تم سا دنیا میں کسے آج تقرب ہے حصول

تم ہو محبوب ہمارے ہمیں پیار آیا ہے
تم سے باتیں کریں اس واسطے بلوایا ہے

تمام حضارِ بزم اور بالخصوص رحمانی صاحب وجد میں جھومنے لگے اور درود کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اُستاد نے عذر کیا بس اب اسی قدر بند یاد تھے۔

رحمانی صاحب نے عرض کیا کہ حضور نے کلام سے محظوظ فرمایا بخدا حضور کا جواب نہیں کیا بند سنائے ہیں۔ دیدۂ دل روشن ہو گئے۔

اُستاد۔ آداب بجا لاتا ہوں۔ سب آپ کا حسنِ ظن ہے میں ایک ہیچ مداں مجھے کیا سلیقہ صرف اس لیے کہہ لیتا ہوں کہ مدّاحوں کی فہرست میں میرا نام بھی درج ہو جائے جو باعث نجات دین و دنیا ہو۔

رحمانی صاحب۔ حضور گو تاخیر ہو گئی ہے رات زیادہ آ چکی ہے مگر چونکہ جلد واپسی کا ارادہ ہے۔ شاید اب حاضر ہونا نہ ہو۔ چند چیزیں قابل دریافت ہیں۔

اُستاد - ضرور دریافت فرمائیے اگر معلوم ہوں گی تو ضرور عرض کروں گا۔

دوست - آپ کے یہاں معلوم وغیر معلوم کا سوال نہیں - میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ جو جس نے سوال کیا آپ نے مکمل حل کر دیا۔

ریحانی صاحب - چوبیس چیزیں دریافت طلب ہیں حضور حل فرما دیں تو ممنون ہوں

(۱)	بے ہنگم	(۹)	راٹیا	(۱۷)	گھروالی
(۲)	پھوکٹ	(۱۰)	شرفا	(۱۸)	مرناجوگا
(۳)	نیشاخا	(۱۱)	نامکر	(۱۹)	املت
(۴)	تغمہ	(۱۲)	نت خاطر	(۲۰)	ادھورا
(۵)	ٹپانا	(۱۳)	ہائجا	(۲۱)	ڈھینڈا
(۶)	جانب کار	(۱۴)	فاتیاں	(۲۲)	فرش کرنا
(۷)	دقان ہونا	(۱۵)	افیمی	(۲۳)	اُجلی
(۸)	جانٹا	(۱۶)	انٹی بازی	(۲۴)	لٹو بے بھانا

ان الفاظ و محاورات کی مختصر مختصر تشریح فرما دیجئے - میرے وطن میں نہایت زیادہ اختلاف ہے۔

اُستاد - (۱) بے ہنگم دراصل بے ہنگام تھا کثرت استعمال سے بے ہنگم ہو گیا اور معنی میں بھی فرق ہو گیا - اس کے معنی بے تکا - اگر کوئی انسان بے تکی بات کرتا ہے تو کہتے ہیں عجب بے ہنگم انسان ہے - فصحا نہیں بولتے عوام استعمال کرتے ہیں۔

(۲) پھوکٹ کے معنی مفت بازاری زبان ہے فصحا نہیں بولتے۔

(۳) نیشاخہ اس کی اصل پنج شاخہ تھی جس کو عوام سہولت کے خیال سے نیشاخہ بولنے لگے

(۴) تنخا۔ اس کی اصل تنخواہ ہے۔ عوام تنخا بولتے ہیں اور یہ غلط بھی ہے۔

(۵) ٹپانا۔ اس کے معنی غائب کرنا۔ چھپا دینا۔ بازاری زبان ہے۔ فصحائے لکھنؤ نہیں بولتے۔

(۶) جانب کار۔ اس کے معنی واقف کار۔ فصحا نہیں بولتے۔ عوام کی زبان ہے۔

(۷) دفان ہونا۔ معنی دفع ہونا۔ دور ہونا۔ زیادہ تر عورتیں بولتی ہیں لفظ غلط ہے اکثر عوام مرد بھی بولتے ہیں۔

(۸) چانٹا۔ سر پر یا چندیا پر ہاتھ مارنا بازاری زبان۔ ایک لغت میں اس کے معنی طمانچے کے لکھے ہیں۔ وہ غلط ہیں۔ طمانچہ ہمیشہ رخسار پر مارا جاتا ہے چانٹا ہمیشہ سر پر۔ فصحا ایسے الفاظ کا استعمال حرام سمجھتے ہیں۔ یہ خاص عوام وہ بھی پست طبقے کی زبان ہے۔

(۹) راپٹا۔ معنی طمانچہ۔ یہ بھی عوام استعمال کرتے ہیں فصحائے لکھنؤ کبھی نہیں بولتے بلکہ یوں کہوں کہ بالکل بازاری زبان ہے۔

(۱۰) شرد ا۔ اس کی اصل تھی (شور رہا) عورتیں اور عوام بولتے ہیں جہلا زیادہ استعمال کرتے ہیں فصحا نہیں بولتے۔

(۱۱) نامکر۔ انکار کرنا۔ اس لفظ کی ترکیب ہی صحیح نہیں عورتیں وہ بھی جاہل عورتیں زیادہ بولتی ہیں۔ مرد بھی بولتے ہیں مگر عوام۔ فصحائے لکھنؤ نہیں بولتے۔

(۱۲) نشا خاطر۔ اطمینان۔ خاطر جمع۔ ترکیب ہی غلط ہے جہلا بولتے ہیں فصحا کبھی نہیں بولتے۔ نہ بولنا چاہئے۔

(۱۳) ہائی۔ مثل جیسے کوئی کہے کہ آپ کی وہی ہائی ہے۔ یعنی وہی مثل ہے۔ زبانِ

کا لفظ ضرور ہے ۔ مگر فصحا نطقاً کبھی استعمال نہیں کرتے ۔ نثر میں بھی یہ پرہیز کرتے ہیں

(۱۴) فاتیاں ۔ اس کے معنی فاتحہ واحد فاتیہ جمع فاتیاں دونوں غلط لیس ایسے محل پر فاتحہ بولتے ہیں ۔ عوام عورتیں زیادہ بولتی ہیں ۔ فصحا کبھی نہیں بولتے ۔

(۱۵) افیمی ۔ معنی ۔ افیونی ۔ چونکہ عوام نے افیون کو افیم کر لیا لہذا افیون پینے والے کو افیمی کہنے لگے یہ بھی عوام بولتے ہیں ۔ فصحا کبھی نہیں بولتے ۔

(۱۶) انٹی بازی ۔ دھوکہ بازی ۔ چوٹ ۔ چار سو بیس ۔ میں نے بھی عوام کی زبان میں معنی بتائے ۔ نہ انٹی بازی فصیح ہے ۔ نہ میرے بتائے ہوئے معنی یہ سب عوام کی زبان ہے فصحا نہیں بولتے ۔

(۱۷) گھرواہا ۔ اس کے معنی گھر ۔ مکان یہ خاص عورتوں کی زبان ہے ۔ مرد نہیں بولتے ۔ جاں صاحب کا شعر ہے ۔

جو کہتے ہو سچ کہتے ہو ہاں میں تو ہوں ایسی
گھرواہے میں تو جا کے خبر لیجئے بہن کی

فصحا نہیں بولتے ۔ یہ لفظ زبان میں داخل ضرور ہے ۔

(۱۸) مرنا جوگا ۔ مردہ ۔ مرا ہوا ۔ خاص عورتوں کی زبان ہے ۔ نواب مرزا مرحوم شوق کے دو مصرع ہیں ۔

ناحق افیون مجھ پہ کھائی ہے
مرنے جوگے کی شامت آئی ہے

افیون کے لحاظ سے مرنا جوگا استعمال کیا ہے ۔ جوگا اس فضلہ کو کہتے ہیں یعنی اس بچی ہوئی افیون کو جو گولی گھولنے کے بعد بچتی ہے وہ بے کار شے ہوتی ہے افیونی

اُسے بے کار سمجھ کے پھینک دیتے ہیں۔

(۱۹) الست۔ معنی مست۔ جس کو کافی نشہ ہو۔ یہ بھی عورتوں کی خاص زبان ہے فصحار لکھنؤ نہیں بولتے۔

(۲۰) ادھورا۔ معنی وہ کام جو انجام نہ پائے۔ چنانچہ اس کے لیے بھی نواب مرزا شوقؔ کا شعر پڑھ دوں۔

کون تجھ کو کہے ادھورا ہے
ارے تو سب گنوں میں پورا ہے

یہ بھی عورتوں کی زبان ہے۔ فصحار لکھنؤ نہیں بولتے۔

(۲۱) ڈھینڈا۔ معنی پیٹ۔ شکم۔ خاص عورتوں کی زبان ہے۔ جانؔ صاحب کا شعر یاد آگیا۔

خدا ہی خیر کرے بیگما کے ڈھینڈے کی
مہینہ میٹھا ہو کھاتی ہوئی اچار آئی

فصحار لکھنؤ نہیں بولتے۔

(۲۲) فرش کرنا۔ معنی اتنا مارنا کہ انسان بے حال ہو جائے۔ جانؔ صاحب کا شعر ہے

لے بی مہتابی اگر چاندنی لے جاؤ گی
فرش کر دیں گے ابھی مار کے فراش تمھیں

مشترک ہے عورت مرد دونوں بولتے ہیں۔ فصحار لکھنؤ بھی بولتے ہیں۔

(۲۳) اُجلی۔ معنی دھوبن۔ کسی کا شعر ہے۔

اُجلی کی جان کو روتی ہوں لگائے چکٹ ۔۔۔ اب تو گٹھری میں بھی کوئی نہیں اُجلا جوڑا

خاص عورتوں کی زبان - زچہ خانوں میں نحوست کے خیال سے بجائے دھوبن کے
عورتیں اُجلی کہتی ہیں - مرد نہیں بولتے ۔
(۱۴) ٹسوے بہانا معنی پھوٹ پھوٹ کے رونا - دکھانے کے لیے رونا - یہ بھی
عورتوں کی زبان ہے - مرد نہیں بولتے - فصحا سے اس لفظ سے کوئی تعلق نہیں ۔
جناب رحمانی صاحب آپ نے جس ترتیب سے پوچھا اُسی ترتیب سے جوابات دیئے
آپ کی تشفی ہوگئی ۔
رحمانی صاحب - حضور کیا مدح کروں تمام شکوک رفع ہوگئے - اگر کبھی کوئی شک ہوگا تو جناب کی
خدمت میں عریضہ حاضر کروں گا - حضور جواب ضرور مرحمت فرمائیں ۔
اُستاد - انشاء اللہ تعالیٰ ضرور جواب دوں گا ۔
ملازم - ٹسوے بہانا ہم بھی بولتے ہیں ۔
دوست - آپ بھی تو ایک قسم کی عورت ہیں ۔
اُستاد - (مسکراتے ہوئے) آپ بدتمیزی ملاحظہ فرما رہے ہیں ۔
دوست - میری تو تفریح ہوتی ہے - بڑا ہنسانے والا ملازم خدا نے آپ کو دیا ۔
ملازم - سرکار نے جن کو بتایا ہے کہ عورتیں بولتی ہیں - ہم سب بولتے ہیں ۔
اُستاد - بس خاموش بیٹھے رہو - دخل در معقولات سے کیا حاصل ۔
رحمانی صاحب - آدمی کم عقل معلوم ہوتا ہے - حضور مجھے اجازت مرحمت ہو رات زیادہ آگئی
ہے - عالم مسافرت ہے ۔
اُستاد - آپ نے بڑا کرم فرمایا - میں بہت ممنون ہوں ۔
رحمانی صاحب - حضور نے غریب نوازی فرمائی - سفر کی زحمتیں بھول گیا عمر بھر یہ نشست

یاد رہی گی۔ آپ کے دم سے لکھنؤ لکھنؤ ہو۔

(یہ کہتے کہتے کھڑے ہو گئے۔ تمام اہل بزم اُستاد کے ساتھ کھڑے ہوئے رحمانی صاحب نے فرداً فرداً سب سے مصافحہ کیا دوست نے خاص طور سے شکریہ ادا کیا۔ اُستاد کے ہاتھ چوم کے رخصت ہوئے اُستاد پھاٹک تک پہونچا کے پھر کمرے میں تشریف لائے)

دوست۔ (اُستاد کی طرف دیکھ کے) کیوں جناب کتنے زوردار مطلع سُنائے واللہ کیف کم نہیں ہوتا رحمانی صاحب خوب کہتے ہیں۔

اُستاد۔ سُنائے تو مگر کہنے والے کی خدا مغفرت کرے۔

دوست۔ اس کے کیا معنی کیا کسی اور کا کلام ہے۔

استاد۔ جی ہاں یہ کلام جناب نواب نادر آغا صاحب مرحوم شاگرد حضرت تعشق علیہ الرحمہ کے مطلعے ہیں ان کے قلمی دیوان میں موجود ہیں یہ کلام جناب سید صاحب تعشق کا دیکھا ہوا ہے۔ آپ نے کلام کی قوت ملاحظہ کی۔ برسوں میں کہیں ایک مطلع بھی ایسا نہیں نکلتا۔ پہلا مطلع۔

تن سے سدھاری جان حزیں دل اداس ہے
وہ کارواں لُٹا ہے کہ منزل اُداس ہے

(وہ) کے زور کی کوئی انتہا ہے۔

(دوست اور تمام اہل بزم بے شک حضور کیا کہنا)

دوست۔ کون نواب نادر آغا صاحب۔

اُستاد۔ جناب نواب محمد حسن خاں صاحب آغا میر کی ڈیوڑھی والے اُن کے والد مرحوم تھے

اللہ تو تصحیح کردوں ۔ جناب نواب سکندر آغا صاحب جو حضرت تعشق رحمہ اللہ
کے مرثیہ پڑھتے ہیں، اُن کے دادا کا مطلع ہے ۔
دوسرا مطلع بھی اُنھیں کا ہے ۔

کیونکر کہوں کہ یار کی محفل اداس ہے
کوئی نہیں اداس مرا دل اُداس ہے

پھر سب نے یکبارگی تعریف کی ۔
دوست ۔ واللہ کیا مطلع ہے یہ بھی انھیں کا ہے ۔
اُستاد ۔ جی ہاں یہ بھی بلکہ جتنے شعر رحمانی صاحب نے پڑھے سب مرحوم کے ہیں ۔
مجھے یہ باتیں ناپسند ہیں ۔ تہذیباً اُن سے نہ کہہ سکا ۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ رحمانی
صاحب خود کچھ نہیں کہتے ۔

(تمام اہل بزم حضور درست فرماتے ہیں ۔)

محفل برخاست ہوئی تمام حضّار بزم رخصت ہوئے اُستاد محل میں تشریف
لے گئے ، آرام فرمایا ۔

اِصلاحات ۲۶

حسب دستور اُستاد کمرے میں تشریف رکھتے ہیں ۔ صبح کا وقت ہے تلاوت کلام
پاک سے فرصت فرما کے حُقّہ نوش فرماتے جاتے ہیں ۔ کتب بینی میں مشغول ہیں ۔
مطوّل کا مطالعہ فرما رہے ہیں کہ دوست آ گئے ۔

(موافق تہذیب لکھنؤ دونوں نے سلام کیا مزاج پرسی ہوئی

دوست جہاں بیٹھے تھے بیٹھ گئے۔ اُستاد نے حقّہ موڑ کے بڑھا دیا دوست سلام
کر کے پینے لگے۔ اُستاد نے کتاب بند کر دی۔ باتیں شروع ہو گئیں)
دوست۔ واللہ رحمانی صاحب بڑے جبور انسان ہیں۔ غزل کسی کی اپنے نام سے پڑھ گئے
اُستاد۔ میں اپنے تعجب کی انتہا کو بیان نہیں کر سکتا۔ وہ تو کہیے قلمی دیوان میری نظر سے
گزر چکا تھا ورنہ میں بھی سمجھتا کہ انھیں کے اشعار ہیں۔
دوست۔ جن چیزوں کو دریافت کیا وہ بھی کوئی خاص چیزیں نہ تھیں۔
اُستاد۔ خاص کیا بالکل مبتدیوں کے سوالات تھے چونکہ تحقیق کا سلسلہ ہمہ وقت
جاری رہتا ہے۔ اس لیے فوراً جوابات دے دیئے۔ دوسرا ہوتا تو گھبرا جاتا۔
دوست۔ میں تو آپ کا لوہا مانے ہوئے ہوں۔ جس فن یا جس علم کا مسئلہ آپ سے
دریافت کیا جاتا ہے آپ اسی وقت جواب دے دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے
سے تیاری کر کے جواب دے رہے ہیں۔
اُستاد۔ اس کے بعد بھی دنیا اتنی ناقدر ہے کہ کوئی یہ بھی نہیں پوچھتا کہ آپ کہاں
رہتے ہیں۔ اگر ذاتی آمدنی نہ ہوتی تو خدا معلوم کیا حشر ہوتا اس کا تفضّل
ہے کہ کسی کا دست نگر نہیں کیا۔

(یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ مولانا صاحب کتاب موازنہ انیس و دبیر
لیے ہوئے آگئے اور اُستاد و دوست کو سلام کر کے بیٹھ گئے)

دوست۔ جناب مولانا یہ کتاب کون سی ہے کیا کوئی اہم مسئلہ دریافت طلب ہے۔
مولانا۔ جی موازنہ انیس و دبیر۔ مصنفہ مولانا شبلی نعمانی ہے۔ کئی روز سے مطالعہ
کر رہا تھا بعض چیزیں سمجھ میں نہیں آئیں۔ خیال کیا کہ (اُستاد کی طرف اشارہ کر کے)

حضور سے سمجھ لوں۔

اُستاد۔ کیا پورا موازنہ دیکھ ڈالا۔

مولانا۔ حضور۔ از اوّل تا آخر۔ کتاب پر نظر غائر کی۔ کافی شکوک پیدا ہوگئے۔

اُستاد۔ کوئی ایک چیز میں بھی سنوں عبارت پڑھیئے گا جو بات سمجھ میں نہ آئی ہو بتایئےگا

مولانا۔ مولانا شبلی نے ان اعتراضات کا جو ناسخ نے حضرت انیس پر کئے ہیں۔ تذکرہ کرتے ہوئے خود چند اعتراضات میرانیس پر کئے ہیں۔ پہلا اعتراض (بت توڑ کے کعبہ کو صفا کر دیا کس نے) صفا بمعنی صاف غلط ہے۔ دوسرا اعتراض۔ (درخواست کی چراغوں کو پروانگی ہوئی) تیسرا اعتراض (جو حرف قرآن کا ہے وہ ہے لائق تعظیم) چوتھا اعتراض (ایسا بھی کوئی بیکس و بے آس نہ ہوگا) پانچواں اعتراض (گرتے تھے طیران ہوا کھولے ہوئے پر) چھٹا اعتراض (جو خوبیاں کہ چاہئیں وہ سب حصول ہیں) ساتواں اعتراض (رکھتی نہیں پانی کی سلامت رہیں عباسؑ)

اُستاد۔ کچھ اعتراضات صحیح ہیں اگر یہ مان لیا جائے کہ اسی طرح نظم کیا ہے۔ ورنہ کتابت کی غلطی قابل اعتراض نہیں ہوتی۔ کچھ اعتراضات بالکل غلط ہیں۔ جو غلط ہیں ان کو تفصیلاً بتانا چاہتا ہوں۔

دوست۔ آج بڑے لطف کی بحث چھڑی۔

استاد۔ سُنئے۔ آپ بہت خوش ہوں گے (مولانا کی طرف دیکھ کے جوابات غور سے سُنیئےگا)

تیسرا اعتراض لفظ قرآن پر ہے یعنی قرآن بروزن (فعلان) ہے اور بروزن (فعان) نظم ہوا ہے۔ جو غلط ہے۔ مولانا شبلی دھوکا کھا گئے اور اس کی وجہ غرض

یہ ہو کہ ظاہر پر نظر کی یعنی جس طرح بولا جاتا تھا۔ اس کو صحیح سمجھا خلاف کو غلط کہا۔
اگر لغت دیکھنے کی زحمت کرتے تو میر صاحب مرحوم پر یہ اعتراض نہ کرتے حضرت
انیس نے بالکل صحیح اس لیے نظم کیا کہ لغت میں اس طرح بھی موجود ہو۔ پھر غلط
کہنا چہ معنی دارد۔ بس اس قدر کہہ سکتے تھے کہ مشہور کے خلاف ہو۔ میرے نزدیک
غلط نہیں بالکل صحیح اس کے بعد اگر نظم نہ ہوتا تو بہتر تھا احتیاط اسی میں ہو۔
پانچواں اعتراض طیور۔ طائر کی جمع ہو۔ اور طیوران جمع الجمع ہوگئی لہذا غلط
جواب یہ ہو کہ جناب انیس نے صحیح نظم فرمایا ہو۔ بہت سی ایسی جمعیں ہیں جنھیں
اہل ایران نے بھی نظم کیا ہو جن کا وجود لغت میں بھی ہو۔ چنانچہ طیوران
لغت میں ہو۔ بمعنی طائر کثیر۔ اگر لغت دیکھ لیتے تو یہ اعتراض نہ کرتے۔
چھٹا اعتراض جناب شبلی کا کہ حصول بمعنی حاصل۔ غلط ہو۔ جواب یہ ہو کہ مولانا
نے مطالعہ کی زحمت نہیں فرمائی ورنہ یہ اعتراض نہ فرماتے۔ حصول بمعنی حاصل
زبان کا خاص صرف ہو۔ لاکھوں مثالیں موجود ہیں جناب تعشق رحمہ اللہ نے
بکثرت یہ لفظ استعمال فرمایا ہو حضرت تعشق سے مستند استاد نے نظم فرمایا ہو۔
مولانا۔ حضور اس کے بعد ہی صفحہ (۲۳۰) پر مولانا شبلی نے ایک اعتراض اس مصرع پر
کیا ہو (اس مژدہ کو سنتے ہی خوشی ہوگئی شبیر) یعنی خوشی کے محل پر خوشی
استعمال کیا ہو۔
استاد۔ یہ اعتراض بھی بالکل غلط ہو اس لیے کہ زبان کا خاص صرف ہو۔ تمام اساتذہ
نے نظم کیا ہو۔ مولانا نے اجماع توڑنے کی کوشش کی ہو۔ یہ مولانا سے کون
کہتا کہ مولانا یہ ہماری زبان ہو آپ کو دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ اسے

ہیں سمجھ سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ جناب میر صاحب نے صحیح تقسیم فرمایا ہے۔

مولانا۔ شبلی صاحب صفحہ (۲۳۰) اور صفحہ (۲۳۱) پر لکھتے ہیں۔ بعینہٖ عبارت پڑھتا ہوں۔

(اس قسم کی اور بہت سی غلطیاں ہیں اور غلط نویسی کا عذر ہر جگہ کام نہیں آسکتا حقیقت یہ ہے کہ میر انیس کے کلام میں اس قسم کی غلطیاں ضرور ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر قادر الکلام اور پرگو شعرا گزرے ہیں سب کی یہی حالت ہے)

اُستاد۔ جواب سنیئے (دوست کی طرف دیکھ کے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے)۔

مولانا شبلی کا بے دھڑک یہ لکھدینا کہ (اس قسم کی اور بہت سی غلطیاں ہیں) میں عرض کروں گا کہ مولانا صاحب آپ شاعری کیا جانیں آپ کو فن شعر سے کیا تعلق جس نے اپنی تمام عمر ایک فن کی تحصیل میں گزار دی۔ آپ اس کے یہاں غلطی نکالتے ہیں۔ آپ کو کیا معلوم کہ فن مرثیہ گوئی کیا ہے اور زبان کا صرف صحیح ہے یا غلط آپ کو اس سے کیا تعلق۔ آپ جس چیز میں عالم متبحر ہیں تسلیم۔

جن کو آپ نے غلطیاں کہا میں نے ان کو صحیح ثابت کر دیا۔ اب رہا بشریت کا سوال کہ غلطی ممکن تو اس کو ماننے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن آپ جن کو غلط کہتے ہیں اتوہ اتفاق سے صحیح ہیں اور مولانا کا یہ فرمانا کہ (غلط نویسی کا عذر ہر جگہ کام نہیں آسکتا) یہ تسلیم ہے۔ مجیب نے ہر مقام پر جو یہ کہہ دیا ہے کہ یہ غلط لکھا ہوا ہے یہ زیادہ غلط ہے۔ جہاں واقعی غلط لکھا ہوا ہے اُسے لکھنا صحیح ہے۔ اور جو اعتراض بھی غلط ہے اس کو ثابت کرنا چاہیئے تھا کہ اعتراض غلط ہے۔

دوست ۔ یہ نساخ اور مجیب کون سی بلا ہیں ۔

مولانا ۔ نساخ ایک بزرگ گزرے ہیں ۔ جنھوں نے میر انیس پر اعتراضات کا بیڑا اٹھالیا تھا چنانچہ سیکڑوں ہزاروں اعتراضات کئے ہیں اُن سب کا جواب دیا گیا ہے ۔ اعتراضات تو ناکارہ ہیں ۔ مگر جوابات بھی ڈھیلے ہیں ۔

اُستاد ۔ للعمد جواب بھی سُن لیجئے ۔ مولانا شبلی کا یہ مقولہ کہ امیر انیس کے کلام میں اس قسم کی غلطیاں ضرور ہیں ۔ لیکن عجیب بات ہے کہ جس قدر قادر الکلام اور پرگو شعرا گزرے ہیں سب کی یہی حالت ہے) کیپر کہوں گا کہ غلطیوں کا تسلیم کرلینا اور اس خیال کے ساتھ کہ ضرور ہیں ۔ یہ لکھنا اس لیے صحیح نہیں کہ میر انیس کے کلام میں مولانا کا عیب نکالنا یہ مولانا کے مان کی بات نہیں ۔ پھر مولانا کا یہ مقولہ کہ جس قدر قادر الکلام اور پُرگو شعرا گزرے ہیں سب کی یہی حالت ہے یہ بھی غلط ہے ۔ اس لیے کہ مولانا کی تعمیم صحیح نہیں ۔ مولانا نے صرف چند شعرا پُرگو کا کلام دیکھ کے حکم لگا دیا ہے ۔ افسوس یہ ہے کہ عشقؔ و تعشقؔ کا کلام نظر سے نہیں گزرا ۔

مولانا زندہ ہوتے تو اُن سے کہتا اور آج تمام دنیا کے شعرا اور ادبا سے بالاعلان ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ مولانا کا یہ کلیہ عشقؔ و تعشقؔ نے توڑ دیا ۔ اس لیے کہ ان دونوں کے کلام میں ادبی زبان کی محاورے کی فنّی عروضی تخیل کی محاکات کی کسی قسم کی غلطی نہیں ملے گی کوئی بزرگ اگر غلطی نکال دیں اور مجھے بھی مطلع کردیں اور واقعاً غلطی ہو تو خط غلامی لکھنے کو تیار ہوں ۔ عمر بھر میں ایک غلطی جناب سید صاحب تعشقؔ کے کلام میں ہوئی تھی جس کو بڑے بھائی جناب عشقؔ نے نکال دیا تھا ۔

مولانا۔ حضور وہ کیا۔

اُستاد۔ ایک بیت میں جناب عشق نے (جمع اعدا) نظم کیا تھا بمعنی کثرت نہ بمعنی جارجع جس کو حضرت عشق نے بدل دیا تھا۔ اتفاق سے جلدی میں غلط طبع بھی ہوگیا ہے۔ بس یہ اعتراض ہو سکتا ہے جو اس لیے صحیح نہ ہوگا کہ بدلا جا چکا ہے۔

اسی طرح جناب عشق رحمہ اللہ نے ایک بیت میں (صَدَّق) کی جگہ (صُدّق) نظم فرمایا تھا جب مجلس پڑھ چکے اور دولت سرا پر واپس آ گئے تو اُن کے مخلص دوست جناب میرزا محمد مہدی صاحب ادیب رحمہ اللہ نے ایک خط جناب عشق کو بھیجا اس میں بہت تہذیب کے ساتھ بیت لکھ کے پوچھا کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔

جناب عشق نے جواب میں لکھا کہ آپ میرے محسن ہیں واقعًا مجھ سے غلطی ہوگئی خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ میں لفظ بدلے دیتا ہوں۔ اسے کہتے ہیں لکھنؤ کی تہذیب اور اسے کہتے ہیں منصف مزاجی کہ اگر غلطی کی تھی تو فوراً تسلیم بھی کر لی یہ آج کل کے علمائے فن نہیں کہ غلطی کرنے کے بعد اگر کوئی روکے ٹوکے تو تسلیم کرنے کو نیار نہیں خواہ تباہ و برباد ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

دوست۔ بس دونوں کے یہاں یہی دو چیزیں ملتی ہیں اور بس؟

اُستاد۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ معصوم تھے۔ ممکن ہے کہ ایک آدھ غلطی اور بھی ہو۔ مگر وہ ایسی ہوگی جس پر میری نظر نہ پہونچ سکی۔ اس سے زیادہ اور کیا کہوں اور اگر ہوں تو جن صاحب کا جی چاہے۔ اعتراض کریں۔ میں زندہ ہوں جواب دوں گا۔

مولانا۔ حضور مولانا شبلی نے صفحہ (۲۲۰) میں پانچواں اعتراض جو نساخ نے کیا ہے
نقل کرتے ہوئے اپنی رائے بھی زینت صفحہ کی ہے وہ یہ ہے۔

مولانا شبلی کی عبارت

اکثر جگہ شائگان قافیئے ہیں۔ چنانچہ نساخ نے بہت سے اسی قسم کے شعر نقل
کئے ہیں۔ مجیب نے اُن تمام شعروں سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ یوں نہیں بلکہ
یوں ہیں مثلاً اس بند میں۔

ناگاہ بڑھی فوج ہوا جنگ کا ساماں   اور گھٹنے لگی طاقت جسم شہ مرداں
شہزادے پہ جب پڑنے لگا تیر کا باراں   تلوار علم کرکے کہا یا شہ مرداں

شہ مرداں مکرر آیا ہے۔ مجیب صاحب کہتے ہیں کہ دوسرے مصرع میں شہ
مرداں کے بجائے شہ ذیشاں تھا۔ غلط نویسوں نے شہ ذیشاں کا شہ مرداں بنادیا
ہے لیکن اسی قسم کے تاویلات پر اعتبار کرنا مشکل ہے اور اگر اس کو وسعت دی جائے
تو جہاں جس لفظ پر اعتراض ہو تو نہایت آسانی سے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یوں
نہیں یوں تھا۔ اس شعر میں تو سرے سے اعتراض ہی غلط ہے کیونکہ شہ مرداں سے
ایک جگہ امام حسینؑ اور دوسری جگہ حضرت علیؑ مراد ہیں اس لیے قافیہ مکرر نہیں
لیکن جہاں واقعی قافیہ شائگاں ہے وہاں بھی تاویل کی ضرورت نہیں جو اساتذہ
کثیر الکلام ہیں اور جن کو سیکڑوں قسم کے مضامین ادا کرنے پڑتے ہیں وہ اس
قسم کی قیدوں کی پابندی نہیں کرتے)

اُستاد۔ مولانا شبلی کا یہ جملہ کہ (اکثر جگہ شائگاں قافیئے ہیں) شائگاں خود کوئی

مستقل شے نہیں ہے بلکہ قافیوں کے ایک عیب کا نام شائگاں ہے جس کا تذکرہ متعدد بار کر چکا ہوں۔ یہ کہنا کہ اکثر جگہ شائگاں قافیئے ہیں غلط ہے۔

اب رہا ناسخ کا اعتراض اور محبیب کا جواب جس کی مثال میں حضرت انیس کے چار مصرعے پیش کئے ہیں۔ تو ناسخ کا اعتراض بھی صحیح اور محبیب کا جواب بھی صحیح اعتراض اس لیے صحیح کہ شائگاں جلی موجود ہے دوسرے اور چوتھے مصرع میں قافیہ مکرر ہے یعنی رشہ مرداں)

جواب اس لیے صحیح کہ میر انیس رحمۃ اتنا فاش عیب کبھی نظم نہیں کر سکتے۔ غالباً اس مقام پر شہ ذیشاں ہی ہوگا۔ غلط نویس اکثر ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ مولانا شبلی کا یہ فرمانا کہ اس قسم کے تاویلات پر اعتبار کرنا مشکل ہے۔ تو بندہ نواز مشکل بھی ہے اور مشکل نہیں بھی ہے۔ شاعر کے پورے کلام کے مطالعہ کے بعد طے کیا جا سکتا ہے کہ یہ تاویل صحیح ہے یا غلط اگر کوئی عیب کثرت سے پایا جائے تو یقیناً تاویل غلط اور اگر وہ عیب سوائے دو ایک مقام کے کلام بھر میں کہیں نہ ملے تو تاویل درست ہے۔

دوست۔ حضور مولانا شبلی نے تو صاف کہدیا کہ اس شعر میں تو سرے سے اعتراض ہی غلط ہے۔

استاد۔ جی ہاں صاف کہدیا۔ میں اسے ذرا تفصیل سے بیان کرنا چاہتا ہوں (مولانا کی طرف دیکھ کے غور سے سنیئے گا۔) مولانا شبلی کا یہ فرمانا کہ اس شعر میں سرے سے اعتراض غلط ہے۔ یہ مقولہ ہی غلط ہے۔ اس لیے کہ شعر پر اعتراض نہیں بلکہ بند کے چار مصرعوں پر اعتراض ہے۔ عرف عام میں بند یا بند کے چار مصرعوں کو شعر نہیں کہتے۔ مولانا کا شعر کہنا بے محل ہے۔

مولانا نے نساخ کے اعتراض کو غلط کہہ کے میرانیس کے مصرعوں کے قافیوں کو صحیح قرار دیا ہے اور یہ کہہ کے کہ شہ مرداں سے ایک جگہ امام حسینؑ اور دوسری جگہ حضرت علیؑ مراد ہیں۔ اس لیے قافیہ مکرر نہیں۔

مولانا۔ حضور اعتراض تو صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ قافیہ مکرر ہوگیا۔

استاد۔ بے شک اعتراض صحیح۔ مولانا شبلی کا جواب غلط اس لیے کہ شہ مرداں دو جگہ نظم ہوا ہے یا تو کتابت کی غلطی فرض کرلیجئے جیسا کہ مجیب نے جواب دیا ہے۔ یا میرانیس نے نظم فرمایا یہ دور از عقل ہے۔ بھلا انیس سا مسلم الثبوت استاد جو دوسرے زمین پر اپنا ثانی نہیں رکھتا وہ اور قافیہ مکرر نظم کرے۔ مولانا شبلی کی یہ توجیہ کہ ایک جگہ امام حسینؑ مراد ہیں اور دوسری جگہ حضرت علیؑ۔ بات تو بظاہر صحیح تھی مگر صحیح اس لیے نہیں کہ مولانا اس مسئلہ سے کما حقہٗ واقف نہ تھے۔ یہ قاعدہ ضرور ہے کہ اگر قافیے مکرر ہوں اور معنی بدلتے جائیں تو صحیح ہے۔ یہاں ایسا نہیں ہے۔ معنی بدلے نہیں۔ علمائے فن نے شرط علمیت لگادی ہے۔ شہ مرداں نہ امام حسینؑ کا نام ہے نہ حضرت علیؑ کا نام ہے بلکہ صفت ہے۔

مثال کے طور پر بتاتا چلوں کہ اگر ایک مصرع میں روزگار اور دوسرے مصرع میں پروردگار قافیہ ہو تو صحیح ہے گو دونوں میں (لفظ گار) ایک معنی رکھتا ہے۔ صحیح صرف اس لیے ہے کہ پروردگار اسم باری تعالیٰ ہے۔ لہذا (گار) علیحدہ نہیں کیا جاسکتا اس قاعدے کے ماتحت مولانا شبلی نے چھوٹتے صحیح فرمایا اور کہہ دیا کہ اعتراض شاگرداں غلط ہے۔

نساخ کا اعتراض صحیح۔ مجیب کا جواب صحیح۔ مولانا شبلی کی توجیہ صحت غلط۔

مولانا شبلی کا یہ فرمانا کہ "لیکن واقعاً جہاں قافیہ شائیگاں ہو وہاں بھی تاویل کی ضرورت نہیں" مولانا کی عبارت میں بھی زائد ہے۔ صرف اس قدر کافی ہے کہ وہاں تاویل کی ضرورت نہیں۔ ممکن ہے کہ مولانا کی غلطی نہ ہو کتابت کی غلطی ہو۔

میں مولانا کے اس خیال کی تائید کرتا ہوں کہ اگر واقعاً کسی کلام میں شائیگاں ہو تو تاویل کرنے سے کیا حاصل۔ عیب کو عیب تسلیم کر لینا چاہیئے۔

(لیکن) عشق۔

بشریت ہے خطا ہوتی ہے انسانوں سے

اور مولانا کا یہ خیال کہ (جو اساتذہ کثیر الکلام ہیں اور جن کو سیکڑوں قسم کے مضامین ادا کرنے پڑتے ہیں۔ وہ اس قسم کی قیدوں کی پابندی نہیں کرتے) مولانا کے اس فیصلے کو کوئی دنیا کی منصف مزاج فرد تسلیم نہیں کر سکتی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جس قدر کہنہ مشق ہوتا جائے اور کثیر الکلام ہوتا جائے۔ روز بروز عیوب شاعری کا کلام میں اضافہ ہوتا جائے۔

اب رہا تلامذہ کا سوال تو جب یہ دیکھیں گے کہ استاد ہر عیب کو ہنر سمجھ رہا ہے تو یہ بھی ہنر سمجھیں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی عیب عیب نہ رہے گا۔ اور جب اعتراض ہوگا تو جواب موجود ہے کہ کثیر الکلام ہیں اور سیکڑوں قسم کے مضامین ادا کرتے ہیں۔ شاعری ایک گورکھ دھندا ہو کے رہ جائے گی۔

دوست۔ مجھے خیال ہے کہ حضرت تعشق نے چند مقامات پر حرف (یا) کو گرایا ہے۔

استاد۔ جی ہاں ابھی مرحوم کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔ یہ کہنا بھول گیا تھا وہ مرحوم اپنے بڑے بھائی حضرت عشق کے نقش قدم پر چلتے تھے۔ جہاں کوئی حرف گرا ہوا پایئے یقیناً کتابت کی

غلطی سمجھے۔ اس لیے کہ یہ حضرات حروف کی گر پڑ جائز ہی نہیں سمجھتے تھے۔

مولانا۔ حضور، مولانا شبلی اس موازنہ انیس و دبیر میں دکتاب دکھاتے ہوئے صفحہ ۲۹۴ آخر صفحہ میں لکھتے ہیں کہ

مولانا شبلی ـــ+ـــ کی عبارت

داکثر جگہ حرف تقطیع میں گر جاتے ہیں۔ شعر رانڈ ہوتی ہے اک رات کی بیاہی ہوئی دختر ع یہ کہہ کے لب عذرات نے عریاں کئے سر ع باہیں جو گلے میں تھیں تو بند دیدۂ خونبار۔

ان اعتراضات کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ سب کاتبوں کی غلطی ہے پہلا مصرع یوں ہے

ع۔ بیوہ ہوئی اک رات کی بیاہی ہوئی دختر۔ اسی طرح اور مصرعوں کو بدلا ہے۔ حرفوں کا تقطیع میں گرانا اگرچہ ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن اساتذہ کے ہاں کثرت سے اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

عزت شیرازی — مرا پند خردمنداں بحال خود نمی آرد
باین افسانہا مجنون عشق عاشق نمی گیرد

عاقل۔ ناتوانی تختہ بندیک مقام عاقل مباش

علی — اے رگ جاں بہار ایں ہمہ بیرحمی چیست
خاک از مقدم تو خوں شدن عادت دارد

غنی۔ تن گل عارض گل بت گل چہرہ گل رخسار گل
بدہ ساقی آں آب یاقوت را
کہ سازم علاج عقل فرتوت را

ان کے سوا اور بھی مثالیں ہیں جن کو تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کیا جاتا ہی

اُستاد۔ (دوست کی طرف دیکھ کے) بھائی صاحب اس عبارت کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں
ذرا توجہ سے ملاحظہ فرمایئے گا۔

دوست۔ ہمہ تن گوش ہوں آپ تو معلومات کے دریا بہا رہے ہیں۔ واللہ مولانا شبلی
ہوتے تو آپ کو گلے لگا لیتے۔

ملازم۔ اس طرح نہ کہیئے خدا نہ کرے سات قرآن درمیان سات سمندر پار چھپائیں
کیوں آپ دور پار سرکار کی جان سے دُور۔

(اُستاد سے صبر نہ ہو سکا بہت زور سے ہنس پڑے)

مولانا۔ آج تو عورتوں کی زبان استعمال فرما رہے ہیں (طعن سے)

دوست۔ ہنستے ہوئے کیوں نہ ہو کس کے ملازم ہیں جو محاورات کا بادشاہ ہے

ملازم۔ کیا میں غلط بولا۔ اسی طرح بیوی سے بولتے سُنا ہے۔

اُستاد۔ ہنستے ہوئے دیکھو تم سے ہزار بار سمجھایا کہ ہم لوگوں کی بات میں نہ بولا
کرو چپکے بیٹھے رہا کرو۔

(دوست کی طرف دیکھ کے ہاں جناب سُنیئے)

مولانا شبلی نے نساخ کے حوالے سے جو مثالیں حضرت انیس کے کلام سے پیش
کی ہیں میری رائے میرے یقین میں کبھی میر انیس اتنی فاش غلطی نہیں کر سکتے
یقیناً کتابت کی غلطی ہے جیسا کہ مجیب نے جواب دیا ہے اور اصل مصرع لکھ دیا ہے
اگر بفرض محال یہ طے پا جائے کہ حضرت انیس نے یوں ہی نظم کیا ہے تو غلطی
کی مثال غلطی کے ساتھ پیش کر کے صحیح ثابت کرنا۔ اہل قلم کی کتنی ناانصافی ہے۔

مولانا شبلی عیب کو ہلکا کرتے ہوئے کتنے معصوم انداز سے فرماتے ہیں کہ
(حرفوں کا تقطیع میں گرنا اگرچہ واقعی ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن اساتذہ کے ہاں کثرت
سے اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔) سب سے پہلے تو یہ عرض کروں گا کہ مولانا
نے یہاں کی جگہ ہاں استعمال کیا ہے یہ زبان فصحائے لکھنؤ کی نہیں ہے اس کے بعد ان کی
عبارت پر مختصر سا تبصرہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مولانا کا فرمانا کہ حرفوں کا تقطیع
میں گرنا ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اس محل پر یہ لکھنا چاہیے تھا کہ غلط ہے اور یہ فرمانا
کہ اساتذہ کے یہاں اس کی مثالیں کثرت سے ہیں اس کے یہ معنی ہوئے کہ چونکہ
اساتذہ کے یہاں کثرت سے مثالیں ملتی ہیں لہذا یہ عیب عیب نہیں یہ استدلال
ناقابل قبول ہے اس لیے کہ کثرت سے مثالوں کا ملنا دلیل صحت نہیں ہے۔

تینوں مصرعوں میں (عین) (ڈال) (دال) یہ حروف صاف گر گئے مولانا نے
صرف ناگواری پر اکتفا کی۔ یہ نہ لکھا کہ جب حرف گر گیا تو مصرع کی تقطیع کا کیا
حشر ہوا مصرع موزوں رہا یا ناموزوں اس کے معنی یہ ہوئے کہ انیس سا باکمال
ناموزوں بھی کہتا تھا (معاذ اللہ) ان راہوں سے یقین تو یقین کبھی وہم کا
بھی گزر نہیں ہوتا۔

دوست۔ حضرت انیس نے حروف کا گرنا تو جائز قرار دیا ہے۔

استاد۔ صرف (واؤ) (الف) (یا) اس کے علاوہ آپ کوئی مثال پیش نہیں کر سکتے اور
یہ گرانا بالاعلان تھا۔ یہ اختیارات خصوصی تھے۔ یہ اُن کا اجتہاد تھا۔ اور
مولانا شبلی نے جو مثال میں عزت حقی غنی ان اہل ایران کا جو کلام پیش کیا
ہے۔ اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ ان شعراء نے غلط کہا بلکہ ناموزوں کہا ہے

غلطی میں کسی کی تقلید نہیں کرتے غلطی کی لاکھ مثالیں بھی مل جائیں تو غلط غلط
ہی رہے گا۔ صحیح نہیں ہو سکتا۔

مولانا۔ حالی جاہ اس کے بعد مختلف اعتراضات حضرت انیس پر کیے گئے ہیں سب کے
جوابات مجیب نے دیئے ہیں اور مصرع بدل بدل کے صحیح کیے ہیں ایک اعتراض
یہ ہے کہ میر انیس کا یہ مصرع غلط ہے۔ ع۔ رنگِ رُخ کفار عرب ہو گیا فق سے
دراصل محاورہ رنگ فق ہونا ہے۔ نہ رنگ فق سے ہونا۔ اس کا جواب مجیب
نے یہ دیا ہے کہ میر انیس جو کچھ کہدیں وہی محاورہ ہے۔

اُستاد۔ سُبحان اللہ مجیب صاحب نے خوب فیصلہ کیا اور خوب حق دیا۔ مجیب صاحب
کو حق دینے کا کیا حق ہے۔ حضرت انیس کا استعمال کیا ہوا محاورہ تو سند ہو سکتا
ہے لیکن بنایا ہوا محاورہ سند نہیں ہو سکتا۔ محاورہ بنایا نہیں جاتا بلکہ خود بنتا ہے
اور کثرت استعمال محاورہ کو محاورہ بنا دیتی ہے خود حضرت انیس بلکہ تمام اساتذہ
اس مسئلے میں عوام کے پابند تھے جو کچھ عوام بولتے تھے وہی بولتے تھے۔ اگر حضرت
انیس کو محاورہ بنانے کا حق دے دیا جائے تو دیگر اساتذہ نے جو ان کے ہم پایہ
اور ہمعصر تھے کیا خطا کی تھی کہ حق نہ دیا جائے اور اگر کل اساتذہ کو یہ حق دے دیا
جائے کہ محاورہ بنا لیا کریں یا کسی ایک اُستاد کو یہ حق دے دیا جائے تو محاورہ اپنی
تعریف سے خارج ہو جائے گا۔ میرے نزدیک مجیب کا میر انیس کو حق دینا غلط
ہے۔ اگر واقعیٔ نظم فرمایا ہے تو صرف یہ کہدینا کہ اجتہاد فرمایا ہے کافی ہے۔ لیکن
خطائی الاجتہاد تسلیم کرنی پڑے گی۔

دوست۔ ممکن ہے کہ میر صاحب نے اس طرح نظم نہ کیا ہو۔

اُستاد۔ خدا آپ کا بھلا کرے غالبًا میر صاحب کا یہ مصرع ہنیں وہ فن سے کبھی نظم نہ فرمائیں گے۔ کاتب کی غلطی ہو۔ مجیب صاحب نے تو میر صاحب کا مصرع تسلیم کرکے حق دیا ہو یہ بالکل غلط ہو۔ کتابت کی غلطی کو نہ کہیے۔ حضرت عشق رحمۃ اللہ کی ایک رباعی کا مصرع۔ جناب شہر بانو حضرت سید الشہداؑ سے وقت دفن علی اصغرؑ پوچھ رہی ہیں

حضرت مرے بچّے کو کہاں رکھتے ہیں

اسے کاتب صاحب نے یوں لکھ دیا اور چھپ بھی گیا (حضرت یہ اسے آپ کہاں رکھتے ہیں ۔) کس قدر مذموم مصرع طبع ہو گیا۔

دوست۔ درست ہی ایسا بہت ہوا ہو ۔

اُستاد۔ مولانا کی طرف دیکھ کے) آپ آج کتاب موازنہ انیسؔ و دبیرؔ ساتھ لے آئے پورا وقت اسی کتاب کے متعلق صرف ہو گیا اور میں تھک بھی گیا۔ اب اصلاح انشاءؔ کسی دن لے لیجیے گا۔

مولانا۔ بہت خوب کہہ کے اجازت لے کے سلام کرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ دوست بھی تھوڑی دیر کے بعد رخصت ہوئے۔ اُستاد محل میں تشریف لے گئے ۔

دلچسپ تحقیقات ۶

کتاب (مرتبہ نفیس اصلاح انیس) مؤلفہ مہذبؔ لکھنوی پر سرسری نظر

دوسرے دن صبح کو حسب معمول اُستاد بیٹھکے میں تشریف رکھتے ہیں۔ دوست اُدھر

اُدھر کی دلچسپ گفتگو کر رہی ہیں۔

(ایک بیرسٹر ایٹ لا۔ جو اُستاد کے مرحوم دوست کے صاحبزادے ہیں اور حال ہی میں ولایت سے بیرسٹری کی سند حاصل کر کے وارد لکھنؤ ہوئے ہیں۔ اُستاد سے ملنے کے لیے آئے ہوئے ہیں)

یکایک یہ معلوم ہوا کہ بہت سے لوگ کمرے کی طرف آ رہے ہیں۔ اُستاد نے نظر اٹھا کے دیکھا ہی تھا کہ چار حضرات کمرے کے سامنے آ کے رُک گئے باادب سب نے سلام کیا۔

(یہ چاروں حضرات مشّاق شاعر ہیں۔ ایک گرامی صاحب یہ بہت نامی شاعر ہیں اور اپنے کو اُستاد بھی سمجھتے ہیں۔ دوسرے شامی صاحب تیسرے جامی صاحب چوتھے حامی صاحب)۔

گرامی صاحب۔ کیا حضور ہم لوگ حاضر ہو سکتے ہیں۔

اُستاد۔ جواب سلام دیتے ہوئے۔ آپ حضرات بہ شوق تشریف لائیں۔

(یہ کہہ کے سب کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ سب جلدی جلدی آگے بڑھے اور سلام کرتے ہوئے جس طرف اُستاد نے ہاتھ کا اشارہ کیا تھا بیٹھ گئے۔ سب کے آگے گرامی صاحب بیٹھے جن کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی)

دوست۔ جناب اپنا مختصر تعارف کرا دیں تو بہتر ہے۔

گرامی صاحب۔ حقیر کو گرامی کہتے ہیں اور نسبت کی طرف اشارہ کر کے آپ کو شامی صاحب اور آپ کو جامی صاحب اور آپ کو حامی صاحب کہتے ہیں۔

دوست - اچھا جناب ہی گرآمی صاحب ہیں۔ آپ کی شاعری کی تعریف تو بہت سُنی ہے
زیارت کا اشتیاق تھا۔

گرآمی صاحب - میں کس قابل نہیں - کچھ تک بندی کر لیتا ہوں۔

(اُستاد کی طرف دیکھ کے حضور کی خدمت میں خاص طور
سے حاضر ہوا ہوں)

اُستاد - ارشاد! کیا خاص کام ہے۔

گرآمی صاحب - (کتاب دکھاتے ہوئے) حضور یہ کتاب دفتر انجمن محافظ اُردو سے بہت تھوڑا
عرصہ ہوا شائع ہوئی ہے اس کے مصنّف صدر انجمن محافظ اُردو حضرت مہذب ہیں
اس کا نام (مرثیہ نفیس اصلاح انیس) ہے مہذب صاحب نے بہت بڑا ظلم کیا ہے
حضرت نفیس کا مرثیہ ہے اور حضرت انیس کی اصلاح ہے - مہذب صاحب نے
اپنی اُستادی چھانٹی ہے - کھلے الفاظ میں بعض مقامات پر حضرت انیس پر اعتراضات
کئے ہیں۔ جو یقیناً ناقابل برداشت ہیں - ہم لوگ اس کتاب کا جواب شائع کرنے والے
ہیں - خیال یہ ہوا کہ حضور سے پہلے عرض کر لیں۔

اُستاد - جناب گرآمی صاحب آپ اتنا غیظ و غضب سے کام نہ لیں میں نے بھی کتاب دیکھی
ہے اور ایک دن جناب مہذب صاحب تشریف لائے تھے اُن سے بھی تبادلۂ
خیالات کیا ہے - آپ کو جن جن مقامات پر اعتراض ہو - پڑھیں۔

گرآمی صاحب - (کتاب کھول کے) حضور صفحہ ۱۴ پر حضرت نفیس کے بند کا تیسرا مصرع
ہے - (سب سے جو نیک تھے وہ نیک سیر جاتے ہیں -) حضرت انیس نے اصلاح
فرمائی ہے (خیر تھی جن سے جہاں میں وہ بشر جاتے ہیں) اس کی تشریح مہذب صاحب

نے صفحہ ۱۵ پر یہ کی ہے۔ (بڑے میر صاحب نے متقدمین کی طرح صفت جمع اضداد کا لحاظ فرماتے ہوئے مصرع بدلا وہ بھی صوتی صنعت یعنی اوّل مصرع میں لفظ خیر آخر میں بشر کا لفظ جس کے معنی انسان بھی اور اگر حرف بالعلیٰحدہ لکھا جائے تو (بہ) (شر) بھی سمجھ میں آتا ہے۔ خیر تھی جن سے جہاں میں وہ بہ شر جاتے ہیں۔ لیکن یہ رعایت قرین قیاس اس لیے نہیں کہ بجائے مدح ممدوح مذمت ممدوح پیدا ہوتی ہے پھر بھی ایک قسم کی رعایت پائی جاتی ہے واللہ اعلم)

اُستاد۔ اس عبارت سے آپ نے کیا مطلب نکالا۔

گرامی صاحب۔ حضور کھلے الفاظ میں لکھ دیا کہ میر انیس کی رعایت لفظی صحیح نہیں۔

اُستاد۔ صحیح لکھا ہے۔ رعایت لفظی پیدا ہوتی ہے۔ مگر یہ بھی تو لکھ دیا ہے کہ قرین قیاس نہیں اس لیے کہ بھلا میر انیس اور وہ ایسی رعایت پیدا کرتے جس سے مذمت ممدوح پیدا ہو

گرامی صاحب۔ اس کے کیا معنی کہ (پھر بھی ایک قسم کی رعایت پائی جاتی ہے واللہ اعلم)

استاد۔ آپ اتنی عبارت کو خارج از کتاب سمجھیے اب تو آپ کو کوئی ملال نہیں۔

گرامی صاحب۔ جی اب کوئی اعتراض نہیں۔ تشریح محنت سے کی ہے عبارت کا رُخ اچھا نہیں ہوتا۔

اُستاد۔ یہ اپنی اپنی طرز تحریر ہے۔ مقصد اعتراض نہیں ہے۔

گرامی صاحب۔ صفحہ ۱۶ پر جناب انیس کے طرز تحریر پر اعتراض کیا ہے کہ (لو مدینہ) لکھا مگر (لو مدینے) لکھنا چاہیے تھا۔

اُستاد - یہ ٹکڑا بھی توڑ پڑھیے (غالباً جلدی میں لکھ دیا) اب اعتراض کی صورت باقی نہیں رہی

گرامی صاحب - اگر (لو مدینہ) لکھا تو کیا غلط ہے -

اُستاد - غلط نہیں - اک توجیہ کی ہے - اس طرح بھی صحیح - مجھ سے خود مہذب صاحب نے یہی کہا ہے - ہاں اگر یہی مصرع مصرع تاریخ ہوتا تو (لو مدینے) لکھنا چاہیئے تھا اس لیے کو (وہ) لکھنے میں پانچ عدد ہوتے ہیں اور (یا) لکھنے میں دس عدد ہوتے ہیں - وہاں صورتیں دونوں صحیح نہیں ہوسکتیں حرف یا کے ساتھ لکھنا ضروری ہے -

گرامی صاحب - بجا ہے درست ہے صفحہ ۱۹۸ پر میر نفیس اور میر انیس دونوں پر اعتراض کیا ہے - وہ یہ کہ میر نفیس کے بند میں شائگاں ہے اور انیس نے اصلاح نہیں دی جیسے (کونین) اور (ثقلین)

اُستاد - پوری عبارت پڑھیے دیکھیے وجہ صحت کتنی عمدہ اور لطیف دکھائی ہے - یہ مہذب صاحب کی طبیعت داری کی بات ہے گو مجھے خود ان کی عبارت پر معمولی سا اعتراض ہے - لیکن طباعی کی داد دوں گا -

گرامی صاحب - حضور یہ ٹکڑا کہ (مگر پھر بھی ایسی صورت سے احتیاط لازم) یہ کتنا زائد و بیکار ہے

اُستاد - زائد و بیکار تو نہیں ہے - صاحبان احتیاط کے لیے انتہائی مفید اور ضروری ہے بس یہ کہیئے کہ نہ لکھتے تو کوئی نقصان نہ تھا - غالباً اس لیے لکھ دیا کہ وہ خود احتیاط کرتے ہیں -

شامی صاحب - عالیجاہ کچھ مجھے دریافت کرنا ہے وہ یہ کہ مہذب صاحب نے حضرت انیس رح

کو متعدد مقامات پر (بڑے میر صاحب) لکھا ہے۔ میرے نزدیک تو یہی مقصود ہے۔
(اُستاد چاہتے تھے کہ جواب دوں کہ دوست بول اُٹھے)

دوست۔ واہ جناب واہ آپ نے کمال کیا۔ مہذب صاحب کی مخالفت کا جذبہ اب اس حد پر کارفرما ہے۔ کہ آپ کو کوئی ادا پسند ہی نہیں آتی۔ بالکل صحیح لکھا ہے۔ میں نے برسوں اپنے والد مرحوم کو یہی کہتے سُنا ہے (بڑے میر صاحب)

اُستاد۔ میں بھی زیادہ تر بڑے میر صاحب ہی کہتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نفیس نے (اپنے پدر مرحوم بڑے میر صاحب دلے لیجئے میں خود کہہ گیا) کی زندگی میں خاصہ نام پیدا کر لیا تھا اور صاحب کمال ہو گئے تھے۔ اس لیے لوگوں نے ان کو چھوٹے میر صاحب اور حضرت انیس کو بڑے میر صاحب کہنا شروع کر دیا تھا جو آج تک کہتے آتے ہیں۔ یہ اعتراض آپ کا بالکل غلط ہے۔

گرامی صبا۔ خیر شامی صاحب کا یہ اعتراض تو واقعًا صحیح نہیں۔ حضور صفحہ ۲۹ سطر ۳ ملاحظہ فرمائیں کسی غضب کی بات لکھ دی ہے۔ واللہ خون کھول گیا۔

اُستاد۔ پڑھیئے سنوں کیا قیامت کی بات لکھدی۔

گرامی صبا۔ مہذب صاحب کی عبارت یہ ہے (چونکہ خاندان حضرت انیس میں حروف اصلی وغیرہ کا گرانا جائز قرار دے لیا تھا لہذا اصلاح نہیں دی اور مصرع بحالہ باقی رکھا) میرے نزدیک کھلے الفاظ میں اعتراض کیا ہے۔ بھلا میر انیس اور حروف کا گرنا۔ یہ بات عقل ہی میں نہیں آتی۔

اُستاد۔ (خفیف سے غصّے کے تیوروں سے) پہلے میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ حروف کی گر پڑ سمجھ بھی لیتے ہیں یا نہیں۔ آپ مصرع کی تقطیع بھی

کرسکتے ہیں یا نہیں۔ آپ نے کبھی علم عروض پڑھا یا دیکھا ہے اس کا جواب دیجیے تو کچھ کہوں۔

گرامی صاحب۔ عالی جاہ ایک زمانے میں ارادہ کیا تھا کہ چونکہ شاعری میں بہت مشہور ہو چلا ہوں لہذا علم عروض کا مطالعہ کروں۔

اُستاد۔ بس صرف ارادہ ہی کیا تھا اور وہ بھی مطالعے کا ارادہ پڑھنے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ آپ کو اس اعتراض کا کوئی حق نہیں اس لیے کہ وہ آپ کے ارادہ تحصیل علم عروض نے عملی جامہ نہیں پہنا۔ آپ نہیں سمجھ سکتے کہ حرف گرا یا نہیں گرا۔ صرف اس لیے اعتراض ہے کہ میر انیس کے یہاں بھلا کوئی حرف گر سکتا ہے۔ سُنیئے۔ خاندان انیس میں خود انیس بلکہ یوں کہوں کہ کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس نے حروف اصلی نہ گرائے ہوں اور بالاعلان کہہ کے گرائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب گرانا اصولاً صحیح نہ تھا تو ایسا کیوں کیا۔

اس کا جواب آپ کو مہذب صاحب کی اس کتاب سے متعدد مقامات پر خود مل جائے گا۔ کہ حضرت انیس نے اپنے لیے اور تلامذہ کے لیے جائز قرار دے لیا تھا۔ وہ دور انیس جس میں بڑے سے بڑا اُستاد فن موجود تھا۔ کیا اعتراض نہیں ہوا۔ سب کا جواب یہی دیا کہ میں نے اپنے لیے جائز قرار دے لیا ہے سب کو خاموش ہونا پڑا۔

مختصر سا جواب مجھ سے سُن لیجیے وہ یہ کہ میر انیس یا اور ان کی ایسی چند فرد تھا جن کو حقیقی معنی میں صاحب کمال کہا جا سکتا ہے۔ ان کا کمال اُس منزل پر پہنچ گیا تھا کہ جس کے بعد کمال کی منزل نظر نہیں آتی۔ اُن کو متقن کہیئے تو صحیح۔

موجود کیے تو صحیح۔ جب چیز کو رائج کر دیں دنیا کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ ان کی منزل ثریا سے بھی آگے تھی ان کا جواب نہ پیدا ہوا ہے نہ شاید پیدا ہو سکے۔ آپ کلام انیسؔ اور اہل خاندان کا کلام از اول تا آخر پڑھ ڈالیے ہزاروں مقامات پر حروف گرے ہوئے ملیں گے لیکن کسی سے معاذ اللہ ان کی جہالت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ناخدائے سخن تھے۔ اسی واسطے مہذب صاحب نے برابر لکھ دیا ہے کہ جائز قرار دے لیا تھا۔ اس لکھنے کا یہ مقصود نہیں تھا کہ میر صاحب کو مرتبے سے گرایا جائے۔ ایک مہذب صاحب کیا ہزار مہذب صاحب ہوں یا دو سو مرتبہ مر کے جئیں جب بھی میر انیسؔ یا ان کے ہمعصر ہم پایہ اساتذہ کو ان کے مرتبے سے نہیں گرا سکتے۔ وہ غریب ادبی خدمات انجام دیتے ہیں۔ اس وقت تک تقریباً اکیس کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ آدمی صاحب نظر ہیں۔ بہت خاموشی کے ساتھ مُردوں کو زندہ کر رہے ہیں یعنی غیر مطبوعہ کلام اساتذہ متقدمین کا شائع کرتے ہیں۔ انتہائی منکسر کبھی کسی سے فنی جھگڑا نہیں کرتے۔ بڑوں کا احترام کرتے ہیں۔

گرامی صاحب۔ میں معافی چاہتا ہوں واقعاً میرا اعتراض غلط ہے۔

شامی صاحب۔ حضور مہذب صاحب بڑے ہوشیار رہیے۔ بڑی محنت کرتے ہیں ایک ایک کے گھر پر پہونچ کے ممبر بناتے ہیں۔ بس یہ پتہ چل جائے کہ فلاں کو ادبی ذوق ہے مہذب صاحب کی زبان میں جادو کی تاثیر ہے فوراً پہونچیں گے اور ممبر بنا لیں گے۔ کتنا ہی آپ سے انصاف کیجئے جو کتاب خریدنا گناہ سمجھتا ہو۔ مہذب صاحب سے بچ نہیں سکتا۔ خوب ردیہ پیدا کرتے ہیں۔

دوست۔ آپ بھی ممبر ہیں۔ کتنا چندہ اب تک دیا۔

شامی صاحب۔ جی ہاں ممبر ہوں تقریباً نبی کتابیں مہذب صاحب پہونچا چکے ہیں لیکن ابھی تک کوئی پیسہ چندے کا نہیں دیا۔ اب ارادہ ہے۔

دوست۔ اب ارادہ کیا ہے۔ خدا آپ پر رحم کرے بہت جلدی ارادہ کیا ہے۔ آپ نے ابھی ارادہ ہی کیا ہے کہ مہذب صاحب نے چار رٹی کوٹھیاں بنوانے کی درخواست میونسپلٹی میں گزار دی ہے نقشے داخل کر دیے ہیں۔ یہ تو صرف آپ کے ارادے پر ہوا ہے جس دن خدانخواستہ ارادے نے عملی جامہ پہن لیا اُس دن مہذب صاحب بائیس ہزار کا موٹر بھی خرید لیں گے۔ شامی صاحب انسان کو سمجھ کے اعتراض کرنا چاہیے۔ جب کتاب شائع کی جاتی ہے تو کیا اس کی کوشش نہیں کی جاتی کہ کتاب نکل بھی جائے۔ مہذب صاحب کتنی محنت کرکے کلام جمع کرتے ہیں۔ اُس کو صحیح کرتے ہیں پھر کتابت طباعت کاغذ کی خریداری جلد بندھوانا کور چھپوانا اس کے مصارف برداشت کرتے ہیں۔ آج کل کتاب کا خریدنا زمانے کی ناسازگاری نے گناہ قرار دے دیا ہے۔ پھر اگر مہذب صاحب دوڑ دھوپ کر کے ممبر بنانے اور سلسلہ باقی رکھے ہوئے ہیں تو گناہ کرتے ہیں۔ آپ کا یہ اعتراض بالکل تعصب ہے جو کام مہذب صاحب کر رہے ہیں ہر ایک نہیں کر سکتا ورنہ اب تک لکھنؤ میں سیکڑوں حضرات اس سلسلۂ اشاعت کو قائم کر چکے ہوتے۔ یہ مہذب صاحب کا دم ہے جو یہ سلسلہ باقی ہے۔ دعا کیجیے کہ خدا عمر نوح عطا فرمائے آنکھوں میں روشنی دل میں قوت عنایت فرمائے ان کے بعد خدا یاد کرے گی کہ کیا ہستی تھی۔

مجھ سے خود مہذب صاحب زمانے کی شکایت کر رہے تھے کہ جان دے کے ممبر

بناتا ہوں۔ اہل ذوق تک کتابیں پہونچاتا ہوں مگر بجز اس کے سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں روپیہ حضرات پر باقی ہے۔ بیسیوں خطوط بھیج چکا ہوں۔ کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ کتابیں قبول کئے چلے جاتے ہیں۔ چندہ بھیجنے کا خیال بھی نہیں آتا

اُستاد۔ واقعاً کمال کرتے ہیں یہ مہذب ہی کی ہمت ہے۔ یہ نہ کہئے جو صاحبان ہمت و ذوق ہیں وہ قدر بھی کرتے ہیں اور مہذب صاحب کا خیال بھی کرتے ہیں۔ ورنہ یہ سلسلہ باقی نہیں رہ سکتا تھا۔

دوست۔ بجا ہے۔ درست ہے۔ کوئی زمانہ اہل ذوق اور صاحبان ہمّت سے خالی نہیں رہتا۔

اُستاد۔ دیکھئے بات کہاں سے کہاں پہونچ گئی۔ اِن جناب گرامی صاحب اور کچھ اعتراضات باقی ہیں۔

گرامی جناب۔ حضور ابھی بات کچھ دریافت کرنا ہے صفحہ ۳۲ ساتویں سطر میر نفیس کے مصرع پر اعتراض کیا ہے۔ (سب سے ملتی ہو گلے رو رو کے ہمشیر امام) اس پر اصلاح دی ہے اور یوں۔ (سب سے رو رو کے گلے ملتی ہے ہمشیر امام)

استاد۔ اصلاح نہیں دی ہے۔ چودھویں سطر پڑھئے لکھدیا ہے (بہرحال جس طرح ہے اس طرح بھی عیب کہنے کے قابل نہیں یہ ایک خیال ظاہر کیا گیا ہے نہ معاذ اللہ اصلاح دی ہے)

اپنا ایک خیال ظاہر کرنا۔ اعتراض نہیں کہلاتا۔ آپ خود انصاف سے کہئے کہ وہ مصرع صاف ہے یا یہ مصرع غالباً بلکہ یقیناً کتابت کے الٹ پھیر سے یہ بات پیدا ہو گئی ورنہ حضرت نفیس سا کہنہ مشق ایسا مصرع کلام میں نہ رکھتا۔ مہذب صاحب

کا خیال درست ہے۔

گرامی صاحب۔ صفحہ ۴۴ سطر چوتھی کا آخری حصہ (حرف گرا دیا وہ تقلید پدر) کس قدر سخت ہے

اُستاد۔ میں مانتا ہوں قدرے سخت ہے۔ تہذب صاحب سے تبادلۂ خیال کیا تھا اُنھوں نے کتاب سے خارج کر دیا ہے۔

گرامی صاحب۔ صفحہ ۲۴ چوتھی سطر کس قیامت کی ہے۔ (یہ بات کلام میں بعد اصلاح بھی باقی رہ گئی جو نہ رہنا چاہیئے تھی اسی کو تسامح کہتے ہیں۔

استاد۔ بات قاعدے کی کہی ہے۔ لیکن طرز تحریر واقعاً نامناسب ہے اس لیے کہ حضرت امیر کی ذات صاحب صفات بہت بلند ہے۔

گرامی صاحب۔ حضور تہذب صاحب کی انوکھی طرز تحریر تو ملاحظہ فرمائیے صفحہ ۴۴ چھٹی سطر میں یہ ٹکڑا کس قدر سخت ہے (پھر بھی خاندانی لاج باقی رکھتے ہوئے)

اُستاد۔ بات سچ کہی ہے اس مطلب کو اگر دوسرے الفاظ میں ادا کر دیتے تو بہتر تھا۔

گرامی صاحب۔ عالی جناب صفحہ ۵ سطر ۹-۱۰-۱۱- میں صاف اعتراض کیا ہے۔

اُستاد۔ میں نے مہذب صاحب سے دریافت کیا تھا۔ ان کا خیال یہ ہے کہ میں نے تشریح اپنے نظریہ کے مطابق کی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ میرے خیال کی سب تائید کریں۔ جن بزرگ کو میری عبارت سے اختلاف ہو۔ وہ خارج از کتاب سمجھیں۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس لیے کہ جذبہ مخالفت کے ماتحت یہ کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ بلکہ ادبی خدمت کے ذیل میں تیار کی گئی ہے۔

گرامی صاحب۔ خدا کا واسطہ ذرا حضور یہ طرز تحریر ملاحظہ فرمائیں صفحہ ۵۲ دسویں سطر میں لکھتے ہیں (واضح شتر گربہ ہے۔ جو کسی طرح کانوں کو بھلا نہیں لگتا مگر زمین نے رہنے دیا)

استاد ۔ جناب گرامی صاحب میں آپ سے شتر گربہ کی تعریف دریافت کرنا چاہتا ہوں
اور مثال بھی مرحمت ہو۔ اُس کے بعد کچھ عرض کروں گا۔

گرامی صاحب۔ (دیر تک سر جھکانے کے بعد) حضور مہذب صاحب نے تعریف مع مثال لکھدی ہے۔

استاد ۔ صحیح لکھی یا غلط بلا تکلف بیان کیجئے۔

گرامی صاحب۔ صحیح ہونے میں کیا کلام ہے۔ اس لیے کہ تمام کتابوں میں موجود ہے۔

اُستاد۔ پھر مہذب صاحب کی عبارت پر آپ کا کیا اعتراض ہے۔

گرامی صاحب۔ عالی جاہ کچھ ہو مگر حضرت انیس کے لیے یہ لہجہ اور یہ طریقہ ناقابل برداشت ہے۔

استاد۔ اسے ماننے کو تیار ہوں اور مہذب صاحب کی طرف سے اپنی ذمّہ داری پر کہتا ہوں کہ
قاعدہ کو صحیح مانیئے اور عبارت کو خارج از کتاب سمجھ لیجئے۔

گرامی صاحب۔ اس صفحہ کی سولھویں سطر تو حضور ملاحظہ فرمائیں۔ (لیکن خیر بڑوں کی بڑی بات جب
جناب انیس نے نہیں بدلا تو مجال گفتگو نہیں) عبارت صاف بتاتی ہے کہ طعن سے
کام لیا گیا ہے۔

اُستاد۔ اس میں کوئی طعن و تشنیع نہیں۔ جب مصنف کتاب کہتا ہے کہ نیت پاک ہے۔ کوئی جذبہ
مخالفت نہیں تو آپ طعن فرض ہی کیوں کریں اس کے بعد بھی اگر آپ کی خاطر جمعی
نہ ہو تو خارج از کتاب کیجئے۔ اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں۔ کسی کی محنت پر پانی
نہ پھیریئے۔

گرامی صاحب (صفحہ ۱۷ سترھویں سطر میں مہذب صاحب نے جو اصلاح دی ہے کس قدر
بے محل ہے۔

اُستاد ۔ بات قاعدے کی کہی ہے ۔ لیکن مصرع اچھا نہیں بدلا ۔ بطور دفع دخل یہ بھی

لکھدیا ہے کہ (ایک ادبی نزاکت کا تذکرہ مقصود تھا نہ معاذ اللہ اصلاح) اب
کیا اعتراض ہو سکتا ہے

گرامی جناب صفحہ ۸۰ جہاں مہذب صاحب نے یہ بتایا ہے کہ حضرت انیس کا کل کلام یکساں نہیں
بلکہ سُست و چُست دونوں طرح کا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہو کہ (بلکہ کسی استاد غزل گو
یا مرثیہ گو کے یہاں کل کلام ایک طرح کا نہیں ملے گا) اگر چند غزل گویوں اور مرثیہ
گویوں کے نام بھی لکھدیتے تو بہتر تھا۔

اُستاد۔ بس یہی آپ کا اعتراض ہے۔ تو نام مجھ سے سُنیے۔ غزل گویوں میں میر۔ سودا آتش
ناسخ۔ صبا۔ رند۔ غالب۔ مرثیہ گویوں میں مرزا دبیر تعشق و عشق۔ انس مونس
رشید بلکہ اس وقت تک جتنے مرثیہ گو یا غزل گو گزرے یا موجود ہیں کسی کا کلام
یکساں نہیں ہے۔ یہ میرا دعویٰ ہے اگر ثبوت درکار ہو تو پیش کروں۔ مہذب
صاحب نے بالکل صحیح لکھا ہے۔

گرامی جناب۔ حضور بجا فرماتے ہیں۔ میرا کوئی اعتراض نہیں۔ صفحہ ۸۴ ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت
انیس کی اصلاح پر اعتراض کیا ساتویں سطر (بظاہر کوئی ترقی اور فائدہ تو معلوم
نہیں ہوتا۔ بات ایک سی ہو)

اُستاد۔ میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ مہذب صاحب جلدی میں لکھ گئے بشریت کا تقاضا ہے
میں ان کی طرف سے اتنی عبارت واپس لیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ مہذب صاحب
خوشی سے خارج از کتاب کر دیں گے۔ یہ بھی بتا دوں شاید آپ اعتراض کریں
کہ صفحہ ۸۵ کی سطر ۳۔۴۔۵ اور چھٹی سطر کا جزو اوّل خود مہذب صاحب
نے زائد سمجھتے ہوئے کتاب سے حذف کر دیا ہے۔

گرامی صاحب - واقعاً میں اعتراض تو کرتا اب کوئی اعتراض نہیں -

(جو تین شاعر گرامی صاحب کے ساتھ آئے تھے اُستاد نے ان کی

طرف دیکھ کے فرمایا کہ آپ حضرات کو تو کوئی اعتراض نہیں -

شامی صاحب بول اُٹھے - حضور مجھے کچھ عرض کرنا ہے - اُستاد

فرمائیے)

(شامی صاحب - حضور مہذب صاحب ایک دنیادار انسان ہیں اور اپنے کو یہ سمجھتے ہیں کہ مجھ سے

بہتر دنیا میں کوئی نہیں اب فن کا انحصار میری ذات میں ہے - مجھ سے بہتر کوئی

مرثیہ نہیں کہہ سکتا - مجھ سے بہتر کوئی پڑھتا نہیں - میں بڑا عروضی ہوں - بڑا

مُصنّف ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ مہذب صاحب کچھ نہیں -

اُستاد - اچھا آپ ذات کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں - تو سُن لیجئے مجھ سے زیادہ

جاننے والا کوئی نہیں - وہ یہ کہ مہذب صاحب کو آپ نے دنیادار بتایا - میں

دنیادار کی تعریف پوچھنا چاہتا ہوں - بتا دیجئے -

شامی صاحب - دنیادار وہی ہے جو ہمہ وقت اس کی فکر کرے کہ مال دنیا سمٹ آئے میں سرمایہ دار

ہو جاؤں یہی شان مہذب صاحب کی ہے - اس کو ممبر بنا لوں چندہ مل جائے -

ایک کتاب شائع ہوئی دوسری کتاب شائع ہو جائے میں مصنّف اعظم مشہور ہو جاؤں

اُستاد - واقعاً آپ کا بہت بڑا اعتراض ہے یہ عیب سوائے مہذب صاحب کے لکھنؤ

کیا بلکہ ہندستان بلکہ ساری دنیا کے کسی انسان میں نہ ملے گا - دنیا یہی چاہتی

کہ کہیں سے ایک پیسے کی آمدنی نہ ہو جو بیوں گھنٹے دل سے یہی دعا نکلتی ہے -

کہ مالک ایک ایک پیسے کو محتاج کر دے روزی کے تمام دروازے بند کر دے

اے پالنے والے فاقوں میں بسر کرانا - اے رازق العباد مجھے فاقے کریں اور
میں دیکھوں سارے کارساز جہاں جو کچھ دیا ہے - اس کو بھی فنا کردے - مرجاؤں تو
مردہ اہل محلّہ کے چندے سے اُٹھے (دوست کی طرف اور گرامی صاحب کی طرف دیکھ کر)
کیوں صاحب درست ہے -

دوست - ہنستے ہوئے جناب نے خوب جواب دیا اور بڑی خوش کن تقریر فرمائی -
گرامی جناب - (شامی صاحب کی طرف دیکھ کے) آپ کا اعتراض ہی غلط ہے کون دنیا میں
نہیں چاہتا کہ خدا فارغ البالی عنایت فرمائے - زندگی راحت سے بسر ہو -
(شامی صاحب نے خفّت سے سر جھکا لیا اور کوئی جواب دیا)

اُستاد - جناب شامی صاحب اور یہ اعتراض کہ کتابیں شائع کرنے کا شوق ہے - تو
واقعاً یہ عیب بھی بہت بڑا عیب ہے - ہر مصنّف یہی چاہتا ہے کہ میں کتاب تیار
کروں اور الماری میں بند رکھی رہے - کسی کی نظر نہ پڑ جائے - اسی وجہ سے
آج تک یہ غلطی کسی نے نہیں کی جتنے مصنّف گزر گئے یا موجود ہیں سب کی
غیر مطبوعہ کتابیں محفوظ ہیں طبع کرانا سخت عیب سمجھا جاتا تھا اور سمجھا جاتا ہے
(سب اہل محفل بہت زور سے ہنس پڑے شامی صاحب
بہت خفیف ہوئے -

اور یہ اعتراض کہ شہرت کی فکر بہت زیادہ رہتی ہے - تو جناب شامی
صاحب سُنیے جنھیں قلم پکڑنے کا سلیقہ نہیں جنھیں بات کہنے کا قرینہ نہیں
معلوم یوں کہوں کہ جن کا املا بھی صحیح نہیں جن کا کوئی تعلیمی معیار نہیں وہ تو
بوال اور علاّمہ اور محقّق کے لقب سے یاد کئے جائیں اور مہذب صاحب